فتاوی علماء ہند

جلد-۱۷

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔الہند

فتاویٰ
علماءِ ہند

جلد-۱۷

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمدؐ اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۱۷)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جون ۲۰۱۸ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ و ڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلاۃ

(باب الجنائز)

بسم الله الرحمن الرحيم

نهٰى النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم:

أن تجصص القبور،وإن يكتب عليها، وأن يبنى عليها ،وأن توطأ.

(سنن الترمذى،باب ما جاء فى كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها،رقم الحديث:١٠٥٢)

قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:

من عزىٰ أخاه بمصيبة كساه اللّٰه من حلل الكرامة يوم القيامة.

(سنن ابن ماجة،رقم الحديث:١٦٠٢)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

قدكنت نهيتكم عن زيارة القبورفقد أذن لمحمد فى زيارة قبر أمه فزوروها فانها تذكرالآخرة.

(سنن الترمذى،باب ماجاء فى الرخصة فى زيارة القبور،رقم الحديث:١٠٥٤)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم:

الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل اللّٰه: المطعون شهيد، والغريق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد.

(سنن أبى داؤد،باب فى فضل من مات بالطاعون،رقم الحديث:٣١١١)

قال رسول صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم:

من دخل المقابرفقرأ سورة يٰس،خفف اللّٰه عنهم،وكان له بعدد من فيها حسنات.

(شرح الصدورللسيوطى،باب فى قراء ة القرآن للميت أو على القبر،رقم الحديث:٧)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۴۳)

میت کی تدفین کے مسائل (۴۴-۱۵۹)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

میت کو منتقل کرنا اور قبر کے مسائل (۱۶۰-۲۱۳)

تعزیت وزیارت کے احکام ومسائل (۲۱۴-۲۷۵)

اعضاءِ میت کے مسائل (۲۷۶-۳۰۳)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

سوال و جواب اور عذاب قبر (۳۰۴-۳۴۱)

شہید کے احکام ومسائل (۳۴۲-۳۸۳)

ایصال ثواب کا بیان (۳۸۴-۵۰۵)

مُردوں سے موسوم کھانا کے احکام (۵۰۶-۵۲۷)

متفرقات جنائز (۵۲۸-۶۰۵)

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمة الشكر

الحمد للّٰه الذى جعل الموت راحة للمتقين الأبرار، ينقلهم من دار الهموم والغموم والبلاء والأكدار، دار الغضب والوَصَب والأذى والبأساء والمضار، ينقلهم إلى دار الرحمة والسرور والفرح والاستبشار، دار الصحة والبهجة والعزّ والقرار، دار الملك والخلد والبقاء وجوار المحسن العزيز الغفار، وأشهد أنّ سيدنا محمدًا عبده ورسوله، لو كان ذو قَدَرٍ جليلٍ ناجٍ من الموت لكان رسولَ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليمًا.

منظمہ السلام العالمیہ اوراس کے ارکان پر رب قدیر کا فضل واحسان ہے کہ کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل چودہویں جلدیں تکمیل کو پہنچی ہے۔(الحمدللہ)

یہ جلد فتاوی علماء ہند کی سترہویں جلد ہے،اس جلد میں میت کی تدفین کے مسائل،میت کو منتقل کرنا اور قبر کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔آخرت کا سفر موت سے شروع ہوتا ہے، پھر قبر کے سوال وجواب،اعزہ واقارب کے لیے تعزیتی پیغام اور ایصال ثواب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے،اس سے متعلق تمام مسائل ومتفرقات اور جزئیات اس جلد میں شامل کیے گئے ہیں۔

علماء اور صلحاء سے عاجزانہ درخواست ہے کہ ارکان منظمۃ السلام العالمیہ کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ پاک جب تک زندہ رکھے اپنے رضا والے کاموں میں مشغول رکھے اور جب موت دے تو کمال ایمان پر موت عطا فرمائے۔

اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم میں خوب مقبول ہورہا ہے، میں شکرگزار ہوں اپنے تمام مفتیان کرام وعلماء عظام کا جنہوں نے اس جلد کو تیار کرنے میں انتھک کوشش ومحنت کی اللہ تعالی بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ

۴رجمادی الثانی ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے۔

آپ کا گراں قدر ہدیہ ملا، ماشاء اللہ دیکھ کر شرف سرور نصیب ہوا۔(جزاک اللہ خیرا) آپ کا یہ اقدام یقیناً قابل مبارک باد ہے، خصوصاً اتنی عالی ہمت اور عقابی اڑان تو اس زمانے میں کم نظر آتی ہے۔شریعت ایک مکمل ومعتدل لامتناہی دستورالعمل ہے، جس کا ہر حرف بجائے خود ایک کامل ومکمل دستور حیات ہے اور خالق ارض وسماء نے خود اس کی حفاظت پر ﴿**وانا له لحفظون**﴾ کی مہر ثبت کردی ہے کہ اس کی حفاظت دنیاوی اسباب بھی ہمارے ذمہ ہیں؛ لیکن یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ حفاظت شریعت کے اس جشن شاہانہ میں ہمارا انتخاب ہوجائے، آپ کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ باری سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کا انتخاب فرمایا ہے۔(**ذلک فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء**)

بہرحال حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مجموعہ اپنی مثال آپ ہوگا اور فتاویٰ کی جھرمٹ میں اس مصرعے کا مصداق بھی کہ ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' سردست باعث فرحت اور مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ پہلا زمانہ تو خیر القرون کا تھا؛ اس لیے فتاویٰ پر حوالہ ودلیل نہ ضروری تھے نہ ضرورت؛ لیکن اب تو انگوٹھا چھاپ بھی فوراً منہ کھول دیتے ہیں، کہاں ہے قرآن میں؟ کہاں ہے حدیث میں؟ ماشاء اللہ آپ حضرات نے اس کا کافی حد تک اہتمام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور فرمائیں۔ ہر طرح کی مدد ونصرت فرمائے اور فتاویٰ علماء ہند کو بعافیت تکمیل تک پہنچائے۔عوام وخواص کے لیے استفادہ کا ذریعہ بنائیں۔اس میں کسی بھی طرح کا تعاون کرنے والوں کے لیے ثواب جاریہ بنائیں۔ان کی نسلوں کو دین وعلم کے میدان کا شیدائی فدائی اور عاشق بنائیں۔راقم الحروف کو بھی اپنی دعائے نیم شبی میں شامل فرمائیں۔فقط والسلام

العبد محمد حافظ جی بارڈولی
جامعہ ڈھابیل، نوساری، گجرات
صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب حفظہ اللہ وتعالیٰ　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بعافیت ہو!

بہت دنوں سے ''فتاویٰ علماء ہند'' کی ترتیب وتحقیق کی صدا پردۂ سماعت سے ٹکرارہی تھی اور امروز فردا زیورطبع سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آنے کی امید کی جارہی تھی، تاہم بندہ اس کو اپنے لیے ایک خواب تصور کرتا تھا اور شدت اشتیاق سے منتظر بھی تھا؛ لیکن واقعی ''کل شی ءمقدر فی أوقاتہ'' کے تحت وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور اس کو آج اپنی نظروں کے سامنے موجود پارہا ہوں؛ تاہم افسوس ہے کہ اس سے قبل کی تین جلدیں طبع ہوکر قدر دانوں سے داد تحسین حاصل کرچکی ہیں اور بندہ اس سے غافل ہے۔ واقعی یہ کتاب علماء ہند کے قلمِ گہربار سے صادر شدہ فتوؤں کا بیش بہا قیمتی گلدستہ ہے، جو اس وقت اس طرح کی شاید پہلی کاوش ہے، قبل ازیں حضرت مولانا مہربان علی بڑوتویؒ کی مرتبہ ''جامع الفتاویٰ''، جس کا دوسرا نام بھی فتاویٰ علماء ہند ہی ہے، طبع ہوکر ارباب افتا میں مقبول ہوچکی ہے؛ لیکن اس میں اکابر دیوبند کے صرف سترہ فتاویٰ کی تلخیص وترتیب پیش نظر رہی ہے، جب کہ فتاویٰ علماء ہند کے ترتیب میں دوصدی کے ارباب افتا کی فکری کاوشوں کا نچوڑ دبستان فتاویٰ کے خوشہ چیں کی خدمت عالیہ میں بطور گلدستہ موجود ہے، جس کا ہر فتویٰ جزئیات سے مزین اور عربی عبارتوں سے آراستہ ہے، بندہ مرتب فتاویٰ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی اور مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی حفظہما اللہ ورعاھما کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہے کہ عربی زبان میں علامہ شامی علیہ الرحمہ نے جس طرح بیشتر کتب فقہیہ سے عطرکشید کرامت کے سامنے پیش کردیا ہے، وہی شان اس فتاویٰ علماء ہند کی بھی ہے۔

خداوند قدوس اس علمی کاوش کو شرف قبولیت سے نواز کر ذخیرۂ آخرت بنائے اور مابقیہ جلدوں کی تکمیل وترتیب میں غیبی مدد فرما کر امید سے آسانیاں فراہم فرمائے۔ آمین

چوں کہ بندہ کے پاس صرف تین جلدیں ۴، ۵، ۶ آئی ہیں؛ اس لیے مابقیہ کے حصول کی صورتیں ضرور فرمادیں، آپ کو بارصرفہ سے دوچار کئے بغیر بندہ طلب کی سعی کرے گا۔ (ان شاء اللہ) فقط والسلام

محمد فاروق قاسمی دربھنگوی

خادم الافتاء والحدیث، جامعہ دارالاحسان

بارڈولی، سورت، گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين وأفضل الصلاة وأكمل التسليم على سيدنا محمد المبعوث رحمةللعالمين وعلى آله وأصحابه أجمعين وسائر السادة الفقهاء المجتهدين والأئمة الأربعة المشهورين من أقامهم الله مقام الأنبياء فى أقوالهم وأمر سائر الناس بسؤالهم﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾أما بعد:

تفقہ میں مہارت پیدا کرنا امت پر فرض کفایہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں دینی رہنماؤں کا وجود امر لابدی ہے، جو ضرورت کے وقت امت کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ دین میں تفقہ حلت وحرمت کا علم انسان کے لیے باعث عزت وشرافت ہے، تفقہ فی الدین باری تعالیٰ کا عدیم النظیر انعام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس کو یہ دولت حاصل ہو، یقیناً وہ خیر کثیر کو پانے والا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿**يؤتى الحكمة من يشاء ومن يؤت الحكمة فقد أوتى خيرا كثيرا**﴾ (سورة البقرة: ۲۶۹) رئیس المفسرین حبر الأمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد بن جبر رحمہ اللہ نے حکمت سے تفقہ مراد لیا، **قال ابن عباس: هى المعرفة بالقرآن فقهه ونسخه ومحكمه الى... مقدمه ومؤخره أى العلم بأصول الفقه.** (التفسير المنير: ۶۹/۲) **وقال الليث بن أبى سليم عن مجاهد: الحكمة ليست بنبوة ولكنه العلم والفقه والقرآن.** (تفسير القرآن لابن كثير: ۳۲۰/۱) اسی مضمون کی تائید روایت سے بھی ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا: "**من يرد الله خيرا يفقه فى الدين**". (صحيح البخارى: ۱۶/۱) گویا خیریت کا مدار تفقہ فی الدین ہی کو قرار دیا گیا، دینی مسائل کا سیکھنا، سکھانا اور امت کی رہنمائی کرنا خواہ مقالۃً ہو یا کتابۃً، افضل ترین عبادت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "**ما عبدالله بشىء أفضل من فقه فى الدين ولفقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد ولكل شىء عماد وعماد الدين الفقه**". (السنن الكبرىٰ للبيهقى: ۱۰۲/۱) اس حدیث پاک میں تفقہ فی الدین کو افضل ترین عبادات اور دین کا ستون قرار دیا گیا۔ الحمد للہ جب علوم اسلامیہ تدوین وتالیف کے دور میں داخل ہوئے تو اس سلسلہ مبارکہ میں افتا واستفتا نے بھی اپنا مقام بنالیا اور اس منصب پر فائز اصحاب افتا یا ان کے اخلاف باصفا نے مختلف اشخاص کو ان کی طلب واستفتا پر دی گئی اسلامی ہدایات واحکام کو مرتب ومدون کر دیا؛ تا کہ افادہ واستفادہ عام ہو اور یہ بیش بہا خزانہ فقط سائل ومجیب کے مابین محدود نہ رہے۔

ماضی قریب میں اس سلسلۃ الذہب کی مبارک کڑیاں بزبان اردو منصۂ شہود پر آچکی ہیں، مثلاً: (۱) فتاویٰ رشیدیہ، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی المتوفی ۱۳۲۳ھ، (۲) فتاویٰ خلیلیہ شارح حدیث وفقیہ وقت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۶ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو بجا طور پر علمی تحقیقی وفقہی بصیرت کے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک جلد میں مطبوعہ ہیں، (۳) عزیز الفتاویٰ / امداد المفتیین حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی المتوفی ۱۳۴۷ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو تقریباً پندرہ سو فتاویٰ پر مشتمل ہے، (۴) فتاویٰ دار العلوم دیوبند (جدید)، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب المتوفی ۱۳۴۷ھ کا مجموعہ فتاویٰ، اس وقت ۸؍ جلدوں میں دستیاب ہے، (۵) امداد الفتاویٰ، حضرت تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو دراصل فقہ وفتاویٰ کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور حکیم الامت کی پوری زندگی کی محنت کا لب لباب، خلاصہ اور اور نچوڑ ہے، (۶) جواہر الفقہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب المتوفی ۱۳۹۵ھ کے ۱۰۵؍ فقہی رسائل ومقالات کا مجموعہ ہے، جو قبولیت عامہ حاصل ہونے کی بنا پر عصر حاضر میں اہم فقہی مآخذ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، آپ کی فتاویٰ کی کتاب امداد المفتیین پہلے عزیز الفتاویٰ کے ساتھ تھی، پھر الگ سے مستقل شائع ہوئی، (۷) امداد الاحکام، مولانا ظفر احمد عثمانی المتوفی ۱۳۹۴ھ اور مفتی عبد الکریم گمتھلوی، المتوفی ۱۳۶۸ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس میں اکثر فتاویٰ حضرت تھانوی کے تصدیق فرمودہ ہیں، اس کو امداد الفتاویٰ کا تتمہ کہا جاسکتا ہے،

(۸) کفایت المفتی، مفتی کفایت اللہ دہلوی المتوفی ۱۳۷۲ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ اپنے فتاویٰ میں حضرت نے جدید مسائل ومعاملات میں امت کے لیے تسہیل کا پہلو نکالنے کی سعی فرمائی ہے، (۹) اسی طرح فتاویٰ محمودیہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی المتوفی ۱۴۱۷ھ کا مجموعہ فتاویٰ جو تقریباً ۱۲؍ہزار فتاویٰ کا مجموعہ ہے، (۱۰) اسی طرح فتاویٰ رحیمیہ سرزمین گجرات کے مفتی اعظم مفتی عبدالرحیم لاجپوری المتوفی ۱۴۲۲ھ کے مبسوط فتاویٰ کا مجموعہ ہے، اس کو عوام وخواص میں یکساں مقبولیت حاصل ہے، اسی مقبولیت عام ہی کی بنا پر اس کے گجراتی اور انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں، (۱۱) اسی طرح مفتی رشید احمد لدھیانوی المتوفی ۱۴۲۲ھ کی احسن الفتاویٰ، حضرت کا مزاج مدلل گفتگو کرنے کا ہے، بناء بریں یہ مجموعہ مفتیان کرام کی نظر میں قابل اعتماد شمار ہوتا ہے، اسی طرح کے اور بھی بہت سارے مفتیان کرام جو بقید حیات ہیں، ان کے فتاویٰ کے مجموعات وجود پذیر ہو چکے ہیں، جیسے، (۱۲) محمود الفتاویٰ پیر طریقت مفتی اعظم گجرات حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ العالی کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جو جدید اور اہم فقہی مباحث پر مشتمل ہے، چھ جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں، (۱۳) فتاویٰ ریاض العلوم گورینی، اس میں بکثرت بڑے تحقیقی فتاویٰ ہیں، خاص کر علماء وطلبہ شعبہ افتاء کے لیے بہت مفید ہے، (۱۴) فتاویٰ قاسمیہ، مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ جو ۱۱۶۰۰؍فتاویٰ پر ۲۶؍جلدوں میں منظر عام پر آ چکے ہیں، اردو فتاویٰ میں اپنا نمایاں مقام رکھتے ہیں، بلاشبہ یہ عظیم علمی وفقہی دستاویز ہے، تحقیق وتدقیق کا پہلو ہر جگہ نمایاں ہے، (۱۵) کتاب النوازل مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری کے فتاویٰ کا مجموعہ، اس سے قبل آپ کی کتاب المسائل منظر عام پر آ کر علما وطلبا سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے، یہ مجموعہ بھی اہل علم وبصیرت کے حلقہ میں بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''فتاویٰ علماء ہند'' جلد ۴، نظر نواز ہوئی، اپنے انتظامی ودرسی مشاغل کی بنا پر بندہ بالاستیعاب تو نہ دیکھ سکا، البتہ جستہ جستہ مقامات پر نظر ڈالی، جہاں نظر ڈالی وہاں خوب سے خوب تر پایا، الحمدللہ ہر مسئلہ جہاں کتاب وسنت اور عربی کتب سے مستند ہے، وہیں اکابرین کے فتاویٰ کا استناد کیا گیا ہے، نیز بہت ہی پیچیدہ مسائل کو بشکل جدول پیش کر کے آسان سے آسان تر بنانے کی سعی کی گئی ہے، **فللّٰہ الحمد علی ذلک**

خط پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ دو سو سال کے علماء برصغیر نے فقہ وفتاویٰ اور فتاویٰ نویسی میں جو خدمت انجام دی ہے، ان کی شب وروز کی محنت وعرق ریزی اب تیس ہزار صفحات پر مشتمل ۶۰؍جلدوں میں عنقریب منصۂ شہود پر آ رہی ہے، یقیناً یہ فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں ایک قابل قدر اضافہ اور لائق ستائش کارنامہ ہے۔ **تقبل اللّٰہ تعالیٰ مساعیکم الجمیلۃ**

دینی علوم خواہ قرآن وحدیث کی شکل میں ہوں یا فقہ وفتاویٰ کی صورت میں علماء دین کا حقیقی سرمایہ اور میراث ہیں، جس کو بطور امانت آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا علماء پر فرض کفایہ ہے اور یہ حقیقت میں بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کا کام ہے، اللہ پاک قبول فرمائیں اس کاوش کو، جسے محترم مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب کی زیر نگرانی جناب مفتی انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ (چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن) پھلواری شریف، پٹنہ نے ادا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ باری تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا اسامہ شمیم ندوی اور مفتی انیس الرحمٰن صاحبان کو استقامت عطا فرمائیں اور اس کتاب کی ترتیب سے لے کر منصۂ شہود میں آنے تک جو حضرات دامے درمے سخنے جس طرح بھی تعاون کریں، جملہ حضرات کی مساعی جملیہ کو قبول فرمائیں، عوام وخواص کے لیے مفید بنا کر محررین، مرتبین اور جملہ معاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔ این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔ والسلام مع الاحترام

خادم (مفتی) عبداللہ مظاہری

بانی وناظم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۲؍۱۰؍۲۰۱۶ء

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، وصلی اللّٰہ وسلم وبارک علی عبدہ ورسولہ، نبینا محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد!

مولائے کریم کی توفیق سے بندہ ناچیز کو یہ بڑا انعام ملا کہ موسوعہ فتاویٰ علماء ہند کی سترہویں جلد جو نماز کے مسائل کی آخری قسط ہے تکمیل کی توفیق مرحمت فرماء۔ فتاوی علماء ہند کی پہلی تین جلدیں جلد اول دوئم سوئم طہارت کے ابواب پر مشتمل ہیں اس کے بعد کی بقیہ چودہ جلدوں میں نماز کا بیان آیا ہے، اب اس کے بعد انشاءاللہ زکوۃ کا بیان شروع ہوگا۔

اس جلد میں میت کی تدفین کے مسائل، تعزیت زیارت کیا حکام، اور ایصال ثواب کا بیان اہمیت کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔

جس طرح میت کو اپنے بعض اعمال کا اجر وثواب پہنچتے رہنا متعدد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے اور اہل ایمان کا ان احادیث پر عمل بھی پایا جاتا ہے، اسی طرح میت کو کسی نیک عمل کے ذریعہ نفع پہنچانا اور میت کا اس سے نفع اٹھانا احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت انس بن مالک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ! ہم اپنے مُردوں کے لیے دعا کرتے ہیں، ان کے لیے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں، کیا ان اعمال کا ثواب ان مُردوں تک پہنچتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو ثواب پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے، جب اسے کھجور کا طبق ہدیہ کیا جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے جس شخص نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کی قبر کی زیارت کی اور قبر کے پاس یٰسین شریف پڑھی تو اس کی مغفرت ہوجاتی ہے۔

اس جلد میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ قران وحدیث کے نصوص اور فقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کیا جائے، ان شاءاللہ اس کتاب کے ذریعہ اہل علم اور طالبانِ علمِ دین کو فائدہ پہنچے گا۔

حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ اور ہر بات دلائل وشواہد کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہوجائے۔

فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ اور بھی زیادہ مدلل ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم میں خوب مقبول ہورہا ہے لیکن بہرصورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطاوثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہوسکے۔

الحمدللہ ملک کے مشاہیر مفتیان کرام کی نگاہوں سے اس مجموعہ کو گزار کر اس کی توثیق کرائی جاتی ہے تاکہ یہ مجموعہ مؤثق ہو کر مؤید من اللہ ہو جائے، ماشاءاللہ ہمارے مفتیان کرام بڑی ہمت و جانفشانی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔

میں شکرگزار ہوں علماء و مفتیان کرام کا جنہوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دی۔

اے میرے اللہ! تو اسے قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنا دے۔ اور اس مجموعہ کے تیار ہونے میں جتنے بھی معاونین نے اپنا تعاون شامل رکھا، ان میں سے ہر ایک کو شرف قبولیت عطا فرما، ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرما، ان میں خیر و صلاح اور اتباعِ سنت کی دولت اور خدمتِ دین کا جذبہ عطا فرما۔

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی
رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی، ممبئ الھند
۲۰/فروری ۲۰۱۹ء
۱۵/جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد لله رافعِ أعلام الشريعة الغرّاء،الذى أعلى منازل الفقهاء، إعلاء يوازن هممهم العلية، فى خدمة الحنيفية السمحة البيضاء والصلاة والسلام على سيدنا محمدٍ،وعلى آله وصحبه وبعد:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری شریعت جو انسان کی زندگی اور موت کے بعد تمام مصلحتوں پر مشتمل ہے،ان میں جنازے کے وہ احکام بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جاری وساری فرمائے ہیں،جن کا تعلق انسان کی بیماری اور موت سے لے کر قبر میں دفن کرنے تک سے ہے؛یعنی مریض کی بیمار پرسی کرنا،اسے کلمہ اخلاص کی تلقین کرنا،غسل دینا،کفن پہنانا،اس کی نماز جنازہ ادا کرنا اور دفن کرنے کے سب احکام ہیں اوران کے ضمن میں ادائیگی قرض اجرائے وصیت تقسیم ترکہ اوراس کی ضعیف وناتواں اولاد کی نگہداشت اورسرپرستی کے مسائل بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے **''فتاویٰ علماء ہند''** کی جنازہ کے مسائل سے متعلق ''جلد-۱۷'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی۔احقر نے اس جلد میں اعضاء میت اوراس کی تدفین،قبر کے مسائل،تعزیت کے مسائل،شہیدوں کے مسائل اور ایصال ثواب سے متعلق مسائل کوشامل کیا ہے،سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۱۷رویں) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کومن وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کوبھی درج کردیا ہےاور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔

امید ہے کہ علماء،ائمہ،اہل مدارس اوراصحاب افتا خاص طور پراس سے فائدہ اٹھائیں گے،حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی،احادیث نبوی،صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کواہتمام کیا ہے،جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہو گئے ہیں۔

میں اس موقع سے ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں،جو ۲۰۰۸ء سے اس تحقیق وترتیب کے کام میں مشغول ہیں اورجن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے،اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کوقبول فرمائے اورمیرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن،پھلواری شریف،پٹنہ(بہار)

یکم جنوری ۲۰۲۰ء

میت کی تدفین کے مسائل

بزرگوں کو خانقاہ، یا مدرسے میں دفن کرنا فقہا کے نزدیک مکروہ ہے:

سوال: بزرگوں کو عام طور پر قبرستان کے بجائے خانقاہ، یا مدرسے میں دفن کرنا، جب کہ تاریخ صاف بتاتی ہو کہ اسلاف میں صدی، یا نصف صدی گزرنے کے بعد بزرگوں کے مقابر شرک وبدعت کے اڈے بن گئے۔ کیسا ہے؟

الجواب

اکابر ومشائخ کو مساجد، یا مدارس کے احاطے میں دفن کرنے کو فقہائے کرامؒ نے مکروہ لکھا ہے۔ (۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۳۲۷)

غیر کی زمین میں بلا اجازت دفنانا کیسا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص غیر کی زمین میں بدون دریافت کرنے مالک کے مردہ دفن کردے تو ایسی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ اور مردہ کو عذاب ہوگا، یا نہیں؟ اور مالک زمین کو اجر وثواب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اگر غیر کی زمین میں بلا اجازت اپنا مردہ دفن کردے تو حکم اس میں یہ ہے کہ مالک زمین، یا اس مردے کو نکلوادے، یا زمین کو برابر کردے اور اپنے کام میں لاوے، مردہ کو کچھ عذاب اس میں نہیں ہے اور اگر مالک رضامندی سے اجازت دے دے تو اس کو ثواب ہے۔

درمختار میں ہے:

ویخیر المالک بین إخراجه و مساواته بالأرض، کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلٰی وصار تراباً، زیلعی. (الدرالمختار) (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۳۷۴-۳۷۵)

---

(۱) ولا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیه فإن ذلک خاص بالانبیاء بل ینقل إلٰی مقابر المسلمین، آہ، و مقتضاه أنه لایدفن فی مدفن خاص کما یفعله من یبنی المدرسة ونحوها ویبنی له بقربها مدفنا، فتأمل. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۵، طبع ایچ ایم سعید)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، دار الفکر بیروت، انیس

بلا اجازت مالک اس کی زمین میں دفن کرنا:

سوال: زید کے مرجانے کے بعد ورثا، یا مریدین نے بکر (مالک) وسرکاری زمین میں بغیر بکر اور سرکار سے اجازت لیے ہوئے زید کو دفن کردیا، چند ماہ بعد جب بکر مالک زمین، یا سرکار کو معلوم ہوا کہ بغیر سرکاری اجازت کے زید کی نعش کو دفن کردیا گیا ہے اور پختہ قبر وگنبد بھی زید کا بنادیا گیا ہے تو کیا بکر وسرکار کو قانونی حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی زمین میں جہاں دفن ہے قبر کھود کر اس کو نکال دے اور اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور عام مسلمان اس لاش کو کسی قبرستان میں دفن کردیں، یا بعد دفن کرنے کے چند ماہ بعد بکر وسرکار کو حق حاصل ہے کہ زید کی لاش قبر سے جو اس کی مملوکہ زمین میں ہے، نکال دے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

ایسی صورت میں مالک زمین کو اختیار حاصل ہے کہ نعش کو باہر نکال دے، یا قبر کو زمین کے برابر کردے، اگر نعش کو باہر نکال دیا تو عام مسلمانوں کو چاہیے کہ زید کی مملوکہ زمین، یا عام موقوفہ قبرستان میں دفن کردیں۔ (کذا فی مجمع الأنھر ۱/۱۸۵)(۱) پختہ قبر وگنبد بنوانا گناہ ہے۔ (کذا فی شرح الکنز)(۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۹۱-۹۲)

ارضِ غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسمار کرنے کا حکم:

سوال: ایک جگہ جو سرکاری ملکیت ہے، وہاں لوگوں نے بلا اجازت قبریں بنالی ہیں۔ ایک آخری قبر جس کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ وہ ۱۹۸۳ء میں بنائی گئی ہے، جو کہ راستہ میں نہیں آرہی؛ مگر باقی جو قبریں ہیں، ان کا کوئی

---

(۱) (لایخرج من القبر إلا أن تکون الأرض مغصوبةً) وأراد صاحب الأرض إخراجه کما إذا سقط فیھا متاع الغیر أو کفن بثوب مغصوب، فإنه یجوز نبشه". (مجمع الأنھر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مکتبه غفاریة)

(ولا یخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (کأن تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، و یخبر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض، کما جاز زرعه و البناء علیه إذا بلی وصار تراباً، زیلعي". (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۸ سعید)

(۲) عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: نھی رسول الله تعالیٰ علیه وسلم أن تجصص القبور، وإن یکتب علیھا، وأن یبنی علیھا، وأن توطأ". قال أبو عیسیٰ: ھٰذا حدیث حسن صحیح" . (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیة تجصیص القبور والکتابة علیھا: ۱/۲۰۳، سعید)

(ولا یجصص): أی لا یعمل بالجص ... ویکره بناء القبة علی القبر: أی کما یصنع الآن فی حق الأولیاء و الصلحاء". (شرح الکنز لملا مسکین علی ھامش فتح المعین، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۲، سعید)

وعن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أو قبة أو نحو ذلک" (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

وارث نہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کن لوگوں کی ہیں؟ کیا حکومت اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

جب یہ جگہ سرکاری ملکیت ہے اور قبریں بلا اجازت بنائی گئی ہیں تو حکومت زمین ہموار کرکے اسے اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرسکتی ہے۔ (ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلىٰ وصار ترابًا. (۱) فقط والله أعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۶۰/۳)

چمار کی زمین میں جبراً میت کو دفن کرنا:

سوال (۱) ہمارے گاؤں والوں نے جبرا چماروں کی زمین میں اپنے مردے دفن کرنا شروع کردیئے، جب چمار مرگیا تو اس کے لڑکوں کے نام زمین ہوگئی، مال گذاری دیتے رہے اور چک بندی میں چماروں نے یہ کھیت مولیٰ بخش سے بدل لیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مولیٰ بخش کو اس کھیت سے انتفاع جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) چک بندی گاؤں والوں نے قبرستان کے لیے زمین علاحدہ کردی، دو چار میت اس جگہ دفن بھی ہوگئیں، باقی ابھی خالی پڑی ہے تو اس کی آمدنی مسجد مدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) چمار کی زمین میں بلا اجازت وبلا مرضی میت دفن کرنا ظلم اور غصب ہے، جب کہ وہ زمین مولیٰ بخش کی ملک میں آگئی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اپنی میت کو دفن کیا ہے، وہ ان سے کہہ دے کہ یہاں سے اپنے میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ میں یہاں کھیتی کروں گا، پھر اس کو کھیتی کرنا مکان بنانا سب درست ہے۔

(ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه. و البناء عليها إذا بلىٰ وصار تراباً". (الزيلعي والدرالمختار: ۸۳۹/۱) (۲)

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

قال رحمه الله تعالىٰ تحت (قوله: كأن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سواه مع الأرض وانتفع به زرعه أو غيرها. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۸/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

الدرالمختار، باب الجنائز: ۱۴۵/۳، مكتبة زكريا ديوبند)

(۲) گاؤں والوں نے جو زمین قبرستان کے لیے وقف کرائی، وہ قبرستان کی ہوگئی، اس کی آمدنی کو اسی قبرستان کی حفاظت اور ضروریات وغیرہ میں (مثلاً چہاردیواری کرادیں) صرف کیا جائے اور دیگر مصارف میں صرف نہ کریں۔

(قوله: شرط الواقف كنص الشارع) أي في المفهوم والدلالة.(۱)

أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به.(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۱۳۸۸ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۹۲-۹۳)

مسجد کی زمین میں مردہ دفن کرنا درست نہیں؛ مگر جو دفن ہوگیا، اس کو نکالا نہ جائے:

سوال: اس شہر میں ایک جامع مسجد ہے اور کچھ زمین مسجد ہی کے قریب مسجد ہی کی مملوکہ ہے، اس مسجد کا پریزیڈنٹ منشی عبداللہ نامی تھا، جواب وہ فوت ہوگیا اور وہ بہت علانیہ سودخوار آدمی تھا تو ایسے فاسق فاجر کو بعض لوگوں نے اسسٹنٹ صاحب بہادر کو بہکا کر کہ عام مسلمان راضی ہیں۔ مسجد کی اس مملوکہ زمین میں دفن کرادیا اور بطرز نصاری یعنی لکڑی کے بکس میں بند کر کے دفن کیا تو مسجد کی زمین میں دفن کرنا جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

مسجد کی زمین میں دفن کرنا اس کو جائز نہ تھا؛ لیکن بعد دفن کے وہاں سے نکالا نہ جاوے، البتہ بضرورت مسجد اس قبر کو برابر کرنا جائز ہے اور بعد ایک زمانے کے جب کہ میت خاک ہوجائے، اس جگہ مکان وغیرہ مسجد کا بنانا بھی درست ہے۔ (درمختار وشامی)(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۰۸-۴۰۹)

مسجد کے سامنے دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: مسجد کے سامنے مردوں کو دفن کرنا اور قبریں بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر مسجد کے قریب کوئی خاص جگہ دفن موتیٰ کے لئے بنادی گئی ہے تو وہاں دفن کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، دفن ایسی ہی جگہ کرنا چاہیے کہ جو جگہ خاص اسی لیے ہو۔ (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۰۹)

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الوقف: ٤/٤٣٣، سعيد

(۲) البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٤١١، رشيدية

(۳) يستحب في القتيل والميت دفنه في المكان الذي مات فيه في مقابر أولئك القوم. (غنية المستملي، كتاب الجنائز، مسائل متفرقة، ص: ٦٠٧، سهيل اكادمي لاهور، انيس)

(۴) (لا يخرج منه) بعد اهالة التراب (الا) لحق الآدمي) كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعةٍ ويخير المالك بين اخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلی صار تراباً. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ٢/٢٣٨، دار الفكر بيروت، انيس)

مسجد کے باہر قبلہ کی طرف قبرستان بنانا درست ہے، یا نہیں:

سوال: مسجد کے باہر قبلہ کی طرف دس، یا بارہ ہاتھ کے اندر قبر بنانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

مسجد کی دیوار عربی سے باہر جو زمین مسجد سے اور مسجد کے اوقاف سے خارج ہے، اس میں قبر کرنا ممنوع ومکروہ نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۰۳/۵-۴۰۴)

وقف علی المسجد میں قبر بنانا:

سوال: ایک حجرہ وقف علی المسجد میں متولی نے اپنے باپ کو دفن کر دیا ہے، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ اور ایسے متولی کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

یہ خیانت ہے؛ اس لیے متولی واجب العزل ہے اور حاکم، یا عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ اس پر قبر کو اکھاڑ کر میت کو نکال دیں، یا قبر کو زمین کے برابر کر دیں؛ کیوں کہ ابقاء قبر سے وقف مسجد کا تعطل اور اشغال بالغیر لازم آتا ہے۔

قال فی التنویر: (لا یخرج منه) ... (الا) ... (أن تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة) ویخیر المالک إخراجه ومساواته بالأرض.

و فی حاشیته تحت (قوله: بالأرض) لأن حقه فی باطنها وظاهرها فإن شاء ترک حقه فی باطنها وظاهرها وإن شاء ترک حقه فی باطنها إن شاء استوفاه. (۱)

شامیہ کی عبارت "**واحترزت بالمغصوبة عما إذا کانت وقفاً، الخ**" سے شبہ نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اس جگہ وقف سے مراد وقف علی المقابر ہے، چناں چہ خود شامیہ ہی میں دوسری جگہ اس کی تصریح ہے۔

قال فی شرح التنویر: حفر قبراً فدفن فیه آخر میتا فهو علیٰ ثلاثة أوجه أن الأرض للحافر فله نبشه وله تسویة وإن مباحة فله قیمة حفرة وان وقفاً فکذلک.

وفی الرد تحت (قوله: وإن وقفا کذک)... هٰذا لو وقف للدفن فلو علیٰ مسجد للزرع والغلة فکالمموکة تأمل. (۲) (احسن الفتاویٰ: ۲۵۰/۴)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۵/۳-۱۳۶، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۹۹/۶، دار الفکر بیروت، انیس

میت خاک ہوجائے تو اسی قبر میں دوسرے کی تدفین جائز ہے:

سوال: حرمین شریفین میں دستور ہے کہ پرانی قبروں میں ہی نئے مردے گاڑتے رہتے ہیں۔کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جب میت اول خاک ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے۔

قال في الشامية:قال الزيعلي:ولوبلى الميت وصارتراباً جازدفن غيره فى قبره و زرعه والبناء عليه، آه،قال فى الامداد يخالفه مافى التاترخانية إذا صارالميت تراباً فى القبريكره دفن غيره فى قبره؛لأن الحرمة باقية ،وان جمعوا عظامه فى ناحية ثم دفن غيره فيه تبركا بالجيران الصالحين ويوجد موضع فارغ يكره ذلك اهـ قلت، لكن فى هٰذا مشقة عظيمة،فالأولٰى إناطة الجواز بالبلا إذ لايمكن ان يعد لكل ميت قبرلايدفن فيه غيره وإن صار الأول تراباً لاسيما فى الأمصار الكبيرة الجامعة وإلا لزم إن تعم القبورالسهل والوعرعلٰى أن المنع من الحفرإلٰى أن لايبقى عظم عسرجد أو إن أمكن ذلك لبعض الناس لكن الكلام فى جعله حكماً عاماً لكلأحد فليتأمل.(۱) فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

۲۶/رجب ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ:۲۵۰/۴)

پرانی قبر پر مٹی ڈالنے میں مضائقہ نہیں:

سوال: جو قبر بیٹھ جائے، یا گر جائے،اس کو پوری قبر از سرنو تیار کراتے ہیں۔یہ شرعا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اس میں کچھ حرج نہیں۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۸۴/۵)

پرانی قبر میں مردہ دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر اتفاقیہ قبر کھودتے ہوئے لحد میں جا کر کسی کہنہ مردہ کی ہڈیاں یا نعش نکل آوے تو اس لحد میں مردہ جدید رکھا جائے، یا دوسری قبر کھود کر رکھا جاوے اور دیدہ ودانستہ پرانی قبر میں مردہ دفن کرنا کیسا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

دیدہ ودانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں،اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلے تو ان کو ایک طرف کریں اور کسی قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں، یہ جائز

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فى دفن الميت:۱۲۹/۳،دار الكتاب ديوبند، انيس

ہے؛ کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے، چناں چہ شامی میں بعد نقل اقوال علماء کے یہ لکھا ہے:

"فالأولٰی إناطة الجواز بالبلاء إذا لایمکن أن یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره،الخ". (۱)

اور قبل البلاء ایسا کرنا ناجائز قرار دیا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

"وما یفعله جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل أربابها وادخال أجانب علیهم فهو الظاهر". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۵/۵)

پرانی قبر میں سر ملا تو اس کا کیا کیا جائے:

سوال: تالاب کھودتے کھودتے چار ہاتھ کھودنے کے بعد انسان کا سر ملا، معلوم ہوا کہ بہت زمانہ پہلے کی قبر ہے تو اب کیا کیا جائے، آیا چھوڑ دیا جائے، یا کوئی صورت ہے؟ اور جان بوجھ کر قبر پر کوئی تالاب کھودنا، یا کوئی مکان بنانا، یا درخت لگانا جائز ہے، یا نہیں؟ صدقہ دینا ہوگا، یا اور کچھ کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر قبرستان بہت پرانا ہوکر وہاں میت موجود نہیں؛ بلکہ مٹی ہوچکی ہو، اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے۔ اگر پرانی میت کے کچھ ناتمام اجزا کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کردیں، باہر نکال کر نہ پھینکیں، اگر پرانا قبرستان مملوک ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا مکان بنانا، باغ لگانا بھی درست ہے۔ اگر وقف ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، جو سر نکلا ہے، اس کو اسی جگہ دفن کردیں، (۳) اس کا کوئی اور صدقہ وغیرہ لازم نہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۹۵-۹۶)

پرانی قبر میں مردہ کو دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۱-۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز ،مطلب فی دفن المیت: ۲۳۴/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) أنه لایدفن إثنان فی قبر إلالضرورة، وهٰذا فی الابتداء وکذا بعده، قال فی الفتح: و لایحفرقبرلدفن آخر إلا ان بلٰی الأول فلم یبق له عظم إلا أن لایوجد،فتضم عظام الأول،ویجعل بینهما حاجز من تراب، إلخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۳/۲، سعید)

"عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "کسرعظم المیت ککسره حیاً". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الحفاریجد العظم، إلخ: ۱۰۲/۲، إمدادیة)

"ولوبلی المیت وصارترابا، جازدفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه. وفی الواقعات: عظام الیهود لها حرمة إذا وجدت فی قبورهم کحرمة عظام المسلمین حتٰی لا تکسر؛ لأن الذمی لما حرم إیذاء ه فی حیاته لذمته، فتجب صیانة نفسه عن الکسر بعد موته". (البحرالرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشیدیة)

الجواب ــ

پرانی قبر جس میں نشان میت کا باقی نہ رہے، اس میں دوسری میت کا دفن کرنا درست ہے۔

کما فی الشامی: قال الزیلعی: ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۶۳)

پرانی قبر میں نئ میت کو رکھنا:

سوال: شہروں میں بوجہ تنگی گورستان پرانی قبر جس میں نشان وشناخت موجود ہے، اس میں پھر دوبارہ قبر بنا کر دفن کرنا جائز ہوگا، یا نہیں؟ نیز بر تقدیر عدم عذر ایسا کرنا جائز ہوگا، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا صورت ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اگر قبر اتنی پرانی ہو جائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلا ضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقت ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علاحدہ قبر میں رکھ دی جائیں، اگر میت بالکل صحیح سالم قبر میں موجود ہو، تب بھی بوقت ضرورت اس کے برابر اس قبر میں دوسری میت کو رکھنا جائز ہے؛ لیکن میت قدیم اور میت جدید کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے۔

اگر ایک وقت میں چند مردوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے، اگر سب مرد ہوں، یا سب عورتیں ہوں، تب تو افضل کو اول لحد میں رکھا جائے، اس کے بعد غیر افضل کو، اگر موتی مخلوط ہوں تو اول مرد کو رکھا جائے، اس کے بعد لڑکے کو اس کے بعد خنثیٰ کو اس کے بعد عورت کو اور ہر دو کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے۔

ولایدفن إثنان أوثلٰثة فی قبر واحد إلا عند الحاجة، فیوضع الرجل ممایلی القبلة، ثم خلفه الغلام، ثم خلفه الخنثٰی، ثم خلفه المرأة، ویجعل بین کل میتین حاجز من التراب، کذا فی محیط السرخسی، وإن کان رجلین یقدم فی اللحد أفضلهما، هٰکذا فی المحیط وکذا إذا کانتا إمرأتین، هٰکذا فی التاتارخانیة، آه. (۲)

لایدفن إثنان فی قبر إلا لضرورة، وهٰذا فی الابتداء، وکذا بعده، قال فی الفتح: ولایحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلٰی الأول، فلم یبق له عظم، إلا أن لایوجد، فتضم عظام الأول ویجعل بینهما

(۱) رد المحتار کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۳/۱۲۰، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۲) الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون من الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنفل: ۱/۱۶۶-۱۶۷، مکتبة رشیدیة

حاجز من التراب ... ولوبلی المیت وصار تراباً، جازدفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه.(۱)

ولایدفن إثنان أوثلٰثة فی قبرواحد إلا عند الحاجة،فیوضع الرجل ممایلی القبلة ثم خلفه الغلام ثم خلفه الخنثٰی ثم خلفه المرأة،ویجعل بین کل میتین حاجز من التراب لیصیر فی حکم قبرین ... ولوبلی المیت و صارتراباًجازدفن غیرہ فی قبرہ و زرعه والبناء علیه،وفی الواقعات: عظام لها حرمة وجدت فی قبورهم کحرمة عظام المسلمین حتی لاتکسر،الخ.(۲)

عن عبدالرحمن بن کعب أن جابربن عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالٰی عنهم أخبرہ أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یجمع بین الرجلین من قتلٰی أحد.(۳)فقط واللّٰه سبحانه تعالٰی أعلم(فتاویٰ محمودیہ:۹/۹۶-۹۷)

بول وبراز والی زمین میں مٹی ڈال کرقبر بنانا کیسا ہے:

سوال: جس گڑھے میں عرصہ سے بول وبراز پڑتا ہے،اس میں مٹی ڈال کراس کے بعداس میں مردہ دفن کرنا درست ہے،یانہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

حدیث شریف میں ہے:"ذکاة الأرض یبسها".(۳)(یعنی زمین نجس خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے۔)

پس جب کہ اس گڑھے میں مٹی ڈال دی جاوے اوروہ زمین خشک ہےتو وہ پاک ہے،اس میں میت کودفن کرنا درست ہے۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۳۸۲)

میت کوگھر میں دفن کرنا درست ہے،مگر بہتر نہیں:

سوال: میت کومکان مسکونہ میں دفن کرنا درست ہے،یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

گھر میں دفن کرنا بھی جائز ہے؛مگر بہتر ہے کہ قبرستان موقوفہ میں دفن کیا جائے۔(۵)فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۴۰۷)

---

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فی دفن المیت:۲/۲۳۳،سعید

(۲) البحرالرائق،کتاب الجنائز،فصل:السلطان أحق بصلاته:۲/۳٤۱-۳٤۲،رشیدیة

(۳) صحیح البخاری،کتاب الجنائز،باب دفن الرجلین أوالثلٰثة فی قبر واحد:۱/۱۷۹،قدیمی

(۴) عن أبی قلابة قال:إذا جفت الأرض فقد زکت.رواہ أبوبکر ابن أبی شیبة دی مصنفه ورجاله رجال الصحیح.(إعلاء السنن،باب طهارة الأرض بالجفاف:۱/۳۹٦،إدارةا لقرآن والعلوم الاسلامیة،الباکستان،انیس)

(۵) (لا ینبغی أن یدفن) المیت (فی الدر ولو) کان (صغیراً) لاختصاص هٰذہ السنة بالأنبیاء.(الدرالمختار)وفی رد المحتار تحت (قوله:فی الدار) ... ولا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیه فان ذلک خاص بالأنبیاء بل ینقل الی مقابرالمسلمین .(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز:۲/۲۳۵،دار الفکر بیروت،انیس)

گھر میں دفن کرنے کی وصیت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں:

سوال: ایک شخص مسمی مولوی محمد یار سائل اللہ وصیت کرتا ہے کہ مجھے میرے اپنے مکانوں میں جب میں مرجاؤں تو دفن کرنا، گورستان میں مجھے نہ رکھنا، اس کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہاں قبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے، بچے ڈریں گے، عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، جہاں پہلے سے ہمارے مردہ دفن ہوتے چلے آرہے ہیں اور یہاں پر اردگرد بستی ہے، گورستان تو عام بن نہیں سکتا اور بدعت بھی شروع ہوجائے گی۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً مسلمانوں کے گورستان میں دفن کردیں تو گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب

ایسی وصیت کرنا درست نہیں ہے اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں، عام قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے۔

(ولا ينبغي أن يدفن) الميت (في الدار ولو) كان (صغيراً) لاختصاص هٰذه السنة بالأنبياء. (الدر المختار) وفي رد المحتار: ولا يدفن صغير ولا كبير في البيت الذي مات فيه فإن ذالک خاص بالأنبياء بل ينقل إلٰى مقابر المسلمين. (۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۶۱/۳)

وقف قبرستان میں زندگی میں قبر بنوانے کا حکم:

سوال: زید عمر رسیدہ ہے، استغال دنیوی بظاہر ختم کرکے اپنی آخری عمر گوشہ نشینی میں طے کررہا ہے، زید کی تمنا ہے کہ قبرستان میں اپنی قبر خود تیار کروالے؛ تاکہ وقت پر احباب کو تکلیف نہ ہو تو ذہن میں کچھ اشکال سا ہے کہ شاید جائز نہ ہو تو برائے مہربانی اس کا حل فرماویں؟ (حاجی غلام قادر، بہادل پور)

الجواب

شامی میں تحریر ہے کہ اپنے لیے قبر بنوانا درست ہے؛ بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔

"يحفر قبرًا لنفسه وقيل يكره والذي ينبغي أن لايكره وتهيئة نحو الكفن". (الدر المختار) وفي الرد تحته: في التاتارخانية: لابأس به ويوجر عليه وهٰكذا عمل عمر بن عبد العزيز رحمه اللّٰه والربيع بن خيثم وغيرهما، آه. (۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۶۱/۳)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۱/۳، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۴۴/۳، دار الکتاب دیوبند، انیس

قبرستان میں چند قبریں تیار رکھنا جائز ہے:

سوال: قومی قبرستان میں چند قبریں پیشتر ہی سے تیار کر کے رکھنا جائز ہے، یا ناجائز؟

(المستفتی: ۱۰۱۷، محمد امیر صاحب، پریزیڈنٹ انجمن اسلامیہ کالکا انبالہ، ۳۰؍ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، ۲۳؍جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

چند قبریں تیار رکھنا؛ تاکہ حاجت مندوں کو وقت پر تیار ملے، جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۵۰/۴)

مرد عورت کے لیے ایک قبرستان درست ہے:

سوال: بعض جگہ عورتوں کے قبرستان مردوں سے علاحدہ احاطہ کھینچ کر بناتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے، مسلمان مردوں اور عورتوں کی قبریں ایک قبرستان میں ہوسکتی ہیں۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۰۷/۵-۴۰۸)

لاوارث میت کو کہاں دفن کیا جائے:

سوال: ایک عورت کی نعش ملی ہے، یہ پتہ نہیں کہ وہ عقیدے اور مذہب کے لحاظ سے کیا تھی؟ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب

مذکورہ عورت کو جنازہ پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے۔

ولو وجد میت أوقتیل فی دار الإسلام فإن کان علیه سیما المسلمین یغسل ویصلی علیه ویدفن فی مقابر المسلمین ففیه روایتان الصحیح أنه یغسل ویصلی علیه ویدفن فی مقابر المسلمین

(۱) حکی عن الشیخ الإمام أبی بکر محمد بن الفضل: أنه یجوز اتخاذ التابوت فی بلدنا، لرخاوة الأرض، قال: ولو اتخذ تابوت من حدیدٍ، لابأس به ... ویکره الآجر فی اللحد إذا کان یلی المیت، إلخ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۶/۱، انیس)

ویحفر قبر لنفسه، وقیل یکره والذی ینبغی أن لایکره تهیئة نحو الکفن، بخلاف القبر.

وفی الرد تحت (قوله: والذی ینبغی، إلخ) کذا قوله فی شرح المنیة وقال: لأن الجاهلیة إلیه متحققة غالباً القبر لقوله تعالیٰ: وما تدری نفس بأی أرض تموت. (ردالمحتار، باب الجنائز: ۲۴۴/۲، ط: سعید)

لحصول غلبة الظن بكونه مسلماًبدلالة المكان وهى دار الإسلام و... وهل يعمل بدليل المكان وحده فيه روايتان الصحيح أنه يعمل به لحصول غلبة الظن عنده،آه.(۱)فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح: محمد صدیق غفرلہ مدرس خیر المدارس ملتان،۱۳۰۶/۹/۹ھ (خیر الفتاویٰ:۱۵۹/۳)

جذامی کی لاش کہاں دفن کی جائے:

سوال (۱) جذامی کی نعش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی جائے، یا علاحدہ؟

جذامی کی لاش جلانا جائز نہیں:

(۲) اور اس کو نمک ڈال کر جلا دیا جائے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنی چاہیے۔(۲)

(۲) یہ حکم شرعا نہیں ہے؛ بلکہ مثل دیگر اموات اہل اسلام کے اس کو بھی دفن کیا جاوے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴۰۴/۵)

مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے:

سوال: میرے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا، ایک عالم کہتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کریں، باہر کسی جگہ دفن کریں اور دوسرے عالم کہتے ہیں کہ مسلمان کے قبرستان میں دفن کریں۔ آپ جواب سے مطلع فرمائیں؟

الجواب

(وإلا) يستهل (غسل وسمى) ... (وأدرج فى خرقه ودفن ولم يصل عليه)،آه. (الدرالمختار)وفى الرد تحت(قوله:حشر): ... والذى يقتضيه مذهب أصحابنا أنه إن استبان بعض خلقه فإنه يحشر وهوقول الشعبى وابن سيرين،آه، وذكر العلقمى حديث سموا أسقاطكم فإنهم فرطكم،آه.(۴)

(۱) بدائع الصنائع،الجنائز،فصل فى شرائط وجوب غسل الميت: ۳۱۶/۲-۳۱۷،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) اس لیے کہ یہ بھی مسلمان ہے، پھر سوچنا چاہیے کہ وہاں مردوں میں بھی جذام مرض متعدی بن کر پھیلے گا؟ جب یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ مشرکانہ توہم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جلانے کی بات مشرکانہ رسم کا تاثر ہے، مسلمان کے لیے دفن کرنا ہے۔ واللہ اعلم

(۳) عن عائشة رضى الله عنها قالت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:كسر عظم الميت ككسره حيا.
وفى حاشيته تحته قال الطيبى اشارة الى أنه لايهان الميت،كما لا يهان الحى.(مشكاة المصابيح،كتاب الجنائز،ص:۱۴۹، قديمى،انيس)

(۴) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز:۲/۱۲۲،دار الكتاب ديوبند،انيس

مردہ بچہ کا دفن کیا جانا اور حشر کیا جانا عبارت بالا سے مصرح ہے۔ گویا اس مسئلہ میں فی الجملہ یہ زندہ بچے کے حکم میں ہے؛ اس لیے اسے قبرستان میں دفن کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ قبرستان میں اسے دفن کیا جا سکتا ہے، کوئی دلیل اس کے خلاف ہو تو تحریر کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۱/۵۲/۱۴۰۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۵۶-۱۵۶)

شیعوں اور ہیجڑوں کے قبرستان میں تدفین:

سوال: جو زمین گورستان کی قیمت دے کر ہر مذہب و فرقہ اختیار تدفین کا رکھتا ہے، اس میں معز ز حنفی کو دفن کرنا جہاں شیعہ ہیجڑے وغیرہ وغیرہ دفن ہوں۔ کیسا ہے؟

الجواب

یہ ضرورت درست ہے؛ لیکن اگر قرب صالحین کا نصیب ہو سکے تو یہ اچھا ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۳۹۴)

جہاں سکھ عیسائی دفن ہوتے ہوں، مسلمان کو دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: ایسے قبرستان مین کہ جہاں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی دفن ہوتے ہیں، مسلمانوں کا دفن کرنا اور نماز جنازہ وہاں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بصورت عدم جواز مکروہ ہے، یا حرام؟

الجواب

مسلمان میت کو ایسے قبرستان میں جہاں ہندو سکھ عیسائی بھی مدفون ہوں اچھا نہیں ہے؛ یعنی مکروہ ہے، جب کہ دوسری جگہ علاحدہ دفن کرنے کی مل سکے اور اگر مجبوری ہو کہ سوائے قبرستان مذکور کے جو کہ مخلوط ہے اور کوئی جگہ دفن کی نہیں ہے اور خالص مسلمانوں کا قبرستان وہاں نہیں ہے تو یہ مجبوری اسی قبرستان مذکور میں دفن کر دیا جاوے اور نماز جنازہ پڑھنا بھی وہاں مکروہ ہے؛ لیکن اگر وہاں کوئی جگہ صاف ہو کہ جہاں نشان قبور کے نہ ہوں اور آگے قبلہ کی طرف کوئی قبر نہ ہو تو نماز جنازہ وغیرہ وہاں درست ہے۔

شامی میں ہے:

ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة، وليس فيه قبر، ولا نجاسة، كما فى الخانية ولا قبلته إلٰى قبر. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۳۹۹-۴۰۰)

---

(۱) الأفضل الدفن فى المقبرة التى فيها قبور الصالحين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن: ۱/۱٦٦، انیس)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، قبيل مطلب تكره الصلوٰة فى الكنيسة: ۲/۳۰، دار الكتاب ديوبند، انیس

شیعوں کوممبر بنانا اورقبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: مقام مٹیلہ ملک برما میں انجمن مسلم کمیٹی قائم ہے، جس کے اغراض ومقاصد میں ابھی صرف انتظام تجہیز وتکفین میت مسافریں ونادار مسلمان ہیں، جن میں پانچ ممبر ہیں، اس میں اثناءعشری ہیں، کیا ایسے شخص کوممبر بنانا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے، یانہیں؟ فتاوی مولانا عبدالحیؒ اور فتاوی مولانا عبدالشکور صاحب میں لکھاہے کہ شیخین کوگالی دینے سے کفرلازم نہیں آتا۔کیا یہ ٹھیک ہے؟

الجواب

شیخین کوسب وشتم کرنے والے روافض کو بہت سے فقہانے کافرلکھاہے،(۱) اور جوروافض حضرت عائشہ صدیقہؓ کے افک کے قائل ہیں، یا حضرت ابوبکرصدیقؓ کے صاحبیت کے منکر ہیں، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہیں، وہ باتفاق کافر ہیں۔(۲)

پس ایسے روافض کومسلمانون کے قبرستانوں میں دفن کرنا جائزنہیں ہےاورممبر بنانا ان کودرست نہیں ہے۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۲/۵)

مردعورت کے لیے ایک قبرستان درست ہے:

سوال: بعض جگہ عورتوں کےقبرستان مردوں سے علاحدہ احاطہ کھینچ کر بناتے ہیں۔اس کا کیاحکم ہے؟

الجواب

اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے، مسلمان مردوں اورعورتوں کی قبریں ایک قبرستان میں ہوسکتی ہیں۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۷/۵-۴۰۸)

قبرستان میں دفن کرنے کے بعد پھرنکالنا درست نہیں:

سوال: زیدجس کومرے ہوئے عرصہ تین چارسال کاہوگیااوروہ مغصوبہ میں دفن نہیں ہوا؛ بلکہ عام قبرستان

(۱) نقل في البزازية عن الخلاصة أن الرافضي إذا كان يسب الشيخين ولعنهما فهو كافر.(ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد،مطلب مهم في حكم سب الشيخين: ۲۳۷/٤،دار الفكربيروت،انيس)

وذكر في كتب الفتاوىٰ أن سب الشيخين كفر.(شرح الفقه الأكبر،في بحث استحلال المعصية كفر، ص:۱۸٦)

(۲) أن الرافضي ان كان ممن يعتقد الألوهية في علىٍ أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكرصحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر.(رد المحتار، كتاب النكاح،فصل في المحرمات،مطلب مهم في وطئ السراوى اللتى يوخذن غنيمة،الخ: ٤٦/۳،دار الفكربيروت،انيس)

میں دفن ہوا۔ اب اس کو قبر سے نکال کر اور لاش و ہڈیوں کو کفن پہنا کر جنازہ کی نماز پڑھ کر سات آٹھ میل کے فاصلہ پر لے جا کر دفن کر دیا۔ یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس فعل کے مرتکب کی امامت و بیعت درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

فقہا اس بارے میں لکھتے ہیں کہ میت کو بعد دفن کرنے کے سوائے چند مخصوص صورتوں کے نہ نکالا جاوے، چناں چہ درمختار کی عبارت یہ ہے:

(ولایخرج منہ) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمی (کان تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة). (۱)

اور شامی میں ہے:

وکما اذا سقط فی القبر متاع أو کفن بثوب مغصوب أو دفن معه مال قالوا ولو کان المال درهما، بحر، قال الرملی: استفید منه جواب حادثه الفتاوی امرأة دفنت مع بنتها من المصاغ الأمتعة المشترکة ارثاً عنها بغیبة الزوج أنه ینبش لحقه، الخ. (۲)

الغرض اخراج میت بعد الدفن کے چند وجوہ اور مصالح ہو سکتے ہیں؛ اس لیے جس بزرگ نے ایسا کیا ہے، اس سے مصلحت اس کی دریافت کی جاوے، شاید کوئی وجہ جواز کی اور کوئی مصلحت اور ضرورت ہو۔ کتب احادیث میں مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو چند ماہ کے بعد ان کی قبر سے نکال کر علاحدہ دفن کیا، محض اس وجہ سے کہ وہ کسی دوسری میت کے ساتھ ایک قبر میں مدفون تھے۔ الغرض اس قسم کے واقعات صحابہؓ سے بھی منقول ہیں، لہٰذا بدون دریافت عذر اعتراض میں جلدی نہ کرنی چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۰/۵-۴۱۱)

اپنے لیے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا:

سوال: اپنے لئے قبر کھود کر رکھنا اور صبح و شام قبر کے اندر جا کر ذکر وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لیے قبر کھودنا بھی درست ہے، (۳) اگر موت کی اہمیت اور قبر کے حالات کے استحضار کے

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۱۳۵-۱۳۶، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۱۳۰/۳، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۳) ومن حفر قبرًا لنفسه، فلابأس به، و یؤجر علیه، کذا فی التاتارخانیة". (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس، إلخ: ۱۶۶/۱، رشیدیة) ==

لیے وہاں جا کر ذکر وتلاوت بھی کرلیا کرتا ہے کہ وہاں نور قائم ہوجائے، تب بھی مضائقہ نہیں ؛(۱) مگر اس کو حکم شرعی تصور کرتے ہوئے لازم سمجھنا غلط ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۸۷-۸۸)

دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق:

سوال: اپنے رشتہ داروں کی قبروں کے قریب دفن کرنے اور دور سے کسی اجنبی قبرستان میں دفن کرنے میں کوئی کسی قسم کا فرق پڑتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

فرق تو پڑتا ہے، وہ یہ کہ رشتہ داروں سے جو انس ہوتا ہے، وہ بلا کسی وجہ کے غیروں سے نہیں ہوتا۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۸۸-۸۹)

== "ومن حفر قبرًا لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هٰكذا عمل عمر بن عبدالعزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، إلخ: ۶۱۵/۱، مكتبة دار الإيمان سهارنپور)

(۱) وبزيارة القبور ولو للنساء لحديث (عن ابن بريدة عن أبيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، الخ. (رواه مسلم) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور: ۳۱٤/۱، قديمي، انيس) "كنت نهيتكم عن زيادة القبور، ألا فزوروها" ... ويقرأ يٰسٓ، وفي الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار: ۱۵۰/۳-۱۵٤، دار الكتاب ديوبند، انيس)

"(قوله: وبزيارة القبور): أي لا بأس بها، بل تندب، كما في البحر عن المجتبى، ... ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وسورة يٰسين وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص إثنى عشر مرة، أوعشراً أو سبعاً أو ثلاثاً ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه الٰى فلان أو اليهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲٤۲/۲-۲٤۳، سعيد)

(۲) وفيه ان من أصر علٰى أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصه، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علٰى بدعة أو منكر" (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد. (إرقام الحديث: ۹٤٦) ۳۵۳/۲، مكتبة أشرفية، ديوبند)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلٰى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲٦۵/۲، سهيل اكادمي لاهور)

(۳) حدثنا حصين بن عبدالرحمن عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب قال: يا عبد الله بن عمر! إذهب إلٰى أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالٰى عنها فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أدفن مع صاحبي. قالت: كنت أريده لنفسي فلأوثرنه اليوم علٰى نفسي. فلما أقبل قال له: ما لديك؟ قال: أذنت لك ==

ایرانی مردہ کو قبرستان میں دفن کرنا:

سوال: یہاں پر کچھ ایرانی لوگ رہتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ عیدین کی نماز میں شرکت کرتے ہیں اور قربانی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک صاحب ان ایرانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیعہ ہیں، شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ آپ مطلع فرمائیں کہ ان کے مردوں کو ہمارے قبرستان میں دفنانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جب کہ وہ ایرانی لوگ آپ کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دینا درست ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸۹/۹)

اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا پکی بنوانا اور اس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا:

سوال (۱) اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدا لینا، یا پکی بنوالینا کیسا ہے؟

(۲) والد صاحب نے اپنی ضد پر پکی قبر بنوالی، بعد وفات ہم لوگ قبرستان میں دفن کریں اور پکی خالی قبر کو مسمار کردیں تو کیا حکم ہے؟

(۳) ہماری سوتیلی ماں کو بھی وصیت کردی ہے کہ ہمارے جنازہ کو اس پکی قبر میں دفن کروانا، ورنہ ہم قیامت میں دامن گیر ہوں گے۔

== یا أمیر المؤمنین، قال: ما کان شئ أهم إلیٰ من ذالک المضجع، فإذا قبضت فاحملونی، ثم سلموا، ثم قل: یستأذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لی فادفنونی، وإلا فردونی إلیٰ مقابر المسلمین". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکر وعمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: ۱۸۶/۱، قدیمی)

"وفیه الحرص علیٰ مجاورة الصالحین فی القبور طمعاً فی إصابة الرحمة إذا نزلت علیهم، وفی دعاء من یزورهم من أهل الخیر". (فتح الباری، باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکر وعمر: ۳۳۰/۳، قدیمی)

(۱) اس لیے کہ ان کا باجماعت نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے، لہٰذا ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست ہے۔

(ویحکم بإسلام فاعلها) بشروط أربعة: أن یصلی فی الوقت (مع جماعة) مؤتماً متمماً، إلخ". (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة: ۳۵۳/۱، سعید)

"وإن قال: إنی مسلم علیٰ دین الحق، لم یکن مسلما، فإن لم یسئل حتیٰ صلیٰ بجماعة کان مسلماً". (الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب السیر، الرابع فی المرتد وما یصیر الکافر به مسلماً: ۳۱۴/۶، رشیدیة)

(۴) اگر ہم لوگ والد کی میت کو قبرستان لے جائیں اور ہماری سوتیلی والدہ، والد کے حکم کے مطابق ضد کر کے میت کو پکی قبر میں دفن کرائیں، تب ہم لوگوں کو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱) اپنی زندگی میں قبر کھدوالینا درست ہے؛(۱) مگر پکی قبر کی اجازت نہیں۔(۲) نیز قبرستان میں آبادی سے الگ مردہ کو دفن کرنا نہیں چاہیے۔(۳)

(۲) پکی قبر میں دفن نہ کریں، اس کو مسمار کر دیں اور قبرستان میں کچی قبر میں دفن کریں۔(۴)

---

(۱) ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، و يؤجر عليه، كذا في التاتارخانية". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن، إلخ: ۱۶۶/۱، رشيدية)

"ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هٰكذا عمل عمر بن عبدالعزيز والربيع بن خيثم و غيرهم". (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هٰذا الفصل في القبر والدفن: ۱۷۲/۲، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) عن جابر رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: نهٰى النبي صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم أن تجصص القبور، وإن يكتب عليها، وأن يبنى عليها، وأن توطأ". قال أبوعيسىٰ: هٰذاحديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

(ولايجصص) للنهي عنه، (ولايطين، ولايرفع عليه بناء) إلخ". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة الجنازة: ۲۳۷/۲، سعيد)

"ويسنم القبر قدر الشبر، ولايربع ولا يجصص إلخ". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱۶۶/۱، رشيدية)

(۳) ولاينبغي أن يدفن) الميت (في الدار ولو) كان (صغيرًا) لاختصاص هٰذه السنة بالأنبياء". (الدرالمختار)

"(قوله: في الدار) ... بل ينقل إلىٰ مقابر المسلمين، ومقتصاه أنه لايدفن في مدفن خاص كما يفعله من يبنى مدرسة ونحوها، ويبنى له بقربها مدفناً الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۵/۲، سعيد)

"ولايدفن صغير ولا كبير في البيت الذي كان فيه، فإن ذلك خاص بالأنبياء، بل ينقل إلىٰ مقابر المسلمين ". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل في الدفن: ۱۴۱/۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۴) عن جابر رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: نهٰى النبي صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها، وأن توطأ". قال أبوعيسىٰ: هٰذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

(ولايجصص) للنهي عنه، (ولايطين، ولايرفع عليه بناء) إلخ". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۷/۲، سعيد)

"ويسنم القبر قدر الشبر، ولايربع ولايجصص إلخ". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن، الخ: ۱۶۶/۱، رشيدية)

(۳) وہ بھی اس وصیت پر نہ کریں، اس کی وجہ سے قیامت میں ان کا کچھ نہ بگڑے گا۔(۱)

(۴) آپ نمبر:۲ کے موافق عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۸۵-۸۶)

قبرستان کو عیدگاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا:

سوال: عیدگاہ کے متصل جو زمین ہے وہ کسی زمانہ میں قبرستان تھا اور وہ قبرستان کے نام سے کاغذات میں درج ہے؛ لیکن عرصہ سے وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، البتہ چند پختہ قبریں موجود ہیں، وہ زمین پڑی ہوئی ہے تو اس کو عیدگاہ میں شامل کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور یہ پکی قبریں ہموار کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ______________ حامدًا ومصلیاً

اگر مردے دفن کرنے کے لیے اس زمین کی ضرورت نہیں، وہ بیکار پڑی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت ہے، قبر جب اتنی پرانی ہوجائے کہ اس میں میت باقی نہ رہے؛ بلکہ مٹی بن چکی ہو تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، نہ اس کا احترام باقی رہتا ہے، نہ وہاں نماز ممنوع ہوتی ہے، نہ تعمیر اور کھیتی منع رہتی ہے، بلک حسب ضرورت ان سب چیزوں کی اجازت ہوجاتی ہے۔ پختہ قبر بنانا تو شرعاً درست ہی نہیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو پختہ قبروں کو برابر کیا جائے،(۲) اور زمین کو عیدگاہ میں شامل کرلیا جائے۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۱۳۸۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۳۸)

---

(۱) وكذا تبطل لو أوصى بأن يكفن في ثوب كذا،أو يدفن في موضع كذا،إلخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب:تعظيم أولى الأمر واجب:۲/۲۲۱،سعيد)

"ولو أوصى بأن يحمل بعدموته إلى موضع كذا،ويدفن هناك ... ووصيته بالحمل باطلة". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوصايا،الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصية والتي لا تكون،إلخ:۶/۹۵،رشيدية)

(۲) شرطهما(الأمر والنهي)أن لايؤدي إلى الفتنة،كما علم من الحديث،وأن يظن قبوله ،فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار الشعار الإسلام.(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب،باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۲،رشيدية)

(۳) جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً". (الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸،سعيد)

"ولو بلى الميت وصار تراباً،جاز دفن غيره في قبره وزرعه،والبناء عليه". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلوٰة،الباب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل الثالث في الدفن إلخ: ۱/۱۶۷،رشيدية)

"ولو بلى الميت وصار تراباً،جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق،باب الجنائز : ۱/۵۸۹، دارالكتب العلمية،بيروت)

بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ:

سوال: ایک قبرستان ۶۰، ۶۵؍سال سے عمل میں آرہا ہے، عرصہ ۴، ۵؍سال سے ایک کمیٹی بنائی گئی اور سب کے مشورہ سے ایک شخص شمشوں خان کو اس کا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ کمیٹی اور سکریٹری صاحب کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ سیانی کی قبر ایک لائن میں کھودی جائے اور بچکانی کی قبر ایک لائن میں، یہ فیصلہ ٹھیک سے چلتا رہا، ۸؍فروری ۱۹۷۴ء کو ایک لڑکی جس کی عمر ۷؍سال تھی، فوت ہوگئی، قبر کھدوانے کے لیے ناپ لیا گیا، اس وقت کمیٹی کے ایک ممبر موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ ناپ سے معلوم ہوتا ہے کہ قد میں بڑی ہے؛ اس لیے سیانی لائن میں قبر کھودی جائے، چناں چہ قبر کھودی گئی، صفائی ہورہی تھی کہ سکریٹری صاحب نے پہونچ کر قبر کی صفائی سے روک دیا اور کہا کہ کسی حالت میں اس میں دفن نہیں ہونے دیں گے، بچکانی لائن میں دوسری قبر کھودی جائے۔

اب میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا، گھر والوں کو خبر دیا، وہ سکریٹری صاحب کے پاس گئے اور عاجزی وانکساری سے کہا کہ جمعہ کا وقت ہوگیا، غسل کرا کر جنازہ مسجد کو لے جانا ہے، جو کچھ ہوا، خواہ سہواً ہوا، ہم لوگ بہت پریشان ہیں، اب دفن ہونے دیجیے، اس پر سکریٹری صاحب نے سخت الفاظ میں جواب دیا کہ میرا آرڈر ہے، قبر بند ہوکر ہی رہے گی۔ بہرحال بعد نماز جمعہ جنازہ کی نماز ہوئی اور اسے قبرستان پہونچایا گیا تو ایک شخص سکریٹری صاحب کا حامی قبر میں جا کھڑا ہوا اور کہا: دفن نہیں ہونے دیں گے، تمام عوام اس پر ناراض ہوکر بضد ہوگئی کہ اس قبر میں دفن ہوکر رہے گا اور اس شخص کو بدسلوکی سے قبر سے نکالا، اس وقت سکریٹری صاحب بھی جذبات میں آگئے اور دفن سے روکا تو چند سنجیدہ اشخاص نے سکریٹری صاحب کو پکڑ کر قبرستان سے باہر کردیا۔ اب سکریٹری صاحب سے بہت اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وقت کشت وخون نہ ہو، ان کا ہر وقت سوال رہتا ہے کہ میرا آرڈر رہے گا، یا میرا استعفیٰ قبول کیا جائے۔ ایسی صورت میں علمائے دین کیا فتوی دیتے ہیں؟ تحریر فرمایا جائے۔　　(حبیب الرحمٰن، شیو چران لال روڈ، ۲۳، الہ آباد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

یہ پابندی کہ سیانی قبریں الگ لائن میں ہوں اور بچکانی قبریں الگ لائن میں ہوں، کوئی شرعی حکم نہیں، اس پر اتنا زور دینا ہی غلط ہے، (۱) اگر قبروں کی خوشنمائی کے لیے یہ لائن بندی کی تجویز کی گئی ہے، تب بھی جس کا قد طویل ہو، اس

---

(۱) من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصه، فقد أصاب منه الشیطان من الاضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر. (مرقاة المفاتیح، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول (تحت رقم الحدیث: ۹٤٦): ۳/۳۱، رشیدیة)

''الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة، فکیف إصرار البدعة التی لا أصل لها فی الشرع''.

(السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۲/۲٦٥، سهیل أکادمی لاهور)

کی قبر سیانی قبروں کے مناسب ہے، گو عمر کم ہو۔(۱) اس سب کے باوجود جبکہ سکریٹری صاحب سے معذرت کی گئی اور عاجزی کے ساتھ کہا گیا کہ جمعہ کا وقت ہو گیا ہے سہوا کیا ہے، اس وقت سب پریشان ہیں، قبر تیار ہو گئی، دفن ہونے دیجئے، بات کو نہیں بڑھایئے، آئندہ احتیاط کی جائے گی، الخ تو سکریٹری صاحب کو بھی بلند اخلاق سے پیش آنے اور درگذر کرنے کی ضرورت تھی۔ موجودہ صورت میں ان کی ضد ہرگز مناسب نہیں، ان کو چاہیے کہ وہ بات ختم کردیں اور استعفی نہ دیں۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۱۳۹۴ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۸۳/۹-۸۵)

قبر کی قیمت:

سوال: آج کل بہت سے قبرستانوں کے نگراں کار دو گز زمین کے لیے ہزاروں روپے نذرانے کے طور پر مانگتے ہیں، اس کے بغیر قبر کی جگہ نہیں دیتے تو کیا اس طرح رقم لینا اور دینا درست ہے؟ (محمد آصف، لام، گنٹور)

الجواب

اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں تدفین کے لیے پیسہ لے تو گنجائش ہے؛(۳) کیوں کہ اپنی ملکیت فروخت کی جا سکتی ہے؛ لیکن جو قبرستان وقف ہے ان کو فروخت کرنا اور کسی نام سے قبر کے پیسے وصول کرنا جائز نہیں، (۴) اور اس وقت جو مقامات قبرستان کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، وہ سب کے سب وقف ہی ہیں؛ اِس لیے متولیوں کو ایسے گناہ کے کام سے بچنا چاہیے کہ یہ رشوت اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۳۰/۳-۲۳۱)

---

(۱) (وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن، إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۳/۲-۲۳۴، سعيد)

"وروى الحسن بن زياد عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول القبر على قدر طول الإنسان، وعرضه قدر نصف قامته، كذا فى المضمرات". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل، إلخ: ۱۶۶/۱، رشيدية)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: "إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۸۷۲۹): ۸۰/۳، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) سئل في وقف له ناظر و متول هل لأحدهم التصرف بلا علم الآخر؟ أجاب: لايجوز، والقيم والمتولى والناظر في كلامهم بمعنى واحد. (كتاب الوقف، مطلب القيم والمتولي والناظر بمعنى واحد: ۴۵۸/۴، دار الفكر بيروت، انيس)

(۴) سنن ابن ماجة، رقم الحديث: ۲۷۵۳، باب فضل الجهاد في سبيل الله

دفن میت سے روکنا:

سوال: ایک شخص جو کہ حاجی بھی ہواوراپنے آپ کو شرع ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہواوراپنے آپ کوسید بھی کہتا ہو، وہ اگر کسی ایک مسلمان کی میت کو دفن ہونے سے عملاً روکنے کی کوشش کرے اوردوسرے مسلمانوں کواس میں شریک ہونے سے روکے اوران کوخدااوررسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کوان کے بچوں کی قسمیں دلاکر میت میں شریک ہونے سے خوداس نے اوراس کے سب گھر والوں نے روکا، دیگر میت کی قبر کھودنے والوں کو بھی روکا اوران کوڈرایا دھمکایا، پولس تھانہ جاکر میت کے وارثوں پر جھوٹا الزام لگایا کہ اس کوزہر دے کر مارا گیا ہے۔علمائے دین ایسے شخص (سیدالحاج محمد شفیع) اوران کے گھر والوں پر کیا حکم شرع عائد کرتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ کس وجہ سے حاجی صاحب مذکور نے ایسا کیا، اس خاص میت میں کیا بات تھی، موت تو اورلوگوں کو بھی آتی ہے، کیا وہ کسی بھی میت میں لوگوں کو شریک نہیں ہونے دیتے اوردفن کرنے سے روکتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو جس جس میت کو دفن نہ ہونے دیا اورلوگوں کو شرکت سے روکا، اس وقت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، غرض جب تک بات صاف نہ ہو، اس کا حکم کیا لکھا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۳۹۲/۸/۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹۴/۹)

لاش دوسال بعد دفن کرنا:

سوال: دوسال بعد لاش کو اسلامی طریقہ پر دفن کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اتنی تاخیر کی اجازت نہیں، (۲) اگر غلطی سے اتنی تاخیر کردی گئی تب بھی اسلامی طریقہ پر دفن کریں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۲/۲۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹۵/۹)

---

(۱) كان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ربما لايجيب عن مسئلة سنة، وقال: لأن يخطى الرجل عن فهم خير من أن يصيب بغير فهم. (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ربما لايجيب: ۳۷۰/۲، مكتبة ميمنية مصر)

"الرابعة: من آداب المفتي: ليتأمل الرفعة تأملاً شافياً و آخرها آكد ... وإذا وجد كلمة مشتبهة، سأل المستفتي عنها ونقطها وشكلها، وكذا إن وجد لحناً فاحشاً أوخطأ يحيل المعنى، أصلحه، إلخ". (شرح المهذب للنووي الملحق بشرح عقود رسم المفتي، فصل في آداب الفتوىٰ، ص: ۱۲، مير محمد كتب خانة)

(۲) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يبلغ به النبي صلى الله تعالىٰ عليه و سلم قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تك خيرا تقدموها، وإن تك شرا تضعونها عن رقابكم". (جامع الترمذي، باب ما جاء في الإسراع بالجنازة: ۱۹۶/۱، سعيد) ==

قبر پر کھیتی:

سوال: زید کے باغ میں کوئی قبر تھی، اس نے اس کو بذریعہ ہل کے بے نشان کردیا اور وہاں پر اناج بودیا۔ فرمایئے اس قبر کا اناج پیدا شدہ اس کے لیے کیا ہوگا؟ نیز قبر کا بے نشان کرنا شرعا کیسا ہے؟

(بندہ محمد یامین بہٹوی، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۶ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر وہ قبر اتنی پرانی تھی کہ اس میں میت مٹی بن چکی تھی تو اس میں ہل چلانے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ وہاں کھیتی وغیرہ درست ہے، (۱) یا کسی نے بغیر زید کی اجازت کہ زید کی زمین میں اپنے مردہ کو دفن کردیا تھا تب بھی زید کو جائز ہے کہ وہ اس جگہ کھیتی وغیرہ کرے، (۲) اور اگر خود کوئی زید کا مردہ تھا، یا زید کی اجازت سے اس میں دفن کیا گیا تھا تو زید کو اس مردہ کے اس قدر پرانا ہونے سے پہلے کہ مٹی ہوجائے اس جگہ کھیتی کرنا درست نہیں، تاہم وہاں کے اناج میں اس سے خرابی نہیں آتی، اس سے قبر کے بے نشان کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۷/۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۷/۹)

==   "يندب دفنه في جهة موته وتعجيله، إلخ". (الدر المختار)

"(قوله: وتعجيله): أي تعجيل جهازه عقب تحقق موته، ولذا كره تأخير صلاته ودفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۹/۲، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (ويعجل به بلاخبب): أي يسرع بالميت وقت المشي بلاخبب، وحده أن يسرع به بحيث لايضطرب الميت على الجنازة، إلخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۸/۱، سعيد)

(۳) مسلمان کا دفن کرنا فرض کفایہ ہے، دفن نہ کرنے کی وجہ سے سارے مسلمان گنہگار رہوں گے۔

"دفن الميت فرض على الكفاية". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن: ۱۶۵/۱، رشيدية)

"(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) ... (كدفنه) وغسله وتجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة الجنازة: ۱۰۲/۳، مكتبة زكريا ديوبند)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه و البناء عليه". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن، الخ: ۱۴۷/۱، رشيدية)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) (ولايخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخير المالک بين إخراجه و مساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلىٰ وصار تراباً، زيلعي. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجنائز: ۲۳۸/۲، سعيد) ==

جنازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں:

سوال: خیر پور ضلع بہادلپور میں ایک جنازہ گاہ ہے، جو کہ عرصہ اسّی (۸۰) سال سے زائد تعمیر شدہ ہے، اردگرد چار دیواری مکمل ہے، جنازہ گاہ کی عمارت آج سے اسّی (۸۰) سال قبل خیر پور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی، یہ رقبہ زمیندار کا ہے، کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی، یا تعمیر کنندہ کو ہبہ کی تھی۔ اصل مالک، یا اس کے ورثا نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا، محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ مملوکہ مالک درج چلا آرہا ہے، صرف یہی نہیں؛ بلکہ جس محلّہ میں یہ جنازہ گاہ واقع ہے، وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً ساری مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے، اسی اصل مالک کے نام چلا آرہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیر پور اس جنازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کوارٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے، جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورت بالا کا مطابق یہ جگہ وقف شمار ہوگی، یا نہیں؟ آیا ثبوت وقف کے لیے اتنا کافی، یا کاغذی اندارج ضروری ہے اور ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے، یا نہیں؟ (احقر غلام قادر، مہتمم خیر العلوم، خیر پور)

الجواب

اگر عامۃ الناس اس کے جنازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہے اس کے وقف ہونے کی، لہٰذا کمیٹی کا اس میں مذکور تصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔ (کذا فی امداد الفتاویٰ: ۲/۵۰۱)

وقف ہونے کے لیے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

"وفي الخيرية وقف قديم مشهور لايعرف واقفه استولى عليه ظالم فادعى المتولي أنه وقف على كذا شهور وشهدابذلك فالمختار أنه يجوز، آه. (۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۸۲)

قبرستان میں آگ لگانا:

سوال: یہاں پر ایک مسجد کے بازو میں قبرستان ہے، جس میں قبروں پر برسات میں گھاس اگتی ہے اور وہ کسی کو گتہ پر دی جاتی ہے اور گھاس کٹ جاتی ہے، اس کے بعد بھی تھوڑی گھاس بچ جاتی ہے، یا گھاس کٹ جانے کے بعد ڈنڈے بچے

== "قال رحمه الله تعالى: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج بحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سواه مع الأرض وانتفع به زراعة أوغيرها". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) رد المحتار، كتاب الوقف، قبيل مطلب في دعوى الوقف بلا بيان الواقف: ۴/۴۱۱، دار الفكر بيروت، انيس

رہتے ہیں، اگر اسے ایسا ہی چھوڑ بھی دیا جائے تو سوکھ کر مٹی میں مل جاتی ہے؛ لیکن یہاں جلا دیا جاتا ہے، جس سے قبروں پر بھی آگ لگ جاتی ہے اور قبروں پر جلنے کے نشان کئی ہفتوں؛ بلکہ مہینوں تک رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعا جائز ہے؟
(امیر مرزا، نلگنڈہ)

الجواب

قبر پر آگ جلانا مکروہ ہے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے قریب بہ مرگ اپنے صاجزادے سے کہا کہ جب میری موت ہو تو کسی نوحہ خواں کو اور آگ کو ساتھ نہ لانا۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے قبر پر آگ جلانے کو منع کیا ہے۔ (۱) فقہا حنفیہ میں علامہ طحطاویؒ وغیرہ نے تو صراحت کی ہے کہ قبر میں آگ میں پکی ہوئی اینٹ بھی استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۳۵-۲۳۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کہاں ہے:

سوال: میں نے کئی صاحبان سے سنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار شریف کا کوئی پتہ نہیں، انتقال کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو ایک سانڈنی کی پیٹھ پر ڈال کر جنگلوں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ (فرمین محمد خان، چندرائن گٹہ)

الجواب

علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے ''دار الإمارۃ'' میں آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین عمل میں آئی۔ یہ جو بعض حضرات نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک سواری پر رکھی گئی اور وہ اسے لے کر چلی گئی، پھر پتہ نہیں چلا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش کہاں گئی، مشہور محقق اور مؤرخ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ!

''فقد أخطأ وتکلف ما لا علم به ولا يقبله عقل ولا شرع''. (۳)

(یہ غلط اور لاعلمی پر مبنی بات ہے، جسے نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ شرع۔) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۳۳)

---

(۱) عن عمرو بن العاص قال لابنه وهو فی سياق الموت: إذا أنا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نار فإذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم أقيموا حول قبری قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها سحتیٰ أستأنس بكم واعلم ماذا أراجع به رسل ربی. (مشکوۃ المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۱۴۹، قديمی، انيس)

(۲) (وكره) وضع (الأجر) بالمد المحرق من اللبن ... قال بعض مشائخنا انما يكره الأجر اذا أريد به الزينة أما اذا أريد به رفع أذی السباع أو شئ آخر لا يكره وما قيل أنه لمس النار فليس بصحيح.

وفی حاشية الطحطاوی تحته لأن الكفن مسته النار ويغسل الميت بالماء الحار وأصيب بأن النار لم تمس الماء بخلاف الآخر كما هو ظاهر وبأن الأجر به أثر النار فيكره فی القبر للتشاؤم. (حاشية الطحطاوی، كتاب الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۰، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) البداية والنهاية: ۷/۳۲۰

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر افغانستان میں ہے:

سوال: افغانستان کے شمال میں واقع ایک اہم شہر مزار شریف سے متعلق ایک ٹی وی چینل میں بتایا گیا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار مقدس ہے۔اس روضہ پر ازبک کمانڈر رشید دوستم کو حاضری دیتے اور کامیابی کے لیے دعا مانگتے ہوئے دکھایا گیا۔مزار شریف میں واقع روضہ کی حقیقت کیا ہے؟ براہِ کرم معلومات سے آگاہ فرمائیے۔

(محمد مجیب اللہ خان، یوسف،سید علی گوڑہ)

الجواب

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تدفین کہاں ہوئی؟ اس سلسلہ میں اہل علم اور مؤرخین کے بیان میں کافی اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔اہل تشیع نجف کو آپ کا مدفن قرار دیتے ہیں؛ لیکن علماءِ اہل سنت نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے اور یوں بھی کوفہ میں شہادت اور نجف میں تدفین سمجھ میں نہیں آتی ،علماءِ اہل سنت کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ، نیز دوسرے محققین کی رائے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین کوفہ ہی میں ''دارالإمارۃ'' کے پاس ہوئی ہے، یہ بات خود اہل بیت میں سے امام جعفر صادقؒ سے بھی مروی ہے، چوں کہ خوارج اپنی بد دینی کی وجہ سے اہل بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بدترین دشمن تھے اور انہوں نے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا،اس لیے آپؓ کے اہل خاندان حضرت حسنؓ،حضرت حسینؓ،حضرت محمد بن حنفیہؒ وغیرہ کا خیال تھا کہ کہیں یہ بددین اپنے بغض میں آپؓ کی قبر شریف کو کھود نہ ڈالیں؛اس لیے قبر کی جگہ کو مخفی رکھا گیا اور اس کی زیادہ تشہیر سے اجتناب برتا گیا؛(۱) اس لیے مزار شریف میں حضرت علیؓ کی قبر کا ہونا بے اصل بات ہے، نہ عقل اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ تاریخ۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۳۳-۲۳۴)

جس کی قبر نہ ہو، اس پر عذاب قبر:

سوال: عذاب قبر کے تعلق سے سنتے ہیں کہ قبر میں مردہ سے سوال وجواب ہوگا اور مردہ فرشتوں کو جواب دے گا، جس آدمی کی قبر ہی نہ ہو، یا پانی میں غرق ہوگیا ہو، یا کسی آدمی کو درندہ اور شیر وغیرہ نے کھالیا ہو تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟

(سید افروز احمد علوی،گلشن باغ)

الجواب

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر اور سوال وجواب وغیرہ کا تعلق ان لوگوں سے بھی ہے، جو

---

(۱) قال ابن الکلبی،شهد دفنه فی اللیل الحسن والحسین وابن الحنفیة وعبد اللّٰه بن جعفر وغیرهم من أهل بیتهم فدفنوه فی ظاهر الکوفة وعموا قبره خفیفة علیه من الخوارج وغیرهم.(البدایة والنهایة:۳۶۵/۷، انیس)

پانی میں غرق ہو گئے ہوں، یا جن کو جانوروں نے کھالیا ہو۔ ''إن الغريق في الماء والمأكول في بطون الحيوانات والمصلوب في الهواء يعذب وإن لم نطلع عليه''. (۱)

دراصل عذاب قبر کا لفظ ایک اصطلاحی لفظ ہے اور قبر سے صرف زمین کا گڑھا مراد نہیں ہے؛ بلکہ عالم دنیا اور عالم آخرت کا درمیانی وقفہ مراد ہے، جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے، انسانی جسم خواہ ذرات کی شکل میں ہو، عالم برزخ میں روح سے اس کا ربط اس حد تک برقرار رکھا جاتا ہے کہ وہ آرام وتکلیف کو محسوس کر سکے، خواہ وہ کسی درندہ کے پیٹ میں ہو، یا پانی میں، یا زمین میں مدفون ہو اور ظاہر ہے کہ زمین میں بھی انسان کا سالم جسم تو بہت دنوں باقی نہیں رہتا؛ بلکہ جسم کے ذرات مٹی کا حصہ بن جاتے ہیں؛ اس لیے عذاب قبر کے سلسلہ میں اگر یہ اعتراض ہو کہ انسانی جسم باقی نہیں رہتا تو یہ اعتراض تو زمینی قبر کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے یہ اعتراض درست نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۳۶/۳-۲۳۷)

قبروں کو پختہ بنانا اور کتبہ لگانا:

سوال: قبروں کو پختہ بنا کر اس پر کتبہ لگایا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے قبور جو پختہ اور گنبدوں کی شکل میں ہیں اور اس میں بعض جگہ قرآنی آیات وغیرہ لکھے ہیں۔ ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(ریاض الحق، منگلور)

الجواب

قبر کو پختہ بنانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے؛ (۲) اس لیے یہ بالکل جائز نہیں ہے، صرف سادہ پتھر امتیاز کے لیے لگایا جا سکتا ہے، کتبہ نصب کرنا مکروہ ہے، (۳) بزرگوں کی قبر پر جو گنبد تعمیر کر دئے گئے ہیں، وہ سب خلافِ شرع ہیں اور خود ان بزرگوں نے اس کو پسند نہیں کیا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۳۱/۳)

---

(۱) شرح العقائد للنسفي، ص: ۱۰۰

(۲) مشكوة المصابيح، ص: ۱۴۸- ''وفي الجامع الصغير للسيوطي، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقعد علىٰ القبر وأن يجصص أو يبنى عليه''. (۶۸۷/۲)

ونكره أن يجصص أو يطين، أو يجعل عنده سجد أوعلم أو يكتب عليه ويكره الأجر أن يبنى به أو يدخل القبر ولا نرىٰ برش الماء عليه بأساً وهو قول أبي حنيفة.

محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة، قال: حدثنا لنا شيخ يرفع إلى النبي صلى الله عليه وسلم أنه ''نهى عن تربيع القبور وتجصيصها''. قال محمد: وبه نأخذ. (كتاب الآثار لإمام محمد، كتاب الجنائز، باب تسنيم القبور وتجصيصها: ۳۳۱/۱، انيس)

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی اپنی کتاب ''زبدة الذكية'' (صفحہ: ۶۵) پر لکھتے ہیں: قبر کے اوپر چنائی کرنا، یا قبر پر بیٹھنا، یا اس کی طرف نماز میں منہ کرنا سب منع ہے۔

(۳) عن جابر قال نهى رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم أن يكتب علىٰ القبر شيءٌ''. (ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في النهي عن البناء على القبور، الخ، ص: ۱۱۲، قديمي، انيس)

''ابن ماجة وحاكم في المستدرک كلاهماعن جابر، حديث صحيح ''. (الجامع الصغير للسيوطي: ۶۸۷/۲)

جو بچہ مردہ ہو، اسے دفن کیا جاوے:

سوال: جو بچہ مردہ پیدا ہوا، اس کو قبر میں لحد کھود کر رکھا جاوے، یا گڑھا کھود کر کفارہ کی طرح دبا دیا جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

گڑھا کھود کر مردہ کو اس میں ڈالنا صرف کافر یا مرتد کے لیے کہا گیا ہے، اولاد مسلمین کے لیے جب کہ وہ مردہ پیدا ہوں، ایسا کرنا کہیں نظر سے نہیں گذرا، صرف نماز اور کفن کے متعلق یہ ذکر کرتے ہیں:

"أدرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه، آه". (الدر المختار)(۱)

بلکہ دفن کا اطلاق اور حفر کا نہ کہنا مشعر ہے کہ دفن معہود ہی مراد ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۴/۵-۳۸۵)

لحد کی وسعت اور اونچائی کیا ہو:

سوال: لحد قبر کی کتنی فراخ اور کتنی اونچی ہونی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو، جس میں مردہ اچھی طرح لٹا دیا جاوے اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارہ میں نہیں ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے، یہ کچھ ضروری شرط نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۶/۵)

لحد کی گہرائی:

سوال: مشہور ہے کہ فرشتے میت کو قبر مین حساب وکتاب کے لیے بٹھاتے ہیں؛ اس لیے لحد اتنی گہری ہونی چاہیے کہ اس میں میت آسانی سے بیٹھ سکے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

یہ محض جہالت ہے، فرشتے میت کو ظاہر قبر میں نہیں؛ بلکہ عالم برزخ میں بٹھاتے ہیں۔ لحد، یا شق کی گہرائی صرف

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۲۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) (وحفر قبره) في غير دار مقدار نصف قامة وان زار فحسن.

وفي الرد: تحت (قوله: مقدار نصف قامة) أو إلىٰ حد الصور وان زاد الىٰ مقدار قامة فهو أحسن وفي القهستاني، وطوله علىٰ قدر طول الميت وعرضه علىٰ قدر نصف طوله. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت کو سنت کے مطابق کروٹ پر لٹایا جاسکے، بالائی سطح میت کے جسم سے الگ؛ مگر بالکل قریب ہو؛ تاکہ قبر کے گرنے اور درندوں سے حفاظت رہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/محرم ۱۴۰۱ھ (احسن الفتاویٰ:۴/۲۵۲)

قبر کی گہرائی کیا ہو:

سوال (۱) صندوقی قبر کی گہرائی جو نصف قامت مراد ہے تو یہ کل قبر کی گہرائی ہے، یا کیا؟

کیا فرشتے کی وجہ سے قبر گہری کھودی جاتی ہے:

(۲) قبر میں جو فرشتے آکر میت کو بٹھاتے ہیں، کیا اس وجہ سے قبر کو گہرا کھودیا جاتا ہے، یا کیا؟

الجواب

(۱) فقہا کی مراد نصف قامت گہرائی سے کل قبر کی گہرائی مراد ہے اور یہ ادنی درجہ گہرائی کا ہے، اس سے زیادہ پورے قامت تک بہتر ہے اور علت اس کی یہ ہے کہ بدبو باہر نہ پھیلے اور درندوں سے محفوظ رہے۔

والمقصود منه المبالغة فی منع الرائحة ونبش السباع.(۲)

(۲) قبر کو گہرا کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے، جیسا کہ شامی سے منقول ہوا اور اس عالم میں میت کے بٹھانے کے لیے گہرائی مذکور کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ عالم اس عالم کے مثل نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۵/۴۱۲)

لحد کی وسعت اور اونچائی کیا ہو:

سوال: لحد قبر کی کتنی فراخ اور کتنی اونچی ہونی چاہئے؟

الجواب

لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو، جس میں مردہ اچھی طرح لٹادیا جاوے اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں نہیں ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے، یہ کچھ ضروری شرط نہیں ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۵/۳۷۶)

---

(۱) (ویحفر القبر نصف قامة) فی الحجة: روی الحسن بن زیاد عن الإمام قال: طول القبر علیٰ قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة، کذا فی الشرح عن التتارخانية، (قوله: لأنه أبلغ فی الحفظ) أی حفظ المیت من السباع و حفظ الرائحة من الظهور. (حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص:۶۰۷، دار الکتبن العلمية بیروت، انیس)

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت:۲/۲۲۴، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) (وحفر قبره) فی غیر دار (مقدار نصف قامة) وإن زاد فحسن. ==

بغلی قبر کی اونچائی کتنی ہو:

سوال: قبر بغلی ہو، یا ہودا ہو، بغلی یا ہودا تو اتنا گہرا ہوتا ہے، جس میں انسان بیٹھ جاوے؛ لیکن یہ سنداً فرمائے کہ بغلی، یا ہودے سے اوپر کتنا گہرا کھودنا چاہیے؟ مفصل تحریر فرمایئے کہ جھگڑا رفع ہو کر فیصلہ ہو۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

حدیث شریف میں اس بارے میں یہ وارد ہے:

''أوحفروا وأوسعوا وأعمقوا أوحسنوا''. (یعنی قبر کو کھود کو وسیع کرو اور گہری اور اچھا کرو۔)

فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے:

''(وحفر قبره) ... (مقدار نصف قامة) فان زاد فحسن''. (الدر المختار)(۱)

یعنی مقدار گہرائی قبر کی آدھے قد کے برابر ہو اور شامی میں ہے کہ اگر پورے قد کی برابر گہرائی قبر کی ہو تو بہت اچھا ہے۔ الغرض ادنی درجہ یہ ہے کہ وسیع ہو کہ میت کو اس میں لٹا دیا جاوے، اس میں یہ قید بھی ضروری نہیں ہے کہ اتنی گہری ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے، اگر ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ کچھ کم ہو، تب بھی کچھ حرج نہیں ہے اور ہمارے مذہب میں لحد کا ہونا؛ یعنی بغلی کا ہونا افضل ہے؛ یعنی قبر کے اندر ایک جانب کو لحد کھودی جاوے، جس میں میت کو رکھا جاوے۔ باقی اس میں جھگڑا کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قبر گہری کی جاوے اور اس میں لحد بنائی جاوے تو یہ بہتر ہے اگر زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے درمیان میں شق کر دیوے؛ یعنی قبر کے درمیان میں ایک گہرا گڑھا کھودا جاوے، یہ بھی درست ہے، پھر اوپر مٹی ڈال دی جاوے۔ پس یہ طریقہ قبر کھودنے کا ہے، اس میں کوئی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۳۸۵-۳۸۶)

کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے:

سوال: یہ جو مشہور ہے کہ قبر اس قدر گہری ہونی چاہیے کہ فرشتہ جب سوال کرنے کے آئیں تو مردہ بیٹھ سکے، اس کے سر پر نہ لگے، اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

قبر کا اوپر کا حصہ تو سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر ہونا چاہیے اور جس جگہ میت کو رکھا جاتا ہے، وہ جگہ اتنی گہری

== وفي الرد تحت (قوله مقدار نصف قامة) أو الٰی حد الصور وان زاد الٰی مقدار قامة فهو أحسن كما في الذخيرة فعلم أن الأدنٰى نصف القامة والأعلٰى القامة وما بينهما ... وفي القهستاني وطوله علٰى قدر طول الميت وعرضه علٰى قدر نصف طوله. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۲-۲۳۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۳، دار الفكر بيروت، انيس

ہو کہ قبر کا تختہ اس کے جسم سے نہ لگے، تقریباً دو بالشت کے قدر گہری ہو تو تختہ میت کے جسم سے نہیں لگے گا، میت کو قبر میں دفن کرتے وقت نہ فرشتوں کے آنے کی جگہ رکھنے کی ضرورت ہے، نہ میت کے بیٹھنے کی ضرورت ہے، جب فرشتے آئیں گے، وہ خود بٹھانے کی جگہ کر لیں گے اور قبر کی مٹی میت کے حق میں پانی کی طرح نرم ہو جائے گی، جیسا کہ حاوی الارواح میں درج ہے:

يحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر، ولمن يزاد كان حسناً، آه.

وفي حاشيته تحته في الحجة: روى الحسن ابن زياد عن الإمام أنه قال: طول القبر علٰى قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة ... ثم يوضع الميت بينهما ويسقف عليه باللبن أو الخشب ولا يمس سقف الميت. (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵۱/۹)

میت کو زمین کھود کر دفن کرنا فرض ہے:

سوال: ہمارے محلے میں ایک صاحب کا انتقال ہوا، ان کی میت کو سوسائٹی کے قبرستان میں دفنایا گیا؛ بلکہ ”دفنانا“ یہاں کہنا صحیح نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ قبر زمین کھود کر نہیں بنائی گئی تھی؛ بلکہ زمین کے اُوپر چار دیواری بنائی گئی تھی، جس میں ان کی میت رکھ کر اُوپر سیمنٹ کی سلوں سے ڈھک کر چاروں طرف اُوپر مٹی لیپ دی گئی، ظاہر ہے جب بارش ہوگی تو مٹی بہہ جائے گی اور سات آٹھ سال کا بچہ ان سلوں کو آسانی سے ہٹا سکتا ہے، اس طرح کی کئی قبریں مسجد رحمانیہ والے کونے میں ہیں، آپ بتائیں کیا اس طرح میت کو دفنایا جاسکتا ہے، یا نہیں، جب کہ قرآن میں زمین کھود کر دفنانے کو آیا ہے؟

الجواب

علامہ شامیؒ درمختار میں لکھتے ہیں: ”اس پر اجماع ہے کہ اگر میت کو دفن کرنا ممکن ہو تو دفن کرنا فرض ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین پر میت کو رکھ کر اُوپر قبر کی شکل بنا دی جائے تو کافی نہیں اور فرض ادا نہیں ہوگا“۔ (۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۹/۴)

---

(۱) حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ٦٠٧، قديمي
(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن. (الدر المختار)

وفي ردالمحتار: (قوله: مقدار نصف قامة) أو إلٰى حد الصدر، إن زاد إلٰى مقدار قامة فهو أحسن وفي القهستاني وطوله علٰى قدر طول الميت، وعرضه علٰى قدر نصف طوله. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت، ٢/ ٢٣٤، سعيد)

(۲) شروع في مسائل الدفن. وهو فرض كفاية ان أمكن اجماعاً ... ومفاده أنه لايجزى دفنه علٰى وجه الأرض ببناء عليه، الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ٢/ ٢٣٣، سعيد)

میت کو دریابُرد کرنا:

سوال: جاپانا میں مردے کو دفنانے کے بجائے جلایا جاتا ہے۔ جاپانی مسلمانوں کو دفن کرنے کے لیے ایک قبرستان کے حصول کے لیے خطیر رقم درکار رہوتی ہے، عموماً مرنے کے بعد چندہ جمع کرنے کی نوبت آتی ہے، میت کو وطن بھیجنے پر بھی بہت خطیر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، جو اکثر لوگ برداشت نہیں کر پاتے، اس ملک میں دفن کرنا قانوناً منع ہے اور چند جگہوں پر جہاں اجازت ہے، وہاں بھی لوگ مخالفت کرتے ہیں، کیا ایسی صورت میں قبر میں دفن کرنا ہی واجب، یا فرض ہے؟ اس ملک میں ۹۹ فیصد مردوں کو جلانے کا رواج ہے، اس کے لیے خاص مقامات ہیں؛ کیوں کہ مسلمان میت کو جلایا نہیں جا سکتا تو کیا میت کو دریا میں پھینک سکتے ہیں؟

الجواب

مسلمان مردے کو جلانا تو صحیح نہیں، البتہ اس کی تجہیز و تکفین کے بعد اگر دفن کرنے کی جگہ نہ ملے تو اس کو دریابُرد کرنا صحیح ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۱۰/۴)

دریابرد ہونے والی لاش نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا:

سوال: اگر قبر دریابرد ہو جاوے تو میت کو اس میں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے: **(ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي، (كان تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة)، الخ.** (۲)

پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ فی السوال میں میت کا نکالنا درست نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۵/۵)

میت کو جلانا جائز نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۵/اگست ۱۹۳۱ء)

سوال: میں نے اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰/جولائی ۱۹۳۱ء میں یہ خبر پڑھی کہ ٹرکی میں مردے جلائے جایا کریں گے اور

---

(۱) (مات في سفينة غسل وكفن وصلىٰ عليه وألقي في البحر إن لم يكن قريبا من البر). (الدر المختار)
وفي رد المحتار: (قوله وألقي في البحر) قال في الفتح وعن أحمد يثقل ليرسب وعن الشافعية كذلك ان كان قريبا من دار الحرب والا شدبين لوحين ليقذفه البحر فيدفن. (الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دفن الميت: ۲۳۵/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۵/۳، دار الكتاب ديوبند، انيس

قانون پاس ہوگیا ہے۔ کیا یہ خبر سچ ہے؟ اور کیا مذہب اسلام کی رو سے یہ قانون درست ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ خبر ابھی تصدیق طلب ہے، مسلمان کے لیے میت کو دفن کرنے کے بجائے جلانا حرام ہے، خواہ مرض وبائی کے عذر سے ہو۔ (۱)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۶۳/۴)

قبر کھودنے کا مشروع طریقہ:

سوال: قبر کھودنے کا مسنون طریقہ کون سا ہے؟ ایک صورت یہ ہے کہ میت کی مقدار، یا اس سے کچھ زائد حساب سے قبر تخمیناً۔۔۔۔ کھود کر پھر اس کے درمیان میں اور ایک حفیرہ نصف قد، یا زائد کھودتے ہیں اور اس میں نعش رکھ کر حصہ اولی میں بانس رکھ کر مٹی ڈالتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے دیس میں صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اولاً نصف قد، یا اس سے زائد قبر کھودے اور پھر نیچے ایک حفیرہ تنگ کھودے، جس میں مردہ کو رکھ دیا جائے اور بانس ایک دم متصل ڈالے کہ میت کو نہ لگے، معمولی فاصلہ پر بانس ڈالے۔ یہ دونوں صورتیں جو لکھی گئی ہیں۔۔۔۔ صندوقی قبروں کی ہے؛ کیوں کہ ہمارے ملک میں مٹی اکثر نرم ہوتی ہے، بغلی قبر نہیں کھودی جاتی۔ اب سوال یہ ہے کہ شریعت میں قبر صندوقی کی کون سی صورت مسنون ہے؟ برائے کرم تفصیل سے جواب مدلل دے کر مشکور فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

دوسری صورت سنت ہے؛ یعنی قبر کے اوپر کا حصہ ایک قامت، یا نصف قامت ہو، اس کے بعد پھر ایک حفیرہ ہو، جس میں میت کو بسہولت لٹا دیا جائے اور جو تختہ، یا بانس وگیرہ اس پر رکھا جائے، جو میت کے حق میں چھت کے درجہ میں ہے، وہ میت کے جسم سے مس نہ کرے، پھر جب مٹی ڈالی جائے گی، وہ مٹی اوپر کے حصہ میں آ جائے گی اور جو مٹی حفیرہ سے نکلی تھی، وہ زمین سے اوپر بشکل قبر رہے گی، جس سے قبر ڈیڑھ دو بالشت اونچی رہے گی، زیادہ اونچی نہیں رہے گی۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۶/۱۴۰۱ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۶/۹)

---

(۱) آگ جہنم کا عذاب ہے، دنیا میں کسی کو بھی آگ میں جلانا جائز نہیں ہے، وہ کافر ہوں، یا جانور وغیرہ، چہ جائیکہ مسلمان کی میت کو جلایا جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن محمد بن حمزة الأسلمي عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره علىٰ سرية قال فخرجت فيها وقال ان وجدتم فلاناً فاحرقوه بالنار فوليت فناداني رجعت اليه فقال ان وجدتم فلاناً فاقتلوه ولا تحرقوه فانه لا يعذب بالنار الا رب النار. (أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار: ۶/۲-۷، ط: مكتبة إمدادية، ملتان)

(۲) **(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة)، فإن زاد فحسن (ويلحد ولا يشق). (الدر المختار)** ==

قبر کا مسنون طریقہ اوراس کی شکلیں:

سوال: قبر کھودنے کی کتنی شکلیں ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلی قبر ہے؟ آیا بغلی قبر اس طرح س ہوتی ہے کہ مردہ کی لمبائی کے مطابق قبر کھودی جاتی ہے اوراس قبر کی بغل میں ایک گڈھا کھود دیا جاتا ہے اور مردہ کو اس میں رکھنے کے بعد اس طرح سے اس کو بند کردیتے ہیں کہ مردہ نہ تو اس میں بیٹھ سکتا ہے اور نہ کروٹ ہی لے سکتا ہے تو کیا اس طرح سے مردہ کو دفن کرنا درست ہے؟ میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ”مردہ کو جب قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب قریب غروب ہے پس مردہ بیٹھتا ہے اوراپنی دونوں آنکھیں ملتا ہے گویا کہ ابھی خواب سے اٹھا ہے، الخ“ تو اس صورت میں حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

قبر کا یہ طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے اور جہاں بغلی نہ بن سکتی ہو، شق بھی درست ہے، وہ اس طرح کہ قد کے برابر گہری قبر کھود کر کچھ حصہ اس میں ایسا بنایا جائے، جس میں میت کو رکھا جائے اوراس پر تختی، یا بانس رکھ کر بوریہ وغیرہ ڈال کر مٹی ڈال دی جائے، میت کا جسم بانس اور تختوں کو نہ لگے۔(۱) یہ بات صحیح ہے کہ قبروں پر فرشتے آکر میت کے اندر روح داخل کرکے اس کو بٹھاتے ہیں، مگر وہاں کی مٹی وغیرہ اس کے حق میں ایسی ہوجاتی ہے جیسا پانی کہ آدمی حوض میں اپنا ہاتھ داخل کرتا ہے، پانی ہونے کے باوجود ہاتھ اس میں سہولت کے ساتھ پہنچ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اسی طرح مردہ بھی سہولت ساتھ بیٹھ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جیسا کہ ”حاوی الارواح“ میں لکھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۱۰/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۴۷-۴۸)

== (قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ٢٣٤/٢، سعيد)

”والسنة هو اللحد دون الشق، وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيه الميت ... وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول القبر علىٰ قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته، كذا في المضمرات“. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل السادس في البر والدفن و النقل من مكان إلىٰ آخر: ١٦٥/١-١٦٦، رشيدية)

(۱) (وحفر قبره) في غير (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن، (ويلحد ولا يشق) إلا في أرض رخوة. (الدر المختار)

”(قوله: مقدار نصف قامة) أو إلىٰ حد الصدر و إن زاد إلىٰ مقدار قامة، فهو أحسن ... قوله: ويلحد؛ لأنه السنة وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف، حلية: (قوله: ولا يشق)، وصفته: أن يحفر في وسط القبر حفيرة، فيوضع فيها الميت“. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ٢/٢٣٤، سعيد)

قبر میں لحد کی جہت:

سوال: قبروں میں جوعموماً لحد قبلہ کے اقرب جانب کھودی جاتی ہے بہ ضرورت، یابلاضرورت۔ ابعد جانب کھودنا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

مستحب یہ ہے کہ لحد جانب قبلہ میں ہو۔

"وصفته أن يحفر القبر،ثم يحفرفی جانب القبلة منه حفيرة،فيوضع فيها الميت". (۱)

لیکن اگرمیت کو جانب قبلہ کے خلاف میں (غفلت، یاکسی عذر سے) رکھ دیااورمٹی ڈال دی گئی تو پھر قبر کھودکر اصلاح کی ضرورت نہیں۔

"ولو وضع الميت لغيرالقبلة، أوعلٰى شقه الأيسر،أوجعل رأسه موضع رجليه،وأهيل عليه التراب،لم ينبش" (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفااللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۴/۱۱/۱۳۵۳ھ، صحیح: عبداللطیف،۱۸/ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

(فتاویٰ محمودیہ:۹/۵۲-۵۳)

پکی قبر کی وضاحت:

سوال (۱) آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایاہے کہ قبرکچی ہونی چاہیے۔دیکھنے میں آیاہے کہ اکثر قبریں چاروں طرف سے پکی ہوتی ہیں، البتہ اوپرسطح پروسط میں کچی ہوتی ہیں۔مہربان فرماکر"کچی قبر" کی وضاحت فرمادی جائے؛ کیوں کہ قبرظاہری اوراندرونی ہیئت پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۲) کیااندرکی قبرزمین؛ یعنی فرش اور چہاراطراف کی دیواریں کچی ہوں، پھراُوپرکی سطح سیمنٹ کے بلاک سے بندکردی جائے اوراُوپرکچھ مٹی ڈال دی جائے؟ یاکسی اورطرح؟

الجواب ــــــــــــــــ

قبراندراور باہرسے کچی ہونی چاہیے، یہ صورت کہ قبرچاروں طرف سے پکی کردی جائے اوراوپرکی سطح میں تھوڑاسا

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فی دفن الميت:۳/۱۳۰،دار الكتاب ديوبند،انيس

(۲) الفتاوٰی الهندية،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن النقل،إلخ: ۱/۱۶۷،رشيدية

"وإذا دفن الميت مستدبرالقبلة وأهالوا التراب عليه،فإن لاينبش ليجعل مستقبل القبلة". (البحرالرائق، باب الجنائز،فصل:السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹،رشيدية)

نشان کچا چھوڑ دیا جائے، یہ بھی صحیح نہیں۔(۱)

(۲)　قبر کی چھت بھی پکی ہونی چاہیے؛ لیکن اگر زمین نرم ہو کہ سیمنٹ کے بلاک کے بغیر چھت ٹھہر ہی نہیں سکتی (جیسا کہ کراچی میں یہ صورت حال ہے) تو بامر مجبوری یہ صورت جائز ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۱۲/۴)

ضرورت کی وجہ سے میت کو تابوت میں دفن کرنا جائز ہے:

سوال (۱) قبر کے اندر بوجہ کمزور ہونے زمین قبر کے نیچے کا حصہ خام چھوڑ کر صندوق پختہ بنوانا جائز ہے، یا ناجائز؟

قبر کے اردگرد چاردیوری جائز ہے:

(۲)　اوپر قبر کے قبر کا حصہ (یعنی پورا تعویذ) خام چھوڑ کر مثل چاردیواری دوفٹ اونچی بوجہ نقصان پہنچانے مویشیوں کے قبر کو بنوانا جائز ہے، یا نہیں؟

زندگی ہی میں اپنے لیے قبر تیار کرانا جائز ہے:

(۳)　اپنی زندگی میں خود کے واسطے قبر تیار کرا کر اس میں غلہ بھرنا اور ہر سال غلہ کو نکال کر خیرات کر دینا اور دوبارہ از سرنو بھر دینا جائز ہے، یا نہیں؟　(المستفتی:۸۳۹، چودھری حاجی اللہ بخش، گوالیار، ۱۵/محرم ۱۳۵۵ھ، ۸/اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱)　زمین کمزور ہے تو اس میں تابوت یعنی لکڑی کے صندوق میں میت کو رکھ کر اتارنا جائز ہے یا پتھر کے چوکے کھڑے کر کے چوکھٹہ بنادیں، اینٹ کی چنائی سے احتراز کرنا چاہیے۔(۳)

---

(۱)　قال:ويسنم القبر ولا يربع لحديث النخعي قال:حدثني من رأى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما مسنمة عليها فلق من مدر بيض ولأن التربيع في الأبنيه للأحكام ويختار للقبور ماهو أبعد من أحكام الأبنية وعلىٰ قول الروافض السنة التربيع في القبور ولا تجصص لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن تجصيص القبوروتربيعها ولأن التجصيص في الأبنية اما للزينة أو لأحكام البناء.(المبسوط للسرخسي:٦٢/٢، باب غسل الميت)

(۲)　وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة فيوضع فيه الميت،كذا في المحيط، ويجعل ذلك كالبيت المسقف،كذا في البحر الرائق،فإن كانت الأرض رخوة فلا بأس بالشق،كذا في فتاوىٰ قاضي خان،وصفة الشق أن تحفر حفيرة كالنهر وسط القبر ويبنى جانباه باللبن أوغيره ويوضع الميت فيه ويسقف،كذا في معراج الدراية.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل السادس في القبر والدفن والنقل في مكان الىٰ آخر:١٦٦/١، انيس)وأيضا في البحر الرائق:٢٠٩/٢، باب الجنائز

(۳)　حكي عن الشيخ الإمام أبي بكرمحمد بن الفضل:أنه جوّز اتخاذ التابوت في بلادنا،لرخاوة الأرض،قال: ولو اتخذ تابوت من حديد،لابأس به ... ويكره الآجر في اللحد إذا كان يلي الميت كذا فتاوىٰ قاضي خان(الفتاوىٰ الهندية،باب الجنائز،الفصل السادس في القبروالدفن:١٦٦/١،ط:ماجدية، كوئٹة)

(۲) یہ صورت بھی بہتر نہیں ہے۔(۱)

(۳) اپنی زندگی میں قبر تیار کرالینا مباح ہے؛(۲) لیکن اس میں غلہ بھر کر خیرات کرنا بدعت ہے، خیرات کرنے میں حرج نہیں؛ مگر قبر میں بھرے بغیر جتنا چاہو خیرات کردو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۹/۴)

صندوق میں دفنانا:

سوال: میت کو صندوق کے اندر لے جانا اور صندوق کے ساتھ دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــ وباللّٰہ التوفيق

ضرورۃً صندوق میں جنازہ لے جانا جائز ہے اور اگر دیوار نرم ہو اور گرنے کا اندیشہ ہو تو صندوق کے ساتھ دفن کرنا بھی جائز ہے، بلا ضرورت مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ: ۱۹۴/۳-۱۹۵)

صندوق میں ڈال کر دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: بعض شخص میت کو بعد کفن پہنانے کے ایک صندوق چوبی میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور زمین کی سپردگی میں دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جس مدت تک سپرد کرتے ہیں، اس وقت تک نعش میت کی گلتی سڑتی نہیں، اس کی شریعت میں کچھ اصل ہے، یا نہیں؟ اور صندوق میں رکھ کر دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــ

شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں باعتقاد مذکور، وہ گناہ گار ہیں،

---

(۱) أما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه ... وعن أبي حنيفة، يكره أن يبنى عليه بناء من بيت، أو قبة أو نحو ذلك لما روى جابر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها، رواه مسلم وغيره. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۷/۱، ط: سعيد)

(۲) ومن حفر قبرًا لنفسه لابأس به. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱۶۶/۱، ماجدية)

وفى الدر: ويحفر قبرًا لنفسه وقيل يكره والذى ينبغي أن لا يكره تهئية نحو الكفن بخلاف القبر (قوله: والذى ينبغي) كذا قاله فى شرح المنية وقال لأن الحاجة إليه متحققة غالبًا بخلاف القبر لقوله تعالىٰ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۴/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

وقال الرافعى: قوله بخلاف القبر لقوله تعالىٰ، الخ، حفره لاينافى الآية لنفعه فى الجملة ولو لغيره. (رد المختار، باب الجنائز: ۲۴۴/۲، ط: سعيد)

البتہ ان زمینوں میں کہ نرم اور کمزور ہیں، تابوت رکھنا جائز ہے، غرض کہ اس کی اجازت بھی بضرورت ہے، ورنہ یہ بھی بے ضرورت مکروہ ہے۔

وحكى عن الشيخ الامام أبى بكرمحمد بن فضل أنه جوزاتخاذ التابوت فى بلاد نا لرخاوة الأرض قال ولو اتخذ من حديد لا بأس به لكن ينبغي أن يفرش فيه التراب ويطين الطبقة العليا مما يلى الميت. (الفتاویٰ الهندية وهكذا فى الدر المختار) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۸/۵)

میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کرنا:

سوال: یہاں انگلستان میں حکومت کا قانون ہے کہ میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کیا جائے تو کیا ہم مسلمانوں کے لیے بھی ایسا کرنا جائز ہوگا اور اگر حکومت کی اجازت نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

اگر قبر کی زمین نرم، یا تر ہو تو صندوق میں میت کو رکھ کر دفن کرنا درست ہے بلاضرورت مکروہ ہے۔

(ولا بأس باتخاذ تابوت) له عند الحاجة كرخاوة الأرض.

وفى الرد تحت (قوله: باتخاذ تابوت) يرخص ذلك عند الحاجة، والا كراه". (۲)

قانون کی مجبوری معذوری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴/۹-۵۵)

طریق مشروع کے خلاف میت کو قبر میں رکھ کر اس کے اوپر مٹی ڈالنا:

سوال: مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے کرام کی کیا رائے ہے؟

مشہور و دیگر چند مقامات پر عرصۂ دراز سے یہ رواج ہے کہ میت کو قبر میں اتار کر اس کے کفن اور جسم پر ہی مٹی ڈال دی جاتی ہے، اس کا پورا امکان ہے کہ ۔۔۔ مٹی کے نیچے دب کر چند دن میں ہی نعش بگڑ جاتی ہے اور عوام دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی میں مل جاتا ہے؛ اس لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ مگر بہت سے حضرات کو میت کے ساتھ اس سلوک میں احترام میت کے خلاف ایک انسانیت سوز حرکت نظر آتی ہے۔ اس بارے میں شریعت حقہ کی کیا ہدایت ہے؟ امید ہے کہ جلد سے جلد جواب باصواب سے نوازیں گے؟

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱۶۶/۱

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۴/۲، سعيد

"وإن تعذر اللحد، فلابأس بتابوت يتخذ للميت؛ لكن السنة أن يفرش فيه التراب". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلا ته، ۳۳۸/۲، رشيدية)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ طریقہ خلاف شریعت بھی ہے،(۱) میت کو دفن کرنے کی صورت حدیث، فقہ سے جو ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ قبر بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور اس طرح مٹی ڈالی جائے کہ میت پر نہ پڑے۔اس کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ ہے ک لحد بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور کچی اینٹیں لگا دی جائیں؛ تا کہ میت لحد میں محفوظ ہو جائے، پھر مٹی ڈال دی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شق بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر تختہ رکھ کر میت کو محفوظ کر دیا جائے، پھر مٹی ڈالی جائے،غرض میت پر مٹی نہ ڈالی جائے اور کچی اینٹیں لگا دی جائیں؛ تا کہ میت لحد میں محفوظ ہو جائے، پھر مٹی ڈال دی جائے۔دوسری صورت یہ ہے کہ شق بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر تختہ رکھ کر میت کو محفوظ کر دیا جائے، پھر مٹی ڈالی جائے،غرض میت پر مٹی نہ ڈالی جاے۔مسئلہ جب شریعت میں منصوص ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا اور ایسی علت تجویز کرنا جس سے نص ہی بے عمل رہ جائے، جائز نہیں،غلط ہے کہ خلاف اصول ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۲/۱۱/۳۰ھ۔الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،۱۳۹۲/۱۲/۲ھ۔

(فتاویٰ محمودیہ:۹/۵۹۔۶۰)

ریتلی زمین میں خشت خام سے لحد تیار کرنا کیسا ہے:

سوال: ریتلی زمین میں قبر قائم نہیں رہ سکتی فورا بعد تیار ہونے کے، یا مٹی ڈالتے وقت گر جاتی ہے،ایسی صورت میں اگر خشت وخام سے لحد تیار کی جائے تو یہ شرعا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

ایسی حالت اور صورت میں کچی اینٹ سے لحد قائم کرنا جائز ہے اور اس میں سنت لحد ادا ہو جاوے گی اور کچھ تو نہ

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قلت:قال النبی صلی اللّٰه علیه و سلم:"من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه،فهو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح،باب:إذا اصطلحوا علیٰ صلح جور،فهو مردود:۱/۳۷۰،قدیمی)

"فیساوی تعریف الشمنی لها بأنها(أی البدعة)ما أحدث علیٰ خلاف الحق المتلقیٰ عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة و استحسان،وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستیقماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الإمة:۱/۵۶۰۔۵۶۱،سعید)

(۲) والسنة هوالـلحد دون الشق،کذا فی محیط السرخسی،وصفة اللحد أن یحفرالقبر بتمامه ثم یحفرفی جانب القبلة منه حفیرة ،فیوضع فیه المیت،کذا فی المحیط،ویجعل ذلک کالبیت المسقف،کذا فی البحر الرائق، فإن کانت الأرض رخوة، فلا بأس بالشق،کذا فی فتاویٰ قاضی خان،وصفة الشق أن تحفرحفیرة کالنهر وسط القبر ویبنی جانباه باللبن وغیره،ویوضع المیت فیه و یسقف ... ویوضع فی القبرعلیٰ جنبه الأیمن مستقبل القبلة،کذا فی الخلاصة، وتحل العقدة،و یسوی اللبن والقصب لا الآجرو الخشب،ویسجی قبرها لاقبره،ویهال التراب". (الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی الدفن إلخ:۱/۱۶۵۔۱۶۶،رشیدیة)

ہوگی؛ کیوں کہ خشت خام کے رکھنے کا اور اس سے لحد کے منھ بند کرنے کا حکم حدیث وفقہ سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر لحد کے منھ بند کرنے کا حکم حدیث وفقہ سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں خشت خام استعمال کی گئی ہیں، پس اگر ضروریات مذکورہ کی وجہ سے ہر جانب لحد میں خشت خام رکھی جاویں تو یہ بلا شبہ جائز اور مستحب ہے، جیسا کہ عبارات کتب فقہ سے ظاہر ہے:

(ویسوی اللبن علیه والغصب لا الآجر).(۱)

أی علی اللحد بأن یسد من جهة القبر ویقام اللبن فیه.(۲)

(ولابأس باتخاذ تابوت) ولومن حجر أوحدید له عند الحاجة) کرخاوة الأرض الخ درمختار وفی ردالمحتارق(وله ولابأس باتخاذ تابوت الخ أی یرخص ذلک عند الحاجة والا کراہ کما قدمناه آنفا قال فی الحلیة نقل غیر واحد عن الامام ابن الفضل أنه جوزه فی أراضیهم لرخاوتها وقال لکن ینبغی أن یفرش فیه التراب وتطین الطبقة العلیا مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علیٰ یمین المیت ویساره لیصیر بمنزلة للحد والمراد بقوله ینبغی یسن،الخ.(۳)

شامی کی اس عبارت کے آخر حصہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حصہ جو سوال میں درج ہے، عین مطابق سنت ہے اور کسی قسم کی کراہت کا اس میں شبہ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ حقیقتاً لحد ہی ہے۔ صرف بخوف گر جانے لحد کے روک اس کے لیے کچی اینٹیں ہر طرف قائم کی گئی ہیں، جو کہ خلاف سنت نہیں، پس اس عمل کے بذریعہ سے عمل بالسنۃ بخوبی حاصل ہوگا، وہو المطلوب ۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۷۲/۵-۳۷۳)

عورت کو قبر میں کون اتارے:

سوال: اگر عورت مرجائے تو اس کی نعش کو قبر میں کون شخص اتارے؟

الجواب

ذی رحم محرم اس کو قبر میں اتارے گا اور ذی رحم محرم کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اجنبی لوگ بھی اتار سکتے ہیں۔

نصاب الاحتساب میں ہے: **ذکر فی شرح الطحاوی وذوالرحم المحرم أولیٰ بادخال المرأة فی القبر من غیرهم وکل ذی رحم محرم أقرب منها فهو أولیٰ من الأجانب ولولم یکن لها ذورحم محرم فلا بأس للأجانب فی وضعها فی قبرها و لایحتاج إلیٰ إیتان النساء للوضع،إنتهیٰ.** (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۹)

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۲/۳، دار الکتاب دیوبند

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۱۳۲/۳، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۳) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۰/۳، دار الکتاب دیوبند، انیس

عورت کو قبر میں اس کے محرم اُتاریں:

سوال: کیا شوہر بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

جنازے کو کندھا دے سکتا ہے اور اگر عورت کے محرم موجود نہ ہوں تو قبر میں بھی اتار سکتا ہے؛ لیکن جسم کو کپڑے کے بغیر ہاتھ نہ لگائے۔

وذوالرحم أولٰی بإدخال المرأة من غيرهم كذا فى الجوهرة النيرة وكذاذو الرحم غير المحرم أولٰى من الأجنبى فإن لم يكن فلابأس للأجانب وضعهنا، كذا فى البحر الرائق. (۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ ۳؍۲۱۲۔۲۱۳)

عورت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے، یا نہیں:

سوال: شوہر کی حیات میں اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو مرحومہ حلقہ شوہریت سے نکل جاتی ہے، یا نہیں؟ اور مرد کا بحیثیت نامحرم ہونا درست ہے، یا نہیں؟ نیز حقیقی محرم جیسے باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کی موجودگی میں شوہر مذکور مرحومہ کو قبر میں اتار سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

انتقال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، (۲) ہاتھ نہیں لگا سکتا، البتہ دیکھنا درست ہے، (۳) جب محرم باپ بھائی وغیرہ موجود ہوں تو وہ مقدم ہیں، وہی قبر میں اتاریں، شوہر کو بھی اتارنا اور جنازہ کو ہاتھ لگانا درست ہے۔ (۴) (فتاویٰ محمودیہ: ۹؍۶۳۔۶۴)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى و العشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱/۱٦٦، انيس

(۲) إذا ماتت، فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل، فصار أجنبياً. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب فى حديث "كل سبب ونسب، إلخ: ۳/۹۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

إذا ماتت المرأة حيث لا يغسلها الزوج؛ لأن هناك انتهٰى ملك النكاح لانعدام المحل، فصار الزوج أجنبياً، إلخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان فيمن يغسل: ۲/۳۳، رشيدية)

(۳) ويمنع زوجها من غسلها و مسها، لامن النظر إليها على الأصح. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳/۹۰، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۴) وذو الرهم المحرم أولٰى بادخال المراء ة من غيرهم، كذا فى الجوهرة النيرة، وكذا ذوالرحم غيرالمحرم أولٰى من الأجنبى فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها كذا فى البحر الرائق الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن، آه: ۱/۱٦٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

عورت کی قبر میں غیر محرم کا اُتارنا:

سوال: عورت کی قبر میں غیر محرم مرد وفنانے اتر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

بہتر یہ ہے کہ محرم قبر میں میت کو رکھنے کے لیے اترے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رکھتے وقت کفن کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے اور میت کے جسم پر ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر محرم نہ ہو تو پھر دوسرے اہل دیانت وتقویٰ اس کو قبر میں رکھیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۶۴)

میت کو قبر میں اتارتے وقت لانگ باندھنا:

سوال: مت کو قبر اتارتے وقت لانگ باندھنا ضروری سمجھتے ہیں، زنانی میت کے لیے اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، تہبند باندھے ہوئے میت کو قبر میں اتارنے کو بے پردہ سمجھ کر ناجائز کہتے ہیں۔ موافق شرع شریف خلاصہ تحریر فرمایا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ناف سے گھٹنوں کا حصہ تک چھپانا ضروری ہے، اس کو کسی کے سامنے کھولنا منع ہے، جو کپڑا اتنا حصہ (ناف سے گھٹنوں تک) چھپالے، اس کو باندھ کر میت کو قبر میں رکھنا بالکل درست ہے، لانگ (۲) باندھنے میں کچھ حصہ گھٹنوں یا ران کا کھل ہی جاتا ہے، اس لئے خیال مذکورہ کی اصلاح کی جائے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۶۴-۶۵)

---

(۱) وذوالرحم المحرم أولٰی بإدخال المرأة من غيرهم كذا في الجوهرة النيرة،وكذا ذوالرحم غير المحرم أولٰى من الأجنبي،فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها،كذا في البحرالرائق". (الفتاوٰى الهندية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى القبر والدفن،آه: ١٦٦/١،رشيدية)

(۲) لانگ دھوتی کا وہ حصہ جو آگے لٹکتا رہتا ہے اور جسے پیچھے کی طرف اڑس لیتے ہیں۔(فیروز اللغات، اردو تحت لفظ''ل'' ص:۱۱۴۵، فیروز سنز لاہور پاکستان)

(۳) عن علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:"لا تبرز فخذك،ولا تنظر إلٰى فخذ حي ولاميت". (سنن أبي داؤد،كتاب الجنائز،باب فى ستر الميت عندغسله: ٤٤٨/٢،رقم الحديث: ٣١٤٠،مكتبة فيصل ديوبند)

"والرابع (ستر عورته)ووجوبه عام ولو فى الخلوة على الصحيح ... (وهى للرجل ماتحت سرته إلٰى ما تحت ركبتيه)". (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة: ٤٠٤/١، سعيد)

"واعلم أن ستر العورة خارج الصلاة بحضرة الناس واجب إجماعاً ... وهى من تحت سرته إلٰى تحت ركبته إلخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة،باب شروط الصلاة: ٤٦٨/١،رشيدية)

لنگی پہن کر میت کو قبر میں اُتارنا:

سوال: اپنے رواج کے مطابق زید لنگی پہن کر میت قبر میں اتارتا ہے اور اس کو مباح جانتا ہے۔ وجہ مباح جاننے کی یہ پیش کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر لنگی پہنتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو اپناتے تھے، پس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم لنگی کا استعمال کرتے اور قبر میں اترتے تھے۔ ایسی صورت میں لنگی پہن کر قبر میں اترنا کیسا ہے؟ نیز یہ عقیدۂ تسنن صحیح ہے، یا باطل؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

زید اپنے اس عمل اور ماخذ کی وجہ سے مستحق اعتراض نہیں اور نیت صحیح ہونے کی وجہ سے مستحق اجر ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶۵/۹و۶۶)

عورت کے لیے دفن کے وقت پردہ:

سوال: عورت کی قبر پر پردہ کرنا رات اور دن کو کسی وقت شرعا کیسا ہے؟ اور کیوں کیا جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جنازہ کے ساتھ نامحرم بھی ہوتے ہیں؛ اس لیے پردہ کیا جاتا ہے؛ تاکہ قبر میں رکھتے وقت بدن کے جثہ کو نامحرم نہ دیکھیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۷ ۱۳۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۸/صفر/۱۳۵۶ھ۔ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶۶/۹)

---

(۱) اس لیے کہ ازار پہننا سنت ہے: عن أبی بردة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: أخرجت إلینا عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها كساء ملبدًا وإزارًا غليظاً، فقالت قبض روح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی هٰذين". (شمائل الترمذی، باب ما جاء فی صفة إزار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، ص:۸، سعید)

وليس الإزار والرداء، قال الواقدی: كان رداءه وبرده طول ستة أزرع فی ثلاثة وشبر، وإزاره من نسج عمان طول أربعة أذرع. (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل فی ملابسه صلی اللّٰہ علیه و سلم، ص:۳۵، دارالفکر، بیروت)

(۲) وقد روی أنها (أی فاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم) اغتسلت لماحضرها الموت وتكفنت وأمرت علياً أن لايكشفها إذا توفيت وأن يدرجها في ثيابها كما هي ويدفنها ليلا" أسد الغابة فی معرفة الصحابة لابن الأثير الجزری، رقم، ۷۱۷۵، مناقب فاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: ۲۲۱/۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"(قوله: ويسجى قبرها): أی بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتی يسوی اللبن علی اللحد".

(ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۶/۲، سعید)

(ويسجى قبرها، لاقبره)؛ لأن مبنى حالهن علی الستر والرجال علی الكشف إلخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۰/۲، رشیدیة)

میت کو قبر میں کیسے لِٹایا جائے:

سوال: میت کو دفن کرنا سیدھی کروٹ پر برخ قبلہ چاہیے، یا بحسب رواج چت منہ بقبلہ بثبوت روایات معتبرہ حدیث وفقہ مسلمہ حنفیہ مدلل ومفصل ارقام فرمایا جاوے؟

الجواب

واللّٰہ تعالیٰ ملهم للحق والصواب دفن کرنا میت کو داہنے پہلو پر قبلہ رخ بالاتفاق مسنون ومتوراث ومعمول بہا بلا خلاف ہے؛ بلکہ کلام فقہاء علیہم الرحمہ اس کے خلاف کے منع پر مصرح موجود ہے، لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ اس طریقہ کو معمول بہا اپنا ٹھہرا کر اپنے موتٰی کو بروجہ ملت وسنت سید المرسلین علیہ التحیۃ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر دفناویں اور جانب پشت میت مٹی کے ڈھیلے سے تکیہ لگاویں؛ تاکہ میت داہنی کروٹ پر قائم رہے، جانب پشت لوٹ نہ جاوے۔

قال الهداية: إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتباراً بحال الوضع فى القبر ،انتهى. (۱)

قال فى النهاية:وفى حالة اللحد فإنه يوضع على شقه الأيمن. (۲)

وقال فى فتح القدير : وأما أن السنة كونه علىٰ شقه الأيمن فقيل يمكن الاستدلال عليه بحديث النوم فى الصحيحين عن البراء بن عازب عنه عليه الصلاة و السلام قال: إذا اتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة، ثم اضطجع على شقك الايمن وقل: اللّٰهم إنى أسلمت نفسى إليك (إلىٰ أن قال) فإن مت مت على الفطرة. (۳)

وفى شرح النقاية لإلياس زاده:ويوجد إلى القبلة اى يوضع فى القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة،انتهىٰ. (۴)

---

(۱) الهداية، كتاب الصلاة،باب الجنائز: ۱۸۹/۱ ،مكتبة حقانية، لاهور، انيس

ہدایہ میں ہے کہ جب آدمی قریب المرگ ہوجائے تو اس کو اس کی سیدھی کروٹ پر لٹا دیا جائے اور قبلہ رخ کر دیا جائے جس طرح کہ اس کو قبر میں رکھا جائے گا۔

(۲) اور نہایہ میں ہے کہ لحد کی حالت میں اس کو اس کی سیدھی کروٹ پر لٹایا جائے۔

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة،باب الجنائز: ۱۰۴/۲ ،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

اور فتح القدیر میں ہے کہ مردہ کو سیدھی کروٹ لٹانا سنت ہونے کے لیے ممکن ہے۔ اس حدیث سے اس پر دلیل لائی جائے، جو صحیحین میں براء بن عازب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنی خواب گاہ پر آئے تو اسی طرح وضو کر جیسے تو نماز کے لیے کرتا ہے، پھر اپنی سیدھی کروٹ پر لیٹ جا اور کہہ ''اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرے حوالہ کردیا'' یہاں تک کہ فرمایا کہ اگر تو مرے گا تو فطرت پر مرے گا۔

(۴) اور الیاس زادہ کی شرح نقایہ میں ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کیا جائے؛ یعنی قبر میں وہ اپنے سیدھے جانب قبلہ رخ لٹایا جائے۔

وقال في البرهان شرح مواهب الرحمن: يوجه الى القبلة علٰى جنبه الأيمن لما روى أبوداؤد والنسائى أن رجلا قال: يارسول اللّٰه!ما الكبائر؟قال: تسع،فذكرمنها استحلا ل البيت الحرام قبلتككم أحياء وأمواتاً ورواه الحاكم فى المستدرك أيضا وقد احتج الشيخان برواية هٰذا الحديث غيرعبد الميد بن حنان، انتهٰى،وأخرجه ابن أبى حاتم و الطبرانى وابن مردويه عن عميرالليثى أيضاً وخرج على بن الجعد فى الجعديات عن ابن عمر مرفوعاً أيضاً.(۱)

وقال فى فتاوىٰ قاضى خان: يدخل الميت القبر من قبل القبلة ويوضع فى القبر علٰى جنبه الأيمن مستقبل القبلة،انتهٰى.(۲)

وقال فى الجوهرة النيرة شرح القدورى: بذلك أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم حين مات رجل من بنى عبد المطلب فقال يا على استقبل القبلة استقبالا وقولوا جميعاً بسم اللّٰه وعلٰى ملة رسول اللّٰه وضعوه لجنبه ولاتكبوه لوجهه ولاتلقوه علٰى ظهره انتهٰى.(۳)

وفى مسند البزارعن معاذبن جبل مروعاً فى حديث طويل مشتمل علٰى ذكر تشفيع القرآن فى القبر ثم تضجعه الملائكة فى القبرعلٰى شقهٖ الأيمن مستقبل القبلة،انتهى.(۴)

وقال فى تحفة الملوك مع شرح منحة السلوك للعينى:ويضجع علٰى شقهٖ الأيمن موجها إليها.(۵)

---

(۱) حدثنا عبيد بن عمير أبيه أنه حدثه وكان له صحبة أن رجلاً سأله فقال: يارسول اللّٰه (صلى اللّٰه عليه وسلم)! ما الكبائر؟قال: هن تسع، فذكر معناه،زاد: عقوق الوالدين المسلمين واستحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتا.(أبوداؤد،كتاب الوصايا،باب ماجاء فى التشديد فى أكل مال اليتيم: ۴۱/۲ ،مكتبة حقانية ملتان،انيس)

اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے کہ اس کے سیدھے بازو پر قبلہ رخ کیا جائے،جیسے کہ ابوداؤد ونسائی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: نو اور انہی نو میں سے ایک یہ بھی آپ نے فرمایا کہ تمہارا بیت الحرام کو جائز کر لینا جو تمہاری زندگی میں اور تمہاری موت کے بعد تمہارا قبلہ ہے۔

(۲) فتاویٰ قاضى خان،كتاب الصلاة،باب غسل الميت وما يتعلق به: ۱۹۴/۱ ،انيس

اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ میت قبر میں قبلہ کی طرف سے داخل کی جائے گی اور اس میں اپنے سیدھے بازو پر قبلہ رخ رکھی جائے گی۔

(۳) الجوهرة النيرة،كتاب الصلاة،باب الجنائز: ۴۲۶/۱ ،انيس

اور جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے کہ اسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا، جب کہ بنی عبدالمطلب کے ایک شخص کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! قبلہ کی طرف اچھی طرح اس کا منہ کر دو اور سب مل کر کہو ''بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ (اللہ کے نام سے اور رسول اللہ کی ملت پر) اور اس کو اس کے بازو پر لٹا دو اور چہرہ کے بل اوندھا نہ کرو نہ اس کو اس کی پیٹھ کے بل لٹاؤ''۔

(۴) اور مسند بزار میں معاذ بن جبل سے مرفوعا ایک لمبی حدیث میں جس میں قبر میں قرآن کا شفاعت کا ذکر ہے، یہ آیا ہے کہ پھر اس کو فرشتے قبر میں سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ سلا دیتے ہیں۔

(۵) تحفة الملوك،فصل فى الميت: ۱۱۴/۱ ،انيس

اور تحفۃ الملوک مع شرح منحۃ السلوک مصنفہ عینی میں ہے اور اس کو اس کی سیدھی کروٹ پر اس کی طرف رخ کر کے لٹایا جائے اسی طرح سنت اس کی طرف رخ کرنے کی جاری ہوئی ہے۔

وقال في غنية المستملي شرح منية المصلي: يوجه الميت في القبر إلى القبلة علٰى جنبه الأيمن ولا يلقى علٰى ظهره.(۱)

في كتب أصحاب الشافعية والحنابلة ويجعل تحت رأس الميت لبنة أوحجر،قال السروجي: لم أقف عليه لأصحابنا،انتهى.(۲)

وقال في المحيط: وفي اللحد يضجع علٰى شقه الأيمن ووجه إلى القبلة، هٰكذا في توارث السنة، انتهٰى.(۳)

وقال في الدرالمختار:ويوجه إليها وجوباً وينبغي كونه علٰى شقه الأيمن، انتهٰى.(۴)

وهٰكذا في النهرالفائق والبحر الرئق والهندية وشرح القدوری لعبدالغنی الميدانی والسراج والوهاج والمستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق ملامسكين الهروی وطوالع الأنوارحاشية الدرالمختار والتاتارخانية وكنزالعباد والبدائع وجامع الرموزوغيرها من الكتب الفقه:النفية.(۵)

كذا في رفيع السترعن كيفية ادخال وترجيه إلى القبلة في القبرمستقبل القبلة،انتهٰى.

وأيضاً قال فيه: ويكون نومه علٰى ما ذكر في الخبر علٰى جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كما يكون في اللحد، انتهٰى.(۶)

وقال في كشف العطاء: ودرشرح منيه گفته مرد باشد ميت يازن نهاده شود ميت را بر پہلوئی راست او مستقبل قبله،كذا في الخلاصة.(۷)

---

(۱) الحلبی الكبير، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،ص:۵۹۷،انيس
وغنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں کہا ہے کہ میت کوقبلہ رخ کیا جائے،قبر میں اس کی سیدھی کروٹ پراور پیٹھ کے بل نہ لٹایا جائے۔

(۲) حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة،باب الجنائز،مطلب في حملها ودفنها: ۱/۴۰۳،انيس
سروجی نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے،اصحاب شافعی واحمد بن حنبل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سر کے نیچے ایک اینٹ رکھ دی جائے، یا پتھر اور میں نے اپنے اصحاب کا اس بارے میں قول نہ پایا۔

(۳) اور محیط میں کہا کہ لحد میں وہ سیدھی کروٹ پر لٹایا جائے اور قبلہ کی طرف رخ کیا جائے،اسی طرح سنت سے چلا آتا ہے۔

(۴) الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۵-۲۳۶،دار الفكر بيروت،انيس

(۵) اور درمختار میں کہا ہے کہ اس کی طرف منہ کرنا واجب ہے اوراسی طرح اس سیدھی کروٹ پر لٹانا اوراسی طرح نہر فائق ،بحر رائق اور عالمگیریہ اورشرح قدوری مصنفہ عبدالغنی میدانی اورسراج وہاج اور مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق مؤلفہ ملامسکین ہروی اورطوالع الانوار حاشیہ درمختار، تاتارخانیہ وکنزالعباد اور بدائع اور جامع الرموز وغیرہ کتب فقہ حنفیہ میں ہے۔

(۶) اسی طرح داخل کرنے کی کیفیت کے سلسلہ میں کپڑا ہٹانا اور قبر میں قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی ہے ونیز اس میں یہ بھی کہا ہے کہ اوراس کی نینداسی طرح ہو،جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے سیدھی کروٹ پر قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے، جیسے کہ لحد میں ہوتا ہے۔

(۷) اور کشف العطاء میں شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ اورشرح منیہ میں کہا ہے کہ میت خواہ مرد ہو کہ عورت میت کوسیدھے پہلو پر رکھا جائے اور قبلہ رخ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔

ودرعنايه دراول باب الجنائز اتفاق روايات براين وضع ذكر كرده۔(۱)

دور شرح منيه گفته ونهاد ه نه شود برپشت اوتكيه داده شود ميت را پس پشت اوبخاك و مانندآں تامنقلب نگردد ۔(۲)

ودر نهاية حديثے درامر باستقبال ميت بسوئے قبله ونهى از القاء اوبر پشت نقل كرده ۔(۳)

ونهاده شودزير سراوحتى، كذا فى الغرائب، انتہی۔(۴)

وقال فى الدرر البهية للامام الشوكاني: ويوضع علٰى جنبه الأيمن مستقبلاً، انتهٰى. (۵)

وقال فى الروضة الندية شرح الدرر البهية: وهو مما لاعلم فيه خلافاً، انتهٰى .(۶)

وقال فى فتح القدير شرح الهداية: وذلک أنه عليه السلام فى القبر الشريف علٰى شقه الأيمن مستقبل القبلة انتهٰى. (۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم احکم

قد صح الجواب وهو المطابق للسنة والكتاب وخلافه باطل. کتبہ ابوسعید احمد عفی عنہ

من غير شک والارتياب. العبد محمد سلامت اللہ عفی عنہ

سراج الدین محمد سلامت اللہ ابوالذکاء، ۱۲۹۹ء، رامپوری شاگرد مولوی ارشاد حسین صاحب مرحوم

الجواب حق: العبد التواب محمد عبدالوہاب رامپوری ولد حافظ محمد عمر خان محمد عبدالوہاب خاں، ۱۲۸۵ء۔

ہذا الجواب صحیح: محمد جعفر علی عفی عنہ، محمد جعفر علی خان والد محمد اکبر علی خاں۔

العمل عندنا فی الحرمین الشریفین وسائر بلاد العرب علی الاضجاع علی الشق الایمن واللہ الموفق۔ محمد طیب المکی المدرس الاول فی مدرسۃ العالیہ الرامفوریہ

روایات مذکورہ جواب مدعا مجیب پر صریح ہیں، ان روایات سے مدعا مجیب بلاشبہ ثابت ہے۔ محمد فضل حق بقلم خود مدرس دوئم مدرسہ عالیہ ریاست رامپور۔

---

(۱) اورعنایہ میں اول باب جنائز میں روایات کا اتفاق اس وضع پر ذکر کیا ہے۔

(۲) اورشرح منیہ میں کہا ہے اور نہ رکھا جائے اس کی پیٹھ پر اور میت کو تکیہ دیا جائے اس کی پیٹھ کے پیچھے خاک میں اور اسی کے مثل تاکہ لوٹے نہیں۔

(۳) اورنہایہ میں ایک حدیث اس بارہ میں نقل کی ہے کہ میت کا رخ قبلہ کی طرف کیا جائے اور اس کو پیٹھ کے بل لٹانے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) اورغرائب میں ہے کہ اس کے سر کے نیچے کوئی چیز رکھ دی جائے۔

(۵) اورامام شوکانی کی درربہیہ میں ہے کہ اس کو سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ رکھا جائے۔

(۶) اورروضہ ندیہ شرح درربہیہ میں ہے کہ ان امور میں ہے، جس میں کسی کا اختلاف نہیں جانتا۔

(۷) اورفتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے اور یہ اس لیے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اپنی سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ ہیں۔

الجواب مطابق للسنۃ والکتاب: العبد محمد ارشد علی عفی عنہ مدرس سوم مدرسہ عالیہ رامپور۔

جواب صحیح ہے: شرافت اللہ عفی عنہ مدرس ششم مدرسہ عالیہ امپور

جواب صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب: محمد معز اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور۔

الجواب حق الروایات صریح بلا خلاف واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب نمقہ المذ نب الاواہ: محمد لطف اللہ عفی عنہ امام ومفتی رامپور۔ خادم شریعت رسول اللہ، ۱۲۹۸ء، مفتی محمد لطف اللہ۔

الجواب صحیح: عبد القادر مفتی عدالت دیوانی ریاست رامپور۔ (تالیفات رشیدیہ ص: ۲۳۶-۲۳۹)

موت کے وقت اور قبر میں میت کو قبلہ رو لٹانا سنت ہے:

سوال: بعد انتقال کے قبر میں مردے کو کس طرح رکھنا سنت ہے اور جو شخص قریب المرگ ہو تو اسے کس طرح لٹانا سنت ہے؟

(المستفتی: ۱۹۶۴، محمد حقیق صاحب مدرس مدرسہ عزیزیہ (رامپور) ۲۶ر شعبان ۱۳۵۶ھ، یکم نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب ——————

(از مولوی محمد حقیق صاحب)

میت کو قبر میں، یا لحد میں سیدھی کروٹ پر روبقبلہ کر کے رکھنا سنت ہے، یہی طریقۂ اہل اسلام ہے اور زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقبول اور زمانہ خلف وسلف میں معمول ومتوارث ہے۔ ہمارے ائمہ کرام وفقہاءِ عظام کا یہی مذہب ہے اور امام شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ صاحبان کا بھی یہی مسلک ہے۔ علامہ حلبی (صغیری وکبیری شرح منیہ) میں اور امام شافعیؒ صاحب نے اپنی کتاب الاُم میں مردے کو روبقبلہ رکھنے کی کیفیت میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ مردے کی پیٹھ کی طرف ڈھیلا، یا مٹی کی روک کر دے؛ تاکہ مردہ اوندھا، یا چت نہ ہو جائے۔ امام شافعیؒ صاحب نے سر کے نیچے کچی اینٹ رکھنے کی بھی تصریح فرمائی ہے، اگرچہ بعض فقہا نے ان پر دو قیود کو صراحۃً بیان نہیں فرمایا ہے؛ لیکن ہر سمجھ دار مردے کو داہنی طرف لٹانے کے حکم سے سمجھ سکتا ہے، نیز میت کے اکثر احوال ممکنہ میں زندوں کی موافقت شرعاً مطلوب وملحوظ ہے، جو کہ باب الجنائز کے مسائل دیکھنے سے تفصیلاً معلوم ہو سکتے ہیں، یہاں تک میت کے وضو اور غسل اور کفن وغیرہ میں تیامن (یعنی داہنی جانب کی رعایت) مطلوب ہے، بایں وجہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں تیامن کو محبوب رکھتا ہے، یہاں تک کہ طہارۃ (وضو وغسل) اور جوتا پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی اس کے علاوہ اور احوال میں بھی تو کیا میت کی حالت جوتا پہننے اور کنگھی کرنے سے بھی ادنی ہوگی کہ یہاں یہ

تیامن مطلوب اور معمول نہ ہو، لہذا یہ حالت بہ طریقۂ اولیٰ متحقق ہے تیامن کی؛ لہٰذا استقبال قبلہ مردے کے حق میں قبر کے اندر سیدھی کروٹ پر رو بہ قبلہ لٹانا مسنون وطریقۂ اہل اسلام ہوا۔ نیز حدیث شریف میں ثابت ہے کہ تمہارے مردوں اور زندوں کے لیے بیت اللہ الحرام قبلہ ہے، قبلہ کا حق استقبال ہے، زندہ شخص حالت نماز میں اس حق کو ادا کرتا ہے اور استقبال سینہ اور چہرے کے مقابل قبلہ ہونے سے ہوتا ہے، سینہ اس میں اصل اور ضروری ہے، فقط چہرے کو مقابل قبلہ کر دینے کو استقبال قبلہ شرعاً نہیں کہا جا سکتا، اس کو شرعا التفات اور توجہ کہتے ہیں، اسی طرح میت سے بھی اس حق کا ادا ہونا اس وقت ہوگا، جب قبر میں سیدھی کروٹ پر رو بہ قبلہ لٹایا جائے، فقط چہرے کو قبلہ کی طرف موڑنے سے جیسا کہ آج کل عوام کرتے ہیں، اسے حق قبلہ جو استقبال ہے، ادا نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ ابھی مذکور ہوئی ہے۔

اور جو شخص قریب المرگ ہو تو سیدھی کروٹ پر لٹانا سنت ہے اور اگر چت لٹایا گیا تو یہ بھی جائز ہے؛ لیکن اس صورت میں اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اور سر قدرے اونچا رکھا جائے؛ تاکہ چہرہ آسمان کی طرف نہ ہو، یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں، جب یہ طریقۂ مذکورہ دشوار نہ ہو، وگرنہ پھر جو طریقہ اس قریب المرگ پر آسان ہو، اسی طریقہ پر چھوڑ دیا جائے۔ صغیری وکبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ویوجه المیت فی القبر إلی القبلة علیٰ جنبه الأیمن ولا یلقی علیٰ ظهره ... ویسند المیت من وراء بتراب أو نحوه لئلا ینقلب. (۱)

نور الایضاح میں ہے:

ویوجه إلی القبلة علی الأیمن. (۲)

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں تحت قول الماتن "ویوجه إلی القبلة علی أیمن" یہ عبارت ہے:

"بذلک أمر النبی صلی اللّٰه علیه و سلم وحدیث أبی داؤد البیت الحرام قبلتکم أحیاءً وأمواتاً، انتهیٰ. (۳)

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

"بذلک أمر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علیّاً لما مات رجل من بنی عبدالمطلب فقال: یاعلی استقبل به القبلة إستقبالا وقولوا جمیعاً باسم اللّٰه وعلیٰ ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وضع لجنبه ولا تکبوه علیٰ وجهه ولا تلقوه علیٰ ظهره، کذا فی الجوهرة وفی الحلبی ویسند المیت من ورائه بنحو تراب لئلا ینقلب. (۴)

---

(۱) غنیة المستملی، کتاب الصلاة، الفصل السادس فی اللحد والدفن، ص: ۵۹۸، ط: سهیل اکادمی لاهور

(۲-۴) باب الجنائز، ص: ۳٦۸، مصطفی حلبی مصر

فتاوی قاضی خاں (۱/۹۳) میں ہے:

"ویدخل المیت القبرمن القبلة ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (۱)

الفتاویٰ الهندیة میں ہے:

"ویوضع علٰی جنبه الأیمن مستقبل القبلة، کذا فی الخلاصة". (۲)

مجمع الأنهر میں ہے:

"ویوجه إلی القبلة إذ به أمرالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم". (۳)

شرح الیاس میں ہے:

"إلی القبلة أی یوضع فی المقبرعلی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (۴)

البحرالرائق میں ہے:

"وإذا یوجه إلی القبلة علی یمینه لأنه السنة المنقولة". (۵)

هکذا ذکر فی المتون والشروح والفتاویٰ ولم یخالف أحد من السلف والخلف.

شرح کنز لملا مسکین علامہ ہروی میں ہے:

"ویوخذ إلی القبلة أی یوضع فی القبرعلی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (۶)

کشف الحقائق میں ہے:

"ویوجه إلی القبلة مضطجعاً علی شقه الأیمن". (۷)

اوربھی اسی شرح میں ہے:

"وسن للمحتضر أن یوجه إلی القبلة مضطجعا علٰی یمینه وهٰذا إذا لم یشق علیه و إلا ترک علٰی حاله وجعل رجلاه إلی القبلة وأختیرفی بلادنا الإستلقاء علٰی قفاه؛ لأنه أیسرلخروج الروح إلا أن الأول هوالسنة. انتهٰی. (۸)

---

(۱) باب الجنائز، ص: ۱۹۴۱، ط: کوئتة

(۲) أحکام الجنائز: ۱/۱۶۶، ط: کوئتة

(۳) فصل فی الصلاة علی المیت: ۱/۱۸۶، ط: بیروت

(۴) شرح النقایة لإلیاس زاده: ۱/۱۰۴، ط: مرتضی محمد عزیز الدین

(۵) باب الجنائز: ۲/۱۸۴، ط: بیروت

(۶) باب الجنائز، فصل فی الصلاة علی المیت: ۱/۳۶۲، ط: سعید

(۷-۸) یہ دونوں عبارتیں کشف الحقائق میں نہیں ملی، وہاں پر یہ عبارت ملی: وعلی المحتضر القبلة علی یمینه اعتبارا بحال الوضع فی القبر. (کشف الحقائق، باب الجنائز: ۱/۸۸، ط: إدارة القران کراچی)

عینی شرح کنز میں ہے:

”وعلى المحتضر القبلة على يمينه لأن ما قرب إلى الشئ له حكمه وفى القبر يوجه علىٰ شقه الأيمن وكذا إذاأقرب إليه واختار المتأخرون الإستلقاء؛ لأنه أيسر لخروج الروح ثم إذا القى علىٰ قفاه يرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلى القبلة“.(۱)

مستخلص شرح الكنز میں ہے:

”قوله: ويوجه إلى القبلة يوضع علىٰ شقه الأيمن متوجهًا إلى القبلة لقوله عليه السلام لعلى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه حين وضع جنازة يا علىٰ استقبل به استقبالاً“.(۲)

ہدایہ میں ہے:

”إذاإحتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن إعتبارًا بحال الوضع فى القبر لأنه أشرف عليه والمختارفى بلادنا الإستلقاء لأنه أيسر لخروج الروح والأول هو السنة “.(۳)

نیز ہدایہ میں ہے:

”يوجه إلى القبلة بذلک أمر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم،انتهى“.(۴)

فتح القدیر میں ہے:

”عن إبراهيم النخعى قال:يستقبل بالميت القبلة وعن عطاء بن أبى رباح نحوه بزيادة علىٰ شقه الأيمن ماعلمت أحداً تركه من ميت ولأنه قريب من الوضع فى القبر ومن اضطجاعه فى مرضه والسنة فيهما ذلک فكذا فيما قرب منهما“.(۵)

درمختار (ص:۴۴۵) میں ہے:

”ويوجه إليها وجوباً وينبغى كونه علىٰ شقه الأيمن“.(۶)

شامی میں ہے ذیل قول مصنف کے (وجوباً):

”أخذه من قول الهداية بذلک أمر النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لكن لم يجده المخرجون وفى

---

(۱) باب الجنائز: ۶۳/۱،ط:إدارة القرآن

(۲) المستخلص شرح الكنز،باب الجنائز ، فصل فى الصلاة على الميت: ۳۲٤/۱ ،ط:الشركة العلمية ملتان

(۳) باب الجنائز: ۱۷۸/۱،ط:الشركة العلمية ملتان

(۴) باب الجنائز،فصل فى الدفن: ۱۸۲/۱،ط:الشركة العلمية ملتان

(۵) باب الجنائز: ۱۰٤/۲،ط:مصطفى الحلبى مصر

(۶) باب صلاة الجنائز: ۲۳٦/۲،ط: سعيد

الفتح أنه غريب واستونس له بحديث أبی داؤد والنسائی،أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه! ماالكبائر؟ قال: هی تسع، فذكرمنها استحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتا،آه.قلت: وجهه أن ظاهره التسوية بين الحياة والموت فی وجوب استقباله لكن صرح فی التحفة بأنه سنة،آه.(۱)

طحطاوی حاشیہ درمختار ذیل میں قول ماتن (وجوبا) کے تحریر فرماتے ہیں:

"أخذ من قول المصنف وغيره بذلك أمررسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لأن الأصل فی الأمر الوجوب".(۲)

کتاب الأم فقہ شافعی، ص:۲۴۵ر میں ہے:

"قال الإمام الشافعی رحمه اللّٰه:وتوضع فی قبورهم علٰی جنو بهم الميمنة وترفع رؤسهم بحجر أولبنة وليسندون لئلا ينحنوا تلقوا وإن بأرض شديدة لحدلهم ثم نصب علی قبورهم اللبن نصبا".(۳)

"نهاية المحتاج"شرح منہاج میں ہے:

"ويوضع فی اللحد وغيره علٰی يمينه ند باً كما فی المجموع والروضة و صوب الأسنوی قول الإمام بوجوبه اتباعاً للسلف والخلف وكالإضطجاع عند النوم ويوجه للقبلة وجوباً تنزيلاً له منزلة المصلی فإن دفن مستد برًا ومستلقيًا ينبش حتمًا إن لم يتغيروإلا فلاولئلايتو هم أنه غيرمسلم ويسند ظهره بلبنة طاهرة أونحوها ليمنعه عن الإستلقاء علی قفاه وتجعل تحت رأسه لبنة أوحجر ويفضی لحده الأيمن إليه أو إلی تراب".(۴)

عینی فقہ مالکی مقدمہ ابن رشد، صفحہ:۱۶۶ میں ہے:

"ويستحب أن يلقن الميت عند الموت وأن يوجه القبلة علی شقه الأيمن كما يجعل فی لحده وكما يصلی المريض الذی لايقد ر علی الجلوس،إنتهٰی".(۵)

الجواب

(از حضرت مفتی اعظمؒ)

یہ صحیح ہے کہ قبر میں میت کو دائیں کروٹ پر لٹانا مسنون ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۵۲/۴-۵۵)

(۱) باب صلاة الجنائز: ۲۳۶/۲،ط:سعيد

(۲) باب الجنائز: ۳۸۱/۲،ط:بيروت

(۳) كتاب الأم: ۲۸۶/۱،ط:بيروت

(۴) كتاب الجنائز: ۶/۳،ط:بيروت

(۵) كتاب الجنائز،فصل فيما يستحب عندالاحتضار: ۲۳۱/۱،ط: دارالعرب الإسلامی

میت کو لحد میں کروٹ دی جائے، صرف رخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں:

سوال: یہاں ایک عورت فوت ہوگئی، جب اس کی میت کو لحد میں اتارنے لگے تو ایک بزرگ نے جو کہ حضرت تھانویؒ کے مرید تھے، مرحومہ کو پہلو کے بل اس طرح لٹوایا کہ اس کی کمر لحد سے لگ گئی تو میت کو لحد میں کس طرح لٹانا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

وفی الهندية: ويوضع فی القبر علٰى جنبه الأيمن مستقبل القبلة، آه. (۱)

روایت (فقہی) بالا سے معلوم ہوا کہ بزرگ موصوف نے درست کیا اور آئندہ کے لیے بھی اسی طرح کرنا چاہیے اور عام رواج و چھوڑ دینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۸/۶/۱۳۸۵ھ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۵۳/۳)

قبر میں میت کا منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴/فروری ۱۹۳۲ء)

سوال: امریکہ میں جو امریکن لوگ ہیں، ان میں سے جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو دفن کے وقت وہ لوگ بعض میت کا چہرہ قطب کی طرف کر دیتے ہیں اور بعض کا جنوب کی طرف بعض کا شمال کی طرف ان کے خیال میں کوئی تفریق نہیں ہے، کمترین یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان فوت ہو تو اس کا چہرہ کس طرف کرانا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مسلمان میت کا منھ قبر میں قبلے کی طرف رکھنا چاہیے، جن ملکوں میں قبلہ مشرق کی طرف ہے، وہاں میت کا سر جنوب کی طرف اور پاؤں شمال کی طرف کر کے قبلہ رخ لٹا کر دفن کیا جائے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۶۳/۴)

قبر میں قبلہ رخ کرنا اور داہنی کروٹ پر لٹانا:

سوال: میت کا منھ قبر میں قبلہ کی طرف کرنا ضروری ہے یا کہ داہنی کروٹ پر لٹانا سنت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

کتب فقہ میں یہ لکھا ہے: ويوجه اليها وجوباً؛ یعنی میت کو متوجہ کیا جاوے قبلہ کی طرف اور یہ واجب ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس: ۱۶۶/۱، انیس

(۲) ويوضع فی القبر علٰى جنبه الأيمن مستقبل القبلة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۶/۱، ط، مكتبة ماجدية، كوئٹة)

اور شامی میں لکھا ہے: ”لٰکن صرح فی التحفة بأنه سنة“. (۱) یعنی تحفہ میں یہ تصریح کی ہے کہ قبلہ کی طرف میت کو متوجہ کرنا سنت ہے۔

اور درمختار میں ہے: ”وینبغی کونه علٰی شقه الأیمن“. (۲) اور لائق ہے ہونا میت کا داہنی کروٹ پر۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۳۸۰/۵-۳۸۱)

مردہ کو قبر میں کس طرح لیٹائیں:

سوال: شامی وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ میت کو قبر میں داہنے کروٹ قبلہ رخ لیٹائیں، حالاں کہ یہاں تعامل اور توارث یہ ہے کہ چلت لٹا کر قبلہ رخ کر دیتے ہیں۔ دریافت طلب دو امر ہیں: اول یہ ہے کہ تعامل وہاں کیا ہے، دوم یہ کہ اگر تعامل صحیح ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب

تعامل یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ چت لٹا کر قبلہ کی طرف کر دیا جاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ! ”ویوجه الی القبلة بذلک أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم“. (۳)

اور تنویر الابصار متن درمختار میں ہے: ”ویوجه إلیها“.

اور درمختار میں یہ لفظ بڑھایا ہے: ”وینبغی کونه علٰی شقه الأیمن ولا ینبش ویوجه إلیها“ (۴) سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ کیا جائے، خواہ کروٹ دے کر، یا بلا کروٹ کے اور جس حدیث سے اس بارے استدلال کیا گیا ہے، اس کے الفاظ بھی اس پر دال ہے کہ منہ کی قبلہ کی طرف ہونا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں یہ لفظ ہے ”قبلتکم أحیاءً و أمواتًا“ یعنی خانہ کعبہ کو احیا و اموات کا فرمایا۔ اس وجہ سے میت کا منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ باقی تمام میت کو داہنے کروٹ پر کرنا اس میں شک نہیں کہ یہ عمدہ ہے، کما صرح به الفقهاء؛ لیکن اگر منہ قبلہ کی طرف ہو جاوے اور داہنے کروٹ پر لٹانا مشکل ہو تو یہ توجہ الی القبلہ؛ یعنی قبلہ کر دینا بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔ فقط

عالمگیری میں بھی داہنے کروٹ پر لیٹانے کی صراحت موجود ہے۔

”ویوضع فی القبور علٰی جنبه الأیمن مستقبل القبلة“. (۵) (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۴۰۱/۵)

(۱-۲) ردالمحتار رباب صلاة الجنائز ،مطلب فی فدن المیت: ۲۳۶/۲ ،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۲۶/۱

(۴) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۶/۲ ،دار الفکر بیروت،انیس

(۵) الفتاویٰ الهندیة، الباب الحادی العشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۶/۱

مردہ جنوباً شمالاً کیوں دفن کرتے ہیں:

سوال: مردہ کو جنوباً شمالاً کیوں دفن کرتے ہیں؟

الجواب

مردہ کو شمالاً جنوباً دفن کرنا اس طریق سے کہ منہ قبلہ کی طرف کو ہو، مسنون ہے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ کعبہ مکرمہ قبلہ ہے، زندگی میں بھی اور بعد مرنے کے بھی، حیث ورد: "قبلتکم أحیاءً أو أمواتاً". (۱) اور یہ تفاولا ہے؛ کیوں کہ مسلمان کی طرف یہی گمان کرنا چاہیے کہ وہ ایمان اور اسلام پر فوت ہوا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۴/۵)

قبر میں اتارنے کے بعد دکھانا ثابت نہیں:

سوال: میت کو لب گور، یا قبر میں اتارنے کے بعد کفن کھول کر ورثاء وغیر کو صورت دیکھنا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

ثابت نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۸/۵)

قبر میں اتارنے کے بعد منھ دیکھنا کیسا ہے:

سوال: میت کو قبر میں اتارنے کے بعد منہ دیکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبر میں اتارنے کے بعد پھر منہ دیکھنا نہ چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۶/۵)

مردے کو قبر میں لٹا کر اس کا منہ دیکھنا:

سوال: مردے کو قبر میں لٹا کر اس کا منھ دیکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

(المستفتی: ۲۳۶۰، نبی احمد خاں (آگرہ) ۷/ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ، مطابق ۶/ جولائی ۱۹۳۸ء)

الجواب

جائز ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی: ۵۶/۴)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۶/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) رد المحتار، باب صلاۃ الجنائز: ۸۳۷/۱

(۳) بشرطیکہ تدفین میں تاخیر نہ ہو، اور اس کو ثواب نہ سمجھتے ہوں اور اس کو رواج نہ دیا جائے، اس زمانہ میں اس سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

بوقت دفن غیر مسلموں کو چہرہ دکھانا:

سوال: اگر مؤمن بندہ مرجائے اور بوقت دفن قبرستان کے روبرو غیر مسلم ہندو، عیسائی وغیرہ آ کر تقاضا کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس مردہ کے آشنا ہیں اور یہ مردہ ہمارا دوست تھا، ہمیں مردہ کا چہرہ دکھایا جائے، نہ دیکھنے کی حالت میں شر اور شور وشغف کا خوف ہے تو کیا اس حالت میں قبل از نماز، یا بعد از نماز ان غیر مسلموں کو مردہ کا چہرہ دکھانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب______________حامدًا و مصلیاً

جائز ہے۔(۱) لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کر دیا جائے کہ یہی احوط ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین ومفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/جمادی الاولیٰ/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸۰/۹-۸۱)

قبر میں داہنی کروٹ لٹانا سنت ہے:

سوال: میت کو جب قبر میں رکھا جائے تو اس کو چت رکھا جائے، یا کروٹ؟

(المستفتی: ۶۵۶، برکت اللہ آسنسول، ۲۵/رجب ۱۳۵۴ھ، ۲۴/اکتوبر ۱۹۳۵ء)

---

(۱) عن أنس بن ما لک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال لما سقبض إبراھیم بن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم،قال لھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:"لا تدرجوہ فی أکفانہ حتٰی انظر إلیہ،فأتاہ فإنکب علیہ وبکٰی". (سنن ابن ماجۃ،أبواب الجنائز،باب ماجاء فی النظر إلی المیت،إلخ،ص: ۱۰۶،قدیمی)

(۲) چوں کہ دفن میت مسلم کے وقت رحمت کے فرشتے اترتے ہیں، جب کہ غیر مسلموں پر لعنت برستی؛ اس لیے ان کو میت سے دور رکھنا زیادہ مناسب اور احوط ہے۔

عن نافع قال: بلغنی أنہ شھد سعد بن معاذ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سبعون ألف ملک لم ینزلوا إلی الأرض. (الحدیث)(الطبقات الکبرٰی لابن سعد،طبقات البدر بین عن الأنصار، مناقبۃ سعدبن معاذ رضی اللّٰہ عنہ: ۳۲۸/۳،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،انیس)

عن ثوبان رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وسلم قال خرجنا مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی جنازۃ فراٰی ناساً رکباناً فقال:"لاتستحیون أن ملا ئکۃ اللّٰہ علٰی أقدامھم وأنتم علٰی ظھور الدواب". (جامع الترمذی،أبواب الجنائز،باب ماجاء فی کراھیۃ الرکوب خلف الجنازۃ: ۱۹۶/۱،سعید)

قال الملا علی القاری رحمہ اللّٰہ تعالٰی تحت ھٰذا الحدیث: ثوبان بأن یدل علٰی أن الملائکۃ تحضر الجنازۃ، والظاھر أن ذلک عام مع المسلمین بالرحمۃ ومع الکفار باللعنۃ قال أنس مرت جنازۃ برسول اللّٰہ فقام فقیل انھا جنازۃ یھودی فقال انا قمنا للملائکۃ". (مرقاۃ المفاتیح،کتاب الجنائز،باب المشی بالجنازۃ والصلاۃ علیھا،الفصل الثانی،(رقم الحدیث: ۱۶۷۲): ۱۶۰/٤،رشیدیۃ)

الجواب

چت لٹانا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا بھی جائز ہے اور کروٹ سے لٹانا اور پشت کی طرف مٹی کے ڈھیلے کی ٹیک لگانا بھی جائز ہے اور یہ صورت چت لٹانے سے بہتر اور افضل ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی:۴/۴۸)

کفن دفن کے متعلق چند سوالات:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ!

(الف) دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب کلمہ کی انگلی رکھ کر اول وآخر سورۂ بقرہ پڑھنی چاہیے اور جو انگلی رکھ کر نہ پڑھے، اس کو برا سمجھتے ہیں۔

(ب) جب میت کو دفن کر چکیں تو میت کے گھر والوں کو چاہیے کہ واپسی میں جب گھر آنے لگیں تو تھوڑے سے پان ضرور خرید لیں۔

(ج) جنازے کی نماز پڑھا کر دعا مانگنی چاہیے، ورنہ بے دعا کی نماز ہوگی اور ثواب کم ہوگا۔

(د) جنازے کی نماز کے واسطے کفن کے ساتھ جانماز بھی خریدنی ضروری ہے، ورنہ بغیر جانماز کے ثواب کم ہوگا، اگرچہ نماز پڑھانے کی جگہ پاک ہو۔

(ہ) مردے کو کفنا کر اس کے کفن میں عہد نامہ رکھنا ضروری ہے، اگر کفن میں نہ رکھا تو قبر میں رکھنا ضروری ہے؟

الجواب

(الف) سورۂ بقرہ کا اول وآخر تو پڑھنا ثابت ہے؛(۲) مگر انگلی رکھ کر پڑھنے کا ثبوت کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا، البتہ معمول بزرگوں کا انگلی رکھنا ہے، جو نہ کرے، اس پر صرف معمول بزرگان ہونے سے الزام قائم نہیں ہوسکتا۔

(ب) پان خریدنے کو لازم سمجھنا غلط اور بدعت ہے۔(۳)

---

(۱) مگر سنت کے خلاف ہے۔

(قوله:وجوباً) ... لكن صرح في التحفة بأنه سنة.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز:۲/۲۳۶)

ويوضع علىٰ شقه الأيمن متوجهًا إلىٰ القبلة.(بدائع الصنائع،فصل في سنة الدفن:۱/۳۱۹،ط:سعيد)

(۲) وكان ابن عمريستحب أن يقرأعلىٰ القبربعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمها.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز:۲/۲۳۷،ط:سعيد)

(۳) اس لیے کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور غیر ثبت شئ کو الزم سمجھنا اور باعث ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

(ج) نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے بعد کسی مزید دعا کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

(د) جانماز کفن میں شامل نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

(ہ) عہد نامہ، یا کوئی اور لکھی ہوئی چیز مردے کے کفن، یا قبر میں رکھنا جائز نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۶۴/۴-۶۵)

قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا:

سوال: جنازہ قبر میں رکھنے کے بعد بند تینوں کھول دیئے جائیں، نیز میت کا چہرہ بطرف قبلہ کر دینا بس ہے، یا تمام جسم کی کروٹ دلا دی جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

تینوں بند کھول دیئے جائیں، تمام جسم قبلہ کی طرف کروٹ دے دیا جائے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۰/۹-۶۱)

میت کو لحد میں اتارنے کے بعد مٹی ڈالنے کا طریقہ:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ جب میت کو دفن کیا جاتا ہے تو جیسا عام طور پر ہوتا ہے کہ میت کو لحد میں لٹانے اور لحد کو ڈھانپنے کے بعد جنازے کے ساتھ آنے والے تمام لوگ تین تین مٹھی دیتے ہیں اور اس کے بعد مٹھی بھری جاتی ہے۔ ازراہِ کرم آپ ہمیں مٹی دینے کی اہمیت کے بارے میں بتائیں؟

---

(۱) لایقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة ؛ لأنه دعامرة لأن أكثرها دعاء.(الفتاویٰ البزازية علیٰ هامش الهندية: ٤/ ٨٠، مكتبة ماجدی، كوئٹة)

(۲) سئل عن كتابة العهد علی الكفن ... وقد أفتیٰ ابن الصلاح ... بأن لایجوزأن يكتب علی الكفن يٰسٓ... فالأسمآء المعظمة باقية علیٰ حالها فلايجوز تعريضها للنجاسة. (ردالمحتار، كتاب الصلاة ،باب الجنائز ،مطلب فيما يكتب علی الكفن: ٢/ ٢٤٦ ،ط:سعيد)

(۳) ويوضع فی القبرعلیٰ جنبه الأيمن مستقبل القبلة،وتحل العقدة يسوی اللبن والقصب ... ويسيجی قبرها لا عتره ويهال التراب". (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلوٰة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، السادس فی الدفن و النقل ،الخ: ١/ ١٦٦ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(ويستحب أن يدخل من قبل القبلة) ... (ويوجه إليها)وجوباً،وينبغي كونه علیٰ شقه الأيمن، ولا ينبش ليوجه إليها(وتحل العقدة)يسوی اللبن عليه والقصب لا الآجر ". (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز:٣/ ١٤١ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

الجواب

مٹی کی تین مٹھیاں ڈالنا مستحب ہے، پہلی مٹھی ڈالتے وقت ﴿منها خلقناكم﴾ پڑھے، دوسری کے وقت ﴿وفيها نعيدكم﴾ اور تیسری کے وقت ﴿ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ﴾ پڑھے۔ اگر یہ عمل نہ کیا جائے، تب بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۰۷/۴)

قبر بند کرنے کے قریب ہوجائے تو اسے کھولنا:

سوال: ایک میت نمازِ جنازہ کے بعد دفن کردی جاتی ہے، ابھی صرف تختے رکھے ہی جاتے ہیں اور مٹی ڈالی جانے والی تھی کہ میت کا کوئی رشتہ دار جو بعد میں آیا اصرار کرتا ہے: ''مجھے میت کا چہرہ دکھاؤ''، اس کو تختے اُکھاڑ کر چہرہ دکھادیا جاتا ہے۔ کیا یہ عمل درست ہے؟

الجواب

قبر کو بند کرنے کے بعد کھولنا بُرا ہے، خدانخواستہ کوئی ناگوار حالت دیکھنے میں آئی تو لوگ گاتے پھریں گے۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۰۸/۴)

جو قبر بیٹھ گئی ہو اس پر مٹی ڈالنے کا ثبوت کیا ہے:

سوال: قبر جو بیٹھ گئی ہو، یا بالکل زمین کی برابر ہوکر متمیز نہ ہوتی ہو، اس پر مٹی ڈالنا مستحب ہے؛ تاکہ زمین سے متمیز ہوجاوے اور حفاظت قبر من الاہانت؛ یعنی وطی وغیرہ نہ ہوسکے۔ اس کی سند شامی وغیرہ کتب فقہ سے مرحمت فرمائی جاوے؟

الجواب

یہ تصریح شامی وغیرہ میں نہیں دیکھی گئی کہ جو قبر بیٹھ گئی ہو، اس پر پھر مٹی ڈالنا مستحب ہے، البتہ جواز اس کا علت سے

(۱) وفي الهندية: ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو في قبره ثلاثه حثيات من التراب بيديه جميعاً ويكون من قبل رأس الميت ويقول في الحثية الأولىٰ: منها خلقناكم، و في الثانية: وفيها نعيدكم، وفي الثالثة: ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن: ١٦٦/١، كتاب الصلاة، وأيضاً في الشامية: ٢٣٧/٢، كتاب الجنائز)

(۲) ولاينبغي اخراج الميت من القبر بعد ما دفن الا اذا كانت الأرض مغصوبة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل السادس: ١٦٧/١)

(وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يحب الميت ستره أن يستره ولايحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذا كا ن عيبا حادثاً بعد الموت كسواد وجه ونحوه ما لم يكن مشوراً ببدعة فلا بأس بذكره تحذيراً من بدعته. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢٠٢/٢، ط: ايچ ايم سعيد/الحلبي الكبير، ص: ٥٨٠، طبع سهيل اكادمى لاهور)

ثابت ہوسکتا ہے، جو کہ کتابت علی القبر کے جواز میں منقول ہے۔ شامی میں ہے: **وإن أحتيج إلى الكتابة حتى لايذهب الأثر ولايمتهن فلابأس به.** (۱) اور نیز شامی وشرح منیہ میں ہے: **ولايزاد على التراب الذى خرج من القبر وتكره و عن محمد لابأس بها.** (۲) سو اگرچہ یہ روایت بوقت حثی تراب فی القبر ہے؛ لیکن اس کے عموم سے یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ دوسری مٹی قبر ڈالنا موافق روایت امام محمد کے لاباس میں داخل ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۵/۵-۳۷۶)

قبر بیٹھ جائے تو کھود کر درست کرنا جائز نہیں:

سوال: اگر پرانی قبر بیٹھ جائے اور مٹی ڈالنے سے قبل جن پتھر اور اینٹوں سے قبر کو ڈھکا جاتا ہے، وہ نیچے گر جائیں تو کیا ان اینٹو کو قبر میں سے نکال کر دوبارہ درست کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں میت کو نکال کر دوسری قبر میں دفن کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قبر کے اوپر مٹی ڈال کر درست کردی جائے، قبر اکھاڑ کر اندر سے پتھر وغیرہ درست کرنا، یا میت کو نکال کر دوسری قبر میں دفن کرنا جائز نہیں۔

قال فى العلائية: (ولايخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمى.

وفى الشامية تحته: احترازعن حق الله تعالىٰ كما إذا دفن بلاغسل أوصلاة أو وضع علىٰ غير يمينه أوإلىٰ غير القبلة فانه لاينبش عليه بعد اهالة التراب كما مر. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ربیع الاخر ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۱۲/۴-۲۱۳)

بوقت دفن قبر گر جانے کا حکم:

سوال: میت کو قبر میں رکھ کر اوپر پتھر لگا کر مٹی ڈال رہے تھے کہ پتھر نیچے گر گئے، اب ان کو نکال کر دوبارہ درست کرنا، یا میت کو دوسری قبر میں منتقل کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر مٹی سے پتھر چھپ گئے تھے تو اکھاڑنا جائز نہیں، ویسے ہی مٹی ڈال دی جائے، البتہ پتھر چھپنے سے قبل پتھر اکھاڑ

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸۳۹/۱

(۲) غنية المستملى شرح منية المصلى، كتاب الجنائز، البحث الرابع، ص: ۵۹۸

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

کر درست کرنا جائز ہے اور یہ قبر مرمت کے قابل نہ رہے تو بضرورت دوسری قبر بنانا جائز ہے؛ **لأن كون الحجر منفصلاً عن جسد الميت سنة والنبش حرام فلا يرتكب لأجلها. قال في الدر المختار: ولا ينبش ليوجه إليها.**

وفي الشامية: أي لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب لاينبش لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ما إذا كان بعد إقامة اللبن قبل إهالة التراب فإنه يزال ويوجه إلى القبلة عن يمينه، حلية عن التحقة. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ر ربیع الاخر ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۱۳/۴)

رات میں دفن کرنا:

سوال: رات کو جنازہ دفن کرنا مشرعا جائز ہے، یا نہیں؟ ایک مولوی کہتا ہے کہ جائز نہیں۔ اپنی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے:

"لاتدفنوا موتاكم بالليل إلاأن تضطروا". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۱۰، باب ماجاء في الأوقات التي لايصلى فيها على الميت ولايدفن)

تو کیا اس مولوی کا کہنا صحیح ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

رات میں دفن کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

قال في العلائية لا يكره الدفن ليلاً. (۲)

قال النووي رحمه الله: قال جماهير العلماء من السلف والخلف: لايكره (الدفن ليلا) واستدلوا بأن أبا بكر الصديق رضي الله تعالىٰ عنه وجماعة من السلف دفنوا ليلاً من غير إنكار وبحديث المرأة السوداء أو الرجل الذي كان يقم المسجد فتوفي باليل فدفنوه ليلاً، آه. (۳)

وروى الترمذي رحمه الله تعالىٰ عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل قبر ليلاً فاسرج له السراج فأخذه من قبل القبلة وقال رحمك الله ان كنت لاواها تلاء للقرآن وكبر عليه أربعاً. (۴)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۶/۲، دار الفكر، بيروت، انيس

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، دار الفكر، بيروت، انيس

(۳) شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۳۰۶/۱، قديمي

(۴) الجامع للترمذي، كتاب الجنائز، باب ماجاء في دفن الميت: ۲۰۴/۱، قديمي، انيس

عن ابن عباس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أدخل رجلاً قبرہ لیلاً أسرج فی قبرہ. (۱)

روایات بالا کے علاوہ کراہت تاخیر جنازہ کی روایات بھی جواز دفن باللیل پر دلیل ہیں؛ اس لیے محدثین نے روایت نہی کے مختلف جوابات دیتے ہیں:

(۱) اس روایت میں ابراہیم بن یزید ضعیف ہے؛ مگر یہ جواب اس لیے کافی نہیں کہ نہی سے متعلق صحیح مسلم میں بھی ایک حدیث ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ یحدث أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطب یوماً فذکر رجلاً من أصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلاً فزجر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن یقبر الرجل باللیل حتٰی یصلی علیہ إلا أن یضطر انسان إلٰی ذلک، وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا کفن أحدکم أخاہ فلیحسن کفنہ. (۲)

صحیح مسلم کی اس روایت میں چوں کہ زیادہ تفصیل ہے؛ اس لیے ابن ماجہ کی روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو وہ اسی تفصیل پر محمول کی جائے گی اور اس کے بھی وہی جوابات ہوں گے، جو روایت مسلم کے ہیں۔

(۲) بعض لوگ میت کو کفن اچھا نہ دیتے تھے اور اس حرکت کی پردہ پوشی کے لیے رات میں دفن کرتے تھے، اس سے منع فرمایا، حدیث کے الفاظ "**فکفن غیر طائل**" اور "**إذا کفن أحدکم أخاہ فلیحسن کفنہ**" اس توجیہ پر کافی دلیل ہے۔

(۳) رات کے وقت نماز جنازہ میں کم لوگ شریک ہوں گے، یہ جواب بھی "**حتی یصلی علیہ**" سے اخذ کیا گیا ہے، "**ای یصلی علیہ بجمع کثیر**". اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمع کثیر کی خاطر دن کا انتظار کرو؛ بلکہ یہ مطلب ہے کہ حتی الامکان رات آنے سے قبل فارغ ہوجانا چاہیے، اگر کوشش کے باوجود رات ہوگئی تو صبح کا انتظار نہ کیا جائے، "**إلا ان تضطروا**" کا یہ مطلب ہے۔

(۴) "**حتی یصلی علیہ**' صیغہ معروف ہے اور ضمیر فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض اموات کو رات میں دفن کردیا گیا اور تکلیف کے خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی گئی۔ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کہ دن میں دفن کرنے کی کوشش کیا کرو؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر نماز جنازہ پڑھ سکیں؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خاص رحمت کا سبب ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، أبواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی الأوقات التی لا یصلی فیھا علی المیت ولا یدفن: ۱/۱۰۹، قدیمی، انیس

(۲) صحیح لمسلم، کتاب الجنائز: ۱/۳۰۶

(۵)　بندہ کے خیال مین یہ نہی شفقت کی بناپر بھی ہوسکتی ہے کہ رات کودفن کرنے میں مشقت کے علاوہ قبر سے کوئی موذی جانور نکلنے کا احتمال ہے، جس سے خطرہ بھی ہے اور میت کے لیے بدفالی لے کر لوگوں کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔

بہرکیف حاصل یہ ہے کہ رات سے قبل دفن کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، مع ہذا اگر رات ہوجائے تو صبح کا انتظار جائزنہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۳۲/۴-۲۳۳)

قبر کھودتے ہوئے ہڈیوں کا نکل آنا:

سوال:　اگر قبر کھودتے ہوئے مردہ کی ہڈیاں نکل آئیں تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اسی جگہ رکھ دی جائیں۔

غرائب میں ہے: **إذا حفر فوجد فيه عظام الموتىٰ لايحرك العظام،** إنتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۰)

جس قبر میں ہڈی نکلے اس میں نیا مردہ دفن کرنا کیسا ہے:

سوال:　ایک قبر کھودی اس میں سے مردہ کی ہڈی نکلی، اس میں نیا مردہ دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

ہڈیوں کو ایک طرف رکھ کر جدید میت کو اس میں دفن کرنا درست ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۸/۵)

میت خاک ہوجائے تو اسی قبر میں دوسرے کی تدفین جائز ہے:

سوال:　حرمین شریفین میں دستور ہے کہ پرانی قبروں میں ہی نئے مردے گاڑتے رہتے ہیں۔کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جب میت اول خاک ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے۔

قال في الشامية: قال الزيلعي: ولوبلى الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء

---

(۱)　**ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلىٰ الأول فلم يبق له عظم أن لايوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب.** (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

علیہ،آہ،قال فی الأمداد:یخالفه ما فی التتارخانیة إذا صار المیت ترابا فی القبریکره دفن غیره فی قبره؛لأن الحرمة باقیة،وإن جمعوا اعظامه فی ناحیة ثم دفن غیره فیه تبرکاً بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکره ذلک،آه، قلت:لکن فی هٰذا مشقة عظیمة،فالأولٰی إناطة الجواز بالبلا إذ لایمکن أن یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره وإن صار الأول تراباً لاسیما فی الأمسار الکبیرة الجامعة والالزم إن تعم القبور السهل والوعر علٰی أن المنع من الحفر إلٰی أن لایبقی عظم عسر جد أو إن أمکن ذلک لبعض الناس لکن الکلام فی جعله حکماً عاماً لکل أحد فتأمل.(۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶؍رجب ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ:۴؍۲۵۰)

جنات کہاں دفن ہوتے ہیں:

سوال: جنات پر جب موت آتی ہے تو ان کے وجود کو کہاں دفن کیا جاتا ہے؟

الجواب

خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے ملفوظات میں منقول ہے کہ جنات فضا میں دفن ہوتے ہیں۔فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۳؍۲۲۲)

میت کو بطور امانت دفن کرنا جائز نہیں:

سوال: میری کافی عرصے سے یہ خواہش تھی کہ ایک اہم قومی مسئلے کے بارے میں آپ سے رجوع کروں،جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارے عظیم فراموش کردہ رہبر وراہ نما چوہدری رحمت علی مرحوم بانی تحریک پاکستان جنہوں نے ہمیں تقسیم برصغیر کا اُصول بتایا اور اس سلطنتِ خداداد کو ''پاکستان'' کا نام دیا،بطور امانت دیارِ افرنگ کیمبرج کے قبرستان میں دفن ہیں،انہیں دفن بھی ان کے ایک معتقد عیسائی پروفیسر مسٹر ویلبورن نے اپنے عقیدہ کے مطابق کیا تھا،آپ کی وفات کو ۳؍فروری کو تیس برس ہوگئے ہیں۔سنا ہے کہ جمال الدین افغانی کو بھی ان کے ہم وطنوں نے چالیس برس بعد ان کے آبائی وطن میں دفن کیا تھا۔اب آپ سے دریافت کرنا ہے کہ اگر موجودہ حکومت،یا چوہدری رحمت علی میموریل ٹرسٹ چوہدری صاحب کی میت کو پاکستان لانے کے انتظامات کرے تو ان کی آخری رسومات دینِ اسلام کے مطابق کس طرح ادا کرنی ہوگی؟اور مزید یہ کہ کتنے عرصے تک بطور امانت دفن رکھی جاسکتی ہے؟

---

(۱)　ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنازۃ،مطلب فی دفن المیت:۱۲۹/۳،دارالکتاب دیوبند،انیس

الجواب

میت کو امانت کے طور پر دفن کرنے کے کوئی معنی نہیں اور دفن کے بعد میت کو نکالنا درست نہیں۔ عالمگیریہ میں التبیین سے نقل کیا ہے کہ ''اگر غلطی سے میت کا رخ قبلہ سے دوسری طرف کر دیا گیا، یا اس کو بائیں پہلو پر لٹا دیا گیا، یا اس کا سر پائینتی کی طرف اور پاؤں سرانے کی طرف کر دیا تو مٹی ڈالنے کے بعد اس کو دوبارہ کھولنا جائز نہیں اور اگر ابھی تک مٹی نہیں ڈالی تھی، صرف لحد پر اینٹیں لگائی تھیں تو اینٹیں ہٹا کر اس کو سنت کے مطابق بدل دیا جائے''۔ (۱/۱۶۷)(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۳۶/۴)

قبر سے مراد عالم برزخ ہے یہ گڑھا مراد نہیں:

سوال: قبر کی زندگی سے کیا مراد ہے؟ قبر میں عذاب یا راحت کی کیا نوعیت ہے۔ قبر سے کیا زمین کا چھ فٹ کا گڑھا مراد ہے، جس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے، یا اس کے علاوہ کوئی اور جہاں مراد ہے؟

الجواب

قبر سے مراد یہی ظاہری قبر ہے، اسی میں جزا اور سزا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سواری پر تشریف فرما تھے کہ اچانک سواری بدکی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرنے بھی لگے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے او کما قال۔ (مشکوٰۃ)(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اسی قبر سے گزر رہی تھی، عالم برزخ، یا سجین سے اس کا گزر نہیں ہوا۔ بعض حضرات نے جو ''قبر'' سے مراد عالم برزخ لیا ہے اور گڑھے کے قبر ہونے کی نفی کی ہے۔ اس سے مقصود تعمیم ہے اور ''قبر'' کو گڑھے میں منحصر سمجھنے کی نفی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۸/۳)

---

(۱) ولو وضع الميت لغير القبلة أوعلىٰ شقه الأيسر أوجعل رأسه موضع رجليه وأهيل عليه التراب لم ينبش ولو سوىٰ عليه اللبن ولم يهل عليه التراب نزع اللبن وروعى السنة كذا فى التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السادس فى القبر، الخ: ۱۶۷/۱)

وفى الشامية: وأما نقله (أى الميت) بعددفنه فلا مطلقاً قال فى الفتح: واتفقت كلمة المشائخ فى امرأة دفن ابنها وهى غائبة فى غيربلدها فلم تصبر وأرادت نقله علىٰ أنه لايسعها ذلك. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۱۳۵/۳، دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: (إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِي رِوَايَةٍ: الْمُسْلِمُ لَا يَسْتَتِرُهُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لِمَ صَنَعْتَ هَذَا؟ فَقَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. (مشكاة المصابيح، باب آداب الخلاء، رقم الحديث: ۳۳۸، انيس)

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے:

سوال: جب میت کو دفن کر چکیں تو اس میت کے ساتھ ان کے گھر واپس آئیں، یا اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں؟ حکم شرع مطلوب ہے۔

الجواب

دفن کے بعد تعزیت کے لیے اہل میت کے ہاں جانا مکروہ ہے، دفن میں شریک لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں، ایسے ہی اہل میت بھی اجتماعی تعزیت کے لیے کوئی اہتمام نہ کریں۔

قال كثير من متأخرى أئمتنا رحمهم الله: يكره الاجتماع عند صاحب الميت حتىٰ يأتى إليه من يعزى بل إذا رجع الناس من الدفن فليتفرقوا ويشتغلوا بأمورهم وصاحب الميت بأمره ويكره الجلوس علىٰ باب الدار للمصيبة فإن ذلك عمل أهل الجاهلية ونهى النبى صلى اللّٰه عليه و سلم عن ذلك وتكره فى المسجد،آه. (مراقی)(۱)

(ويكره الجلوس علىٰ باب الدار) قال فى شرح السيد: ولابأس بالجلوس لها إلىٰ ثلاثة أيام من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والأطعمة من أهل الميت (ويكره الجلوس،الخ) علىٰ ما إذا كان محظور ارتفعت المخالفة ويدل عليه ما فى النهر لابأس بالجلوس لهاثلاثة أيام و كونه علىٰ باب الدار مع فرش بسط علىٰ قوارع الطريق من أقبح القبائح،آه. (۲)**فقط واللّٰه أعلم**

محمد انور (خیر الفتاویٰ:۳/۲۳۶)

قبرستان مٹ مٹا جائے تو بھی قبرستان ہی رہے گا:

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان تھا، آبادی کی کثرت کی وجہ سے نیا قبرستان بنالیا گیا۔ اب وہ جگہ ویران پڑی ہے، کوئی وہاں مردہ دفن نہیں کرتا۔ اسے کاشت کر سکتے ہیں؟

الجواب

وفى الهندية (۲/۳۵۱): سئل هو أيضاً عن المقبرة فى القرىٰ إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتىٰ لا العظم ولا غيره هل يجوززرعها واستغلا لها،قال:لا ولها حكم المقبرة. (۳)

(۱) مراقی الفلاح علىٰ حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة،باب أحكام الجنائز،قبيل فى زيارة القبور، ص: ٦١٦-٦١٧، دارالكتب العلمية بيروت،انيس

(۲) حاشية الطحطاوی،باب أحكام الجنائز،فصل فى حملها ودفنها ،ص: ٦١٧،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف،الباب الثانى عشر فى الرطباطات والمقابر الك:٢/٤٧٠، انيس

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جوز مین قبرستان پر وقف ہوگئی ہے، اگر چہ لوگ اس میں اموات دفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں، تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی، اس کو کاشت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاوی: ۲۴۰/۳)

جو قبر کھل جائے، اس کو کس طرح بند کیا جائے:

سوال: پہاڑی ملک میں قبریں صندوقی بنائی جاتی ہیں اور تختہ سال چھ ماہ میں گل کر ٹوٹ جاتے ہیں اور نعشیں اکثر کھل جاتی ہیں، یہ قبریں کیوں کی بند کی جائیں، آیا اوپر سے لکڑی لگا کر مٹی بھری جائے، یا یوں ہی نعش پر مٹی دالی جائے؟

ضرورت کی وجہ سے قبر پر لکڑی کے تختے لگانا جائز ہے:

سوال: ایک بستی کے لوگ اپنی قبریں بجائے لحد کے شق بناتے ہیں اور قبر کو بانس اور لکڑیوں سے پاٹتے (ڈھانپنا، چھپانا) ہیں اور ان لکڑیوں میں آہنی میخیں لگی ہوتی ہیں تو کیا قبر کو ایسے تختوں، یا لکڑیوں سے پاٹنا جائز ہے، جس میں لوہے کی کیلیں لگی ہوں، یا ان کیلوں کے نکالنے کی ضرورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

لکڑی کے تختے قبر میں لگانا مکروہ ہیں؛ لیکن اگر کوئی ضرورت ہو، مثلاً: بانس، یا کچی اینٹیں نہ ملیں، یا ملیں؛ لیکن لگ نہ سکیں تو مکروہ نہیں۔ لوہے کی میخیں بھی اسی حکم میں ہیں۔

ویکره الآجرّ ودفوف الخشب لما روی عن إبراهیم النخعی أنه قال کانوا یستحبون اللبن والقصب علی القبور وکانوا یکرهون الأجر، وروی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نهی أن تشبه القبور بالعمران والاٰ جر والخشب للعمران، إنتهی. (۱)

وفی مراقی الفلاح: (وکره) وضع (الآجرّ) ... (والخشب) محمول علیٰ وجود اللبن بلا کلفة، إلخ. (۲) واللّٰه أعلم

کتبہ: محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، سنہری مسجد دہلی۔ (کفایت المفتی: ۴۵/۴-۴۶)

کثرت بارش والی جگہ میں تختہ کی جگہ پتھر:

سوال: چوں کہ تختے قبروں میں لگانے سے بوجہ کثرت بارش کے بہت جلد کھل جاتی ہیں تو بجائے تختوں کے پتھر کی سلیں لگانا جائز ہے، یا نہیں؟

(۱) بدائع الصنائع، قبیل فصل وأما سنة الدفن، فصل فی سنة الحضر: ۳۱۸/۱، ط: سعید

(۲) أحکام الجنائز، ص: ۳۶۹، ط: مصطفی الحلبی، مصر

الجواب

(۱) بہتر یہ ہے کہ لکڑی، یا پتھر رکھ کر مٹی ڈالی جائے۔(۱) فقط

(۲) درست ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۶/۵)

قبر کے پٹاؤ میں پختہ کونڈا دینا کیسا ہے:

سوال: قبر کے پٹاؤ میں مٹی کا پختہ کونڈا دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(ویسوی اللبن علیه والقصب لا الآجر)المطبوخ والخشب لو حوله أما فوقه فلایکره.(۲)

اس عبارت سے واضح ہے کہ پکی اینٹ اور کونڈا آگ میں پکا ہوا قرب قبر کے ماحول رکھنا مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو درست ہے۔

قال مشائخ بخاری: لایکره الأجر فی بلدتنا للحاجة إلیه لضعف الأراضی. (شامی)(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۱/۵)

قبر پر تختوں کی جگہ پتھروں کا استعمال کیسا ہے:

سوال: قبر پر بعوض تختوں کے پتھر جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

بہ ضرورت جائز ہے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۷/۵)

میت کو لحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جائے:

سوال: قبر میں نعش رکھ کر کبھی پوری مٹی بدن پر ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بانس وغیرہ دینا؛ یعنی

---

(۱) (ولا بأس باتخاذ تابوت) ولو من حجر أو حدیدٍ (له عند الحاجة) کرخاوة الأرض. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۴/۲، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۲/۳، دارالکتاب دیوبند، انیس

(۳) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۱۳۶/۳، دارالکتاب دیوبند، انیس

(۴) ویسوی اللبن علیه والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب لو حوله أدفنونه فلا یکره. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۶/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

فاصلہ کرنا واجب ہے، یا مستحب ہے؟ بچوں میں عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ کچھ فاصلہ دیئے بغیر پوری مٹی انڈیل دی جاتی ہے اور کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا: ﴿ومنها خلقناكم﴾ الخ پڑھ کر لوگ کسی ٹوکری میں رکھ کر سر کی جانب سے رکھتے ہوئے پیر تک ختم کرتے ہیں، پھر تختہ اوپر رکھتے ہیں، یا بغیر پاٹے مٹی انڈیل دیتے ہیں، کیا شرعی طریقہ ہے؟ آیت مذکورہ یاد ہونیکے باوجود کوئی بھی دعا پڑھ کر مٹی دے سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

بغیر تختہ رکھے اوپر مٹی ڈال دینے کی اجازت نہیں، بچہ ہو، یا بڑا۔ سب کے لیے یہی حکم ہے، لحد بنائیں، پھر اس کو کچی اینٹ وغیرہ سے بند کریں، یا شق بنا کر تختہ، یا بانس رکھیں، تب مٹی ڈالیں۔(۱) آیت: ﴿منها خلقناكم﴾ کا پڑھنا مستحب ہے، واجب نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۷۸-۷۹)

دفن کرنے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو کیا کیا جائے:

سوال: اگر میت کو دفن کرتے ہوئے نصف قبر کی تیاری پر قبر بیٹھ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

مردہ رکھنے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو کیا کیا جائے:

سوال: قبر میں مردہ کو رکھ کر مٹی دیکر تیاری کے وقت قبر بیٹھ جائے تو مردہ کو نکال کر دوسری قبر مین رکھا جائے، یا کیا؟

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "حرم الله مكة، فلم تحل لأحد قبلي، ولا تحل لأحد بعدي، أحلت لي ساعة من نهار، لايختلى خلاها، ولايعضد شجرها"... فقال العباس رضي الله تعالىٰ عنه: إلا الإذخر لصاغتنا وقبورنا، فقال: "إلا الإذخر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الإذخر والحشيش في القبر: ۱/۱۸۰، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا، والشق لغيرنا". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللحد لنا: ۱/۲۰۲، سعيد)

(وحفر قبره) ... (ويلحد ولايشق) إلا في أرض رخوة ... (ويسوى اللبن عليه و القصب لا الأجر) المطبوخ. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳/۱۳۸-۱۴۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

لحديث السنن مرفوعاً ... ويسوى اللبن عليه والقصب؛ لأنه جعل علىٰ قبره عليه الصلوٰة والسلام اللبن وطن من قصب إلخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸-۳۳۹، رشيدية)

(۲) ويقول في الحثية الأولىٰ: ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرىٰ﴾ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۷، سعيد)

الجواب

(۱-۲) پہلی صورت میں دوسری جگہ قبر کھودی جاوے، یا اسی کو صاف کر کے درست کی جاوے اور دوسری صورت میں میت کو نہ نکالا جاوے، اوپر سے مٹی درست کردی جائے، کیوں کہ **إخراج الميت عن القبر بعد الدفن** اس وجہ سے درست نہیں ہے، **كما في الدر المختار: (ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي الخ.** (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۷/۵)

مردہ کے جسم پر مٹی ڈال دینا خلاف سنت ہے:

سوال: اس اطراف میں میت کو اس طرح دفن کرتے ہیں کہ ایک گڑھا تیار کر کے اس میں میت کو قبلہ رو سلا دیتے ہیں اور لحد، یا شق وغیرہ نہیں کرتے؛ بلکہ ویسے ہی مٹی ڈالتے ہیں۔ ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

ويلحد، الخ. (قوله: ويلحد) لأنه السنة وصفته أن يحفر القبر ثم يحفر في جانب القبلة منه خفيرة فيوضع فيها الميت ويجعل ذلك كالبيت المسقف. (۲)

پس معلوم ہوا کہ لحد کھودنا سنت ہے اور لحد کے متعذر رہونے کی صورت میں شق ہونا چاہیے، بلا لحد اور شق کے میت پر ایسے ہی مٹی ڈال دینا خلاف سنت ہے۔

پس جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ تارک سنت ہیں، ان کو طریقہ سنت بتلا دینا چاہیے، (۳) اور آئندہ کو نصیحت کرنی چاہیے کہ ایسا نہ کریں؛ بلکہ طریقہ سنت کے موافق دفن کریں، جاہلوں کو احکام شریعت کی تعلیم کرنا علما کے ذمہ ہے، یہ غفلت ان علما کی ہے، جنھوں نے ان کو طریقہ مسنونہ سے دفن کی تعلیم نہ کی ہو۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۸/۵-۳۸۹)

قبر مکمل ہونے کے بعد اگر کوئی آئے اور مٹی ڈالنے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر میت کو مٹی دینے کے بعد کوئی شخص آوے تو بعد میں اس کو مٹی دینا جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

قبر کے مکمل ہو جانے کے بعد پھر مٹی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۴/۵)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸۳۹/۱

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۰/۳، دار الكتاب ديوبند، انيس

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار باب صلاة الجنائز: ۸۳۵/۱

بانس پر بوریا ڈال کر مٹی ڈالنا درست ہے:

سوال: میت کو قبر میں رکھ کر اس پر بوریا ڈال کر مٹی ڈالنا جائز ہے، یا نہیں؟

اور ہدایہ میں ہے:" ولابأس بالقصب وفی الجامع الصغیر ویستحب اللبن والقصب؛ لأنه صلی اللّٰہ علیه وسلم جعل علٰی قبره طن" .

لفظ طن کے کیا معنی ہیں؟

الجواب

یہ صورت دفن کی صحیح ہے اور طن کے معنی "خرقة من القصب" ہے۔ (قاموس)

قال فی الدرالمختار: ویسوی اللبن علیه والقصب لاالآجر المبطوخ والخشب لوحوله أما فوقه فلا یکره. (الدرالمختار)

وفی الرد: ونصوا علٰی استحباب القصب فیها کاللبن. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۴/۵)

موت سے پہلے قبر تیار کرنے میں مضائقہ نہیں:

سوال: اگر بحالت مریض ہونے کے تیاری قبر وکفن وغیرہ بغرض سہولت عمداً اس طرح کی جائے کہ مریض کو خبر نہ ہو تو اس میں کچھ گناہ ہے، یا نہیں؟

الجواب

پہلے سے قبر اور کفن کے تیار کرنے میں کچھ حرج اور گناہ نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۶/۵)

مردہ کو قبر میں خوشبو لگانا کیسا ہے:

سوال: مردے کو قبر میں خوشبو لگانا کیسا ہے

الجواب

کچھ حرج نہیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۲/۵)

---

(۱) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۲/۳، دار الکتاب دیوبند، انیس

(۲) ویحفر قبراً لنفسه وقیل: یکره و الذی ینبغی أن لایکره تهیئة نحو الکفن بخلاف القبر.

وفی رد المحتار: وفی التتارخانیة: لا بأس به ویؤجر علیه هٰکذا عمل عمر بن عبد العزیز والربیع بن خیثم. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۴۴/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۳) یوضع الحنوط فی رأسه ولحیته وسائر جسده. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین: ۱۶۱/۱، انیس)

وقف قبرستان کی زمین کرایہ پر دینا اور عورت کو جاروب کشی کے لیے مقرر کرنا:

سوال: ہندہ بطور جاروب کش ایک بزرگ کے مزار کے قریب مسلمانوں کی قبریں ہیں، مسلمانوں کی قبروں کو مسمار کرکے اور زمین کو ہموار کرکے اس کو ایک انجن کے ذریعہ سے چکی چلانے کے واسطے کرایہ پر دیا۔ کیا یہ فعل اس کا جائز ہے، کیا بزرگوں کے مزار پر عورت کو جاروب کش مقرر کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

پرانی قبور کو برابر کرنا اور اس میں تعمیر وزراعت وغیرہ کرنا فقہا نے درست لکھا ہے؛(۱) لیکن موقوفہ قبرستان میں ایسا کرنا کہ قبور کو برابر کرکے اس زمین کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے،(۲) اور عورت کو مزار پر جاروب کش مقرر کرنا درست نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۷۸/۵-۳۷۹)

جو بچہ مردہ ہوا سے دفن کیا جاوے:

سوال: جو بچہ مردہ پیدا ہوا، اس کو قبر مین لحد کھود کر رکھا جاوے، یا گڑھا کھود کر کفارہ کی طرح دبا دیا جاوے؟

الجواب ــ

(۱-۲) دیدۂ ودانستہ پرانی قبر کی بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کھودنا جائز نہیں اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں اور کسی قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے؛ کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے، چناں چہ شامی میں **بعد نقل أقوال العلماء** کے تحت یہ لکھا ہے:

"فالأولٰی اناطة الجوازبالبلاء اذا لایمکن أن یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره،الخ".(۴)

---

(۱) جاز زرعه و البناء علیه اذا بلٰی وصار تراباً.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار، باب صلاة الجنائز:۲۳۸/۲،دار الفکر،بیروت،انیس)

(۲) فاذا ولزم لا یملک ولا یعاد ولا برهن .(رد المحتار، کتاب الوقف:۵۳۹/٦،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۳) وتکره التعزیة ثانیاً ... وبزیارة القبور ولوللنساء.

وفی الرد تحته:وقیل تحرم علیهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن ... وقال الخیرالرملی ان کان ذلک لتحدید الحزن والبکاء والندب علٰی ما جرت به عادتهن فلا تجوز.(رد المحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز:۲۴۲/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

(۴) ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فی دفن المیت:۱۲۹/۳،دار الکتاب دیوبند،انیس

اور قبل البلاء ایسا کرنا ناجائز قرار دیا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

"وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تبل أربابها وادخال أجانب عليهم فهو المكر الظاهر". (۱)

(۳) گھڑا کھود کر مردہ کو اس میں ڈالنا صرف کافر یا مرتد کے لیے کہا گیا ہے۔ اولاد مسلمین کے لیے جب کہ وہ مردہ پیدا ہوں، ایسا کرنا کہیں نظر سے نہیں گزرا، صرف نماز اور کفن کے متعلق یہ ذکر کرتے ہیں۔ (درمختار) (۲) بلکہ دفن کا اطلاق اور حفر کا نہ کہنا مشعر ہے کہ دفن معہود ہی مراد ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۴/۵-۳۸۵)

ردہ کو تابوت میں ڈال کر دفن کرنا اور بعد میں دوسری جگہ لے جا کر دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر بوجہ عذر کے مردہ کو تابوت میں رکھ کر گھر میں دفن کرے اور بعد میں زائل ہونے عذر کے اس تابوت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

دفن کے بعد میت کو، یا اس کے تابوت کو قبر سے نکالنا درست نہیں ہے۔

"ولايخرج منه بعد اهالة التراب الالحق آدمي (كان تكون الأرض معصوبة أوأخذت بشفعة)". (الدرالمختار) (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۸۸/۵)

ایسا لڑکا جس کا باپ مسلمان اور ماں غیر مسلمہ ہو، مرجائے تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک لڑکا بعمر یک سالہ جس کا باپ مسلم اور ماں غیر مسلمہ ہے انتقال کر گیا اور اس کو قبرستان اہل اسلام میں دفن کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

وہ لڑکا مسلمان ہی سمجھا جائے گا؛ لأن الولد يتبع خير الأوين. (۴) لہٰذا اس کو مقبرہ اہل اسلام ہی میں دفن کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۹۸/۵)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۱۲۹/۳، دار الكتاب ديوبند، انيس

(۲) أدرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه، آه. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۲۲/۳، دار الكتاب ديوبند، انيس)

(۳) الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۵/۳، دار الكتاب، ديوبند

(۴) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۲۳/۳، دار الكتاب ديوبند

مردہ کو دفن کرنے کے بعد پھر نکالنا درست نہیں ہے:

سوال: ایک مردہ کو ایک جگہ ایک امانت کر کے دفن کیا بعد چند روز کے وہاں سے نکال کر اور جگہ لے گئے اور دفن کر دیا، یہ صورت بندہ کی نگاہ سے نہیں گزری۔ مہربانی فرما کر تحریر فرمادیں کہ یہ صورت کون سی کتاب میں ہے اور یہ صورت درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

دفن کرنے کے بعد شرعاً نکالنا میت کا فرسے اور دوسری جگہ دفن کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے۔(۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں ہے اور یہ حکم عام ہے، اس سے کہ اماناً دفن کیا جاوے، یا نہیں؟ اور اماناً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۳/۵)

میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا:

سوال: اگر میت کا رخ نماز پڑھنے وقت غلط ہو گیا، سر کی جگہ پیر اور پیروں کی جگہ سر اور امام نے نماز پڑھادی تو کیا نماز ہو گئی؟ اسی طرح قبر میں غلط رکھ دیا تو کیا دوبارہ قبر کھول کر رخ صحیح کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

قبر میں دفن کرنے کے بعد اس غلطی کی اصلاح کے لیے قبر کھود کر نکالنا درست نہیں۔

"إذا دفن بلاغسل أو صلاة، أو وضع علىٰ غير يمينه أو إلىٰ غير القبلة، فإنه لاينبش عليه بعد إهالة التراب". (۲)

"ولو وضع الميت لغير القبلة أو علىٰ شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل عليه التراب، لم ينبش". (۳)

اگر نماز پڑھاتے وقت میت کا جنازہ اس طرح رکھا گیا کہ اس کا سر جنوب کی طرف ہو گیا اور پیر شمال کی طرف اور نماز اسی طرح پڑھادی گئی تو بھی نماز ہو گئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن قصداً اسی طرح کرنا اساءت ہے:

"وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين، وأساؤا إن تعمدوا". (۴)

---

(۱) (ولايخرج منه بعد إهالة التراب) الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۰/۳، دارالكتاب ديوبند)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۸/۲، سعيد

(۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱٦۷/۱، رشيدية

(۴) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۰۹/۲، سعيد

"ولو أخطاؤا عندنا الوضع،فوضعوا رأسه مما يلي يسار الإمام،جازت الصلاة،وإن تعمدوه فقد أساءوا وجازت، كذا فى التاتارخانية". (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۶/۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۳۹۲/۶/۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۹/۹)

میت پر ہر شخص کتنی مٹی ڈالے:

سوال: میت کو دفن کر کے ہر شخص کو کتنی مٹی ڈالنی چاہیے؟

الجواب

اس میں کچھ تحدید نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ تین دھو تڑ مٹی ڈالے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۴/۵)

دفن کرتے وقت تین مٹھی مٹی ڈالنا:

سوال: میت کو دفن کر کے تین مٹھی مٹی کی قبر میں ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب

تین تین مٹھی مٹی کی قبر میں ڈالنا تمام حاضرین کو مستحب ہے۔ (كذا فى الهندية وغيره) (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۴/۵)

تدفین کے بعد ہاتھ دھونا اگر مٹی لگی ہو، درست ہے:

سوال: مردہ کو قبر میں رکھ کر مٹی دینے کے بعد ہاتھ دھونا جائز ہے، یا نہ؟ بکر جائز ہے اور زید ناجائز بتلاتا ہے؟

الجواب

اس بارے میں بکر کا قول صحیح ہے، ہاتھ دھونے میں اس صورت میں شرعاً کچھ حرج نہیں ہے اور کچھ ممانعت اس کی نہیں ہے، ناجائز کہنا بلا دلیل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۴/۵)

---

(۱) الحلبى الكبير، كتاب الصلاة،فصل فى الجنائز،الرابع فى الصلاة عليه،ص: ۵۰۷،دار الكتاب ديوبند،انيس

(۲) ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً.

وفى رد المحتارتحته لما فى ابن ماجة عن أبى هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلىٰ علىٰ جنازة ثم أتى القبر فحثا عليه من قبل رأسه ثلاثاً شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۲۳٦/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۳) ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثوا فى قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعاً. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة،الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱٦٦/۱،انيس)

دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا:

سوال: قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد اسی وقت قبرستان میں ہاتھ دھوڈالتے ہیں، بعض اس کو منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دھوڈالنا چاہیے۔شرعا کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جو دل چاہے کوئی پابندی نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔الجواب صحیح: عبداللطیف، ۲۵/۶/۶۱/۱۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۱۰/۹)

دفن کے بعد ہاتھ دھونا جائز ہے:

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد مٹی دے کر کچھ لوگ وہیں ہاتھ دھو لیتے ہیں اور کچھ نہیں دھوتے۔دونوں میں کون سی صورت بہتر ہے، ہاتھ دھوئے جائیں، یا نہیں؟ (المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ہاتھ دھونا صفائی کے لیے ہے، اگر مٹی سوکھی ہو اور ہاتھ ملوث نہ ہوں تو دھونا ضروری نہیں اور گیلی مٹی سے ہاتھ ملوث ہوگئے ہوں اور وہاں پر پانی مل سکے تو دھولے، ورنہ واپس آکر دھولے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی: ۵۲/۴)

قبر پر اذان دینا:

سوال: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دی جاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ

---

(۱) آداب قبور کا خیال رکھتے ہوئے قبروں سے ذرا ہٹ کر ہاتھ دھونا چاہیے۔

عن بشیر مولیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ... فهاجر إلیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ... قال بینما أنا أُما شئ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه سلم مربقبور المشرکین فقال لقد سبق هؤلاء خیراً کثیراً ثلاثاً ثم مر بقبور المسلمین فقال لقد أدرک هؤلاء خیراً کثیراً ثم حانت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نظرة فإذا رجل یمشی فی القبور علیه نعلان فقال یا صاحب السبتیتین ویحک الق سبتیتیک فنظر الرجل فلما عرف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خلعهما فرمیٰ بهما.(سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب المشی بین القبور فی النعل: ۴۵۰/۲، مکتبة أشرفیة دیوبند،انیس)

ویکره الجلوس علی القبر ووطؤه ... ویکره النوم عند القبر وقضاء الحاجة، بل أولیٰ وکل ما لم یعهد من السنة،إلخ".(ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲،سعید)

کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں؛ لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتویٰ منگایا، اس میں درمختار اور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے قبر پر اذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

یہ مسئلہ کتب احناف میں کتب شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتب شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی ہے،(۱) براہ راست کتب احناف اس سے ساکت ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا؛ مگر کوئی دلیل صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۹/۶۷-۶۸)

زچہ اور بچہ دونوں مر گئے تو ساتھ دفن ہوں، یا الگ الگ:

سوال: ایک عورت کی عندالولادت موت ہوگئی، سات ہی بچہ کا بھی انتقال ہوگیا، اب آیا اس عورت کو اور بچہ کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو بچہ خواہ نر ہو، یا مادہ ہو ہر صورت میں، یا فرق بھی ہے؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟ نیز اگر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کریں گے، یا نہیں؟ نیز مردہ بچہ کو اس کی ماں کے جنازہ کے ساتھ شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

جو بچہ زندہ پیدا ہوا، پھر مر گیا اور اس کی ماں بھی مر گئی تو دونوں کے جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنا درست ہے۔(۲)

---

(۱) وفی حاشية البحر للرملی: رأيت فی كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوٰة، كما فی أذن المولود، والمهموم، والمصروع والغضبان ... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً علٰى أول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر فی شرح العباب. (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، مطلب فی المواضع التی يندب لها الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

(۲) ”عن أبی مالک رضی اللّٰه تعالٰى عنه قال: أتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰى عليه وسلم يوم أحد بحمزة بن عبد المطلب، فوضع وجئ بتسعة فصلٰى عليهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم، فرفعوا وترک حمزة، ثم جئ بتسعة، فوضعوا فصلٰى عليهم سبع صلوات حتٰى صلٰى علٰى سبعين و منهم حمزة رضی اللّٰه تعالٰى عنه فی كل صلاة صلاها“. (مراسيل أبی داؤد، باب الصلاة على الشهيد: ۱/۴۸۷، انيس)

”وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلاة) علٰى كل واحدٍ أولٰى“. (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۱۸، سعيد)

”لو اجتمعت الجنائز يخير الإمام إن شاء صل علٰى كل واحد علٰى حدة، وإن شاء صلٰى على الكل دفعة بالنية على الجميع“. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل الخامس: ۱/۱۶۵، رشيدية)

مگر دونوں کوالگ الگ دفن کرنا چاہیے، بچہ کو ماں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے۔(۱) اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی،(۲) دفن اس کو بھی الگ کیا جائے ماں کے ساتھ نہیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۹/۱۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۸۱/۹)

جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں:

سوال: ایک شخص کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے دونوں کی کمر ملی ہوئی ہے، ایک کا منہ مغرب کی طرف ہے اور دوسرے کا مشرق کی طرف اور دونوں کا انتقال ہوگیا، اب دفن کس طرح کریں؟ اگر ایک کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تو دوسرے کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، اب کیا کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس مجبوری کی حالت میں دونوں کا منہ قبلہ کی طرف کرنا لازم نہیں؛ بلکہ کیا ہی نہیں جاسکتا، ایک ہی کا منہ رہے گا۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۱/۶/۱۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۸۳/۹)

---

(۱) ”ولایدفن إثنان فی قبر واحد إلا لضرورة“.(فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فی الدفن: ۱٤۱/۲، مصطفیٰ البابی الحلبی، بمصر)

”ولایدفن إثنان أو ثلاثة فی قبر واحد إلخ“.(الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱٦٦/۱، رشیدیة)

(۲) عن جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ”الطفل لایصلی علیه، ولایرث، و لا یورث حتیٰ یستهل“.(جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی ترک الصلاة علی الطفل: ۲۰۰/۱، سعید)

(۳) قال ابن النجیم: ”ومن استهل صلیٰ علیه، وإلا لا ... و أفاد بقوله: ”إلا لا“ أنه إذا لم یستهل لا یصلی علیه، ویلزم منه أن لا یغسل ولایرث ولایورث ولا یسمیٰ، إلخ“ .(البحر الرائق، باب الجنائز: ۳۲۹/۲ـ ۳۳۰، دار الکتاب دیوبند، انیس)

”ومن ولد فمات، یغسل ویصلی علیه) ... (إن استهل) ... (وإلا) ... (غسل و سمیٰ) ... (وأدرج فی خرقه ودفن ولم یصل علیه).(الدر المختار علیٰ رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۲۷/۲ـ ۲۲۸، سعید)

(۴) میت کو قبر میں قبلہ رو کرنا ضروری ہے، لیکن صورت مسئولہ میں ضرورت کی وجہ سے صرف ایک ہی کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے، چونکہ تکلیف انسانی کا مدار وسع قدرت ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿لایکلف اللّٰه نفساً إلا وسعها﴾(سورة البقرة: ۲۸٦)﴿لایکلف نفساً﴾من النفوس إلا ماتطیق، وإلاماهو دون ذلک کما فی سائرما کلفنا به من الصلاة و الصیام مثلاً.(روح المعانی: ٦۹/۳، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

”ویوجه إلیها وجوباً، وینبغی کونه علیٰ شقه الأیمن“.(الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳٦/۲، سعید)

”یوضع فی القبر علیٰ جنبه الأیمن مستقبل القبلة“(الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱٦٦/۱، رشیدیة)

دفن میت کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا:

سوال: یہاں رواج ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد اس کے اوپر لوٹے سے تین مرتبہ پانی ڈالتے ہیں، مثل تین لکیر کے، سر سے پاؤں تک ڈالتے ہیں اور کچھ آیات پڑھتے ہیں۔ اس کی اصل کہاں تک ہے؟ اس کو ضروری سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پانی ڈال دینا، تاکہ مٹی منتشر نہ ہو جائے، مستحب ہے۔

(لابأس برش الماء عليه) حفظاً لترابه على الاندراس.

وفي الرد تحته: بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد رضي الله تعالىٰ عنه، كما رواه ابن ماجة، ويقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبو داؤد في مراسيله، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون رضي الله تعالىٰ عنه، كمارواه البزار، إلخ". (۱)

دفن کے بعد سر کی جانب سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب اس کا آخر پڑھنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ مشکوٰہ شریف میں ہے، (۲) مگر یہ بھی مستحب ہے، فرض سمجھنا غلط ہے بے اصل ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۲۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۰۰-۱۰۱)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳٤/۲، دار الكتاب ديوبند، انيس
عن جعفر بن محمد عن أبيه مرسلاً أن النبي صلى الله عليه وسلم حثىٰ ثلٰث حثيات بيديه جميعاً وأنه رش علىٰ قبر ابنه ابراهيم ووضع عليه حصباء. (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول: ۱٤۸/۱، قديمي، انيس)
"ولابأس برش الماء عليه: أي القبر". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن، الخ: ۱٦٦/۱، رشيدية)

(۲) عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلىٰ قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة و عند رجليه بخاتمة البقرة، إلخ. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، الفصل الثالث، باب دفن الميت: ۱٤۹/۱، قديمي)
وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۱۳۳/۳، دار الكتاب ديوبند، انيس)
فقد ثبت أنه عليه الصلاة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عند رجليه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲٤۲، سعيد)،

(۳) (من أصر علىٰ أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹٤٦): ۳۱/۳، رشيدية)
الإصرار على المندوب يبلغه إلىٰ حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲٦٥/۲، سهيل اكادمي لاهور)

جذامی کی قبر میں چونا پانی ڈالنا:

سوال (۱) جذام کی بیماری میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی قبر میں پچاس کلوگرام چونا اور چالیس گھڑے پانی ڈالا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اسی طرح سفیدی کی بیماری اور جلد کی بیماری میں کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی بھی قبر میں پچاس کلو چونا، چالیس گھڑا پانی ڈالنا لازم قرار دے رکھا ہے، جب قبر میں چونا اور پانی ڈالا جاتا ہے تو چونا اور پانی دونوں مل کر ابلتا اور کھولتا ہے تو میت کا کیا حال ہوگا، گویا کہ ایک قسم کے جلانے کی مثال ہے۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱) یہ طریقہ شریعت نے تجویز نہیں کیا، کسی نے خود ہی گھڑ لیا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، خلاف سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔(۱)

(۲) اس کا حکم بھی نمبر (۱) کی طرح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۶/۹-۱۰۷)

مس ذکر سے مذی آگئی، اسی ہاتھ سے میت کو مٹی دینا:

سوال: کوئی اپنے کسی بھی رشتہ دار کے گذر جانے کی خبر پا کر گھر سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے مگر راستہ میں موٹر پر یا گاڑی میں جانا ہے، سامنے کوئی عورت بیٹھی ہے۔ مطلب غیر عورت، اور وہ شیطانی حرکت سے جان بوجھ کر اپنے عضو تناسل کو اس کے کندھے یا ہاتھ میں لگاتا ہوا گیا، اب اس شخص کو مذی آنے کا بھی شک ہو گیا پھر بھی اس نے جا کر مٹی دی۔ اب بتایئے اس کا مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا جو مٹی وہ اپنے ہاتھ سے دیا اس میت کی وہ مٹی کیا ہمیشہ کے لئے ناپاک ہوگئی؟ اور قیامت تک اس شخص کو جو مٹی قبرستان میں رہے گی اس کو گناہ ملے گا، یا برسات سے وہ مٹی پگھل کر چاروں طرف پھیل جائے گی تو جتنی میت وہاں ہیں سب کا گناہ پڑے گا اور اس شخص کی بخشش نہ ہوگی؟

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها: قال: قال النبی صلی اللّٰه علیه و سلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علٰی صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قدیمی/مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۲۶۰۳۳)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علٰی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰/۱، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

راستہ کی اس نالائق حرکت کی وجہ سے نہ اس کا ہاتھ ناپاک ہوا، نہ مٹی ناپاک ہوئی، نہ قبر ناپاک ہوئی، نہ قبر پر کوئی گناہ پہونچا، نہ اس کی وجہ سے میت کو عذاب ہوگا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳۹۶/۱/۲۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۱۰-۱۱۱)

دفن میت کے بعد چارپائی الٹ دینا:

سوال: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے بعد فورا چارپائی کو الٹا کردیتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

شرعاً اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۷/۳۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان ۱۳۶۱ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/ ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۱۱)

پرانی قبر پر مٹی ڈالنا:

سوال: پرانی قبر کو نئی مٹی سے بھر دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

درست ہے، خاص کر جب کہ اس میں میت موجود مٹی نہ ہوئی ہو، یا کسی کے اس میں گر جانے کا اندیشہ ہو۔

"لأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم مر بقبر إبنه إبراهيم، فرأى فيه حجرًا سقط فيه فسده وقال: "من عمل عملًا فليتقنه، آه". (الطحطاوی، ص: ۳۳۵) (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۱۱-۱۱۲)

---

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة أخرىٰ﴾. (الإسراء: ۱۵)

قال العلامة آلوسى البغدادى فى تفسير هٰذه الآية: "(ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ) تأكيد للجملة الثانية أى لا تحمل نفس حاملة للوزر وزر نفس أخرىٰ حتىٰ يمكن تخلص النفس الثانية عن وزرها ويختل ما بين العامل وعمله من التلازم". (تفسير روح المعانى، تفسرى سورة الإسراء: ۱۵/۳۵، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

قبر پر بوقت ضرورت مٹی ڈالنا:

سوال: کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈلوانا، یا سال دوسال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈلوانا؛ تا کہ نشان باقی رہے، درست ہے، یا نہیں؟ اور چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

مٹی ڈلوانا درست ہے۔(۱) اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حدذاتہ بھی درست ہے؛ لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے؛ اس لیے بنوانا نہیں چاہیے۔(۲) وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۱۵/۹)

قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا:

سوال: بنگال میں عام طور دیکھا جارہا ہے کہ تالاب کے کنارے جس کو یہ لوگ پاٹ کہتے ہیں، قبر ہوتی ہے۔ اب تالاب کو گہرا کرنے کی ضرورت ہے تو سوال یہ ہے کہ تالاب کی مٹی کو قبر پر رکھا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

تالاب کی مٹی قبر پر ڈالنے سے قبر زیادہ بلند ہوجائے گی، لہٰذا وہاں نہ ڈالی جائے، قبر کے لیے وہی مٹی کافی ہوتی ہے جو قبر کھودنے سے نکلی ہے۔

”ویکره أن یزید فیه علی التراب الذی خرج منه،ویجعله مرتفعاً عن الأرض قدرشبرأوأکثر بقلیل“. (۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۹۰/۳/۲۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۱۵/۹)

---

(۱) ”ثم یهال التراب ولا یزاد علی التراب الذی خرج من القبر،وتکره الزیادة،وعن محمد: لابأس بها“.(الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة،فصل فی الجنائز،السادس فی الدفن: ۵۹۸،سهیل أکادمی لاهور)

”وکان عصام بن یوسف یطوف حول المدینة،ویعمر القبورالخربة“.(مجمع الأنهر، کتاب الصلاة،باب الجنائز: ۲۷۶/۱،مکتبة غفاریة)

(۲) ”والسنة أن یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذه من حدید بشیئ،ولاشک فی کراهته،کما هوظاهرالوجه، إلخ“. (ردالمحتار،باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۵/۲،سعید)

(۳) ”قولهم:شرط الواقف کنص الشارع:أی فی المفهوم والدلالة“.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الوقف،فرع طاکب التولیة لا یولی: ۴۳۳/۴، سعید).

”قال العلامة قاسم فی فتاواه:أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ما هو صحیح معتبر،یعمل به“.

(البحرالرائق، کتاب الوقف،باب شراط الواقفین: ۲۶۵/۵،دارالکتاب الإسلامی بیروت،انیس)

(۴) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،أحکام الجنائز،فصل فی حملها ودفنها،ص: ۶۱۱،قدیمی==

قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا:

سوال: قبر میں مٹی کے چھوٹے ڈھیلے اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر وہ ڈھیلے قبر میں میت کے بازو میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ فعل کتب حدیث میں موجود نہیں، بعد کے بعض لوگوں کا عمل ہے، جو شرعی حجت نہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱۶/۹)

قبر کی مٹی لانا:

سوال: بزرگوں کی قبر سے قبر کی مٹی لانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جس مقبرہ سے مٹی لائی جائے گی، وہ دو حال سے خالی نہیں: موقوفہ ہے، یا مملوکہ؟ اگر موقوفہ ہے تو منشائے واقف کے خلاف ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔(۲) اگر مملوکہ ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں: یا تو مالک کی اجازت سے لائی جائے گی، یا بغیر اجازت، اگر بغیر اجازت لائی گئی تو بالکل نادرست اور ناجائز ہے۔(۳) اگر اجازت سے ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ اعتقاد صاف ہو؛ یعنی مؤثر حقیقی نہ خاک کو سمجھا جائے اور نہ مردے کو۔(۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۵/۱۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱۶/۹-۱۱۷)

== "ويهال التراب عليه، وتكره الزيادة عليه) من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ١٤٢/٣، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور فهو مردود: ٣٧١/١، قديمي)

(۲) قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم و الدلالة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجازته: ٤٣٣/٤، سعيد)

أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر، يعمل به. (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٤١١/٥، رشيدية)

(۳) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، إلخ. (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، (رقم المادة: ٩٦): ٦١/١، مكتبة حنفية كوئٹه)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين، والذي يميتني ثم يحيين﴾ (الشعراء: ٨٠-٨١)

﴿وإذا مرضت﴾ الآية: أي إذا وقعت في مرض، فإنه لا يقدر علىٰ شفائي أحد غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه، قوله تعالىٰ: ﴿والذي يميتني﴾ الآية: أي هو الذي يحيي، يميت، لا يقدر علىٰ ذلك أحد سواه، فإنه هو الذي يبدئ ويعيد". (تفسير ابن كثير: ٣٣٨/٣، سهيل أكادمي لاهور)

قبر کی مٹی کھانا:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبروں کی مٹی، یا پختہ قبر سے قلیل چونہ چاٹ لینا درست ہے کہ اس میں فائدہ مرتب ہوتا ہے، جیسے کہ مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں نصاب الاحتساب وخزینۃ الروایات ومجمع البرکات سے پان میں چونہ کھانے کو مفید تحریر فرمایا ہے۔(۱) یا مطلقا قدر قلیل مٹی کو کھالینا درست بلا کراہت لکھا ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ مدلل جواب سے اطلاع دیں کہ عوام اس گمراہی سے احتراز کریں۔ فقط

(عبدالمجید، قصبہ کرت پور، ضلع بجنور)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

”الطین الذی یحمل من مکة ویسمی طین حمرة،هل الکراهیة فیه کالکراهیة فی أکل الطین علٰی ماجاء فی الحدیث؟قال:الکراهة فی الجمیع متحدة،کذا فی الجواهر.(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مکہ طین معظّمہ اور طین غیر مکہ معظّمہ ہر دو مکروہ اور کراہت ہر دونوں میں متحد ہے اور کراہت حدیث شریف سے ثابت ہے۔

أکل الطین مکروه ... وکراهیة أکله لا للحرمة بل لتهییج الداء،وعن ابن المبارک کان ابن أبی لیلٰی یرد الجاریة من أکل الطین،وسئل أبوالقاسم عن أکل الطین قال:لیس ذلک من عمل العقلاء“، کذا فی الحاوی للفتاوٰی.(۳)

مٹی کے کھانے کی ممانعت حرمت کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ مورث امراض ہونے کی وجہ سے ہے۔ نیز یہ فعل عقلا کا نہیں، اگر مٹی کا کھانا مورث امراض نہ ہو، نیز اس میں منفعت ہو اور ایسی منفعت کہ کسی اور چیز سے حاصل نہ ہو تو بقدر ضرورت کھانا درست ہوگا۔

”فی نصاب الاحتساب:أکل الطین مکروه وذکرالحلوانی إن کان یضر یکره وإن کان

---

(۱) ”ویقاس علٰی هٰذا أنه یباح أکل النورة مع الورق المأکول فی دیار الهند؛لأنه قلیل نافع،فإن الغرض المطلوب من الورق المذکور لایحصل بدونها“.(نصاب الاحتساب،الباب العاشرفی الاحتساب علی الأکل والتسوب والندوای، ص:٥٢،مکتبة دارالعلوم للطباعة والنشر)

(۲) الفتاویٰ الهندیة،کتاب الکراهیة،الباب الحادی عشرفی الکراهة فی الأکل ومایتصل به: ٥/٣٤٠،رشیدیة
عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: من أکل الطین فکأنما فعل علٰی قتل نفسه.(سنن الکبریٰ، کتاب الضحایا،باب ماجاء فی أکل الطین: ١٠/١١،انیس)

(۳) الفتاویٰ الهندیة،کتاب الکراهیة،الباب الحادی عشرفی الکراهیة فی الأکل ومایتصل به:٥/٣٤٠_٣٤١، رشیدیة

یتناوله قليلاً أويفعله أحياناً،فلا بأس به.قال العبد أصلح الله شأنه:ويقاس علىٰ هٰذا أنه يباح أكل النورة مع الورق مأكول في ديارالهند؛لأنه قليل نافع، فإنه الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها، وهوالحمرة،انتهىٰ.

وقد نقل عنه في خزانة الروايات ومجمع البركات أيضا".(نفع المفتی،ص:۱۱۰)(۱)

"ويكره اكل الطين؛لأنه تشبه بفرعون".(۲)

اب معلوم ہونا چاہیے کہ بزرگوں کے مزارات کی مٹی کھانے میں کیا منفعت ہے،اگر کوئی ایسی منفعت ہے، جو خصوصیت مزار پر مرتب ہوتی ہے تو اس سے عوام کے عقائد خراب ہوتے ہیں کہ وہ ان بزرگوں کی روح کو متصرف سمجھتے ہیں،ان سے مرادیں مانگتے ہیں،ان کی نذر مانتے ہیں،حتیٰ کہ قبر کو سجدہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ؛اس لیے یہ ہرگز جائز نہیں۔اگر کوئی منفعت ہے، جو نفس قبر کی مٹی سے حاصل ہوجاتی ہے اور خصوصیت مزار سے متعلق نہیں تو بزرگوں کی قبر کی تخصیص کیوں ہے، ہر ایک قبر کی مٹی چاہیے، پر وہ فائدہ مرتب ہونا چاہیے تو اس میں قبر وغیر قبر سب برابر ہے،قبر کی مٹی میں مذکور بالا مفاسد ہیں؛اس لیے غیر قبر کو مٹی سے وہ فائدہ حاصل کرلیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبد اللطیف، ۱۹/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۱۷-۱۱۹)

قبر کی مٹی تبرکاً لے جانا:

سوال: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکا اپنے پاس رکھے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اگر شق ثانی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شق اول ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہیے اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہیے؟ عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے، یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔　　(شبیر علی، متعلم مدرسہ ہذا، ۷/صفر ۱۳۵۴ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے۔

لأنه وقف(فإذا تم (أي الوقف)و لزم،لا يملك ولايعارولايرهن".(الدرالمختار)

"أي لايكون مملوكاً لصاحبه،ولايملك:أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه".(۳)

---

(۱) فتاویٰ اللكنوی المسماة نفع المفتي والسائل،كتاب الحظر والإباحه، مايتعلق بالأكل والشرب،ص: ۳۷۹،بيروت

(۲) الفتاویٰ البزارية على هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الخامس في الأكل:۳۶۵/۶،رشيدية

(۳) ردالمحتار،كتاب الوقف:۳۵۲/۴،سعيد

اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے؛ **لأنه ملكه**، البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امر محدث ہے، میت جب خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو، کھیتی کرنا درست ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں نے بتایا؛ بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہٰذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھنکنا بھی درست ہے، اگر عالم کسی قبر کو تبرکاً لاکر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کو سجدہ کرنے سے دریغ نہ کرے گا، لہٰذا اجتناب چاہیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر ۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱۹/۹-۱۲۰)

قبرستان کے مینڈھ باندھنے کے لیے وہاں کی مٹی لینا:

سوال: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں؛ مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے، اگر مینڈھ چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کردیں؛ لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے، یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں۔ ہاں اگر قبروں پر مقدار شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں۔ (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲۰/۹)

قبر کھود کر میت کو دیکھنا اور ایصال ثواب کا طریقہ:

سوال: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہوگیا، جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے، جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنے، ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہوجائے گا، اس خیال سے میت دکھلا دی جائے

---

(۱) **(ويهال التراب عليه) وتكره زيادة عليه من التراب؛لأنه بمنزلة البناء ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً.** (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة الجنازة: ۲۳۶/۲، رشيدية)

(ويهال التراب) ستراله، ويكره أن يزاد على التراب الذى أخرج من القبر؛ لأن الزيادة عليه بمنزلة البناء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۰/۲، رشيدية)

تو جائز ہے، یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں، مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں؛ تاہم جو کچھ ثواب پہنچایا جائے گا، وہ رفع درجات کے سبب بنے گا۔(۱) قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔(۲) صبر میں بڑا اجر ہے۔(۳) میت کو ثواب پہنچانے کے لیے غربا کو کھانا کھلانا بھی درست ہے، کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے؛(۴) مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا وفخر کے طور پر نہ ہو۔

---

(۱) (ولا یستغفر فیها لصبی ومجنون)ومعتوه لعدم تکلیفهم ...وقد قالوا: حسنات الصبی له، لا لأبویه، بل لهما ثواب التعلیم. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۱۵/۲، سعید)

"وتصح عباداته (أی الصبی) وإن لم تجب علیه، واختلفوا فی ثوابها، والمعتمد أنه له وللمعلم ثواب التعلیم، وکذا جمیع حسناته" (الحموی شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحکام الصبیان: ۲۲/۳، إدارة القرآن کراتشی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: أحکام الصغار علیٰ هامش جامع الفصولین، فی مسائل الکراهیة: ۱۴۸/۱، اسلامی کتب خانة علامة بنوری ٹاؤن کراتشی

(۲) مات ولدها فی غیر بلدها وهی لاتصبر، فأرادت أن تنبش، لایجوز، ویترک هناک. (الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة، الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع آخر ذهب إلی المصلی إلخ: ۸۱/۴، رشیدیة)

(قوله ولا ینبش لیوجه): أی لو دفن مستدبرا لها وأهالوا التراب لاینبش؛ لأن التوجه إلی القبلة سنة و النبش حرام". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۶/۲، سعید)

"ولو وضع المیت لغیر القبلة، أو شقه الأیسر، أو جعل رأسه موضع رجلیه، وأهیل علیه التراب، لم ینبش". (الفتاویٰ الهندیة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱۶۷/۱، رشیدیة)

(۳) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین آمنوا استعینوا بالصبرو الصلاة، إن اللّٰه مع الصابرین﴾ (سورة البقرة: ۱۵۳)

عن محمد بن خالد السلمی عن أبیه عن جده رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "إن العبد إذاسبقت له من اللّٰه منزلة لم یبلغها بعمله، إبتلاه اللّٰه فی جسده أوفی ماله أو فی ولده ثم صبره علیٰ ذلک، حتیٰ یبلغه المنزلة التی سبقت له من اللّٰه. (مشکوٰة الصابیح، کتاب الجنائز، باب عیادة المریض: ۱۳۷/۱، قدیمی)

(۴) إن سعد بن عبادة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه توفیت أمه وهو غائب عنها فقال: یارسول اللّٰه! إن أمی توفیت وأنا غائب عنها أینفعها شیٔ إن تصدقت به عنها قال: "نعم" قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها. (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة اللّٰه عن أمی فهو جائز: ۳۸۶/۱، قدیمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أوصوماً أوصدقةً أو غیرها ... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولاینقص من أجره شیٔ". (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القرآن للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

والأصل فیه أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذکرًا أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغیرذلک عند أصحابنا بالکتاب والسنة. (البحرالرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۱۰۵/۳، رشیدیة)

قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں، یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے، اس سے ثواب نہیں ہوگا۔(۱) کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر کندہ کرا کے لگانے کی گنجائش ہے؛(۲) تا کہ زیارت کے لیے جو لوگ دور دور سے آتے ہیں، ان کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہنچان لیں، بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں، بہت سے درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں۔قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو انس ہوگا۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۲/۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۲۱-۱۲۳)

---

(۱)　عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال:علمت ناساً من أهل الصفة القرآن والکتاب،فأهدی إلی رجل منهم قوساً،فقلت:لیست بمال،وأرمی علیها فی سبیل اللّٰہ،لأتین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فلأسئلنه، فأتیته فقلت:یارسول اللّٰہ!رجل أهدی إلیٰ قوساً ممن کنت أعلمه الکتاب والقرآن ولیست بمال و أرمی عنها فی سبیل اللّٰہ تعالیٰ،قال:"إن کنت تحب أن تطوق طوقاً من نار فاقبلها".(سنن أبی داؤد،کتاب الإجارة،باب کسب المعلم:۲/ ۱۲۹، إمدادیة)

واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء، والقرآء للختم، أو لقرآة سورة الأنعام، أو الإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأکل یکره ... وقال وهٰذه الأفعال کلها للسمعة والریاء،فیحترز عنها؛لأنهم لایریدون بهاوجه اللّٰہ".(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت : ۱/ ۲٤۰،سعید)

ونصة أقول:المفتی به جواز الأخذ استحساناً علیٰ تعلیم القرآن لاعلی القراءة المجردة،کماصرح به فی التاتارخانیة قال:لامعنی لهٰذه الوصیة ولصلة القاری بقرأته؛لأن هٰذا بمنزلة الأجرة،والإجارة فی ذلک باطلة ".(رسائل ابن عابدین،رسالة شفاء العلیل وبل الغلیل إلخ، ص:۱٦۸،سهیل اکادمی لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:تنفع الفتاوی الحامدیة،کتاب الإجارة،مطلب فی حکم الاستئجارعلی التلاوة: ۲/ ۱۳۷،مطبع میمنیة مصر)

(۲)　لابأس بالکتابة إن احتیج إلیها حتیٰ لایذهب الأثرولا یمتهن".(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳۷،سعید)

وإن احتیج إلی الکتابة حتیٰ لا یذهب الأثر ولایمتهن فلا بأس به.(البحرالرائق،کتاب الجنائز،فصل: السلطان أحق بصلا ته: ۲/ ۳٤۰،رشیدیة)

(۳)　عن عمر وبن العاص رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه،قال لإبنه و هوفی سیاق الموت:إذا أنامت فلا تصحبنی نائحة ولا نارًا، فإذا دفنتمونی،فشنوا علی التراب شناً،ثم أقیموا حول قبری قدرما ینحرجزورویقسم لحمهاحتیٰ استأنس بکم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربی".(مشکوة المصابیح،کتاب الجنائز،باب دفن المیت الفصل الثالث : ۱/ ۱٤۹،قدیمی)

وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوٰی بذلک أن یونسهم صوت القرآن فإنه یقرأ".(فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة،کتاب الحظروالإباحة،فصل فی التسبیح والتسلیم والصلاة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ۳/ ٤۲۲،رشیدیة)

عاشورہ کے دن خصوصیت سے قبر پر مٹی ڈالنا صحیح نہیں:

سوال: عاشورہ کے دن قبروں پر مٹی ڈالنا اور بنانا جائز ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ اس کو سنت نوح کہتے ہیں؟

(المستفتی: ۹۵۷، مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، مطابق ۲۶/مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

قبروں پر جب کہ منہدم ہو جائیں، (اس قبر پر دوبارہ) مٹی ڈال دینا جائز ہے؛(۱) مگر یوم عاشورا کو اس کام کے خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (کفایت المفتی: ۵۰/۴)

قبر پر مٹی ڈالتے وقت کی مستحب دعا:

سوال (۱) قبر پر مٹی ڈالنے کے وقت مٹی پر پڑھنا (منہا) جائز ہے، یا نہیں؟

جنازہ کو دس دس قدم اٹھانا مستحب ہے، واجب نہیں:

(۲) جنازے کو چار آدمیوں کا پکڑنا اور دس دس قدم کا چلنا؛ یعنی چالیس قدم جائز ہیں؟

بعد دفن قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کا اول وآخری رکوع پڑھنا کیسا ہے:

(۳) سورۂ بقرہ کا رکوع اول میت کے دفن کرنے کے وقت اس کے سرہانے پر پڑھنا اور آخری رکوع سورۂ بقرہ کا پاؤں کی طرف پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ (المستفتی: ۲۷۱۸، راجہ فیروز خاں صاحب)

الجواب

(۱) مٹی دیتے وقت تین مرتبہ مٹی دینا مستحب ہے پہلی بار ﴿مِنهَا خَلَقنٰکُم﴾، دوسری بار ﴿وَفِیهَا نُعِیدُکُم﴾، تیسری بار ﴿وَفِیهَا نخرِجُکُم تَارَةً اُخریٰ﴾ پڑھنا بھی مستحب ہے۔ (۲)

(۱) إذا خربت القبور، فلابأس بتطيينها. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، باب الجنائز، الفصل السادس فی القبر و الدفن: ۱۶۶/۱، ط: ماجدية)

(۲) بلکہ احادیث میں بعض عبادات محضہ کو بھی کسی دن کے ساتھ خاص کرنے کی ممانعت آئی ہے، چہ جائیکہ ایک مباح کام کے لیے دن کی تخصیص کی جائے۔ "عن أبی هريره عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالی، ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام الا أن يكون فی صوم يصومه أحدكم. (صحيح لمسلم، باب كراهة أفراد يوم الجمعة بصوم: ۳۶۱/۱، قديمی)

(۳) قوله ويستحب) أی لمن شهد دفن الميت أن يحثی فی قبره ثلاث حثيات بيديه جميعًا من قبل رأسه، ويقول فی الأولٰی منها خلقناكم، وفی الثانية وفيها نعدكم، وفی الثالثة ومنها نخركم تارةً أخری. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها و دفنها، ص: ۳۲۹، ط: مصطفی حبلی مصر)

(۲) ہر مسلمان پر مسلمان میت کا یہ حق ہے کہ اس کے جنازے کو کندھا دے اور ہر پایہ کو دس دس قدم تک لے چلے، اس حق میں امام کی، یا کسی کی کوئی تخصیص نہیں، نہ اس کا کوئی وقت اور موقع متعین ہے، نہ ضروری ہے کہ لگاتار چاروں پائے اٹھائے، اگر ایک پایہ کو دس قدم لے جا کر چھوڑنے کے بعد فوراً دوسرا پایہ پکڑنے کا موقع نہ ملے تو کچھ توقف کے بعد دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا پایہ پکڑ سکتا ہے اور پھر یہ سب مستحب کے درجے میں ہے، فرض، یا واجب علی العین نہیں ہے۔(۱)

(۳) ہاں یہ مستحب ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی: ۵۸/۴)

ایک عیسائی کی نعش صحیح برآمد ہونا:

سوال: اخبار ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳/دسمبر عیسوی میں پرلگائی ہندوستان کا ایک واقعہ اس طرح سے قلمبند ہوا ہے کہ سینٹ فرانس زے وبر کوئی عیسائی مبلغ شان اسٹیٹ میں کسی مقام پر ۱۵۱۰ء میں فوت ہوا تھا اور اب اس کی قبر کھول کر دیکھی گئی تو نعش اب تک بجنسہ محفوظ ہے، نعش کی حالت تصویر بھی اخبار مذکورہ میں دی گئی ہے۔ اب استفسار طلب امر یہ ہے کہ جب کہ اللہ تعالی کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے تقریباً (۹۳۵) سال بعد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہوجانے کا علم تمام دنیا کا کافی طور پر ہوجانے کے بعد عیسائی مبلغ کی نعش چارسو اکیس سال تک محفوظ رہنے کے بلحاظ نکات شرعی کیا وجوہ ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب واضح اور تجسس سے معلوم ہونے کی ضرورت ہے، بعض انگریزی داں طبقہ کو شک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عیسائیوں کی نعشوں کا اس قسم سے صحیح سالم رہنے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ــ

عیسائی مبلغ کی نعش کا قصہ بحوالہ ٹائمز اور اس پر بعض روشن خیال مسلمانوں کی استعجاب دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس مزعومہ روشن خیالی کے زمانہ میں بھی ایسے ضعیف وبے بنیاد خیالات سے عقائد حقہ ویقینیہ کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور نہ صرف مقابلہ بلکہ اس کا یہ اثر لیا جاتا ہے کہ عقائد میں شبہات پیدا ہونے لگیں (معاذ اللہ) اس کے متعلق ایک بات یہ ہے کہ اس

---

(۱) (وإذا حمل الجنازة وضع) ندبًا(مقدمها) وكذا المؤخر(علىٰ يمينه)عشر خطوات لحديث"من حمل علىٰ جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صلاة الجنائز: ۲۳۱/۲،ط: سعيد)

(۲) وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة،وخاتمتها(ثم بعد صفحات) فقد ثبت أنه عليه السلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت،و آخرها عند رجليه.(رد المحتا،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۲۴۲/۲،ط:سعيد)

قسم کی اعجوبہ کاریوں پر کسی مذہب کی حقانیت وصدق کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی، ورنہ موجودہ سائنس کی ایجادات غریبہ کچھ کم نہیں، ہندو جوگیوں میں اس قسم کی عجائب نظیریں بے شمار ملیں گی؛ اس لیے اگر تمام احتمالات اور سوالات کو ختم کر کے ٹائمنر ہی کی روایت پر ایمان لایا جاوے اور بالفرض یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ لاشہ اس عیسائی مبلغ کا ہے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ آخر حیات تک عیسائیت پر مرا اور یہ بھی فرض کرلیا جائے، اس کے لاشہ کا اس وقت تک صحیح وسالم رہنا اس کے اعزاز واکرام ہی کے لیے ہے، تعذیب ورسوائی کے لیے نہیں ہو، ان سب امور کو فرض کر لینے کے بعد بھی یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اس کا مذہب حق تھا اور یہ اعزاز اس کی حقانیت کی جزا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کو بالفرض اعزاز واکرام ہی قرار دیں، تب بھی یہ ایک دنیوی اعزاز ہوا، جو بلا شبہ کفار کو بھی نصیب ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے۔ ہاں اگر دخول جنت اور نعیم آخرت میں کسی کافر کو دیکھا جاتا تو البتہ اس کی گنجائش تھی کہ اس کا مذہب حق نہ ہونے کے باوجود کیسے ان نعماء آخرت کا مستحق ہو۔ الغرض اگر تمام درمیانی احتمالات وسوالات کو اٹھا کر جو کچھ اٹھا کر جو کچھ ٹائمنر نے لکھ دیا ہے، اس کو بعینہ قبول کرلیں، جب بھی اس کو عیسائی مبلغ کی حقانیت کے ثبوت کی دلیل کہنا حقانیت کا خون کرنا ہے؛ کیوں کہ اگر صدق وحقانیت انہیں چیزوں پر موقوف ہے تو یہ حقانیت پھر کسی صحیح عقیدہ، یا درست اخلاق اعمال، یا تہذیب نفس وغیرہ پر موقوف نہ رہے گی؛ بلکہ صرف چند روپیہ خرچ کرنے اور کچھ خاص قسم کے مسالے خرید لینے سے ہر اوباش وبدمعاش کو حاصل ہوسکے گی، آج تو ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے اور طرح طرح کے مسالے اور دوائیں اس قسم کی ایجاد ہوگئی ہیں کہ جن سے مردوں کے بدن میں حرارت پیدا کر کے حیات کا سبز باغ دکھا دیا جاتا ہے، کسی جسم کا کچھ عرصہ تک قائم رہ جانا کیا دشوار ہے، فراعنہ مصر کے مجسم لاشے ہزار ہزار سال تک پہلے بھی قائم رکھے جاچکے ہیں۔ خون کی بوندوں کی روایت اگر صحیح مان لی جاوے تو یہ بھی کوئی محال چیز نہیں، اول تو یہ بھی احتمال ہے کہ خارجی تدبیروں سے اس کی نمائش کی گئی ہو، اس سے قطع نظر کی جائے تو کسی بدن کا مع خون کے بعد الموت باقی رہنا محال نہیں اور نہ کوئی اعزاز واکرام کی دلیل؛ بلکہ بہت سے کفار وفجار کے بدن کا عذاب قبر میں مبتلا ہو کر بعینہ باقی رہنا اور تمام حرکتیں زندہ آدمیوں کی سی بعد الموت کرنا ٹائمنر اخبار کی روایت سے نہیں؛ بلکہ سیکڑوں ایسی شہادات سے کہ جن کو جھٹلانا آفتاب سے آنکھ چرانا ہی ثابت ہو چکا ہے، جس کے بعض واقعات مع حوالہ کتب معتبر یہ ہیں۔ فرعون اعظم جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے، اس کے لاشے کا دریا سے صحیح وسالم برآمد ہونا خود قرآن عظیم میں بایں الفاظ مذکور ہے:

﴿فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیة﴾

اس کی تفسیر میں امام حدیث حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس وغیره من السلف: إن بعض بنی اسرائیل شکوا فی موت فرعون فأمر الله

تعالٰی البحر أن یلقیه یجسده سویاً بلا روح وعلیه درعه المعروفة علٰی نجوة من الأرض وهو المکان المرتفع لیتحققوا موته وهلاکه". (تفسیر ابن کثیر: ۱۳۷/۵)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ واقعہ فرعون کی حقانیت واعزاز کی دلیل نہ تھا؛ بلکہ مزید رسوائی اور فضیحت کا سامان تھا، جیسا کہ علامہ محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر روح المعانی میں فرمایا ہے؟

"بل الکمال الاستهانة به وتفضیحه علٰی رؤس الاشهاد تفظیع حاله کمن یقتل ثم یجره جسده فی الأسواق". (روح المعانی: ۱۶۳/۱۱)

اور خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں دو شخصوں کا اپنی قبروں سے زنجیروں میں جکڑے ہوئے نکلنا اور آواز دینا اور پھر قبروں میں لوٹ جانا سند متصل کے ساتھ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، جس کا حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے علم میں بھی لایا گیا اور اس پر حضرت ذی النورینؓ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ کوئی شخص تنہا رات کو قبرستان میں نہ جائے۔ (کتاب الروح، صفحہ:۱۰۶)

امام احادیث شعبی کا خود چشم دید واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اس جگہ گزر رہے تھے، جس جگہ جنگ بدر واقع ہوئی، پس وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قبر سے نکلتا ہے، تمام بدن صحیح وسالم اور زندہ نظر آتا ہے اور جب وہ بالکل چکتا ہے تو کوئی شخص اس کے سر پر چوٹ مار کر پھر اندر داخل کر دیتا ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ:۱۰۶)

خلیفہ ابوجعفر نے جب کوفہ کی خندق کھدوائی تو لوگوں نے اپنی اپنی مردوں کی ہڈیوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہا، اسی سلسلہ میں ایک شخص کو دیکھا گیا کہ اس کا بدن بالکل صحیح وسالم ہے اور نوجوان معلوم ہوتا ہے اور اپنے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹ رہا ہے۔ (کتاب الروح، صفحہ:۱۰۹)

اس قسم کے بہت سے واقعات کتاب الروح میں حافظ حدیث ابن قیمؒ نے سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"وهٰذا الأخبار وأضعافها وأضعاف أضعافها مما لایسع کها الکتاب مما أراده اللّٰه تعالٰی ببعض عباده من عذاب القبر أو نعیمه عیاناً". (کتاب الروح، صفحہ:۱۱۲)

اسی طرح شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں اس قسم کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں، ان واقعات سے یہ ثابت ہوگیا کہ بعد الموت کسی شخص کے جسم کا بدستور سالم رہنا اور بشکل زندہ اس کے بدن میں خون ہونا؛ بلکہ چلنا پھرنا اور بولنا اور بعض کام کرنا یہ سب چیزیں اس کی مقبولیت وافضلیت کی دلیل نہیں ہوسکتیں؛ بلکہ فجار وفساق اور کفار مبتلائے عذاب کو بھی یہ صورتیں پیش آسکتی ہیں؛ بلکہ عالم برزخ کے حالات ومعاملات ہر شخص کے ساتھ بالکل جدا ہیں، کسی کو حق تعالیٰ نے کسی حال میں رکھا ہے اور کسی کو کسی حال میں۔ امام العارفین محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز نے حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ:۱) میں اسی مضمون کو بہت بہتر محققانہ انداز میں تحریر فرماتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل قبور خواہ عذاب میں ہوں، یا راحت میں ان کے احوال بالکل جدا جدا ہیں، سب کے لیے کوئی ایک خاص قاعدہ نہیں کہ سب کا جسم باقی رہے، یا سب کا مٹی ہو جائے، اس طرح ارواح موتی کے حالات بھی بہت مختلف ہیں۔ اسی سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ روح انسانی بحالت حیاۃ جب کہ قالب کے ساتھ مقید ہوتی ہے تو بوجہ قید اور عوارض خارجیہ داخلیہ اس کا اصل رنگ اور طبعی حال ظاہر نہیں ہوتا، پھر جب موت کے ساتھ قید بدن سے آزاد ہو جاتی ہے تو اس کا اصلی رنگ نکھر جاتا ہے اور جو روح ملکیت کی کیفیات غالب رکھتی ہے، وہ ملائکہ کے ساتھ اور جو خبائث شیاطین اپنے اندر رکھتی ہے، وہ شیاطین کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے، جیسے کوئی مخنث کہ جب تک وہ نابالغ رہتا ہے، اس کا حال صحیح معلوم نہیں ہوتا، بلوغ کے بعد اس کے تانث اور صنف نساء میں مل جانے سے اس کی جبلی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ الغرض بعض ارواح خبیثہ جن کی طبیعتیں خبائث اور گناہوں کے ساتھ ملوث ہوتی ہیں۔ بعض ان میں سے بعد الموت شیاطین کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہیں اور جس طرح شیاطین مختلف اجسام واشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ بھی ہو سکتے ہیں؛ اس لیے اگر عیسائی مبلغ کا واقعہ بالفرض صحیح مان لیا جائے تو یہ اس کی ادنی فضیلت وحقانیت کا ثبوت بھی نہیں دیتا کہ جس سے کسی عقلمند کو شبہ کی گنجائش ہو، اب تک جو کچھ عرض کیا، وہ محض واقعہ کو صحیح تسلیم کر لینے کی تقدیر پر تھا اور تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرے سے اس کی بنیاد ہی صحیح نہیں بچند وجوہ:

اول تو یہ موجودہ اخباروں کی شہادات واخبار کا جو حال روزمرہ ہمارے سامنے آتا ہے اور ہزاروں جھوٹ محض افتراعات وغلط بیانات ان کا جزو لازمی سا ہو گیا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے کسی قسم کے واقعات کی تصدیق محض ٹائمز کے بیانات پر کیسے عقل قبول کر سکتی ہے اور وہ بھی ظاہر یہ ہے کہ کسی سے سنی سنائی کہانی کو اس سے نقل کیا ہوگا۔

ثانیا اگر واقعہ بھی صحیح ہو، ایڈیٹر ٹائمز نے اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہو تو ٹائمز کے پاس کیا ثبوت ہے کی یہ لاش اس عیسائی کی ہے، جواب سے (۴۲۱) سال پہلے مر چکا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ قبر اس عیسائی کی تھی تو اس کا ثبوت بھی آسان نہیں کہ اس کی قبر یہ ہی تھی، بعض روایات صحیح کی بنا پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں، جن میں سے اکثر کو عیسائی اور یہودی بھی انبیاء مانتے ہیں، ان کی قبروں کے نشانات کا تو آج تک کہیں نام بجز معدود چند نظریں نہیں آتا اور جتنے مزارات مشہور موجود ہیں، ان میں بھی شدید اختلاف ہیں، کسی عیسائی مبلغ کی قبر کا ایسا اہتمام کہ سوا چار سو سال سے مسلسل بذریعہ تواتر اس کے گواہ رہے ہوں، مشکل ہے۔ روزمرہ کا تجربہ جو آنکھوں کے سامنے ہے یہ ہے کہ لوگ تھوڑے ہی بعد اپنے بڑے بڑے واجب التعظیم بزرگوں کی قبر کا نشان ڈھونڈتے پھرتے ہیں، پھر محض تخمینہ سے مٹی ڈال کر قبر بنا دی جاتی ہے اور ہاتھ دو ہاتھ کا فصل ہو جاتا ہے صدیوں کے عرصہ میں بالکل قرین قیاس ہے؛ اس لیے کسی طرح یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اسی عیسائی کا لاشہ ہے۔

الغرض یہ واقعہ سرے سے اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اس پر تعجب کرے، یا اس کے لیے کسی شبہ کا سبب بن جائے، یہ مسلمانوں کی انتہائی کمزوری ہے کہ ایسے واقعات سے کوئی اثر لیں، یا ان پر کسی عقیدے کی بنیاد قائم کریں۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا إلی طاعتک . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین :۲/ ۳۶۷-۳۷۰)

قبر کے سلسلہ میں غلط رواج:

سوال: میت کو دفن کرتے وقت مسلمانوں کے ہاتھ کی مٹی سر کے نیچے اور اہل ہنود کے ہاتھ کی مٹی پیر کے نیچے رکھ کر اوپر تختہ رکھ کر قبر تیار کرتے ہیں۔ یہ امر جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــ

مسلمان میت کے لیے لحد بنانا مسنون ہے اور اگر لحد تیار نہ ہو سکے، بوجہ نرم ہونے زمین کے تو قبر کے درمیان صندوق شق کھود کر اس میں میت کو رکھ کر اوپر تختہ یا پتھر رکھ دیں، یہ بھی درست ہے۔(۱) باقی امور جو خلاف سنت ہیں ان کو ترک کیا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/ ۳۷۷)

دفن سے قبل لوٹنے کے لیے ولی میت سے اجازت لینا:

سوال: کیا نماز جنازہ کے بعد کوئی لوٹنا چاہے تو میت کے رشتہ داروں سے اجازت کی ضرورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مستحب ہے۔

قال قاضيخان رحمه الله تعالىٰ: ولا يرجع عن الجنازة قبل الدفن بغير اذن أهلها. (خانية فی بحث صلاة الجنائز: ۱/ ۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳/ شوال ۱۳۸۸ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۲۲۴)

رسوم مروجہ کی شرعی حیثیت:

مسئلہ: جو رسوم مروجہ زمانہ کہ کسی حجت شرعیہ سے نادرست اور گناہ ہیں، ان کے عدم جواز میں تو کچھ کلام نہیں ہے؛ مگر جو رسوم کہ فی نفسہ مباح ہیں، خواہ بدرجہ مندوب و مستحسن پہنچے ہوئے ہیں، اگر عوام ان کو بمنزلہ واجب مؤکد جاننے لگیں، یا عملاً ان کے ساتھ برتاؤ واجب کا کرنے لگیں کہ ان کے ترک سے حجاب اور ندامت لاحق ہونے

(۱) (وحفر قبره) في غير دار (نصف قلمة) وان زاد فحسن (ويلحد ولا يشق) الا في أرض رخوة .(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳٦، دار الفكر بيروت، انيس)

لگے اور باوجود عدم وسعت کے ان کے ارتکاب کی سعی کی جاوے اور تارک پر ملامت ہوتی ہو، جیسا کہ اب اکثر بلاد اور اکثر طبائع میں، بہ اعتبار اکثر رسوم کے ایسے ہی مشاہد ہیں، تو لاریب! یہ التزام اور معاملہ نادرست اور موجب معصیت ہے اور اگر خود مرتکب رسم اس عقیدے اور خیال سے بری ہے، تب سے یہ اندیشہ فساد عقیدۂ عوام اس کا ارتکاب نادرست ہوگا، چناں چہ کتب فقہ وحدیث سے یہ امر ظاہر و باہر ہے۔ ایسے وقت میں تارک رسوم اور ماحی بدعات اور ساعی رواج طریقۂ سنیہ بے شک مثاب اور ماجور ہوگا۔ **علیٰ ما دلت علیه الأحادیث الصحیحة والروایات الفقهیة المستندة المعتبرة الصریحة.**

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ اصلاح الرسوم تالیف: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (ص:۹۲) شائع کردہ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، مقیم گنگوہ [مطبوعہ در حیات حضرت مولانا گنگوہیؒ۔۱۳۲۰ھ] (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۲۰۰۔۲۰۱)

اسقاط مروجہ کا حیلہ ثابت نہیں:

سوال: اسقاط مروجہ بعد میت کس حدیث سے ثابت ہے؟ بروایات صحیحہ بیان فرماویں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

از عالم انبالوی:

اسقاط مروجہ ایک صدقہ دینا ہے، واسطے میت کے اور یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور ترکیب اسقاط کتب فقہ میں مذکور ہے۔ فقط (تمام شد جواب انبالوی)

تردید الجواب بالا از حضرت گنگوہیؒ:

طریق اسقاط کہیں احادیث میں مذکور نہیں، متأخرین نے ایک حیلہ وضع کیا ہے، اگر کوئی کرے کرے، ورنہ کچھ حرج نہیں۔ سائل پوچھتا تھا کہ اس کا ثبوت کہاں سے ہے؟ جناب مجیب نے اس سے اعراض کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں، ص:۷۱۔۷۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۲۰۱)

میت پر مروجہ منکرات سے احتراز کی وصیت واجب ہے:

سوال: آج کل کسی کے انتقال پر جو خرافات ورثہ کرتے ہیں، مثلاً رونمائی کی رسم وغیرہ کیا میت پر بھی اس کا گناہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

موت پر بہت سے منکرات کا عم رواج ہوگیا ہے، مثلاً:

(۱) رونمائی کی رسم۔

(۲) رونمائی کے لیے جنازہ کئی گھنٹے رکھے رکھنا۔

(۳) اعزہ واقارب کی خاطر نماز جنازہ میں تاخیر۔

(۴) کثرت اجتماع کی غرض سے مسجد میں جماعت فرض کا انتظار۔

(۵) میت کی تصویر لینا۔

(۶) تصویر کی اخبارات میں اشاعت۔

(۷) جنازہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا۔

(۸) نماز جنازہ متعدد بار پڑھنا۔

(۹) غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا۔

(۱۰) عام قبرستان سے الگ مخصوص مکان میں دفن کرنا۔

(۱۱) قبر کے گرد چہار دیواری، یا چبوترہ بنانا۔

(۱۲) ایصال ثواب کے لیے خلاف سنت اجتماعات۔

(۱۳) تعزیتی جلسے کرنا۔

(۱۴) میت کے مناقب میں غیر واقعی حالات کی اشاعت وغیرہ۔

آج کل ان منکرات کی وبا اس حد تک پھیل گئی ہے کہ علما وصلحا تک اس میں مبتلا ہیں؛ بلکہ مشہور مذہبی رہنماؤں کے جنازوں میں ان منکرات کا ارتکاب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ ان حالات میں جس شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اس کے انتقال پر اس کے ناعاقبت اندیش، فکر آخرت سے غافل، دنیوی نام ونمود کے بھوکے پسماندگان، نالائق معتقدین، ناخلف خلفا اور دین کے روپ میں بے دین عناصر اس پر ایسے مظالم کریں گے اور مرنے کے بعد اس کو اس طرح رسوا کریں گے۔ اس پر یہ وصیت کرنا واجب ہے کہ اس کے انتقال پر ایسے محظورات وممنوعات شرعیہ ہرگز ہرگز نہ ہونے دیئے جائیں؛ بلکہ تجہیز وتکفین، نماز جنازہ، دفن، اور ایصال ثواب وغیر جملہ امور سنت کے مطابق ادا کئے جائیں، اگر ایسی وصیت نہ کی تو سخت گنہگار اور مستحق عذاب ہوگا۔ صحیح بخاری کی حدیث متعلق **"تعذیب المیت ببکاء أهله علیه"** کی مشہور توجیہ یہ ہے کہ مرنے پر ارتکاب معصیت نوحہ کا علم ہوتے ہوئے جس نے اس سے نہ روکا اور ایسی وصیت نہ کی اس کو عذاب ہوگا، وصیت میں ان منکرات کی تفصیل لکھ کر ان سے روکا جائے، بالخصوص دینی رہنماؤں اور مقتدا حضرات پر اس وصیت کا وجوب اور زیادہ مؤکد ہے۔ **فقط واللہ المستعان وهو الموفق ولاحول ولا قوة إلا به.**

۱۵ر صفر ۱۳۹۹ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۲۴۱-۲۴۲)

میت کو دفناتے وقت کی رُسومات:

سوال: جب قبر میں مردہ کو اتارتے ہیں تو قبر کی دیواروں اور مردہ پر گلاب کا عرق اور دوسری خوشبوئیں چھڑکتے ہیں، مردہ پر ''عہد نامہ'' وغیرہ رکھتے ہیں، گھر سے میت کو لے جاتے وقت مردہ کے لیے توشہ (با قاعدہ کھانا وغیرہ) لے جاتے ہیں اور قبر پر پھول اور خوشبوں استعمال کرتے ہیں، کیا ان چیزوں سے مردہ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے؟ شرعی حیثیت سے بیان کریں؟

الجواب

یہ تمام رسمیں غلط ہیں، ان کی کوئی شرعی سند نہیں ۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۰۵/۴)

قبر میں روئی فوم وغیرہ بچھانا درست نہیں:

سوال: کیا قبر میں کوئی چیز بچھانا، مثلاً روئی، فوم وغیرہ جائز ہے؟

الجواب

قبر میں کوئی بھی چیز بچھانا درست نہیں ۔ (۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۰۵/۴)

قبر کے سرہانے آیت قرآنیہ لکھنا جائز نہیں:

سوال: قبر کے سرہانے لوح پر میت کا نام اور آیت قرآنی لکھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) کتب علٰی جبهته المیت أوعمامته أو کفنه عهد نامه ... وقد أفتٰی ابن الصلاح بأنه لایجوزأن یکتب علی الکفن یٰسٓ و الکهف ونحوهما خوفا من صدید المیت... تکره کتابة القرآن ... ونحوه مما فیه اهانة فالمنع هٰهنا بالأولٰی ما لم یثبت عن المجتهد أو ینقل فیه حدیث ثابت فتأمل. (الدرالمختارمع رد المحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فیما یکتب علی الکفن: ۲۴٦/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

وذکرابن الحاج فی المدخل أنه ینبغی أن یجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم یأتون بماء الورد فیجعلونه علی المیت فی قبره وان ذلک لم یروعن السلف رضی اللّٰه عنهم فهوبدعة قال ویکفیه من الطیب ما عمل له وهوفی البیت فنحن متبعون لا مبتدعون فحیث وقف سلفنا وقفنا.(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی حملهاودفنها،ص:۳۳۳،طبع میر محمد کتب خانه)

وکذلک ما یفلعه أکثر الناس من وضع ما فیه رطوبة من الریاحین و البقول ونحوهما علی القبور لیس بشیء. (عمدة القاری، کتاب الوضوء:۱۲/۳،طبع منیریة)

(۲) ویکره أن یوضع تحت المیت فی القبر مضربة أومخدة أوحصیرأونحو ذلک،اه.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فی دفن المیت :۲۳٤/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

نام لکھنا جائز ہے، آیت قرآنیہ لکھنے میں بے ادبی ہے؛ اس لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷؍ربیع الاول ۱۳۹۸ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۴۱/۴)

قبر میں قرآن یا کلمہ رکھنا جائز نہیں:

سوال: کیا میت کے ساتھ قبر میں قرآن مجید، یا قرآن کا کوئی حصہ، یا کوئی دُعا، یا کلمہ رکھنا جائز ہے، یا نہیں؟ قرآن، حدیث، فقہِ حنفی اور سلف صالحین کے تعامل کی روشنی میں تفصیلا وضاحت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ

قبر میں مردے کے ساتھ قرآن مجید، یا اس کا کچھ حصہ دفن کرنا نا جائز ہے؛ کیوں کہ مردہ قبر میں پھول پھٹ جاتا ہے، قرآن مجید ایسی جگہ رکھنا بے ادبی ہے، یہی حکم دیگر مقدس کلمات کا ہے، سلف صالحین کے یہاں اس کا تعامل نہیں تھا۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۵/۴-۳۰۶)

دفن کے متعلق دو غلط رسمیں:

سوال (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں مٹی ڈال کر ہاتھوں کو نہ تو پونچھنا چاہیے، نہ دھونا چاہیے؟

(۲) یہ بھی کہتے ہیں کہ جس جنازے کے ساتھ جانا ہو، جب تک اس کو دفن کر کے فارغ نہ ہو جائیں، اس وقت تک کسی دوسری جگہ جا کر فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے، چاہے قبر کے تیار ہونے اور جنازہ کے دفن ہونے میں کتنی ہی دیر ہو۔

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) مٹی دے کر ہاتھ کو پونچھنے، یا دھونے میں شرعی ممانعت نہیں ہے (کیوں کہ قبر اور میت سے اس کا کوئی تعلق نہیں)۔

---

(۱) كتب علىٰ جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهد نامه ... وقد أفتىٰ ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسٓ والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت ... تكره كتابة القرآن ... ونحوه مما فيه اهانة فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت فتأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فيما يكتب على الكفن: ۲۴۶/۲-۲۴۷)

وذكر ابن الحاج في المدخل أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد فيجعلونه على الميت في قبره وان ذلك لم يروعن السلف رضي الله عنهم فهو بدعة قال ويكفيه من الطيب ما عمل له وهوفي البيت فنحن متبعون لا مبتدعون فحيث وقف سلفنا وقفنا. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، فصل في حملها ودفنها، ص: ۳۳۳، طبع مير محمد كتب خانة)

وكذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول و نحوهما على القبور ليس بشيء. (عمدة القاري، كتاب الوضوء: ۱۲/۳، طبع منيرية)

(۲) یہ بھی غلط ہے کہ ایک جنازے کے ساتھ جانے کے بعد اس کے دفن سے پہلے کسی دوسرے شخص کے لیے دعا، یا فاتحہ نہ پڑھے، اگر قبر میں دیر ہو تو دوسری میت کے لیے فاتحہ پڑھنے، یا اس کے دفن میں شریک ہو جانے، یا اپنے کام میں مشغول ہو جانے میں کوئی گناہ نہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۶۴/۴)

قبر میں کنکریاں رکھوانے کا رواج غلط ہے:

سوال: یہاں عام دستور ہے کہ میت کے ساتھ قبر میں کنکریاں رکھتے ہیں، اس غرض سے کہ میت منکر نکیر کو یہ جواب دے کہ دیکھو میرے وارثوں نے میرے لیے اس قدر قرآن شریف پڑھوائے ہیں اور ہم بخشے گئے، تم جاؤ۔ اس کی کچھ اصل ہے، یا نہیں؟

الجواب

کنکریوں کے رکھنے کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور یہ بدعت ہے، (۲) اور جو خیالات کنکریوں کے رکھنے میں کر رکھے ہیں، یہ جہالت کی باتیں ہیں، اس سے کچھ نفع نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۳/۵)

مردہ کے سرہانہ ﴿قل هو الله﴾ پڑھ کر مٹی ڈالنا:

سوال: مردہ کے سرہانے ﴿قل هو الله﴾ پڑھ کر مٹی رکھنی کیسی ہے؟

قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھنی جائز ہے، یا نہیں:

سوال: مردہ کے لحد میں کھجور کی ٹہنی رکھنی کیسی ہے؟

الجواب

(۱) درست نہیں ہے اور ثابت نہیں ہے۔(۳)

(۲) اس کی ضرورت نہیں ہے اور علماء محققین نے اس سے منع فرمایا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۵/۵)

---

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من شهد الجنازة حتىٰ يصلى عليه فله قيراط، ومن شهد حتىٰ يدفن، كان له قيراطان. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من انتظر حتىٰ يدفن: ۱۷۷/۱، ط: سعيد)

(۲) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه، فهو رد". (مشكاة المصابيح، باب الاعتصام، ص: ۲۷)

(۳) ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً. (الدر المختار) وفي الرد تحته: لما في ابن ماجة عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلىٰ علىٰ جنازة ثم أتىٰ القبر فحثا عليه من قبل رأسه ثلاثاً قال في الجوهرة ويقول في حثيه الأولىٰ "منها خلقناكم" وفي الثانية "وفيها نعيدكم" وفي الثالثة "ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۶/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

قبر سے گھاس وغیرہ کاٹنا:

سوال: قبر پر اُگے ہوئے درخت اور گھاس کو کاٹنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب تک وہ تر رہے تو اس کی تسبیح تخفیفِ عذاب اور انس میت کا سبب ہوگی، لہٰذا اس کا کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو جانے کے بعد جائز ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۱)

بعد دفن درخت کی شاخ گاڑنا کیسا ہے:

سوال (۱) بعد دفن میت قبر پر شاخ درخت تخفیف عذاب کے لیے گاڑنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر شاخ گاڑی گئی تھی، یا نہیں؟

الجواب

(۱) علماءِ حنفیہؒ نے و نیز محققین نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور عذاب کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت کی وجہ سے مخصوص کیا ہے، لہٰذا احوط اس کا ترک کرنا ہے۔(۱)

(۲) یہ ثابت نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۱۵/۵-۴۱۶)

ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص پڑھ کر قبر میں ڈالنا جائز نہیں:

سوال: قبر میں میت کے ساتھ پانچ، یا سات ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص ختم کر کے ڈالنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۱۳، محمد عنایت حسین صاحب کھنور، ۲۶/رجب ۱۳۵۲ھ، ۱۶/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر کے قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۷/۴)

میت کے ساتھ قرآن پاک دفن کرنا:

سوال: خورجہ میں ایک عورت انتقال ہوگیا تو اس کی قبر میں قرآن پاک دفن کیا ہے، جب کہ مولانا صاحب بھی موجود تھے؟

(۱) ردالمحتار، باب الشهيد، مطلب وضع الجديد: ٨٤٦/١

(۲) شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں؛ اس لیے بدعت ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

کسی عورت کے انتقال پر قرآن پاک اس کے ساتھ دفن کرنا شرعی حکم نہیں، غلط طریقہ ہے، اگر اس کے اوپر رکھ دیا ہے تو جسم کے پھٹنے سے بے ادبی بھی ہوگی، جس کی ہرگز اجازت نہیں۔(۱) اگر کوئی عالم ایسے وقت میں موجود ہو تو اس کو نکیر کرنا چاہئے، کسی مصلحت سے وہ نکیر نہ کرے تو یہ جواز کا فتویٰ نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۱۰/۲۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۹۸)

قرآن کریم کے اوراق کو قبر میں رکھنا:

سوال: ایک شخص نے قرآن کے بوسیدہ اوراق مختلف جگہوں سے گرے پڑے اٹھائے اور انہیں پاک وصاف کر کے رکھ دیا۔ اب وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے پاس میری قبر میں کسی جگہ رکھ دئے جائیں، یہ وصیت اس کی پوری کرنا درست ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

قبر میں طاق بنا کر پاک وصاف کپڑے میں رکھ دیئے جائیں کہ اس پر مٹی نہ گرے، نہ میت کے بدن کے ساتھ متصل ہوں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۳۹۴/۳/۲۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۹۹)

---

(۱) وقد أفتٰى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسٓ والكهف وغيرهما خوفاً من صديد الميت ... عن الفتح: أنه تكره كتابة القرآن و أسماء الله على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاک إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه ممافيه إهانة، فالمنع هنابأولٰى ما لم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت. (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فيما يكتب علٰى كفن، إلخ: ۲/۲٤٦، سعيد)

"الاستفسار: "قد تعارف فى بلادنا أنهم يلقون علٰى قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هٰذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هٰذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوى المسماة نفع المفتى و السائل بجميع متفرقات المسائل، ما يتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله إلخ، ص: ٤٠٣، دار ابن حزم، بيروت)

(۲) ولايظن فى المشايخ أنهم فعلوا مثل ما يفعل أهل زماننا من أهل الفسق والذين لاعلم لهم بأحكام الشرع، وإنما يتمسک بأفعال أهل الدين". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فى الغناء و اللهو، إلخ: ٥/٣٥٢، رشيدية)

(۳) قبر میں سے الگ جگہ پر طاق بنا کر دفن کرنے میں میت کے بدن سے متصل نہیں ہوتے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں الگ جگہ پر قرآن کریم کے مقدس اوراق کو دفنانے کی اجازت دے دی ہے۔ ==

مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا:

سوال: یہاں پر عام دستور ہے کہ مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں ڈال دیتے ہیں اور پھر اس کے عوض میں نئی چٹائی خرید کر رکھ جاتے ہیں۔ کیا یہ دستور جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانا مکروہ ہے۔ (کذافی المراقی) (۱) مسجد میں اگر کسی نے چٹائی لاکر بچھادی اور اب وہ بوسیدہ ہوگئی اور مسجد میں استعمال کے قابل نہ رہی تو بچھانے والے اصل مالک کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔ (کذا فی الفتاوٰی الهندیة) (۲) اگر مسجد کے پیسہ خریدی گئی تو اس کو مسجد کے کسی کام میں لائیں یا فروخت کر کے پیسہ مسجد میں خرچ کر دیں۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۵/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۹۹-۱۰۰)

قبر میں پیر کا شجرہ چسپاں کرنا:

سوال: میت کو قبر میں رکھتے وقت پیر کا شجرہ قبر کے اندر چسپاں کر دینا جائز ہے، یا نہیں؟

== المصحف إذا صار بحال لايقرأفيه،يدفن كالمسلم". (الدرالمختار): "(قوله: كالمسلم) فإن مكرم، وإذا مات وعدم نفعه،وكذٰلك المصحف، فليس فى دفنه إهانة له بل ذلك إكرام خوفاً من الامتهان". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب،يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ١/١٧٧،سعيد)

"المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه،ويخاف أن يضيع،يجعل فى خرقة طاهرة و يدفن،ودفنه أولٰى من وضعه موضعا يخاف أن يقع عليه النجاسة أونحو ذلك،ويلحد له؛لأنه لو شق و دفن يحتاج إلٰى إهالة التراب عليه،وفى ذلك نوع تحقير،إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لايصل التراب إليه،فهوحسن". (الفتاوٰى الهندية، كتاب الكراهية،الباب الخامس فى آداب المسجد والقبلة والمصحف،إلخ: ٥/٣١٩،رشيدية)

(١) ويكره إلقاء الحصير فى القبر. (مراقى الفلاح، كتاب الصلاة،أحكام الجنائز،فصل فى حملها ودفنها، إلخ،ص: ٦١٠،قديمى)

"وأما الحصير المتخذ من البردى، فإلقاؤه فى القبر مكروه". (التاتارخانية، كتاب الصلاة،الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز،نوع آخرمن هٰذا الفصل فى القبروالدفن: ٢/١٦٨،إدارة القرآن، كراتشى)

(٢-٣) وذكرأبوالليث فى نوازله: حصيرالمسجد إذا صارخلقاً واستغنٰى أهل المسجد عنه،وقد طرحه إنسان إن كان الطارح حياً فهوله،وإن كان ميتاً ولم يدع له وارثاً،أرجوا أن لا بأس بأن يدفع أهل المسجد إلٰى فقير أو ينتفعوا به فى شراء حصيرآخرللمسجد، و المختار أنه لايجوز لهم أن يفعلوا ذلك بغير أمر القاضى". (الفتاوٰى الهندية، كتاب الوقف،الباب الحادى عشرفى المسجد،الفصل الأول فيما يصيربه مسجد أوفى أحكامه،إلخ: ٢/٤٥٨،رشيدية)

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

کفن میں، یا قبر کے اندر عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ رکھنا، یا قرآن مجید کی آیات واسمائے حسنیٰ وکلمات طیبات وغیرہ لکھ کر رکھنا درست نہیں، اس کا ثبوت نہ کسی حدیث سے ہے اور نہ آثار صحابہؓ وسلف صالحین وائمہ مجتہدینؒ سے اس بات میں کوئی منقول ہے، لہٰذا یہ ایک محدث فعل ہے؛ اسی لیے محققین فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ناجائز اور ممنوع لکھا ہے۔ (۱)

(۱) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ پر بعض اہل علم کو اشکال ہے اور انہوں نے اپنی تائید میں ''تذکرۃ الرشید'' کا ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ دریافت فرمایا کہ: قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں، مگر میت کے کفن میں نہ رکھے طاق کھود کر رکھ دے، اس پر حضرت نے عرض کیا، اس سے فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الرشید: ص۲۹۰)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی جواز کا ہے۔ آپ ایک سوال کے جواب لکھتے ہیں: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی صاحبہ کو غسل دیتے وقت ارشاد فرمایا کہ جب غسل دینے سے فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو خبر دینا۔ (**عن أم عطية قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن تغسل ابنته فقال اغسلها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافوراً فاذا فرغتن فاذنني فلما أذناه فألقى الينا حقوة فقال اتسعرنها اياه. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل وتراً: ١٦٧/١، قديمي، انيس)**

اس پر حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''لمعات'' میں فرماتے ہیں: ''**وهذاالحديث بآثار الصالحين ولباسهم كما يفعله بعض مريدى المشائخ من لبس أقمصهم في القبر''. والله أعلم**

ملا علی قاری: فرماتے ہیں: ''**قال الطيبي أي اجعلن هذا الحقوتحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها و المراد ايصال البركة إليها''. (مرقاة، كتاب الجنائز، باب غسل الميت وتكفينه: ٣٤٣/٢)**

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے: ''**وهو أصل في التبرك بآثار الصالحين''. (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه: ١٢٩/٣، انيس)**

بخاری شریف میں روایت ہے: **عن سهل أن امرأة جاء ت النبي صلى الله عليه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها أتدرون ما البردة قالوا الشملة قال نعم قالت نسجتها بيدى فجئت لأكسوكها فأخذها النبي صلى الله عليه وسلم محتاجاً إليها فخرج إلينا أنها ازاره فحسنها فلان فقال اكسينها ما أحسنها فقال القوم ما أحسنت لبسها النبي صلى الله عليه وسلم محتاجاً اليها ثم سألته وعملت أنه لا يرد قال انى والله ما سألته لألبسه وانما سألته لتكون كفني قال سهل فكانت كفنه. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم: ١٧٠/١، قديمي، انيس)**

اس پر حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''**وفيه التبرك باثار الصالحين''. (كذافي عمدة القاري: ٧٠/٢)** (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۵/۱۶)

ہمارے دوسرے اکابر کے فتاویٰ سے حضرت مجیب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے جو درج ذیل ہیں: ''قبر میں شجرہ رکھنا (بعض) بزرگان کا معمول ہے، مگر اس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ مردہ کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھے، اس طریقہ سے فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے روکا ہے اور کہا ہے کہ مردہ کے جسم میں سے خون اور پیپ جاری ہوگا اور بزرگوں کے ناموں کی بے حرمتی ہوگی''۔ (فیض عام، فتاویٰ رحیمیہ: ۳۹۹/۱) ==

وقد أفتٰی ابن الصلاح بأنه لایجوزأن یکتب علٰی الکفن یٓس والکهف وغیرهما خوفًا من صدید المیت والقیاس المذکورممنوع؛لأن القصدثم التمییزوهناک التبرک،فالأسماء المعظمة باقیة علٰی حالها فلا یجوزتعریضها للنجاسة،والقول بأنه یطلب فعله مردود؛لأن مثل ذلک لا یحتج به إلا إذا صح عن النبی صلی الله علیه و سلم طلب ذلک ولیس کذٰلک، آه، وقدمناه قبیل باب المیاه عن الفتح أنه تکره کتابة القرآن وأسماء اللّٰه تعالٰی علٰی الدراهم والمحاریب والجدران ومایفرش،وماذلک إلا لاحترامه وخشیة وطئه ونحوه مما فیه إهانة،فالمنع هُنا بالأولٰی ما لم یثبت عن المجتهدأوینقل فیه حدیث ثابت،فتأمل. (۱)واللّٰه تعالٰی أعلم(مرغوب الفتاویٰ:۱۹۹/۳-۲۰۱)

پیرومرشد کا شجرہ قبر میں رکھنا جائز نہیں:

سوال: پیرومرشد کا شجرہ مرنے کے بعد قبر میں رکھنا کیسا ہے؟

(المستفتی:۲۳۱۸،اے۔سی۔منصوری(بمبئی)۱۵/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ،مطابق ۱۵/جون ۱۹۳۸ء)

الجواب

قبر میں شجرہ رکھنا ناجائز ہے،(۲)اور چوں کہ اس میں فساد عقیدہ کا بھی قوی اندیشہ ہے اور اسماء معظّمہ کی بے حرمتی ہے؛اس لیے درست نہیں۔

== شجرۂ پیران کرام رکھنا قبر میں جائز نہیں،اس واسطے کہ سوائے اکفان میت کے ساتھ کوئی چیز رکھنا جائز نہیں۔(یکره أن یوضع تحت المیت فی القبر مضربة أو مخدةً أو حصیر أو نحوذلک. (ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فی دفن المیت:۲/۲۳٤،دار الفکر بیروت، انیس)و اللّٰه تعالٰی أعلم(عزیز الفتاویٰ:۳۲۶/۱)

بعض لوگ میت کے سینہ پر عہد نامہ یا شجرہ سورۂ یٰسین وغیرہ رکھ دیتے ہیں،یا پتھر پر لکھ کر اس کے ساتھ قبر میں رکھ دیتے ہیں،میت کے گلنے،سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے،لہٰذا اس کو بھی ترک کرنا چاہئیے،البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہیں،اس کا قبر میں رکھ دینا درست ہے،جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔(اصلاح انقلاب امت:۲۴۱/۱۔احکام میت:ص ۱۹۱/موت کے بعد رسمیں)

''الحاصل عہد نامہ وغیرہ دعا میت کے جسم یا کفن پر روشنائی وغیرہ سے لکھنا تحریر کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہے''۔(فتاویٰ رحیمیہ:۴۰۰/۱)

درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے؛مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لیے پیش نہیں کی۔شامی نے اس کو رد کیا ہے،قبر میں طاق بنا کر اساءت ادب نہیں،لہٰذا گنجائش ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۸۰/۲)

عہد نامہ قبر میں رکھنا بے ادبی ہے،نہیں رکھنا چاہئے۔درمختار میں ہے کہ''اگر میت کی پیشانی پر یا اس کے عمامہ پر یا اس کے کفن پر ''عہد نامہ'' لکھ دیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی بخشش فرمادیں گے''،لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۰۲/۳)

(۱) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،قبیل باب الشهید:۲/۲٤۶-۲٤۷،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) قال فی الحلیة:ویکره أن یوضع تحت المیت فی القبر مضربة (ردالمحتار،باب صلاة الجنائز:۲/۲۳٤،ط:سعید)

"لایجوز أن یکتب علی الکفن یٰسٓ، والکهف، أو نحوهما خوفاً من صدید المیت ... فالأسمآء المعظمة باقیة علٰی حالها فلا یجوز تعریضها للنجاسة. (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی: ۵۵/۴)

قبر پر سبز شاخ وغیرہ رکھنا:

سوال: قبر پر سبز پتے یا پھول اور شاخ وغیرہ رکھنا سنت ہے، یا مستحب؟

الجواب

بعض فقہا نے اس کو مستحب لکھا اور دلیل میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے قریب سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ ان دونوں کو ایک معمولی چیز پر عذاب دیا جا رہا ہے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک ٹہنی منگا کر اس کو درمیان سے چیرا اور دونوں کی قبر پر رکھنے کے بعد فرمایا: "یخفف عنهما العذاب ما لم ییبسا". (۲) یعنی ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی؛ کیوں کہ یہ ٹہنیاں تسبیح کرتی رہیں گی۔

ابو الحسنات محمد عبد الحئی (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئی اردو: ۲۳۰)

قبر سے گھاس وغیرہ کاٹنا:

سوال: قبر پر اُگے ہوئے درخت اور گھاس کو کاٹنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب تک وہ تر رہے، تو اس کی تسبیح تخفیفِ عذاب اور انس میت کا سبب ہوگی، لہٰذا اس کا کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو جانے کے بعد جائز ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئی اردو: ۲۳۱)

دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا:

سوال: میت کی قبر کو ہموار کر کے قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا کیسا ہے؟

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳٤/۲، ط: سعید

(۲) عن ابن عباس قال مر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بقبرین فقال أنهما لیعذبان ویعذبان فی کبیر أما أحدهما فکان لا یستتر من البول و أما الآخر فکان یمشی بالنمیمة ثم أخذ جریدة رطبةً فشقها نصفین فغرز فی کل قبر واحدةً قالوا یا رسول اللّٰه لم فعلت هٰذا فعلت هٰذا قال لعله یخفف عنهما ما لم ییبسا. (صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ما جاء فی غسل البول: ۳٥/۱، قدیمی، انیس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

پانی چھڑکنا مستحب ہے؛ تاکہ قبر کی مٹی جم جائے، منتشر نہ ہو،(۱) پھول ڈالنا ثابت نہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۱۳۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۶/۶/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۰۲)

قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا:

سوال: تختہ لگانے کے بعد قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہا ضرور لکھتے، فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے،(۳) لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۰۴)

---

(۱) عن عبد اللّٰہ بن محمد یعنی ابن عمر عن أبیہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رش علٰی قبر ابنہ إبراهیم رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ". (مراسیل أبی داؤد، ما جاء فی الجنائز، فی الدفن، ص: ۱۸، سعید)

"ولابأس برش الماء علیہ) حفظاً لترابہ عن الاندراس". (الدرالمختار)

"(قولہ: ولابأس برش الماء علیہ) بل ینبغی أن یندب؛ لأنہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد، کمارواہ ابن ماجۃ کمارواہ البزار، إلخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ: ۲/۲۳۷، سعید)

"ولابأس برش الماء علیہ: أی القبر". (الفتاویٰ الهندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن، الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیۃ)

(۲) (وقال العینی رحمہ اللّٰہ تعالٰی: إن القاء الریاحین لیس بشئ، إلخ". (فیض الباری، کتاب الجنائز، فصل الجرید علی القبر: ۲/۴۸۹، خضرراہ بک دپو دیوبند)

وکذلک ما یفعلہ أکثر الناس من وضع ما فیہ رطوبۃ من الریاحین والبقول و نحوهما علی القبور لیس بشئ وانما السنۃ الغرز. (عمدۃ القاری، باب من الکبائر أن لایستتر من بولہ، بیان استنباط الأحکام: ۲/۶۰۲، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس)

(۳) الجواب: اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے، اور بیری کی خصوصیت میں مشابہت روافض کی ہے، لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہیے اور اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط۔ رشید احمد (تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الاخلاق و التصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص: ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "من تشبہ بقوم فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرۃ: ۲/۵۵۹، مکتبۃ أشرفیۃ، دیوبند، انیس)

"من أصر علٰی أمر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ، فقد أصاب منہ الشیطان من الاضلال، فکیف من أصر علٰی بدعۃ أو منکر". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی التشهد، تحت حدیث عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ: ۲/۳۵۳، رقم الحدیث: ۹۴۶، مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند، انیس) ==

قبر میں بیر کی شاخ ڈالنے:

سوال (۱) مردہ کو دفن کرنے کے بعد مردہ کے سینہ کے برابر قبر کے اوپر بیر کی ڈالی گاڑ دینا درست ہے، یا نہیں؟

قبر کی دیوار پر کلمہ شہادت:

(۲) مردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر کی دیواروں میں کلمۂ شہادت انگلی شہادت سے لکھنا دینا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) درست ہے (اگر اس سے کوئی فائدہ پیش نظر ہو)۔فقط

(۲) بغیر سیاہی وغیرہ کے اگر صرف انگلی سے اشارہ کردے، اس طرح کے نشان دیواروں پر حروف کا نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے اور شامی میں ہے:

”نقل بعض المحشين عن فوائد السرجي أن مما يكتب علىٰ جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحيم وعلى الصدر لا إله إلا الله محمد رسول الله“. (۱)

یعنی میت کی پیشانی پر انگشت مسبحہ بدون سیاہی کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سینہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھنے دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، پس یہ بنسبت دیواروں پر لکھنے کے اولیٰ ہے۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۹۹/۵)

قبر میں بیری کی شاخ:

سوال: مردے کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی رکھ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مشہور ہے کہ فرشتے اس لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

میت کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی کا رکھنا شرع شریف سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ فرشتے بیری کی لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں، غلط ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۸/۱/۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۴/۹-۱۰۵)

== ”ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة، إلخ“. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن، إلخ: ۱۶۶/۱، رشيدية)

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، قبيل باب الشهيد: ۱۵۷/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) من أصر علىٰ أمر مندوب... (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء فی التشهد: ۳۱/۳، رشيدية)

الاصرار على المندوب يلغه إلىٰ حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التی لا أصل لها فی الشرع. (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فی القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكادمی لاهور)

قبر میں بیری کے پتے ڈالنا:

سوال: میت کے دفن کرنے کے بعد بیری کے پتے تختے کے اوپر عام طور سے ڈالتے ہیں، اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں، کیا بوجہ بیری کے ٹہنی کے کچھ عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، یا بدعت ہے؟ کہتے ہیں کہ بیری کا درخت سدرۃ المنتہیٰ یعنی ساتویں آسمان پر ہے، اس کی فضیلت سے گناہ میں کمی ہوتی ہے۔ مذہب میں اس کی اصلیت کیا ہے؟ بیری کی شاخ قبر میں تختے کے اوپر ڈالنی چاہیے، یا اس کو خود ترک کر دینا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ترک کر دیا جائے، اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، بدعت اور شعائر روافض ہے۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین ومفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/۶/۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۵/۹)

دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا:

سوال: بعض جگہ دیہات میں قبر کے اندر تقریباً ایک بالشت لمبی جھاڑ کی لکڑی رکھتے ہیں، جس کی وجہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ میت مسواک کرے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مردے پر عذاب کم ہوگا، یہ لکڑی رکھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

بے اصل ہے، غلط ہے، نہیں رکھنا چاہیے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۳۸۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۶/۹)

---

(۱) راجــــع: تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الاخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص: ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم: "من تشبہ بقوم فھو منھم". (أبو داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الشھرۃ: ۵۵۹/۲، مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند، انیس)

من أصر علیٰ أمر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ، فقد أصاب منہ الشیطان من الاضلال، فکیف من أصر علیٰ بدعۃ أو منکر. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی التشھد: ۳۱/۳، (رقام الحدیث: ۹۴۶)، رشیدیۃ)

ویکرہ عند القبر ما لم یعھد من السنۃ، إلخ". (الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن، إلخ: ۱۶۶/۱، رشیدیۃ)

(۲) عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا: قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "من أحدث فی أمرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علیٰ صلح جور فھو رد: ۳۷۱/۱، قدیمی) ==

قبر پر خوشبو چھڑکنا:

سوال: قبر کے اندر کیوڑہ، گلاب وغیرہ خوشبو کا وقت دفن چھڑکنا کیسا ہے، شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

”ویوضع الحنوط فی القبر؛ لأنه علیه الصلاة والسلام فعل ذلک بابنه إبراهیم، حموی عن الروضة“. (فتح المعین: ۱/۳۴٦)(۱)

خوشبو قبر میں ڈالنا ثابت ہے، البتہ قبر میں میت کو رکھ کر میت پر عرق گلاب چھڑکنا بدعت ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی شرح مراقی الفلاح، ص: ۳۲۳)(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۰۲-۱۰۳)

حضرت عائشہ کا حضرت عمر کی قبر پر بے پردہ نہ جانا:

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد روضۂ مبارکہ مین بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بھی بغیر پردہ کے جایا کرتی تھیں اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال کے بعد وہاں دفن ہوئے تو باقاعدہ جب بھی جاتی تھیں تو پردہ کرنے لگیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پردہ کرنے لگیں؛ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نامحرم تھے اور مرنے کے بعد بھی وہ زندوں کی طرح دیکھ لیتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس سے صرف احترام مقصود تھا، مرنے کے بعد دیکھنا ثابت نہیں۔

قال الطیبی: فیه أن احترام المیت کاحترامه حیا. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۵۱)

== ”بأنها (أی البدعة) ما أحدث علیٰ خلاف الحق المتلقی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً“. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵٦۰، سعید)

(۱) فتح المعین علیٰ شرح الکنز لملامسکین للعلامة محمد أبی السعود المصری، باب الجنائز: ۱/۳٤٦، سعید

(۲) وذکر ابن الحاج فی المدخل: أنه ینبغی أن یجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم یأتون بماء الورد، فیجعلونه علی المیت فی قبره، فإن ذلک لم یروعن السلف رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم، فهو بدعة، قال: ویکفیه من الطیب ماعمل له، وهو فی البیت، فنحن متبعون لامبتدعون، فحیث وقف سلفنا وقفنا. (حاشیة الطحطاوی، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ٦۰۸، قدیمی)

(۳) مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور: ٦/۳۵، انیس

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روضۂ اطہر میں تدفین سے ممانعت کرنے کی وجہ:

سوال: بخاری شریف :۱/۱۸۶، کتاب الجنائز کے اندر ایک حدیث ہے، جس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا میں انہیں پاک نہیں سمجھتی۔ کیا یہ شیعوں کا اعتراض صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(الف) مذکورہ حدیث سوال میں صحیح نقل نہیں کی گئی۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

"لاتد فنی معهم و ادفنی مع صواحبی بالبقیع لا أزكّٰی به أبداً".

(ب) حدیث پاک کا ترجمہ بھی غلط ہے؛ بلکہ تحریف ہے۔ حدیث پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں، جس کا یہ ترجمہ ہو کہ ''میں انہیں پاک نہیں سمجھتی''۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں تصریح ہے کہ **"لا أزكّٰی"** مضارع مجہول کا صیغہ ہے، معنی یہ ہیں: **"أی لایثنٰی علٰی بسببه".** (۱) جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تواضعاً فرمایا کہ اگر میں روضہ اقدس علیٰ صاحبہا الف الف التحیۃ والسلام میں دفن کی جاؤں تو اس تدفین کی وجہ سے لوگ میری تعریف وثنا بیان کریں گے کہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وہ مقام نہ تھا، جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روضہ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اور دیگر ازواج مطہرات کو جنت البقیع، یا دوسری جگہ دفن کیا گیا، میں اپنی یہ تعریف نہیں چاہتی؛ اس لیے روضۂ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مجھے دفن نہ کیا جائے، جنت البقیع میں دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کیا جائے۔

"قال ابن بطال: فیه معنی التواضع کرهت عائشة أن یقال أنها مدفونة مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فیکون فی ذلک تعظیماً لها. (۲)

نیز عمدۃ القاری میں تکملہ لابن الآباد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن نہ کرنا، اس کی وجہ بھی ایک فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا، روضہ اقدس میں جن جن حضرات کا دفن ہونا مقدر تھا، ان کی تعیین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی تھی۔

---

(۱) عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبرالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکر: ۱۶۹/۱۳، انیس

(۲) عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکررضی اللّٰه عنه: ۱۶۸/۱۳، انیس

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت: قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: إنی لا أرنی إلا سأکون بعدک فتأذن لی إن أدفن إلیٰ جانبک، قال: وإنی لک ذلک الموضع ما فیہ إلا قبری وقبر أبی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وفیہ عیسیٰ مریم علیہ السلام. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتداء روضہ پاک میں تدفین کی خواہش تھی؛ لیکن مفہوم نبوی اور تواضع کے پیش نظر وہاں تدفین سے منع فرمایا۔ الحاصل'' میں انہیں پاک نہیں سمجھتی'' یہ حدیث کا مفہوم نہیں؛ بلکہ بغض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لبریز کسی دشمن اسلام کے ذہن کی پیداوار ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱/۱۴۰۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۶۷)

قبر پر پانی چھڑکنا:

سوال: قبر میں جب مردے کو دفن کرتے ہیں تو سب کاموں سے فارغ ہوکر اخیر میں چلتے وقت قبر پر پانی چھڑکتے ہیں اور سب طرف مٹی پھر ڈالتے ہیں، یا جب بھی کوئی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہے تو پانی ضرور ڈالتا ہے۔ آیا یہ درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قبر کی مٹی جمانے کی غرض سے پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس کو ضروری سمجھنا، یا مستقل کارِ ثواب سمجھنا بدعت اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/شوال ۱۳۹۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۳۴)

دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ:

سوال: **مراقی الفلاح (ص: ۱۱) تلقینه بعد ما وضع فی القبر مشروع ونسب إلیٰ أهل السنة والجماعة وقیل: لایلقن فی القبر ونسب إلی المعتزلة.** مراقی الفلاح میں لکھا ہے: تلقین بعد دفن کے جائز ہے، یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور معتزلہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس میں تلقین کا طریقہ بھی لکھا ہے۔ مراقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام تلقین بعد دفن کو مستحب سمجھتے تھے اور کرتے تھے، آپ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں، نیز تلقین کے الفاظ بھی تحریر فرمائیں؟　　(حافظ غلام حسین: لوہاری گیٹ ملتان)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس تلقین کی صورت یہ ہے کہ لحد میں رکھنے کے بعد ایک صاحب (جو ذی علم ہو) میت کو مخاطب کر کے یوں کہے کہ

---

(۱) عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکر: ۱۳/۱۶۸، انیس

''یافلاں ابن فلاں یادکراس دین کوجس پرتو تھا؛یعنی اس بات کی شہادت کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں اورحضرت محمدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ جنت برحق ہےاورجہنم کا عذاب حق ہےاورموت کے بعد جی اٹھناحق ہےاورقیامت یقیناً آنے والی ہےاورتمام قبروں والوں کواللہ تعالیٰ زندہ کریں گےاورتو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر،اسلام کے دین ہونے پراورمحمدصلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر،قرآن پاک کےامام اورکعبہ کےقبلہ ہونے پراورتمام مؤمنین کے بھائی ہونے پرراضی تھا۔

طریقہ بالا سےتلقین (لحد میں رکھنے کے بعد) کے جواز میں کوئی کلام نہیں،البتہ اس طرح پرتلقین کرنااولیٰ ہے،یانہ کرنا،اس میں فقہاءکرام کااختلاف ہے،شرح منیہ میں ہے کہ جمہورفقہا کےنزدیک نہ کرنااولیٰ ہےاورحدیث'' **لقنوا موتاکم**'' مجاز پرمحمول ہےاورخبازیہ اورکافی میں شیخ زاہدصفارسےتلقین کرنےکوراجح لکھاہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ محمداسحاق غفرلہ،نائب مفتی خیرالمدارس،ملتان۔الجواب صحیح: بندہ محمدعبداللہ عفااللہ عنہ۔(خیرالفتاویٰ:۳/۱۵۴)

دفن کے بعداذان درست نہیں ہے:

سوال(۱) مردےکودفن کرنے کے بعدقبرپراذان کہنادرست ہے،یانہ؟

بعددفن تلقین درست ہے،یانہیں:

(۲) بعددفن کےتلقین کرناجائزہے،یانہ؟اگرجائزہےتوکس طرح؟

الجواب

(۱) درست نہیں۔(کذافی الشامی)(۲)

(۲) تلقین بعدالدفن کوفقہانے جائزرکھاہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۳۹۲)

---

(۱) ولا يلقن بعد تلحيده) ذكر في المعراج أنه ظاهر الرواية ثم قال وفي جنازية والكافي عن الشيخ الزاهد الصفار هٰذا علٰى قول المعتزلة لأن الأحياء بعد الموت عندهم مستحيل أما عند أهل السنة فالحديث أى لقنوا موتاكم لا الٰه الا اللّٰه محمول علٰى حقيقة لأن اللّٰه تعالٰى يحييه علٰى ما جاء ت به الآثار وقد روى عنه عليه السلام أنه أمر بالتلقين بعد الدفن فيقول يا فلان بن فلان اذكر دينك الذى كنت عليه من شهادة أن لا الٰه الا اللّٰه وان محمدا رسول اللّٰه وأن الجنة حق والنار حق وأن البعث حق وأن الساعة آتية لا ريب فيها وأن اللّٰه يبعث من فى القبور وانك رضيت باللّٰه ربا وبالاسلام ديناً وبمحمد نبياً وبالقرآن اماماً وبالكعبة قبلةً وبالمؤمنين اخواناً. (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب التلقين بعد الموت: ١٩١/٢،دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ٨٤٠/١،والدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٨٣٩/١

(۳) الدر المختار على هامش ردالمحتار كتاب الوصايا: ٥٨٤/٥

تلقین کی قسمیں اور کون سی تلقین جائز ہے:

سوال: تلقین کی کتنی قسمیں ہیں؟ قرآن اور حدیث کی رو سے کون سی تلقین جائز ہے؟ ہمارے یہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبر ہی کے نزدیک جشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور کچھ قرآن کی آیتیں پڑھ کر بخش دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ (غزالی ملیشیاوی)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

تلقین اس وقت کرنا جب کہ مرض الموت میں مبتلا ہو، آثار سے معلوم ہوتا ہو کہ عنقریب انتقال ہونے والا ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے۔(۱) وہ اس طرح کہ مریض محتضر کے نزدیک کلمہ شریف پڑھا جائے؛ تاکہ وہ بھی پڑھ لے اور اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری بات ''لا إلٰه إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه'' ہو۔

کذا فی ردالمحتار: (یلقن)ندباً، وقیل: وجوباً (بذکرالشهادتین) لأن الأولٰی لا تقبل بدون الثانیة). (الدرالمختار)

(قوله: ویلقن، إلخ) لقوله صلی اللّٰه علیه و سلم: ''لقنوا''. إلخ''.(۲)

پھر جس وقت بعد انتقال غسل، کفن، نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اس کو لحد میں رکھا جائے تو رکھتے وقت پڑھے: ''بسم اللّٰه وباللّٰه وعلٰی ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم''.

یہ دونوں تلیقین تو ثابت ہیں،(۳) پھر دفن کرنے (مٹی ڈالنے) کے بعد بھی بعض روایات میں تلقین کا ذکر ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''یا فلان بن فلان! أذکر دینک الذی کنت علیه من شهادة أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأن محمدًا رسول

---

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: لقنوا موتاکم لاإلٰه إلا اللّٰه. (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، باب فی تلقین المحتضر بلا إلٰه إلا اللّٰه: ۳۰۰/۱، قدیمی)

''عن معاذ بن جبل رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ''من کان آخر کلامه لاإلٰه إلا اللّٰه، دخل الجنة''. (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی التلقین: ۴۴/۲، إمدادیة، مکتبة فیصل دیوبند)

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۹۰/۲، سعید

(۳) عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ''إذا أدخل المیت القبر'' قال وقال أبوخالد: ''إذا وضع المیت فی لحده'' قال مرة: ''بسم اللّٰه وباللّٰه وعلٰی ملة رسول اللّٰه'' وقال مرة: بسم اللّٰه وباللّٰه وعلٰی سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم''. (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء مایقول إذا أدخل المیت قبره: ۲۰۲/۱، سعید)

وأن (یقول واضعه: بسم اللّٰه وباللّٰه وعلٰی ملة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و یوجه إلیها). (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۱۴۱/۳، سعید)

الـلّـه،وأن الـجـنـة حق،والنارحق،وأن البعث حق،وأن الساعة آتية لاريب فيها،وأن اللّٰه يبعث من فـى الـقبور،وأنک رضيت باللّٰه رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد صلى اللّٰه عليه وسلم نبياً وبالقرآن إماماً وبالكعبة قبلة وبالمؤمنين إخواناً". (۱)

"واضح رہے کہ تلقین بعدالموت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، اس دور فساد میں اعتقادی خرابی کی وجہ سے احتراز اولیٰ اور افضل ہے"۔(۲)

سورۂ بقرۃ کا اول وآخر پڑھنا بھی اس وقت مروی ہے۔(۳) جشن وغیرہ کا انتظام اور میلہ لگانا ہرگز ثابت نہیں، (۴) اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دعائے مغفرت ودعائے تثبیت فی الجواب کرکے وہاں سے رخصت ہوجائیں۔(۵) ہاں

---

(۱) رد المحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب فى التلقين بعد الموت:۱۹۱/۲،سعيد

وأمـا التلقين بعد الدفن ... والذى عليه الجمهور أن المراد من الحديث مجازه كما ذكرنا،حتىٰ إن من استحب التلقين بعد الموت لم يستدل به إلا علىٰ تلقينه عند الاحتضار ... وإنما لا ينهى عن التلقين بعد الدفن؛لأنه لاضررفيه بل فيه نفع،فإن الميت يستأنس بالذكر.(الحلبى الكبير،كتاب الصلاة،فصل فى الجنائز، ص:۵۷٦،سهيل اكادمى لاهور)

(۲) احسن الفتاویٰ، باب الجنائز،۲۵۳/۴،سعید

"وأما التلقين بعد الموت، فلايلقن عندنا فى ظاهر الرواية".(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل الاول فى المحتضر: ۱۵۷/۱،رشيدية)

"فـإن حـقـيـقـتـه الـتـلقين بعد الموت وقد اختلفوا فيه.وقولهم:إنه مجاز تسمية للشئ باسم ما يؤول إليه قول لادليـل عـلـيـه؛لأن الأصـل الـحـقـيـقـة.وقـد أطـال الـمحقق فى فتح القديرفى رده.وفى المجتبىٰ:وإذا قالها مرة كفاه، ولايكثرعليه ما لم يتكلم بعد ذلک،إلخ".(البحرالرائق،كتاب الجنائز،۲۹۹/۲،رشيدية)

وانظرللتفصيل:فتح القدير،كتاب الصلاة،باب الجنائز:۱۰۴/۲_۱۰۵،مصطفىٰ البابى الحلبى،مصر

(۳) عـن عبـد الـلّٰه بن عمر قال:سمعت النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:"إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلىٰ قبره،وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة"(مشكوٰة المصابيح،باب دفن الميت:۱۴۹/۱،قديمى)

"وكـان ابن عمر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة و خاتمتها ... فـقـد ثـبـت أنـه عـلـيـه الصلاة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،الفصل الثانى:۲۳۷/۲_۲۴۲،سعيد)

(۴) ويـكـره عـنـد الـقبـركلما لم يعهد من السنة، و المعهود منها ليس إلا زيارتهاوالدعاء عندها قائماً كما كان يـفـعـل صـلـى اللّٰه عليه وسلم فى الخروج الى البقيع".(البحرالرائق،كتاب الجنائز،فصل:السطان أحق بصلا ته،قبيل باب الشهيد:۳۴۳/۲،رشيدية)

(۵) عـن عثمان بن عفان رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال:كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا فرغ من د فن الميت وقف عـلـيـه فـقال:"استغفروا لأخيكم وسألوا له بالتثبيت،فإنه الآن يسئل".(سنن أبى داؤد،كتاب الجنائز،باب الإستغفارعند القبر للميت فى وقت الانصراف:۱۰۳/۲،إمدادية)

وجـلـوس سـاعة بـعد دفنه لدعاء وقراء ة بقد رما ينحر الجزور ويفرق لحمة".(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة:۲۳۷/۲،سعيد)

ایصال ثواب کرتے رہا کریں؛ مگر اس میں غیر ثابت امور کے اختلاط سے بچتے رہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۳/۵/۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۳۹۳/۵/۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۹/۶۹-۷۲)

مٹی دینے جانے والے قبرستان میں کن چیزوں پر عمل کریں:

سوال: میت کے ساتھ لوگ مٹی دینے جاتے ہیں؛ مگر اکثریت سے لوگ پاؤں میں چپل اور جوتے پہنے ہوئے مٹی دیتے ہیں اور فاتحہ ختم ہوئے بغیر ہی ایک طرف جا کر بیٹھ جاتے ہیں، کیا یہ حرکت ان لوگوں کی جائز ہے، اگر نہیں تو پوری تفصیل سے جواب صادر فرمائیں کہ مٹی دینے جانے والوں کو قبرستان میں کن کن چیزوں پر عمل کرنا چاہیے؟

الجواب

عالمگیری میں ہے کہ قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا جائز ہے۔(۲) تاہم ادب یہ ہے کہ جوتے اُتار دے اور یہ بھی لکھا ہے کہ میت کے دفن ہونے کے بعد واپسی کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں،(۳) جو حضرات دفن کے وقت موجود ہوں وہ تدفین کے بعد کچھ دیر وہاں ٹھہر کر میت کے لیے دعا و استغفار میں مشغول رہیں اور میت کے لیے منکر نکیر کے جواب میں ثابت قدمی کی دعا کریں۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۱۴-۳۱۵)

میت کے پیر اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول و آخر سراً پڑھا جائے، یا جہراً:

سوال: دفن کرنے کے بعد مردہ کے سرہانے: ''الم'' تا ''مفلحون'' اور پاؤں کی طرف ﴿آمن الرسول﴾ جہراً آواز سے پڑھی جائے یا خفیہ آواز سے؟ فقط　　(احقر غوث محمد، از کالکا)

---

(۱) عن ابن عباس أن سعد ابن عبادة أخا بني ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها،فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال :يا رسول الله!إن أمي توفيت وأنا غائب عنها،فهل ينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟قال : ''نعم''قال:فإني أشهدک أن حائطي المخراف صدقة عليها''.(صحيح البخارى،باب الإشهاد فى الوقف والوصية والصدقة: ۳۸۷/۱،قديمى)

صرح علمائنا فى باب الحج عن الغير :بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أو صدقةً أو غيرها ... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛لأنها تصل إليهم و لاينقص من أجره شئ.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز ،مطلب فى القراء ة للميت و اهداء وثوابها له: ۲۴۳/۲،سعيد)

(۲) والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا .(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ،الفصل السادس فى القبر و الدفن: ۱۶۷/۱)

في شرعة الاسلام من السنة أن لا يتطأ القبور في نعليه ويستحب أن يمشي على القبور حافياً ويدعوا الله لهم. (حاشية طحطاوى على المراقى،كتاب الصلاة،باب أحكام الجنائز ،فصل فى زيارة القبور،ص: ۳۴۰،طبع مير محمد)

(۳) وبعد الدفن يسعه الرجوع بغير إذنهم،كذا فى المحيط .(الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس فى الدفن: ۱۶۵/۱،انيس)

(۴) ويستحب اذا دفن الميت أن يجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها يتلون القرآن ويدعون للميت،كذا فى الجوهرة النيرة. (الفتاوىٰ الهندية،باب صلاة الجنائز ،الفصل السادس فى القبر والدفن: ۱۶۶/۱،انيس)

الجواب ______________ حامدًا و مصلیاً

خفیہ آواز سے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۰۷)

کبھی کبھی زمین بہت گناہگار مردے کو قبول نہیں کرتی:

سوال: یہ بات تمام لانڈھی کے لوگوں میں عام ہوگئی ہے کہ گیدڑ کالونی کے قبرستان میں ایک مردہ دفن کیا گیا؛ لیکن جب اس کو دفن کرنے کے بعد کچھ قدم لوگ آگے آجاتے تو وہ مردہ قبر سے نکل کر دوبارہ زمین پر پڑا ہوتا، کافی مرتبہ اس کا جنازہ پڑھا کر اس کو دفن کیا گیا؛ مگر ہر مرتبہ لوگ جو مردے کو دفن کررہے تھے، آخر مولوی صاحب نے کہا کہ اس کو زمین پر ہی ڈال کر مٹی ڈال دی جائے اور اسی پر عمل کیا گیا۔ آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آخر ایسا کیوں ہورہا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بہت گناہگار تھا؟

الجواب ______________

غالباً کسی علانیہ گناہ میں مبتلا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے کہ ایک مردہ کو کئی بار دفن کیا گیا، مگر زمین اس کو اُگل دیتی تھی، (نعوذ باللہ من ذلک) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ’’زمین تو اس سے بھی زیادہ گناہگار لوگوں کو قبول کرلیتی ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ تمہیں عبرت دلانا چاہتے ہیں۔(۲) ان واقعات کی تفصیل ماہنا ’’بینات‘‘ بابت ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ میں باحوالہ درج کردی گئی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۳۰۸)

بعض حالات میں قبرستان کی طرف پیٹھ نہ کرنے کا جواز:

سوال: بندہ نے حضور سے دریافت کیا تھا کہ عوام لوگ مقابر سے نکلتے ہوئے ادباً پشت نہیں کرتے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ ادب طبعی ہے، یا اور بھی کوئی عقیدہ ہے؟ بندہ عرض کرتا ہے کہ صرف ادب طبعی ہے اور کوئی عقیدہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ______________

اس حالت میں کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ ایسے عوام کے سامنے نہ ہو، جن کے تجاوز عن الحدود کا احتمال ہو۔ والسلام

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۷۶۵)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیة ودون الجهر﴾ (سورة الأنفال: ۹/۲۰۵) ’’وهو عام لکل ذکر فإن الإخفاء أدخل فی الإخلاص وأقرب من القبول‘‘. (روح المعانی: ۹/۱۵۴، دار إحیاء التراث، بیروت)

(۲) عن عمران بن حسین رضی اللّٰه عنه قال: بعثنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی سریة فحمل رجل من المسلمین علیٰ رجل من المشرکین فذکر الحدیث. وزاد فیه: فنبذته الأرض فأخبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقال: أن الأرض لتقبل من هو أشر منه و لٰکن اللّٰه أحب أن یریکم تعظیم حرمة لا إله إلا اللّٰه. (سنن ابن ماجة، ابو الفتن ص: ۲۸۱، طبع نور محمد) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: دلائل النبوة للبیهقی، باب ما ظهر علی من ارتد عن الاسلام: ۷/۱۲۶-۱۲۸)

میت کو منتقل کرنا اور قبر کے مسائل

میت کو آبائی جگہ لے جانا شرعاً کیسا ہے:

سوال: ایک آدمی کراچی، یا حیدرآباد میں انتقال کرجاتا ہے، بجائے اس کے کہ میت کو غسل دے کر کفن و جنازہ سے فارغ ہوکر میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے؛ بلکہ کچھ ہمارے مسلمان بھائیوں نے ایک رسم قائم کی ہے کہ میت اس کے آبائی گاؤں، یا شہر میں ضرور لے جانا ہے، پسماندگان اس دور دراز سفر کے بھاری اخراجات کے متحمل ہوں، یا نہ ہوں، قرض اُدھار لے کر میت کو بذریعہ ہوائی جہاز، یا بذریعہ روڈ لے کر جائیں گے، ورنہ ناک کٹنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں، کیا یہ ضروری ہے کہ میت کو چاہے مرحوم کی وصیت ہو، یا نہ ہو، کراچی سے پاکستان کے دوسرے کونے آبائی گاؤں (شہر) سینکڑوں، یا ہزاروں میل دور لے جانا جائز ہے؟ کیا مرحوم اسی جگہ جہاں دم دے گیا ہے، دوسرے مسلمانوں کے قبرستان، جو ہر جگہ موجود ہیں، میت کو اتنی مالی جانی تکالیف کے بعد لے جاکر وہاں دفنانا محض اس خیال سے کہ مرحوم کے دوسرے لواحقین اور آبائی قبرستان وہاں پر ہے، صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

شرعی حکم یہی ہے کہ جس شہر میں کسی کا انتقال ہوا، اس کو اسی شہر کے قبرستان میں دفن کیا جائے، وہاں سے دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ تحریمی ہے، (۱) جس رواج کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ چند وجوہ سے ناجائز اور لائقِ ترک ہے:

اول: میت کو اس کے آبائی گاؤں، یا شہر میں منتقل کرنے کو ضروری سمجھنا، گویا اپنی طرف سے نئی شریعت کا گھڑنا ہے۔

دوم: ایک ناجائز چیز کے لیے قرضہ لینا اور بے جا مصارف برداشت کرنا، فعل حرام ہے۔

---

(۱) قال في البزازية: نقل الميت من بلد الى بلد قبل الدفن لايكره وبعده يحرم. قال السرخسي: وقبله يكره أيضاً الا قدرميل أوميلين. (ردالمحتار: ٤٢٨/٦، فصل في البيع، دار الفكر بيروت، انيس)

قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه، قيل مطلقا وقيل الى ما دون مدة السفر، وقيده محمد بقدرميل أومسيلن، لسأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فيكره فيما زاد، قال في النهر عن عقد الفرائد: وهوالظاهر (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ٢٣٩/٢، سعيد)

سوم:　　اس منتقلی میں بعض اوقات کئی کئی دن لگ جاتے ہیں، جس سے لاش کی بے حرمتی ہوتی ہے اور مسلمان کی لاش کو اس طرح ذلیل وخوار کرنا بھی حرام ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر میت کو خواہ مخواہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنے کا رواج نہایت غلط اور لائق اصلاح ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۱۷/۴)

دفن کی وصیت کا حکم اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لاش کا لے جانا درست ہے، یا نہیں:

سوال:　　میرے بھائی عرصہ سے بیمار تھے، مرض یہاں تک ترقی کر گیا کہ زندگی سے ناامیدی ہوگئی، ایسی حالت میں مریض نے یہ وصیت کی کہ مجھ کو میرے باغ میں دفن کرنا۔ میں حکیم کو لینے گیا تھا، میری عدم موجودگی میں میرے بھائی کا انتقال ہوگیا، چوں کہ میں موجود نہیں تھا، برادری کے اور بھائیوں نے مرحوم کو اس کی وصیت کے خلاف دوسری جگہ دفن کر دیا، اب میں اپنے بھائی کی قبر اکھاڑ کر اس کی نعش، یا ہڈیاں جو کچھ ہو، بموجب اس کی وصیت کے باغ میں دفن کر سکتا ہوں، یا نہیں؟ اگر نہیں تو بروز قیامت مجھ سے وصیت کے بارے میں مواخذہ اور مجھے گناہ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں اس کی نعش، اڈیوں کو نکال کر باغ میں دفن کرنا درست نہیں ہے، میت کی قبر کو اس وجہ سے ادھیڑنا اور کھودنا حرام ہے۔ (۱) ایسی وصیت کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اور آپ پر کچھ گناہ دوسری جگہ دفن کرنے کی وجہ سے نہیں ہوا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۱/۵-۳۹۲)

میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کے لیے بعد دفن قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم:

سوال:　　حضرت رائپوری رحمہ اللہ کا لاہور میں انتقال ہوا اور ان کے وارثوں میں سے بھائی اور بھتیجے موجود تھے، انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی وطن میں تدفین کی۔ کچھ لوگ حضرت کی میت مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرتؒ نے وصیت کی تھی کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے۔

(۱)　　میت کا حق تدفین کس کو ہو؟ اگر وارث حق تدفین کو استعمال کرتے ہوئے ایک جگہ دفن کر دیں تو دوسرے متعلقین کو اس کے خلاف کارروائی کا جواز ہے، یا نہیں؟

---

(۱)　　وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۹/۲، دارالفکر بیروت، انیس)

ولایخرج منه بعد اهالة التراب. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۷/۲-۲۳۸، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) اگر میت کسی جگہ دفن کی وصیت کر گئے ہوں تو مستحق تدفین کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۳) اگر خلافِ وصیت میت تدفین عمل میں آ چکی ہو تو موافق وصیت اس میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) میت کی تجہیز و تکفین کا حق ولی اقرب کو حاصل ہے، جیسا کہ حوالہ ذیل سے ظاہر ہے۔ نمازِ جنازہ میں حق تقدم کس شخص کو حاصل ہے؟ اس مسئلہ کے ضمن میں صاحب بحر لکھتے ہیں کہ!

"(ثم الولی) لأنه أقرب الناس إليه والولاية له فی الحقيقة كما فی غسله وتكفينه وإنما يقدم السلطان عليه إذا حضر كيلا يكون ازدراء به". (۱)

وفی الدرالمختار (ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه). (۲)

اس جزئیہ سے بھی مسئلہ ہٰذا کی تائید ہوتی ہے، گو یہ غیر مسلم میت کے بارے میں ہے۔

(۲) وارث کے لئے ایسی وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں۔

قال فی الدرالمختار: والفتوی علٰی بطلان الوصية بغسله والصلاة عليه.

وفی الرد تحته: عزاه فی الهندية إلی المضمرات أی لو أوصٰی بأن يصلی عليه غير من له حق التقدم أو بأن يغسله فلان لايلزم تنفيذ وصيته ولايبطل حق الولی بذالک وكذا تبطل لو أوصٰی بأن يكفن فی ثوب كذا أويد فن فی مو ضع كذا كماعزاه إلی المحيط". (۳)

(۳) دفن ہو جانے کے بعد عمل بالوصیت کی غرض سے قبر کو کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، جیسا کہ اگر کسی میت کو بلا غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو نبش جائز نہیں۔

"كما إذا دفن بلاغسل أوصلاة أووضع علٰی غير يمينه أوإلٰی غير القبلة فإنه لاينبش عليه بعد إهالة التراب، كمامر". (۳)

جب ترکِ غسل کی وجہ سے نبش جائز نہیں حالانکہ غسل فرض ہے۔ اور اس کا کوئی قائم مقام بھی موجود نہیں تو خلافتِ وصیت ہو جانے کے عذر کی بنا پر نبش کیسے جائز ہوگا، جب کہ وصیت ہٰذا پر عمل کرنا نہ فرض ہے، نہ واجب؛ بلکہ فقہا نے اسے بطلان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۳۱۶/۲، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس

(۲) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۰/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب تعظيم أولی الأمر واجب: ۲۲۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

الغرض جس وصیت پر دفن سے قبل عمل واجب نہیں، بعد از دفن اس پر عمل کرنے کے لیے نبش کو کیسے مباح قرار دیا جا سکتا ہے۔فقہا اہالہ تراب کے بعد دوسرے منٹ میں نبش کی ممانعت فرماتے ہیں۔پس آٹھ،نو برس کی مدت طویلہ گزر جانے کے بعد بطریق اولیٰ اس کی ممانعت کا حکم کیا جائے گا۔دفن بطریق مسنون ہوا ہو، یا خلاف مسنون، دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اہالہ تراب کے بعد نبش جائز نہیں۔جزئیہ بالا اس بارے میں صریح ہے؛ کیوں کہ دفن بلا غسل ،دفن بغیر صلوٰۃ،(۱) سب امور طریق مسنون کے خلاف ہیں،اس کے باوجود نبش کی اجازت نہیں دی گئی۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

والجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲/۳/۱۳۹۱ھ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔(خیر الفتاویٰ:۳/۱۷۹۔۱۸۱)

حکم تحویل عظام میت:

سوال: یہاں پر ایک قبر ایک شخص کے مکان میں برآمد ہوئی، جو بہت سی صدیوں کی معلوم ہوتی ہے اور ہڈیاں ان صاحب کی بدستور باقی تھیں،فتوی دیا گیا کہ اگر ان کو دوسرے قبرستان میں دفن کر دیں تو جائز ہے۔بندہ عرض رسا ہے کہ یہ فعل مطابق شرع شریف کے ہوا، یا کیا؟ آیا اسی جگہ رہنا چاہیے تھا، یا ہٹانے کے سبب کچھ گناہ ہوا اور خلاف شرع ہوا، دوسری جگہ جو دفن ہوئے تو کفن نیا دینا چاہیے تھا، یا نہیں؟ اور ان کے نماز جنازہ پڑھنی چاہیے تھی، یا نہیں؟ اب یہ ہوا کہ وہ مکان جو بنایا گیا گر گیا اور فتوی دہندگان کے لڑکے کا انتقال ہو گیا؟

الجواب

مسلمان کی لاش اگر کسی جگہ زمین کھودنے سے نکل آوے تو اس کو اسی جگہ دفن کر دینا لازم ہے، وہاں سے منتقل کرنا اور دوسرے قبرستان میں، یا کسی اور جگہ دفن کرنا جائز نہیں،فقہا نے اس سے منع کیا ہے اور اس میں مسلمان میت کی بے حرمتی بھی ہے،جس شخص نے جواز نقل کا فتوی دیا،اس نے بہت برا کیا کہ قول فقہا کو دیکھ کر فتوی نہ دیا؛ لیکن اگر وہ مفتی اپنی غلطی کا اقرار کر لیں اور آئندہ اپنی رائے سے فتوی نہ دینے کا وعدہ کر لیں تو پھر ان پر ملامت کرنا، ایذا پہونچانا جائز نہیں اور اس صورت میں نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جا سکتی؛ کیوں کہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے جسم شرط ہے اور ڈھانچ جسم نہیں۔

---

(۱) (لا یخرج منه) بعد اهالة التراب الا لحق آدمی(کأن تکون الأرض مغصوبة أو أخذت سبعة).(الدرالمختار)
وفی الرد تحت(قوله: إلا لحق آدمی) احترازعن حق اللّٰه تعالٰی کما اذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع علٰی غیر بیمینه أو إلٰی غیرالقبلة فانه لا ینبش علیه بعد إهالة التراب.(ردالمحتار،کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز:۲/۲۳۷۔۲۳۸،دار الفکر بیروت،انیس)

نیز تکرار صلوٰۃ جنازہ غیر مشروع ہے؛ إلا للنبي صلی الله عليه وسلم حين وفاته صلوا عليه مرة وأخرىٰ فرادىٰ وكان ذلك خاصاًبہ اور ظاہر یہ ہے کہ جس مسلمان کی لاش نکلتی ہے، وہ نماز پڑھ کر دفن کیا گیا۔

قال في مراقي الفلاح: ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره ولا يجوز عظامه ولا تحويلها ولو كان ذمياً ولا ينبش وان طال الزمان آه و ذكر الطحطاوي في حاشية نحوه وأنكر علىٰ فعل لحفارين من نقل عظام الموتىٰ أو طمسها أو جمعها في حفيرة فلا يقال تضم عظام الأول في موضع دفعاً للضرر عن موتى المسلمين وقال قبله ان ضم عظام المسلم يحصل به خلال ولا تخلو به عن كرب بسبب التحويل لو شيئاً، آه. (ص: ٣٥٧) (۱) والله أعلم (امداد الاحکام: ۴۳۳/۲-۴۳۴)

خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں، یا نہیں:

سوال: ہمارے ہاں رواج ہے جو حضرات ڈیروں پر بیٹھتے ہیں، ان کے ہاں جب کوئی میت ہو جاتی ہے، اس کو دفن کرنے کے لیے اپنے وطن لے جاتے ہیں، میت کو بغیر غسل دیئے۔ آیا میت کو غسل دے کر دوسرے مقام پر منتقل کرنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر یہ لوگ مستقل رہائش ڈیروں پر رکھتے ہیں تو انتقال مکروہ ہے، خواہ غسل سے پہلے ہو، یا بعد میں۔

(ويستحب الدفن في) مقبره (محل مات به أو قتل) ... (فإن نقل قبل الدفن قدر ميل أو ميلين) ... (لابأس به) ... (وكره نقله لأكثر منه) (۲) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۴۱/۳)

میت کو مقام موت سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا:

سوال: میت کو جائے موت سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں کیا تحقیق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

میت کو دوسرے شہر کی طرف نقل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ٦١٣، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها: ٦١٤/٢، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

قال في الرد: (قوله ولابأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقاً وقيل إلٰى مادون مدة السفر وقيده محمد رحمه اللّٰه تعالٰى بقدر ميل أوميلين؛لأن مقابر البلد ربما بلغت هٰذه المسافة فيكره فيما زاد قال في النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر،آه.(۱)

وقال في المراقي: (وكره نفله لأكثر منه) أى أكثر من الميلين كذا في الظهيرية وقال شمس الأئمة السرخسي: وقول محمد رحمه اللّٰه تعالٰى في الكتاب لابأس أن ينقل الميت قدر ميل أو ميلين بيان أن النقل من بلد مكروه قاله قاضي خان، وقال العلامة الطحطاوى رحمه اللّٰه تعالٰى تحت قوله أى تحريماً.(۲)

وفي منحة الخالق وقدم جزم في التاجية بالكراهة وفي التجنيس وذكر أنه إذا مات في بلدة يكره نقله إلٰى أخرىٰ؛لأنه اشتغال بما لايفيد وفيه تأخير فنه وكفٰى بذلك كراهة.(۳)

نقل میت میں تاخیر دفن وخطرہ فساد میت کے علاوہ آج کل مزید مندرجہ ذیل مفاسد پیدا ہو گئے ہیں:

(۱)　اس کا التزام ہونے لگا ہے۔

(۲)　مصارف کثیرہ ومشقت شدیدہ کا تحمل۔

(۳)　آبائی قبرستان میں دفن کرنے کے التزام اور اس پر اصرار سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مقام میں دفن ہونے والے اموات کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے، حالاں کہ یہ عقیدہ غلط ہے۔

(۴)　جنازے کو نقل کرنا عموماً نماز جنازہ کے تکرار کا سبب بنتا ہے، جو ناجائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ / ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۲۱۸)

میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے تابوت استعمال کرنا:

سوال:　کیا مردے کو دوسری جگہ لے جایا سکتا ہے، اگر لے جایا جاسکتا ہے تو تابوت کا رواج ٹھیک ہے؟ اور تابوت کی جسمانیت اور ساخت کیسی ہونی چاہیے؟ اکثر تابوت دیکھ کر مجھے یہ مشکل پیش آتی ہے، جب اس شہر کراچی کے بنے ہوئے تابوت دیکھتا ہوں، جس کی اونچائی مشکل سے ۲/ فٹ ہوتی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک مسئلہ ہے مردے کو دوسری جگہ لے جانے کا، اس کا حکم یہ ہے کہ بعض حضرات

---

(۱)　ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۹،دار الفكر بيروت،انيس

(۲)　مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة،باب أحكام الجنائز،فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۴،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۳)　منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الجنائز،فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

نے تو اس کو مطلقاً جائز رکھا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ کہ مسافتِ سفر (۴۸؍میل) سے کم لے جانا تو صحیح ہے، اس سے زائد مسافت پر منتقل کرنا مکروہ ہے۔(۱) یہ مسئلہ تو دفن کرنے سے پہلے منتقل کرنے کا ہے، لیکن ایک جگہ دفن کرنے کے بعد پھر مردے کو دوسری جگہ منتقل کرنا قطعاً جائز نہیں۔(۲) رہا تابوت کا مسئلہ! تو درمختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر زمین نرم ہو تو تابوت میں دفن کرنا جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے۔(۳) تابوت کی اونچائی اتنی ہونی چاہیے کہ آدمی اس میں بیٹھ سکے، آج کل جو رواج ہے کہ میت کو دور دراز ملکوں سے لایا جاتا ہے، اور کئی کئی دن تک لاش خراب ہوتی ہے، یہ رسم بہت سی وجوہ سے قبیح ہے۔(۴) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۳۱۸)

قبر کے اطراف میں گناہوں کی وجہ سے میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا:

سوال: جس قبر کے اطراف میں گناہ ہونے لگ جائے تو مردے کو دوسری جگہ منتقل کردیا جاتا ہے، ٹھیک ہے؟

الجواب

مردے کا منتقل کرنا جائز نہیں، گناہوں کو بند کرنا چاہیے۔(۵) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۳۱۷)

مردہ کو دوسری جگہ لے جاکر دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: مردہ کو بموجب وصیت اس کے غیر وطن میں مرا ہو، اس کے وطن میں لے جاکر دفن کرنا اور وطن ۵۰؍میل

---

(۱) (قوله:ولابأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقاً وقيل الٰی ما دون مدة السفر... فيكره فيما زاد قال فی النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر.(رد المحتار، كتاب الصلاة:۲/۲۳۹،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) (قوله: ولابأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقاً وقيل الٰی ما دون مدة السفر وقيده محمد بقدرميل أوميلين؛لأن مقابر البلد ربما بلغت هٰذه المسافة فيكره فيما زاد ... وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، دفن الميت:۲/۲۳۹،انيس)

(۳) (قوله:ولابأس باتخاذ التابوت) ... الخ، أی يرخص ذلک عند الحاجة وإلا كره. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فی دفن الميت:۲/۲۳۴/وأيضا فی الهندية:۱/۱۶۶، طبع رشيدية)

(۴) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: أسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخير تقدمونها اليه،وان تک سویٰ ذلک فشر تضعونه عن رقابكم.متفق عليه.(مشكوة المصابيح:۱/۱۴۴،باب المشی بالجنازة والصلاة عليها/وأيضاً فی البدائع:۱/۲۹۹،وأما صلاة الجنازة، طبع سعيد)

(۵) ولاينبغی اخراج الميت من القبربعد ما دفن.(الفتاویٰ الهندية،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز:۱/۱۶۷)

قال فی رد المحتار: وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً قال فی الفتح واتفقت كلمة المشايخ فی امرأة دفن ابنها وهی غائبة فی غيربلدها فلم تصبر وأرادت نقله علٰی أنه لايسعها ذلک.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن الميت:۲/۲۳۹،دار الفكر بيروت،انيس)

فاصلہ پر ہو، کیا یہ بالکل حرام ہے، یا مکروہ تحریمی، یا تنزیہی؟ ولی وطن میں ہو، اس خیال سے لی جانا درست ہے، یا نہ؟ بعض احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو صحابہ کرام نے مکہ معظمہ میں لاکر دفن کیا، یہ فعل صحابہ ہے۔ جواز کے لیے اتنی حجت کافی ہے، یا نہیں؟ شامی و درمختار میں ''لا بـاس بـه'' لکھا ہے۔ غرض میری یہ ہے کہ اس کے متعلق بڑا فتنہ ہوا ہے، لہٰذا جواز، یا عدم جواز جو جانب راجح ہو، مفصل طور سے تحریر فرمائیں؟

الجواب ــ

قـال فی شرح المنیة الکبیر: ویستحب فی القتیل والمیت دفنه فی المکان الذی مات فیه فی مقابر أولٰئک القوم وإن نقل قبل الدفن قدرمیل أومیلین فلا بأس به، قیل: هٰذا التقدیرعن محمد یـدل عـلٰـی أن نـقـلـه مـن بلد إلٰی بلد لایجوز أومکروه ولأن مقابربعض البلدان ربما بلغت هٰذا المسافة ففیه ضرورة لاضرورة فی النقل إلٰی بلد آخر وقیل یجوزذلک ما دون السفر لما روی إن سـعـد بـن وقاص مات فی قریة علٰی أربعة فراسخ من المدینة فحمل علٰی أعناق الرجال الیها وقیل: لایکره فی مدة السفر أیضاً وأما بعد الدفن فلا یجوزإخراجه، الخ. (۱)

اور شامی نے درمختار کے اس قول ''**فلا بأس بنقله قبل دفنه**'' کی شرح میں لکھا ہے:

''قیـل: مـطـلقاً وقیل: إلٰی ما دون مدة السفر وقیده محمد بقدرمیل أومیلین؛ لأن مقابرالبلد ربما بلغت هٰذه المسافة فیکره فیما زاد، قال فی النهرعن عقد الفرائد: هوالظاهر. (۲)

ان عبارات سے واضح ہے کہ قبل دفن میت کے نقل کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض علما جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز اور مکروہ اور ظاہر امراد انکی مکروہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ اور صاحب نہر کا اس کو ''**هـو الـظـاهـر**'' کہنا اس کی ترجیح کو مقتضی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۹/۵-۳۸۰)

عذر کی وجہ سے تابوت میں ڈال کر دفن کرنا اور بعد میں دوسری جگہ لے جا کر دفن کرنا:

سوال: اگر بوجہ عذر کے مردہ کو تابوت میں رکھ کر گھر میں دفن کرے اور بعد میں زائل ہونے عذر کے اس تابوت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

دفن کے بعد میت کو، یا اس کے تابوت کو قبر سے نکالنا درست نہیں ہے۔ (درمختار) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۸/۵)

---

(۱) غنیة المستملی، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز فی بحث الثامن فی مسائل متفرقة، ص: ۶۰۷، انیس

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) (ولایخـرج مـنـه) بـعـد اهـا التـراب (الا) لـحق آدمـی (کـان تکون الأرض معصوبة او اخذت بشفعة).

(الدرالمختا رعلٰی هامش ردالمحتار، کتاب الجنائز: ۲۳۸/۲، دارالفکر بیروت، انیس)

میت کو دفن کرنے کے بعد وہاں سے منتقل کرنا جائز نہیں:

سوال: زید حنفی المذہب قبرستان کے متولی کی، یا ورثا کی اجازت سے قبرستان میں دفن ہوگیا، زید مذکور کی والدہ اور دیگر اقربا اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ بکر معترض ہے کہ زید جس مقام پر دفن ہے، وہ مقام میں نے اپنے لیے مخصوص کر دیا ہے، زید کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرو؟

(المستفتی: ۸۴۷، محمد عبدالعزیز شریف (چام راج نگر میسور) ۲/ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ، ۲۶/فروری ۱۹۳۶ء)

الجواب

قبرستان اگر وقف عام ہو اور اس میں کوئی شخص اپنے واسطے قبر کھدوا کر محفوظ چھوڑے اور کوئی دوسرا شخص اس میں اپنی میت کو دفن کر دے تو اس صورت میں بھی دفن کرنے والے کو صرف قبر کھودنے کی اجرت ادا کرنی پڑتی ہے، صاحب القبر کو نعش نکلوانے کی اجازت نہیں ہے۔

إذا حفر الرجل قبرًا فی المقبرة التی یباح له الحفر فدفن فیه غیره میتًا لا ینبش القبر ولکن یضمن قیمته حفره لیکون جمعًا بین الحقین، إنتهٰی. (۱)

اور اگر قبر نہیں کھودی صرف اپنے دل میں خیال کر لیا کہ میں یہاں دفن ہوں گا تو اس صورت میں دوسرے دفن کرنے والے سے کچھ بھی کہنے کا حق نہیں، (۲) نعش نکالنے کا صرف اس صورت میں حق ہوتا ہے کہ زمین مملوک ہو اور مالک کی اجازت کے بغیر دفن کیا جائے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۴۸)

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ: ۲/۴۷۲، انیس

بلفظہ یہ عبارت عالمگیری میں نہیں ہے، البتہ اسی مفہوم کی عبارت موجود ہے: ''رجل حفر قبراً فأراد و أدفن میت آخر فیه إن کانت المقبرة واسعه، یکره، وإن کانت ضیقة جاز ولکن یضمن ما أنفق صاحبه فیه. (الهندیة، باب الجنائز، فصل فی الکفن والدفن: ۱/۱۶۶، مکتبة ماجدیة) نقلاًعن خزانة المفتین)

(۲) (ولا یخرج منه) بعد اهالة التراب (الا) لحق آدمی (کان تکون الأرض مغصوبةً. (الدر المختار)

(قوله: کان یکون الأرض مغصوبة) ... واحترز بالمغصوبة عما اذا کاسنت وقفا قال فی التتارخانیة: انفق مالا فی إصلاح قبر، فجاء رجل، ودفن فیه میته، وکانت الأرض موقوفةً یضمن ما أنفق فیه، ولایحول میتة عن مکانه، لأنه دفن فی وقف. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۸، ط: سعید)

(۳) إذا دفن المیت فی أرض غیره بغیر إذن مالکها، فالمالک بالخیار: إن شاء أمر بإخراج المیت وإن شاء سوی الأرض وزرع فیها، کذا فی التجنیس. (الهندیة، باب الجنائز، فصل فی القبر والدفن: ۱/۱۶۷، ط: کوئٹہ)

میت کو دوسرے شہر منتقل کرنا، جنازے کے بعد میت کا منہ دکھانا، عورتوں کو اجنبی مرد کی میت دیکھنا:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء)

سوال: زید ایک سید اور مرشد تھے، اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک قریہ میں مقبرہ تیار کروا کر اپنے مریدوں کو وصیت کردی تھی کہ ان کی وفات کے بعد مقبرہ مذکور میں ان کو دفنا دیا جائے، اتفاقاً ان کی وفات مقبرے سے آٹھ میل کے فاصلے پر دوسرے قریہ میں ہوئی اور غسل وتجہیز وتکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کرکے حسب وصیت مقبرہ مذکور پر لے گئے، اثنائے راہ میں دیگر دو قریوں کے مسلمانوں نے بھی نماز جنازہ ادا کی مدفن کے قریب پہنچنے پر وہاں کے مریدوں نے ان کا آخری دیدار دیکھنے کی خواہش کی، انہیں دیدار سے مشرف کیا گیا، جن میں چند مستورات بھی تھیں، بعدہ نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا، سوال یہ ہے کہ!

(۱) میت کو ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں بنا بر وصیت، یا بلا وصیت لے جانا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) ایک بار غسل وکفن ونماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ میت کو بے نقاب کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) مستورات کے لیے اجنبی مرد کی میت پر مہر (آخری دیدار) کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنا بہتر نہیں ہے، اِلا اس صورت میں کہ یہ دوسرا مقام اس میت کے خاندان کا مدفن ہو، (۱) تاہم منتقل کردیا گیا تو اب اس کی بھی کوئی صورت نہیں۔

(۲) دفن سے پہلے منہ کھول کر دکھانا مباح ہے۔ (۲)

(۳) مستورات کو اجنبی مرد کی میت کو دیکھنا ناجائز ہے، اپنے محرم کو دیکھ سکتی ہیں۔ (۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۶۲/۴-۶۳)

---

(۱) وكذا لو مات في غير بلده يستحب تركه، فإن نقل إلى مصر آخر لا بأس به. (الفتاویٰ الهندية، باب الجنائز، فصل في الكفن والدفن، والنقل من مكان الى آخر: ۱۶۷/۱، ط: كوئٹة)

(۲) اس زمانے میں چوں کہ اس میں کئی مفاسد پائے جاتے ہیں؛ اس لیے اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے، مثلا اس کو باعث ثواب سمجھنا، تصویر کشی کرنا، تدفین میں تاخیر کرنا وغیرہ۔

(۳) کیوں کہ حدیث شریف میں اجنبی شخص کو دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

"عن أم سلمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كنت عند النبي صلی الله عليه وسلم وعنده ميمونة رضی الله تعالیٰ عنها فأقبل ابن أم مكتوم وذلك بعد إن أمرنا بالحجاب، فقال: إحتجبا منه، فقلنا: يارسول الله صلی الله عليه وسلم أليس أعمى لا يبصرنا، ولا يعرفنا، فقال النبي صلی الله عليه و سلم: أفعميان أنتما، ألستما تبصرانه". (أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في قوله تعالىٰ: وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ: ۲۱۲/۲، ط: سعيد)

بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی:

سوال: ہندوستان کے آخری تاجدار مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کو انگریزوں نے ظلماً ہندوستان سے جلاوطن کیا اوران کورنگون میں نظر بند کیا، وہاں ان کا اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے انتقال ہوا اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا، اب کچھ مسلم زعما گورنمنٹ ہند کی مدد سے ان کو ہندوستان منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حسب ذیل امور کی طرف بھی جناب کی توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا:

(۱) ان کو دفن ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ فقہا کی تصریحات کی بنا پر ان کی قبر پر کھیتی اور تعمیر مکان جائز ہے۔

(۲) قرن اول میں بعض شہدائے احد کو اور ۱۹۳۰ء میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قبروں کے منتقل کئے جانے کا فتویٰ علماء نے اس بنیاد پر دیا کہ یہ قبریں پانی کے بہاؤ کی زد میں آ گئی تھیں۔

(۳) بہادر شاہ ظفر کی قبر کو ہندوستان میں منتقل کرنا اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا باعث ہے اور ہندوستان میں ایک اسلامی اثر کا قیام ہے۔

(۴) بہادر شاہ ظفر کی یہ خود آرزو تھی کہ وہ ہندوستان میں مدفون ہوں، جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) اس منتقلی کی یہ صورت نہ ہوگی کہ قبر کھود کر ہڈیاں نکالی جائیں اور وہ منتقل کی جائیں؛ بلکہ اب ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اس کے ذریعے پوری قبر اصل حالت میں مع کچھ اطراف کے منطقۂ زمین کے منتقل ہو سکے گی۔

(۶) حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کے تابوت کو مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شام لے کر آئے۔

(۷) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید احد کو ان کی قبر سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(۱) قبر کا احترام لازم ہے؛ لیکن جب قبر میں میت باقی نہ رہے، مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، احترام لازم نہیں رہتا، وہاں تعمیر وزراعت کی اجازت ہو جاتی ہے۔ (۱) بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کے لیے

---

(۱) ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"جاز زرعه والبناء عليه إذا بلىٰ وصار تراباً، زيلعي". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۸/۲، سعيد)

وجہِ جواز اگر نمبر:۱ کو تجویز کیا جائے تو نمبر:۲، ۶، ۷، کی طرف توجہ مبذول کرانا بے محل اور بے سود ہے؛ کیوں کہ شہدا اور انبیاء علیہم السلام کا جسم محفوظ رہتا ہے، اس کو زمین نہیں کھاتی۔(۱)

نمبر:۵ کا ذکر بے ضرورت ہے۔

نمبر:۴ کے لیے وجہِ جواز کیا ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ کسی نے وصیت کی کہ مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے تو وصیت باطل ہے، قابل نفاذ نہیں۔

”و كذا تبطل(أی الوصية) لو أوصٰی بأن يكفن فی ثوب كذا أو يدفن فی موضع كذا“. (۲)

یہاں تو وصیت بھی نہیں ہے، محض اشعار سے آرزو مستفاد ہے۔اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت تو اسلام کا جھنڈا سر بلند کرنے اور احکام اسلام کو غالب کرنے میں ہے، پرانی ہڈیوں، یا ہڈیوں کی مٹی منتقل کرنے میں نہیں؛ بلکہ اس میں اندیشہ تو یہ ہے کہ اس مٹی کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا، جو دیگر معظم قبور کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس پر چراغ جلائیں گے، غلاف چڑھائیں گے، طواف کریں گے، سجدہ کریں گے، شاہی آداب بجالائیں گے، قبہ اور گنبد بنائیں

---

(۱)　وعن أوس بن أوس رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:قال رسول صلی اللّٰه عليه و سلم:إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة،فيه خلق آدم،وفيه قبض،وفيه النفخة،وفيه الصعقة،فأكثروا علٰی من الصلاة فيه،فإن صلاتكم معروضة علی“قال: قالوا:يارسول!صلی اللّٰه عليه وسلم وكيف تعرض صلاتنا عليک وقد أرمت؟قال:يقولون بليت، فقال:”إن اللّٰه عزوجل حرم علی الأرض أجساد الأنبياء“.(سنن أبی داؤد،باب تفريع أبواب الجمعة: ۱۵۷/۱،إمدادية)

(إن اللّٰه حرم علی الأرض):أی منعها،وفيه مبالغة لطيفة”(أجساد الانبياء)“:أی من أن تأكلها، فإن الأنبياء فی قبورهم أحياء،قال الطيبی:فإن قلت:ما وجه الجواب بقوله:إن اللّٰه حرم علی الأرض أجساد الأنبياء،فإن المانع من العرض والسماع هوالموت وهو قائم؟ قلت:لاشک أن حفظ أجسادهم من أن ترم خرق للعادة المستمرة،فكما أن اللّٰه تعالٰی يحفظها منه ... ويحصل لبعض وراثهم من أن ترم خرق للعادة المستمرة، فكما أن اللّٰه تعالٰی يحفظها منه ... ويحصل لبعض وراثهم من الشهداء والأولياء والعلماء الحظ الأوفٰی بحفظ أبدانهم الظاهرة“.(مرقاة المفاتيح،كتاب الصلاة،باب الجمعة،الفصل الثانی،(رقم الحديث: ۱۳۶۱) : ۴۵۲/۳-۴۵۴،رشيدية)

(لماروی أن يعقوب صلوات اللّٰه عليه إلخ)،مانصه أن ذلک شرع من قبلنا،ولم تتوفرفيه شروط كونه من شرعنا،ولأن أجساد الأنبياء عليهم السلام أطيب ما يكون حال الموت كالحياة والشهداء كسعد رضی اللّٰه تعالٰی عنه ليسوا كغيرهم ممن جيفتهم أشد نتنا من جيفة البهائم فلا يلحق مبهم“.(حاشية الطحطاوی،أحكام الجنائز،فصل فی حملها ودفنها،ص:۶۱۴،قديمی)

(۲)　ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الجنائز،مطلب تعظيم أولی الأمر واجب: ۲۲۱/۲،سعيد

ولوأوصٰی بأن يحمل بعد موته إلٰی موضع كذا ويدفن هناک ... ووصيته بالحمل باطلة.(فتاوٰی قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندية،كتاب الوصايا،الباب الثانی فی بيان الألفاظ التی تكون وصية والتی لا تكون، إلخ: ۴۹۴/۳،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

گے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان امور سے اسلام کی خلاف ورزی ہوگی، نہ کہ شوکت میں اضافہ، لہذا نمبر: ۳ بھی وجۂ جواز نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۲۶-۱۲۷)

میت کو بعد الدفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق:

سوال: حضرت محترم دامت برکاتہم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس

جنرل شاہ نواز کے خط کی نقل ہمرشتہ ہے، اس سلسلہ میں بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان صاحب کی زندگی میں بھی یہ مسئلہ آیا تھا، ان حضرات کا خیال تھا کہ منتقل کرنے کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ قبر کو کھودنے اور لحد کو کھولنے کے بجائے پوری اٹھائی جائے؛ یعنی قبر کے چاروں طرف سے دوڈھائی گز تک زمین کھود کر یہ پورا ٹکڑا جس میں لحد اور قبر ہے، اس طرح اٹھالیا جائے، جیسے بڑے درخت کا پینڈا اٹھایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی وہی حکم ہوگا، جو لحد کھولنے اور جنازہ کو اس سے نکالنے کا ہوتا ہے، بینوا توجروا ان شاء اللہ۔

نیاز مند محتاج دعا:

(حضرت مولانا) محمد میاں، ۴/ رجمادی الاخر/۱۳۸۳ھ، ۳/ صفدر جنگ روڈ، نئی دہلی، مورخہ، ۱۷/ اکتوبر ۱۹۶۳ء۔

شاہ نواز کا خط:

محترم جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم

۷/ نومبر ۱۹۶۳ء کو چھ بجے شام لال قلعہ دہلی میں جناب بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جارہی ہے، جس کی رسم افتتاح جناب جواہر لال نہرو فرمارہے ہیں، اس موقعہ پر یہ سوال بھی اٹھے گا کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر کو رنگون سے دہلی کے لال

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ نہٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم أن یجصص القبر، وأن یقعد علیہ، وأن یبنی علیہ. (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النہی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیہا: ۱/۳۱۲، قدیمی)

قال الإمام النووی رحمہ اللّٰہ تحتہ: وفی ہٰذا الحدیث کراہۃ تجصیص القبر والبناء علیہ ... ہٰذا مذہب الشافعی وجمہور العلماء. (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النہی عن تجصیص القبور و القعود والبناء علیہا: ۱/۳۱۲، قدیمی)

عن أبی حنفیۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی یکرہ أن یبنی علیہ بناء من بیت أوقبۃ أونحو ذلک، لماروی جابر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ: نہٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وأن یکتب علیہا وأن یبنی علیہا. (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۷، سعید)

"لایجوز التجصیص عند أحد ولا البناء". (العرف الشذی علٰی ہامش الترمذی، أبواب الجنائز، باب کراہیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیہا: ۱/ ۲۰۲، سعید)

قلعہ میں منتقل کیا جائے، یہ وہ حسرت ہے، جس کو اپنے دل میں لیے ہوئے حضرت ظفر نے وفات پائی، یہ حسرت ان کے اس شعر سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ!

دوگز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

۱۹۴۳ء میں جنگ آزادی کے دوران نیتا جی سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ رنگون گئے تو انہوں نے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کے اوپر کھڑے ہوکر ان کی یہ نظم دہرائی تھی ۔

غازیوں میں بو رہے گی جب تلک ایمان کی
تخت لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

نیتا جی سبھاش چندر بوس نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں سبھاش چندر بوس آپ کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہندوستان کی تلوار لندن تک چلاؤں گا اور جو کام جنگ آزادی کا آپ نے شروع کیا ہے، اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا اور دہلی کے لال قلعہ کے اوپر ''یونین جیک'' کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرایا جائے گا، تب آپ کو جنگ آزادی کے شہنشاہ کی حیثیت سے پوری شان وشوکت کے ساتھ دیس واپس لایا جائے گا۔ ظفر کمیٹی کی خواہش ہے کہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کے اقرار کو پورا کیا جائے اور شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا جائے اور اس کے اوپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ ممبران کمیٹی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دینی نقطہ نگاہ سے مزار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ میں بہت مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے اس کا جواب دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کر کے جلد از جلد دیں؟

زیادہ آداب، آپ کا مخلص (دستخط) شاہنواز خان

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا، اسی بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے۔(۱)

---

(۱) أوصٰی بأن یصلی علیه فلان فالوصیة باطلة ولو أوصٰی بأن یحمل بعد موته الٰی موضع کذا ویدفن هناک ویبنی هناک رباطاً من ثلث ماله فمات و لم یحمل الٰی ذلک الموضع قال أبو القاسم وصیته بالرباط جائزة ووصیته بالحمل باطلة ا(الفتاویٰ الهندیة،الباب الثانی فی بیان الألفاظ التی تکون وصیة والتی لاتکون،إلخ:۹۵/۶،رشیدیة)

وإذا أوصٰی بأن ینقل إلٰی بلدآخر،لا تنفذوصیته،فإن النقل حرام علی المذهب الصحیح المختارالذی قاله الأکثرون وصرح به المحققون''.(الأذکارللنووی،باب وصیة المیت أن یصلی علیه إنسان بعینه أو یدفن علٰی صفة مخصوصة وفی موضع مخصوصة إلخ،ص:۱۱۶،دارابن حزم بیروت)　==

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا، وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر پر سے گزریں تو فرمانے لگیں کہ اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے؛ بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا، وہیں دفن ہوتے۔(۲)

تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے میل دو میل کو مقام وفات سے حسب مصالح دور لے جا کر دفن کر نے کی بھی گنجائش بتائی ہے۔

”ولابأس بنقله قبل دفنه قيل:مطلقاً،وقيل:إلٰی مادون السفر،وقيده محمد رحمه الله تعالٰی بقدرميل أوميلين؛لأن مقابر البلد ربما بلغت هٰذه المسافة،فيكره فيما زاد.قال في النهرعن عقد الفرائد:هو الظاهر“.(۲)

لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ **”وأما نقله بعد دفنه،فلا مطلقاً“.(۳)**

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں:

ایک یہ میت کو کسی غیر کی زمین میں بغیر اجازت مالک دفن کر دیا گیا، جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہوگیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے؛ بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری

== ”يندب دفنه في جهة موته:أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أوقتل“.(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب في دفن الميت:۲/۲۳۹،رشيدية)

”القتيل أوالميت يستحب لهما أن يدفنا في المكان الذي قتل أومات فيه في مقابرأولٰئک القوم، لما روى عن عائشة رضي الله عنها أنها زارت قبر أخيها عبد الرحمان بن أبي بكر رضي الله عنه وكان مات بالشام وحمل من هناک فقالت لوكان اأمر فيک بيدي ما نقلتک ولفنتک حيث مات“.(البحرالرائق،باب الجنائز،فصل:السلطان أحق بصلاته:۲/۳٤۲،رشيدية)

(۱) عن ابن أبي مليكة،قال:لما توفي عبدالرحمان ابن أبي بكر رضي الله تعالٰی عنه بالحبشي و هوموضع فحمل إلٰی مكة،فدفن بها،فلما قدمت عائشة رضي الله تعالٰی عنها أتت قبر عبد الرحمان بن أبي بكر رضي الله عنه، فقالت:

كنا كندماني جزيمةحقيقة　　من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرّقنا كأني ومالكا　　لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

ثم قالت:والله لوحضرتک مادفنت إلا حيث مت، ولوشهدتک مازرتک“.(مشكاة المصابيح،كتاب الجنائز، باب دفن الميت،الفصل الثالث:۱/۱٤۹،قديمي)

(۲) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الجنائز:۲/۲۳۹،سعيد

”وإن نقل قبل الدفن إلٰی قدرميل أوميلين،فلابأس ... ولاينبغي إخراج الميت من القبر بعد ما دفن، إلخ“.(الفتاوىٰ الهندية،الباب الحادي والعشرون في الجنائز،الفصل السادس في الدفن والنقل:۱/۱٦۷،رشيدية)

(۳) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صلاةالجنائز:٤/۲۳۹،سعيد

قبر میں منتقل کر دیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے، (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے، یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے، جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے، اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے۔ (۱)

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے، جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھائی لی جائے، کارآمد نہیں؛ کیوں کہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی، وہ نعش کے تابع ہو کر منتقل ہوگی، جس طرح کے میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے، نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر مٹی منتقل کر کے لائے ہیں، پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر ہے، جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے۔ (۲)

اور فقہا نے اس کو حرام لکھا ہے:

وفي الشرنبلالي عن البرهان: (يحرم البناء عليه للزينة)... (ويكره)... (للإحكام بعد الدفن. (۳)

(قوله: ولايرفع عليه بناء): أي يحرم لو للزينة. (۴)

تنبیہ: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ (۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۲۷-۱۳۲)

---

(۱) النقل بعد الدفن على ثلاثة أوجه، في وجه يجوز باتفاق، و في وجه لايجوز باتفاق وفي وجه اختلاف: أما الأول فهو إذا دفن في أرض مغصوبة أو كفن في ثوب مغصوب ولم يرض صاحبه إلا بنقله عن ملكه أو نزع ثوبه، جاز أن يخرج منه باتفاق. وأما الثاني فكالأم إذا أرادت أن تنظر إلىٰ وجه ولدها أو نقله إلى مقبرة أخرىٰ، لايجوز باتفاق. وأما الثالث إذا غلب الماء على القبر، فقيل: يجوز تحويله، إلخ". حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۵، قديمي)

(۲) عن أبي الزبير أنه سمع جابرًا رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم نهىٰ أن يقعد على القبر أن يقصص و يبنى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في البناء على القبر: ۱۰۴/۲، إمدادية)

(۳) مراقي الفلاح علىٰ هامش حاشية الطحطاوي، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمي

(۴) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۷/۲، سعيد

(۵) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أخنع اسم عند الله يوم القيامة رجل تسمى بملك الأملاك". قال سفيان: "شاهان شاه" هٰذا حديث صحيح، وأخنع يعني أقبح" (جامع الترمذي، أبواب الاستيذان والأدب، باب ماجاء ما يكره من الأسماء: ۱۱۱/۲، سعيد)

مکان کی بنیاد میں لاش نکلے تو کیا کیا جائے:

سوال: ایک مکان کی بنیاد کھودتے وقت ایک نعش مرد مسلمان کی سالم نمودار ہوئی ہے۔ آیا وہ نعش اسی جگہ دفن رہے، یا وہاں سے نکال کر قبرستان میں دفن کی جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نعش مذکور کو اسی جگہ رکھنا چاہیے؛ کیوں کہ منتقل کرنا نعش کا اس جگہ سے جس جگہ وہ دفن ہے، بلاضرورت شدیدہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

و أما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً. (۱)

البتہ اگر وہاں اس نعش کا رکھنا دشوار ہے اور خوف بے حرمتی کا ہے، مثلاً یہ کہ عین بنیاد میں وہ نعش ہے، یا اور کوئی مجبوری ایسی ہی ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ دوسری جگہ قبرستان میں اس کو دفن کر دیا جائے؛ تاکہ احترام میت کا باقی رہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۹/۵)

قبر میں کوئی سامان رہ جائے تو کھود کر نکالنا جائز ہے:

سوال: اگر کسی شخص کی قبر میں دفن کرتے وقت کچھ رقم، یا سامان رہ جائے تو قبر کو دوبارہ کھود کر رقم وغیرہ نکالنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔

قال ابن عابدين: ولو بقي فيه متاع لا نسان فلا بأس بالنبعش، ظهيرية. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ رصفر ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۲۴/۴)

قبرستان میں دفن کرنے کے بعد پھر نکالنا درست نہیں:

سوال: زید جس کو مرے ہوئے عرصہ تین چار سال کا ہوگیا اور وہ مغضوبہ میں دفن نہیں ہوا؛ بلکہ عام قبرستان میں دفن ہوا۔ اب اس کو قبر سے نکال کر اور لاش و ہڈیوں کو کفن پہنا کر جنازہ کی نماز پڑھ کر سات آٹھ میل کے فاصلہ پر لے جا کر دفن کر دیا، یہ فعل کیسا ہے اور اس فعل کے مرتکب کی امامت و بیعت درست ہے، یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار باب صلاة الجنائز قبيل مطلب في الثواب على المصيبة: ۲۳۹/۲، دار الفكر بيروت

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۶/۲، دارالفكر بيروت، انيس

الجواب

فقہا اس بارے میں لکھتے ہیں کہ میت کو بعد دفن کرنے کے سوائے چند مخصوص صورتوں کے نہ نکالا جاوے، چناں چہ درمختار کی عبارت یہ ہے:

(ولایخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (کان تکون الأرض مغصوبة أوأخذت بشفعة)(۱)

اور شامی میں ہے:

وکما إذا سقط في القبر متاع أو کفن بثوب مغصوب أودفن معه مال قالوا: ولو کان المال درهماً، بحر، قال الرملي: استفید منه جواب حادثه الفتویٰ: امرأة دفنت مع بنتها من المصاع الأمتعة المشترکة أرثا عنها بغیبة الزوج أنه ینبش لحقه، الخ. (۲)

الغرض اخراج میت بعد الدفن کے چند وجوہ اور مصالح ہو سکتے ہیں؛ اس لیے جس بزرگ نے ایسا کیا ہے، اس سے مصلحت اس کی دریافت کی جاوے، شاید کوئی وجہ جواز کی اور کوئی مصلحت اور ضرورت ہو۔ کتب احادیث میں مروی ہے محض اس وجہ سے کہ وہ کسی دوسری میت کے ساتھ ایک قبر میں مدفون تھے۔ الغرض اس قسم کے واقعات صحابہؓ سے بھی منقول ہیں، لہٰذا بدون دریافت عذر اعتراض میں جلدی نہ کرنی چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۱۰/۵-۴۱۱)

مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے:

سوال: ایک شخص فوت ہو گیا اور دفن کرنے کے لئے جب قبر میں اتارا اور مٹی ڈال رہے تھے تو بوجہ سیم زدہ ہونے اراضی کے، قبر بیٹھ گئی، شرع محمدی میں کیا حکم ہے؟ کہ دوسری قبر کھود کر میت رکھی جائے یا اسی قبر کو پاٹ دیا جائے۔ قبر لحد والی تھی اور بیٹھی اس لئے کہ لحد گر کر نیچے جا رہی۔ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب

اگر مٹی ڈال چکے ہوں تو اسی قبر کو درست کر دیا جائے، میت کو نہ نکالا جائے۔

(ولایخرج منه) بعد لعد إها لة التراب (إلا) لحق آدمي، آه. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ: مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۱/۱۰/۱۴۰۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۵۹/۳)

دفن کے بعد مردہ نہیں نکالا جا سکتا:

سوال: قبر سے مردہ کسی صورت میں نکالا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر نکالا جائے تو وہ کیا مجبوری ہوگی؟

(۱،۲) الدرالمختار ورد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفکر، بیروت، انیس

(۳) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۰/۲، دار الفکر بیروت، انیس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے: (ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) الحق آدمي (كان تكون الأرض مغضوبة أو أخذت بشفعة) ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كماجاز زرعه والبناء عليه إذا بلٰى وصار تراباً، الخ .(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ میت کو قبر سے بعد مٹی ڈالنے کے نہ نکالا جاوے؛ مگر حقوق عباد کی وجہ سے کہ مثلاً زمین مغصوبہ اور غیر کی زمین میں بدون مالک کی اجازت کے دفن کر دیا جائے، الخ، مالک کو اختیار ہے کہ میت کو نکلوادے، یا زمین کو برابر دے اور نشان قبر کا نہ کرنے دے، الخ، پس یہی جواب ہے سوال مذکور کا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۴/۵)

قبر بیٹھ جائے تو کھود کر درست کرنا جائز نہیں:

سوال: اگر پرانی قبر بیٹھ جائے اور مٹی ڈالنے سے قبل جن پتھر اور اینٹوں سے قبر کو دھکا جاتا ہے، وہ نیچے گر جائیں تو کیا ان اینٹو کو قبر میں سے نکال کر دوبارہ درست کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں میت کو نکال کر دوسری قبر میں دفن کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجوابـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قبر کے اوپر مٹی ڈال کر درست کر دیجائے، قبر اکھاڑ کر اندر سے پتھر وغیرہ درست کرنا، یا میت کو نکال کر دوسری قبر میں دفن کرنا جائز نہیں۔

قال في العلائية: (ولايخرج منه) بعد اهالة التراب (إلا) لحق آدمي.

وفي الرد تحت (قوله: إلا لحق الآدمي) إحتراز عن حق الله تعالىٰ كما إذا دفن بلاغسلأو صلاة أو وضع علىٰ غيريمينه أوإلىٰ غير القبلة فانه لاينبش عليه بعد إهالة التراب كما مر .(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ ربیع الاخر ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۱۲/۴-۲۱۳)

دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم:

سوال: حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ زمین پر ایک پختہ چبوترہ تعمیر کر کے اس پر تابوت مبارک رکھ کر ارد گرد اور اوپر مٹی ڈال کر قبر کی شکل بنادی گئی، کیا یہ تدفین درست ہے؟ یا اسے ختم کر کے دوبارہ مسنون طریقہ پر انہیں دفن کیا جائے؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸٤٠/۱

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ امر اس وقت زیرِ بحث نہیں کہ حضرت قدس سرہ کے لئے تدفین کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہ خلافِ سنت اور مکروہ تھا، یا بعض اعذار کی بنا پر اس کی بھی شرعاً اجازت دی جاسکتی تھی ؛ کیوں کہ اگر اس تدفین کو خلافِ سنت بھی قرار دیا جائے تو بھی فریقین کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ محض کراہت تدفین کے سبب نبش میت کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی ؛ بلکہ تحقیق دفن کے بعد نبش حرام ہوگا، جیسا کہ کتب فقہ نیز سابقہ فتاویٰ میں مصرح ہے۔

اصل بحث اس وقت یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں نفس تدفین متحقق ہوئی، یا نہ؟ مشروعیتِ دفن سے جو مقصود شارع ہے، وہ حاصل ہوا، یا نہ؟

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دفن میت فرض کفایہ ہے ؛ لیکن حقیقت دفن اور اس کی ذاتیات کیا ہیں، جن کے فوات سے دفن معدوم ہوجائے گا، بعض حضرات کے ہاں یہ ہے کہ تحقق دفن کے لیے حفر شرط ہے اور فرض ہے، بدون حفر کے دفن متحقق نہیں ہوگا اور پھر غالباً حفر حکمی، یا حفر قدیم کو بھی یہ حضرات کافی نہیں سمجھتے ؛ مگر اولہ شرعیہ اور لغت سے اس مؤقف پر کوئی واضح اور محکم دلیل موجود نہیں۔ ہاں دفن مسنون کے لیے حفر لحد شق کے الفاظ ملتے ہیں ؛ مگر یہ متنازع فیہ نہیں ؛ بلکہ ادلہ اور ائمہ لغت کی تصریحات سے جو چیز سامنے آتی ہے، وہ اس کے برعکس یہ ہے کہ دفن کی حقیقت ''ستر'' اور ''مواراۃ بالتراب'' ہے۔ حفر حقیقی ہو، یا نہ ہو، ''**دفنه**'' کا معنی ائمہ لغت نے ''**حضر و جعل الميت في الحفيرة**'' یا اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ سے نہیں ؛ بلکہ اس مادہ کے کسی لفظ کا ترجمہ مادہ حفر کے کسی لفظ کے ساتھ نہیں کیا گیا ؛ بلکہ ستر مواراۃ، غیبوبت جیسے الفاظ سے ان کی تفسیر وشرح کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت دفن مواراۃ اور ستر ہے اور حفر اس کے لیے شرط نہیں ہے۔ علامہ مجدالدین فیروزآبادی اپنی معتمد کتاب ''قاموس'' میں لکھتے ہیں کہ!

''**دفنه يدفنه ستره وواراه ... وأدفن العبد كافتعل أبق قبل وصول المصر الذي يباع فيه ... وتدافنو اتكاتموا ... ورجل دفن بالفتح: خامل**.(۱)

صراح میں ہے کہ '' دفن درخاك پنهان كردن تدافن پنهاں شدن''۔(۳۶۴/۱)

ایسے چشمے کو جو آندھی چلنے کی وجہ سے مٹی میں دب گیا ہو منھل دفن ودفان کہا جاتا ہے دفن کی حقیقی معانی بیان کرتے ہوئے صاحب'' **أساس البلاغة**'' لکھتے ہیں کہ!

''**منهل دفن ودفان سفت الريح فيه التراب في الدفن،إلخ**''.(ص: ۱۸۰)

اس میں مصرح ہے کہ خارج سے لائی گئی مٹی میں دب جانے والی چیز کو بھی مدفون کہا جاتا ہے اور اس میں حفر

---

(۱)　**القاموس المحيط،فصل الدال:۸۷۵/۲،نول كشور،انيس**

ضروری نہیں'، قاموس '' میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ نہایہ میں علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ!

''الداء الدفين أى المستتر الذى قهرته الطبيعة ''.

دفن کے علاوہ دوسرا لفظ قبر کا ہے۔ ائمہ لغت کی تصریح کے مطابق اس میں بھی حضر ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں:

''القبر مدفن الإنسان (ولم يفسره بالحفيرة ناقل) قبره دفنه''. (۳۱۵/۱)

اور دفن میں حضر شرط نہیں ہے، جیسے پہلے بیان ہوا۔

''وقول ابن عباس رضى اللّٰه عنهما فى الدجال وُلد مقبوراً معناه أن أمه وضعته فى جلدةٍ مصمتة لاشق فيها ولاثقب فقالت قابلته هذه سلعة ليس فيها ولد فقالت أمه بل فيها ولد وهو مقبور فيها فشقوا عنه فا ستهل. (القاموس المحيط: ۳۱۶/۱)

جھلی میں لپٹے ہوئے بچے پر عرب العربا کے استعمال میں مقبور کا اطلاق ہمارے مدعا پر واضح دلالت کر رہا ہے کہ مقبور ہونے کے لیے حضر شرط نہیں، مستور ومغیب بالصفۃ المخصوصہ ہونا کافی ہے، لغت کے علاوہ قرآن وحدیث اور فقہ سے بھی یہی امر مستنبط ہوتا ہے کہ دفن میت سے اصل مقصود مواراۃ ہے، جس کے لیے بالفعل کسیوں کے ساتھ گڑھا کھودنا ضروری نہیں؛ بلکہ گڑھے کی صورت بھی کافی ہوسکتی ہے، خواہ یہ پہلے موجود ہو، یا مٹی کو ارد گرد جمع کر کے ایسی صورت بنائی جائے، یا گڑھا کھودنے سے یہ شکل بن جائے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿فبعث اللّٰه غرابًا يبحث فى الأرض ليريه كيف يوارى سوأة أخيه﴾ (سورة المائدة: ۳۱)

آیت کے آخر ٹکڑے میں مذکور ہے: ''دفنِ میت سے مقصود مواراۃ نعش ہے''۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نعش ابو طالب کے بارے میں حکم دیا تھا ''فوارہ'' بخاری شریف میں صیغہ ہذا مقصد دفن کی طرف مشعر ہے۔ فقہا نے اسی حدیث کے پیش نظر لکھا ہے کہ!

''(يغسل المسلم ويكفن ويد فن قريبه) ... (الكافر الأصلى) ... (من غير مراعاة السنة)''. (۱)

معلوم ہوا کہ مواراۃ دفن ہے؛ لیکن غیر مسنون ہے۔

(۳) علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ!

''فصل فى الدفن المقصود منه ستر سوأة الميت وإليه الاشارة فى قوله تعالىٰ: فبعث اللّٰه غرابًا''. (۲)

(۴) علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ''أما الدفن إنما يتم با هالة التراب''.

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۰/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) العينى شرح الهداية: ۱۲۰/۱، كمافى الرسالة المطبوعة، ص: ۲۶

(۵) گڑھا کھودنا اور گہرا کرنا فی حد ذاتہ مقصود نہیں؛ بلکہ اس سے اصل مقصد لاش کی بدبو روکنا اور راسے درندوں سے محفوظ کرنا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وهٰذا حد العمق والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع". (۱)

مندرجہ بالا عبارت اپنے مفہوم ومنشا کے اعتبار سے کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے، سب کا مشترکہ مضمون یہ ہے کہ مٹی میں نعشِ انسانی کو اس طرح سے چھپا دینا کہ درندے اس کو نہ اکھاڑ سکیں اور اس کا تعفن اور بدبو لوگوں تک نہ پہنچے دفن ہے اور اس سے یہی مقصود ہے، اس حقیقت کی وضاحت کے لیے حضراتِ مفسرین کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"(ثم أماته فأقبره)، إلخ، أي جعل له قبراً يواري فيه اكرامًا ولم يجعله مما يلقىٰ علىٰ وجه الأرض تأكله الطير والعوافي قال الفراء". (الجامع لأحكام القرآن)

روح المعانی میں ہے:

"ثم أماته فأقبره جعله ذا قبر توارى فيه جيفته تكرمة له لم يجعله مطروحاً على الأرض يستقذره من يرأه و تقتسمه السباع والطير". (۲)

تفسیر جلالین وجمل میں ہے:

"وجعله في قبر يستره أي ولم يجعله مما يلقى للطير والسباع". (پارہ عم)

قبر کی صفت **"توارى فيه جيفة"** یہ وصف دال علی العلیت ہے، نیز اس کا مقابل **"ولم يجعله مما يلقى علىٰ وجه الأرض"** کو ٹھہرایا، یہ مجموعہ دلالت علی المقصود کے بارے میں بالکل صریح ہے، تحقق دفن کے لیے جیسے حفر ضروری نہیں ہے، ایسے ہی لحد حقیقی جو گڑھا کھود کر اس کے اندر کھودی گئی ہو، یا شق حقیقی ضروری معلوم نہیں ہوتی بوجوہِ ذیل۔

(الف) نعش کافر کو بدون لحد وشق کے گڑھے میں دبانے کا حکم ہے۔ فقہا نے اس پر لفظِ دفن کا اطلاق کیا ہے، جیسا کہ بحوالہ تنویر پہلے ذکر ہوا۔

(ب) بعض اکابر صحابہ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں نے وصیت فرمائی تھی کہ لحد وشق بنائے بغیر ہمیں ویسے ہی مٹی میں دبا دیا جائے۔

"وأوصىٰ كثير من الصحابة أن يرموا في التراب من غير لحد ولا شق وقال ليس أحد جنبي أولىٰ بالتراب من الآخر ويوقي وجهه التراب بلبنتين أوثلاث". (۳)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۲٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) روح المعاني: ۳۰/٤٤، انيس

(۳) حاشية الطحطاوي، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ٦۰۷، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

اگر لحد وشق دفن کے لیے ضروری ہوتی تو یہ حضرات ایسی باطل وصیت فرما کر لوگوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا کیسے سبب بن سکتے تھے، نیز یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کو تا حال غیر مدفون قرار دیا جائے اور یہ تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے کہ ان حضرات کو مسائلِ شرعیہ اور ان کے حقائق کے فہم سے (العیاذ باللہ) بالکل عاری سمجھا جائے۔

(ج) علامہ ابن الہمام نقل فرماتے ہیں: "**بل ذكر لي إن بعض الأرضين من الرمال يسكنها بعض الإعراب لايتحقق فيها الشق أيضًابل يوضع الميت ويهال عليه نفسه**". (۱)

علامہ موصوف نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

(د) فساقی میں دفن کرنے کو فقہا نے دفن ہی قرار دیا ہے، گو مکروہ لکھا ہے، حالاں کہ نہ اس میں لحد نہ شق ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ اصل دفن کے تحقیق کے لیے یہ دونوں ضروری نہیں، البتہ دفن معروف ومسنون کے لیے اس کی حاجت ہے۔ تفصیل بالا سے امور ذیل محقق ہوئے:

(۱) دفن کی حقیقت ستر ومواراۃ محفوظہ ومخصوصہ ہے اور حفر اس کی حقیقت میں داخل نہیں۔

(۲) دفن سے مقصود اعزاز اور حفاظت نعش انسانی ہے؛ تاکہ دیگر حیوانات کی طرح نظروں کے سامنے گلتی، سڑتی اور نچتی نہ رہے۔

(۳) دفن کی حقیقت میں لحد حقیقی، شق حقیقی داخل نہیں پس حقائق بالا کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت قدس سرہ کی نعش مبارک کو سپرد خاک کرنے کی جو تفصیل صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے، اس سے بلا شبہ تدفین محقق ہوگئی ہے اور اس پر دفن کے احکام جاری ہوں گے؛ کیوں کہ مواراۃ جسد علیٰ وجہ الاتم پائی گئی اور منشاء تشریع بھی پورا ہوگیا، تحقق دفن کے لیے حفر، یا شق حقیقی درجہ شرط میں نہیں کما مر، چناں چہ قبل ازیں مطبوعہ رسالہ کے مطابق پاک وہند کے معتمد ترین دار الافتا اور اکابر بھی اسے تدفین قرار دے چکے ہیں، پس صورتِ مسئولہ میں مزار شریف کو دوبارہ کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں اور اس پر نبش کے احکام جاری ہوں گے۔

تتمہ: واضح رہے "**ومفاده أنه لايجزی دفنه علىٰ وجه الأرض**" اس کے خلاف نہیں۔

اولاً اس لیے کہ یہ علامہ شامی کا استنباط ہے، کتب حنفیہ میں صراحتہً یہ جزئیہ کہیں مذکور نہیں، جیسا کہ علامہ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے اور مفادہ کا لفظ بھی اس طرف مشعر ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ دلائل بالا کی بنا پر اس کی تاویل ضروری ہے۔ **لايجزی دفنه أی على الوجه المسنون والمتوارث جمعا بين الأدلة.**

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى الدفن: ۱۹/۳ ٤، انيس

ثالثاً بر تقدیر تسلیم ظاہر جواب یہ ہے کہ متنازع صورت کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ زیر بحث صورت میں تابوت کے اردگرد دیوار بنا کر ڈاٹ لگائی گئی ہے، پھر اس کے چاروں طرف دور تک پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر اسے سطح مسجد کے برابر کر دیا گیا ہے اور اس کے اوپر کچی قبر کا نشان بنا دیا گیا۔ (ماخوذ از مطبوعہ رسالہ)

اب سنا ہے کہ اس صحن کو مزید وسیع کرتے ہوئے اردگرد مزید مٹی ڈال کر وہیں پر مدرسہ کی تعمیر کی گئی ہے، اس سے یہ ساری سطح زمین بلند ہوگئی ہے، جس کے ایک حصہ میں گویا کہ بصورت شق تابوت مدفون ہے اور جزئیہ میں صورت بیان کی گئی ہے، وہ قطعاً اس سے مختلف ہے، وہ صرف یہ ہے کہ لاش زمین پر رکھ کر اردگرد اینٹیں لگا دی جائیں، جس سے قبر کی سی صورت بن جائے اور اسے گہرائی میں چھپایا نہ جائے اور ظاہر ہے کہ اس سے منشاء تشریع اور مقصود تدفین حاصل نہیں ہوسکتا، اینٹوں کے اکھڑنے اور حشرات الارض کے سوراخ وغیرہ کی صورتوں میں نعش کی بدبو پھیلنے اور لقمۂ حیوانات بن جانے کا احتمال بعید از قیاس نہیں اور پختہ اور چونا گچ کرنا جزئیہ میں مذکور نہیں اور کیا یہ چیزیں ہر ایک کو سب میسر ہوسکتی ہیں؟ اور اسلامی سادگی کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے۔ الغرض صورت زیر بحث کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا غلط ہے۔ زیر بحث صورت میں منشاء تشریع دفن کی تکمیل ظاہر ہے اور جزئیہ کی صورت میں یہ منشا پورا نہیں ہوتا اور اس طرح فرمان نبوی: ”**عن هشام بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في قتلٰى أحد: أعمقوا وأحسنوا وادفنوا الإثنين والثلاثة في قبر واحد وقدموا أحسنهم قرآناً**. (۱) سے بھی اشتراط حضر پر استدلال کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ اگر یہ استدلال صیغۂ امر سے ہے تو تقدیم احسن قرآن بھی اسی طرح فرض اور شرط ہوگی اور اس کے بعد دفن کرنا صحیح نہیں ہوگا؛ حالاں کہ اس کا التزام درست نہیں اور اگر استدلال کسی خارجی مقدمہ پر مبنی ہے تو جواب اس کے معلوم ہونے پر دیا جاسکتا ہے، نیز بعض حضرات کو ”**يبحث في الأرض**“ سے یہ شبہ ہو گیا ہے۔ یہ شبہ بھی ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں، یہ بحث بغرض حضر تھا؛ تا کہ اس میں کوے کو رکھ کر دبایا جاسکے اور احتمال ثانی یہ ہے کہ بحث بغرض ستر اور موارات تھا؛ یعنی کوا پنجوں کے ذریعہ مٹی ڈال ڈال کر غراب میت کو دفن کر دے۔

احتمالِ ثانی اولیٰ ہے؛ کیوں کہ اس میں تقلیل حذف ہے اور یہ عادات غراب سے اشبہ ہے؛ اس لیے علامہ سیوطی نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”**يبعث الله غراباً يبحث في الأرض ينبش التراب بمنقاره وبرجليه ويثير علىٰ غراب ميت حتىٰ واراه**“. (۲)

---

(۱) سنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الجنائز، باب ما يستحب من اتساع القبر وأعماقه: ۴۱۳/۳، انیس

(۲) تفسير الجلالين، سورة المائدة: ۳۱، انیس

تفسیر ہذا کی بنا پر سقوط استدلال ظاہر ہے اور اس کی تائید ایک دوسری تفسیر سے ہوتی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ غراب دوسرے غراب میت پر مٹی نہیں ڈالتا تھا؛ بلکہ ہابیل کی نعش پر کرید کرید کر مٹی ڈال رہا تھا؛ تاکہ دفن کی تعلیم کرے۔

”وقال الأصم: لماقتله وتركه فبعث الله غرابًايبحثواالتراب على المقتول.(۱)

اور احتمال اول بھی ہمارے لیے مضر نہیں، اولاً اس لیے کہ یہ مقصود نہ تھا، جیسا کہ آیت میں مذکور ہے: ﴿ ليريه كيف يوارى ﴾ اس کی ایک صورت حضر بھی ہے، پس حضرت کی فرضیت اور تعیین ثابت نہیں ہوگی۔

الحاصل آیت زیادہ سے زیادہ مفید حضر ہے، مفید حصر نہیں، پس ثابت میں نزاع نہیں ہے اور متنازع فیہ ثابت نہیں۔

ثانیاً آیت کی تفسیریں گوصورتاً مختلف ہیں؛ لیکن ان کا معنی متحد ہونا ضروری ہے؛ تاکہ مراد خداوندی میں تخالف لازم نہ آئے، جب کہ مسئلہ دفن امت کے مابین مختلف فیہ نہیں اور یہ تب ہی ممکن ہے، جب کہ احتمال اول حضر کو فرضیت اور تعیین کے لیے نہ کیا جائے اور یہی اوفق لعموم العلع ہے۔ فقط واللہ اعلم　　(بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ)

تقریباً نوسال حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی وفات کو ہو چکے ہیں اور ان کے نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر اس کے چہار طرف نیچے اوپر پکی اینٹیں لگا کر قبر کے اردگرد اڑتیس فٹ لمبا، اٹھائیس فٹ چوڑا اور پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوترا بنایا گیا ہے، جس کی بنا پر بالیقین یہ صادق آتا ہے کہ ”حصل الدفن يعنى مواراة الميت فى التراب“ دفن کا معنی اور مقصد یہی ہے، حضر لحد دفن کی مسنون شکلیں میں۔ نفس دفن ان پر موقوف نہیں، جیسا کہ مفتی صاحب نے جواب میں واضح فرمایا ہے، لہٰذا دفن کے تحقق کے بعد اگر وہ خلاف سنت بھی ہو چکا ہو، نبش حرام ہوگا، بناءً علیہ اب ضروری ہے کہ حضرت رائے پوری کے مریدین اور متوسلین اور خدام تمام محنت وسعی کو حضرت کے اسوۂ حسنہ کے احیا اور اشاعت طریق میں خرچ کریں، اہل اسلام میں پہلے بھی کافی اختلاف اور انتشار برپا ہے۔ اب یہ بحث نوسال بعد چھیڑنا مزید موجب افتراق اور تشتت ہوگا، جو کسی قسم کی اسلامی خدمت نہیں ہوگی؛ بلکہ اعداء اسلام کے لیے باعث شماتت ہوگا؛ اس لیے اب بحث کو ہماری رائے میں ختم کرنا بالکل مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۷۲-۱۷۹)

قبر میں پیسے رہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم:

سوال: ملک اللہ دتہ کا لڑکا محمد اکرم فوت ہوگیا، دفن کرتے ہوئے ملک اللہ دتہ کے تقریباً ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) روپے قبر میں رہ گئے اور یقیناً علم ہے کہ وہ قبر میں رہے ہیں، کیا اس عذر کے لیے قبر کھودنا جائز ہے؟

(۱)　تفسیر الرازی، سورة المائدة: ۳۱

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں قبرا کھاڑ کر وہ رقم نکالی جا سکتی ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۳۹۳/۴/۲۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۶۲/۳)

قبر سے نعش نکالنا اور دوبارہ نماز جنازہ ممنوع ہے:

سوال: زید کے والد کے انتقال کو پندرہ سال ہوئے اس کا غسل اور تجہیز و تکفین بدستو شرع شریف کی گئی بعد عرصہ مذکورہ کے زید نے اپنے والد کی نعش کو بلاضرورت قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا ارادہ کیا اور دوبارہ نماز جنازہ پڑھی اور اس فعل کو جائز بتلایا ہے اور ناواقف لوگ منع کرنے والے کو کافر اور وہابی کہتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

بلاضرورت نعش کو قبر سے نکالنا بھی ممنوع ہے۔(۲) پس یہ فعل اس شخص کا بہت برا ہے اور منع کرنے والے کو برا کہنا اور مشرک و وہابی و بدعتی کہنا جہالت و گمراہی ہے، اس سے توبہ کرنی لازم ہے اور آئندہ ایسی حرکت نہ کی جائے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۱۳/۵-۴۱۴)

قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا، اس کے لیے قبر دوبارہ کھولنا:

سوال: قبر کے اندر میت کے دفن کرتے وقت کچھ قیمتی چیز نوٹ وغیرہ گری تو پھر دوسرے دن قبر کو کھودنا اور اس کو ادھر ادھر سے دیکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نوٹ وغیرہ جو چیز قبر میں غلطی سے رہ گئی ہو، اس کو احتیاط سے نکالنے کی اجازت ہے، میت کو ہرگز نہ ہلائیں، نہ اس کا کفن کھول کر دیکھیں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲۴/۹)

---

(۱) (قوله: ولا ينبش ليوجه إليها) ... ولو بقي فيه متاع لإنسان فلا بأس بالنبش، آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳٦/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (لا يخرج منه) بعد اهالة التراب (الا) لحق آدمي كـ(أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة). (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۸۳۹/۱)

(۳) عن بجير بن أبي بجير قال: سمعت عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: حين خرجنا معه إلى الطائف، فمررنا بقبر، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "هذا قبر أبي رغال وكان بهذا الحرم يدفع عنه فلما خرج اصابته النقمة التي أصابت قومه بهذا المكان فدفن فيه وآية ذلك أنه دفن معه غصن من ذهب، إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه، فابتدره الناس فاستخرجوا الغصن". (سنن أبي داؤد، كتاب الخراج والفيئ والإمارة، باب نبش القبور العادية: ۴۴۰/۲، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس) ==

تدفین مکمل ہوجانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے:

سوال: ایک عورت کی قبر دفن کرتے وقت بیٹھ گئی، کیا اس عورت کو نکال کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کر سکتے ہیں، یا اسی طرح مٹی ڈال دیں، اگر دفن کرنے کے بعد مٹی بھی برابر کردی پھر قبر بیٹھ گئی تو کیا حکم ہے؟ ان احکام میں عورت اور مرد کا ایک ہی حکم ہے، یا فرق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر نصف مٹی ڈالنے پر قبر بیٹھ گئی تو اختیار ہے، چاہے دوسری جگہ قبر بنالی جائے، چاہے اسی کو درست کرلیا جائے اور اگر قبر تیار ہوجانے کے بعد گری ہے تو اب اوپر سے مٹی درست کردی جائے، میت کو نہ نکالا جائے؛ کیوں کہ دفن کے بعد اس وجہ سے میت کو نکالنا درست نہیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۶۵/۳)

اپنی خریدی ہوئی زمین سے مُردہ کے ڈھانچہ کو نکالنا:

سوال: خریدی ہوئی زمین میں مُردے کا پورا ڈھانچہ مل جائے تو اس کو توڑنا، دوسری جگہ قبرستان میں دفن کرنا، پھر وہاں سے اکھاڑ کر سابق زمین میں دفن کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر کسی کی ملکیت میں کوئی مُردہ دفن کردے تو زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ اس کو جوت کر کھیتی کرے، یا لاش کو نکال دے؛ (۲) لیکن اس جگہ ایک پرانی لاش کی ہڈیاں نکلی ہیں تو اس شخص کو چاہیے تھا کہ اس کو احترام کے ساتھ قبرستان

== ولو دفن بثوب أو درهم للغير ... يخرج منه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۵۲۱، مكتبة دار الكتاب ديوبند، انيس)

"وأشار بكون الأرض مغصوبة إلى أن يجوز بنشه لحق الآدمي، كما إذا سقط فيها متاعه ... ولو كان المال درهماً". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۱/۲، رشيدية)

(۱) (ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي، آه. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (ولا يخرج منه) بعد اهالة التراب (إلا) لحق آدمي، (كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة) ويخير المالك بين اخراجه ومساواته بالأرض. (الدر المختار)

(قوله: ومساواته بالأرض) أي ليزرع فوقه مثلاً، لأن حقه في باطنها وظاهرها، فان شاء ترك حقه في باطنها وان شاء استوفاه. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

میں دفن کر دیتا، مُردے کی ہڈی کی اہانت اور اس کو توڑنا حرام ہے، اس شخص نے گناہ کیا، اس کو توبہ کرنی چاہیے، دوسرے مسلمانوں نے بھی اہانت کی کہ دفن کردہ ہڈیوں کو پھر نکالا اور اس زمین میں دفن کیا، ان لوگوں کو بھی توبہ کرنی چاہیے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۶/۴/۳ ۱۳۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۸۱-۲۸۲)

پختہ قبر بنانا:

سوال: قبر کو پکی اینٹ اور لکڑی سے تعمیر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ قبر کچی ہو، پختہ اینٹ اور لکڑی کی قبر میں لگانا مکروہ ہے، البتہ نشان کے لیے اوپر رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ وقایہ میں ہے:

ویکره الحجر و الخشب، إنتهٰی.

اور ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے:

یعنی فی داخل اللحد بدلیل ما ذکره فخر الإسلام فی الجامع الصغیر و لایکره الحجر علی الظاهر؛ لأن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وضع علیٰ قبر أبی دجانة حجرًا فقال لأعرفه قبر أخی، إنتهٰی.

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۳۰)

قبر کے اطراف کا پختہ کرنا اور پتھر لگانا کیسا ہے:

سوال: زید حفاظت اور علامت کے لیے اپنے والد مرحوم کی قبر کے اطراف اربعہ کو پختہ اور بیچ میں کچی اور سنگ مرمر پر تاریخ کندہ کرانا چاہتا ہے۔ کوئی صورت جواز کی ہے، یا نہیں؟

الجواب

شامی میں صحیح مسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

"عن جابر قال: نهٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن تجصیص القبور و أن یکتب علیها و أن یبنی علیها". (۲)

---

(۱) عن عائشة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "کسر عظم المیت ککسره حیًا". رواه مالک و أبو داؤد و ابن ماجة (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱/۱۴۹، قدیمی)

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النهی عن تجصیص القبر، الخ: ۱/۳۱۲، قیمی، انیس

یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پختہ کرنے سے اور ان پر کچھ لکھنے سے اور تعمیر کرنے سے۔ پس صورت مذکور فی السوال کی شرعا درست نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۳۷۷۔۳۷۸)

پختہ قبر کا ہموار کرنا کیسا ہے:

سوال: زید کی دکان کے صحن میں ایک قبر پرانی کچی ہے، بعض لوگوں نے زید کے پیچھے اس قبر کو پختہ کرا دیا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے چراغ روشن کئے جائیں گے اور پرستش کی جائے گی۔ زید کو شرعا اس قبر کو ہموار کر دینا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

زید اس قبر کو اکھاڑ کر برابر کر سکتا ہے اور اس ایسا کرنا درست ہے؛ بلکہ پختہ باقی رکھنا اس قبر کا جائز نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۳۷۸)

قبر پختہ کرنے اور قبہ بنانے کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے:

سوال: قبر کو پختہ بنانے اور ان پر قبہ وغیرہ بنانا احادیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اور ایک بالشت کی برابر اگر بطور آثار بنا دی جائے تو اس میں کچھ حرج تو نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک کب سے بنایا گیا ہے اور بنے ہوئے کو گرانا کیسا ہے؟

الجواب

قبر کو پختہ بنانے اور اس پر کچھ بنا کرنے کی ممانعت حدیث شریف میں آتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”عن جابر رضی اللہ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبر و أن يقعد عليه و أن يبنى عليه“. (۲)

اور شامی میں نقل کیا ہے:

”وقيل: لايكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات“. (۳)

لیکن قبور کے انہدام کا حکم فقہاء رحمہم اللہ نے کہیں نہیں کیا اور بعض آثار سے ثبوت قبہ کا معلوم ہوتا ہے، چناں چہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی قبر پر پہنچے اور وہاں دو رکعت نفل پڑھی اور انہدام

---

(۱) ردالمحتار: ۲/۸۳۹

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصيص القبر، الخ: ۱/۳۱۲، قديمى، انيس

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۷، دار الفكر بيروت، انيس

قبہ کاحکم نہیں فرمایا، لہٰذا یہ فعل انہدام قبات کا جس نے کیا، اچھا نہ کیا اور قبر پر کوئی علامت رکھنا خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے، **کما ورد فی الصحاح.** (۱) اور اثر حضرت عمرؓ سے معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ میں بھی وجود قبہ کا تھا، **والتفصیل فی کتب السیر.** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸۹/۵-۳۹۰)

مزارات و قبے بنانا اور اندرون مکان دفن کرنا کیسا ہے:

سوال: مزارات سلاطین واولیاء کرام پر جو قبے تعمیر ہیں موافق کتاب کے ہیں، یا ان میں کچھ کلام ہے۔ اگر باتباع قبہ مزار پرانوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے مزار پر قبے قائم کریں تو جائز ہوگا، یا ناجائز؟ اور میت کو، یا کسی بزرگ کو اندرون مکان مسقّف دفن کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبہ بنانا، یا مکان میں دفن کرنا سوائے انبیاء کے اور کسی کو جائز نہیں۔ (شامی، جلد اول، ص: ۶۶۰) (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۴/۵-۳۹۵)

قبر کی حفاظت کی غرض سے چہار دیوار بنوانا کیسا ہے:

سوال: اگر کسی بزرگ کا مزار مبارک ایسی جگہ پر واقع ہو کہ وہاں پر راستہ عوام الناس وحیوانات وغیرہ ہو، ایسی صورت میں اگر اس کی حفاظت کے لیے چہار طرف دیوار پختہ بنوادی جائے، یا جنگلہ بنوادیا جائے، اس طور سے کہ اس کے چاروں کونوں پر ستون پختہ ہو جائیں اور درمیان میں لکڑی لگ جائے تو یہ دونوں صورت جائز ہیں، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کون سی صورت اولیٰ ہے اور دیگر ضروریات کی وجہ سے اس کے چہار طرف فرش پختہ بھی بنوانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

شامی میں ہے:

وعن أبی حنفیة: یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقبة أونحو ذلک لماروی جابر رضی اللّٰہ

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸۳۹/۱

(۲) ولاینبغی أن یدفن) المیت (فی الدارولو) کان (صغیراً) لاختصاص هٰذه السنة بالأنبیاء ... ویهال التراب علیه و تکره الزیادة علیه من التراب؛لأنه بمنزلة البناء. (الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، صلاة الجنائز: ۲۳۵/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

لما فی صحیح مسلم عن جابرقال نهٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أن یجصص القبر وأن یقعد علیه ان یبنی علیه. (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النهی عن تجصیص القبر، الخ: ۳۱۲/۱، قدیمی، انیس)

عنه نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها، رواه مسلم غيره، انتهىٰ. (۱)

پس قبر کے گرد چہار دیواری پختہ، یا چبوترہ پختہ، یا ستون پختہ بنانا مکروہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۹۴/۵-۳۹۵)

قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے:

سوال: حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی، خطیب جامع مسجد و مہتمم مدرسہ قادریہ تلمبہ کا مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوگیا، ان کے فرمان کے مطابق انہیں جامع مسجد کے احاطہ ہی میں دفن کیا گیا، مدفن کی تین اطراف میں قدیم عمارات کی دیواریں ہیں اور ایک طرف کھلی جگہ ہے اس کھلی جگہ میں ایک دیوار چار فٹ اونچی بطور پردہ تعمیر کردی گئی، اب اس تعمیر میں اختلاف پڑ رہا ہے۔ صحیح حکم شریعت سے مطلع فرمایا جائے؟ (من جانب اراکین اہل سنت والجماعۃ، تلمبہ)

الجواب

فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۹۵/۵، و۴۰۶/۵، پر ہے کہ قبر کے گرد چار دیواری بنانا مکروہ ہے اور بصورت مسئولہ چار دیواری بنتی ہے اور شامی میں ہے: وعن أبي حنيفة يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أوقبة أونحو ذلك لما روى جابر رضى الله عنه نهىٰ رسو ل الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها، رواه مسلم وغيره . (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۵۵/۳)

غلطی سے قبر پختہ بنادی گئی تو کیا کیا جائے:

سوال: میں نے اپنے والد محترم کی تربت بوجہ شکستہ ہونے کے پکی کروادی یعنی کچی قبر کے چاروں طرف اینٹوں کا بند بنا کر باقی قبر پر پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد سمینٹ کروادیا تاکہ بارش یا کسی اور وجہ سے گڑھا نہ پڑے؛ لیکن حال ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک معلوم ہوئی کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے۔

عن جابر رضى الله عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبروأن ينبى عليه وأن يقعد عليه. (۳)

قال الإمام محمد رحمه الله: إن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن تربيع القبوروتجصيصها، قال محمد: به نأخذ وهوقول أبى حنيفة رضى الله عنه. (۴)

(۱-۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى النهى عن تجصيص القبر، الخ: ۳۱۲/۱، قديمى، انيس

(۴) كتاب الآثار الإمام محمد رحمه الله، ص: ۹۷/۹

اس علم کے بعد مجھے اپنے اور اس سیمنٹ شدہ قبر کے بارے میں کیا حکم مطلوب ہے؟
(مستفتی: محمد اشرف، ٹرانسپورٹ جزل فورمین ڈومیز، ٹی پی الخبر، العربیۃ السعودیۃ)

الجواب

قبر کا زمین سے اونچائی والا حصہ کچا رکھنا چاہیے، لہٰذا اب اس حصہ سے سیمنٹ اکھیڑ کر مضبوط کچی لپائی کردی جائے، اس کے بعد چاہیں تو اس پر پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈال دیں، جس سے وہ جگہ بہت مضبوط ہوجائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس، ۱/۱/۲۷/۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۶۰-۱۶۱)

مٹی ہوئی قبر کو تازہ کرنا کیسا ہے:

سوال: مولانا عبد الرحمٰن صاحب نے عارضہ طاعون میں رحلت کی ۲۲/صفر ۱۳۳۶ھ میں، اب مولوی صاحب کے والد نے قبر کھدوائی اور کہا کہ نہ کفن ہے، نہ ہڈی ہے، از سر نو خالی قبر بنا کر تیار کردی آیا خالی قبر پر فاتحہ پڑھنا درست ہے، یا نہ؟ ڈیڑھ سال مین مردہ کی کیا حالت ہوجاتی ہے۔ ایسا کرنے میں کچھ گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب

یہ ظاہر ہے کہ اس قدر عرصہ تک مردہ کی ہڈی اور جسم اور کفن کہاں رہ سکتا ہے، سب خاک ہوجاتا ہے اور چوں کہ قبر مولوی صاحب کی وہی تھی، جس میں وہ دفن ہوئے تھے، اگرچہ وہ خاک ہوگئے تو اس کی نشانی کی تجدید بغرض علامت اور سلام وفاتحہ خوانی کے درست ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۳۹۶)

بزرگ کی قبر پر پختہ چہار دیواری بنانا درست نہیں:

سوال: ایک بزرگ فوت ہوئے ان کی قبر پر چہار دیواری پختہ و نیز ایک مکان پختہ چھوٹا دیا جاوے یا نہیں، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بنوانا نہیں چاہئے کیونکہ اس طرح شاید بدعت ہونے لگے؟

الجواب

پختہ چہار دیواری قبر پر بنوانا جائز نہیں ہے، (۲) اور یہ خیال صحیح ہے کہ رفتہ رفتہ کچھ بدعات وہاں ہونے لگیں گی اور بانی کو بھی گناہ کا حصہ ملے گا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۴۰۶)

---

(۱) (لا بأس ... بزيارة القبور. (الدر المختار)
وفي الرد: أي لا بأس بها بل تندب كما في البحر ... وفي الامداد وتزار في كل أسبوع. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۴۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (ولا يجصص) للنهي عنه (ولا يطين ولا يرفع عليه بناء وقيل: لا بأس به وهو المختار). (الدر المختار) ==

قبر پختہ کئے بغیر اردگرد پتھر لگانا جائز ہے:

سوال: زید کی نشانی کے لیے اس کی قبر کے اردگرد نصف گز دیوار باندھنا اور اس پر خوبصورت پتھر لگانا اور اشعار لکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبر کے گرد پتھر لگانے سے بشرطیکہ قبر پختہ نہ ہونے پائے صرف یہی مقصود ہوسکتا ہے کہ آثار قبر مٹنے نہ پائیں، اس صورت میں خوبصورت وبدصورت پتھر دونوں ایک ہی سا کام دیں گے۔(۱)

اور شامی میں ہے:

"(وجاز) ذالک حولہ فی (أرض رخوۃ کالتابوت)". "وفی الرد تحت: (قولہ: وجاز) أی الآجر والخشب". (۲)

اور اگر یہ خیال ہو کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور ریا وسمعہ مقصود ہو تو اس صورت میں خوبصورت اور بدصورت کا لگانا بھی حرام ہوگا اور اگر پتھر لگایا جائے تو میت کے مال سے لگانا جائز نہیں، ورثہ خود اپنے مال سے لگا سکتے ہیں، پتھر پر تاریخ وغیرہ کندہ کرنا مکروہ ہے۔(۳) (کفایت المفتی: ۴/۴۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگوں کی قبور کا پختہ ہونے پر اشکال:

سوال: زید جو علم دین سے ناواقف؛ مگر راسخ العقیدہ مسلمان ہے، یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "اسلام پختہ مقابر بنانے کی اجازت نہیں دیتا"، مگر بکر جو ایک تعلیم یافتہ اور امور دینی کے مسائل بھی طے کرتا ہے، اس کی تردید ان الفاظ کے ساتھ

== وفی رد المحتار(تحت قولہ لا بأس بہ) ... (وفی شرح المنیۃ المفتی المختار أنہ لا یکرہ التطین وعن أبی حنیفۃ یکرہ أن یبنی علیہ بناء من بیت أو قبۃ أونحو ذلک لما روی جابر نہٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وأن یکتب علیہا وأن یبنی علیہا. رواہ مسلم. (ردالمحتار، باب صلاۃ الجنازۃ: ۲/۲۳۷، دار الفکر بیروت، انیس)

(۱) إنما یکرہ الآجر إذا أرید بہ الزینۃ، أما إذا أرید بہ دفع أذی السباع أو شی آخر لایکرہ. (مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حکمہا، ودفنہا، ص: ۳۶۹، ط: مصطفی، مصر)

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلاۃ الجنائز: ۲/۲۳۶، ط: سعید

(۳) یہ کراہت اس وقت ہے، جب کہ بلا حاجت لکھے؛ لیکن اگر حاجت ہو، مثلاً پہچان کے لیے لکھے تو پھر مکروہ نہیں۔

إن أحتیج إلٰی الکتابۃ حتٰی لایذہب الأثر، ولایمتہن فلا بأس بہ فالکتابۃ بغیر عذر، فلا اھ. حتٰی أنہ یکرہ کتابۃ شیء علیہ من القرآن، أوالشعر، ونحو ذلک. (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز: ۲/۲۳۷، ط: سعید)

وإن کتب علیہ شیئاً أو وضع الأحجار، لابأس بذالک عند البعض، (الفتاویٰ الخانیۃ علٰی ہامش الہندیۃ، باب فی غسل المیت وما یتعلق بہ: ۱/۱۹٤، ماجدیۃ)

کرتا ہے کہ ''شارع اسلام؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک پختہ ہے''۔ خلفائے کرام کے مقابر پختہ ہیں، شہدا عظام کی قبریں پختہ ہیں اور یہ وہ مبارک و مقدس ہستیاں ہیں، جن کے عمل اور زندگی سے شعائر اسلام کی نبیاد پڑی ہے، ساری دنیائے اسلام ان مقابر کو عظمت و احترام کے ساتھ دیکھتی ہے، نذر عقیدت پیش کرتی ہے اور اس خاک قبر کو اپنے لیے کیمیائے سعادت سمجھتی ہے اور آج تک ایک متنفس نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ ان بانیان ملت کے مقابر کیوں پختہ ہیں، اگر اسلام پختہ مقابر پر معترض ہوتا تو خود بانی اسلام روحی فداہ کا مقبرہ ہمیں کبھی پختہ نہ دکھائی دیتا۔ اس مسئلہ میں شرعا زید کا دعویٰ صحیح ہے، یا بکر کا؟

(المستفتی: ۲۶۶۵، جناب سید طاہر حسین صاحب (بھوپال) ۱۰/ربیع الاول ۱۳۶۰ھ، ۸/اپریل ۱۹۴۱ء)

الجواب

زید کا قول صحیح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ قبریں اور اونچی قبریں بنانے سے منع فرمایا ہے۔(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پختہ ہونے کا ثبوت نہیں، روضہ مطہرہ پختہ ہے تو وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم، یا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل سے نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ دوسرے بزرگوں کے قبوں سے جداگانہ حکم رکھتا ہے؛ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن ہی حجرۂ عائشہ میں ہوا اور حجرے، یا کوٹھری، یا مکان میں دفن ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔(۲) قبروں پر قبے بنانا بھی منع ہے۔(۲)

یہ صحیح ہے کہ بزرگوں کی قبریں بھی پختہ بنی ہیں اور قبے بھی بنے ہیں؛ مگر نصوص کے مقابلے میں کسی کا عمل حجت نہیں ہوسکتا۔ یہ غلط ہے کہ ساری دنیائے اسلام پختہ قبروں کو اور قبوں کو پختہ ہونے کی حیثیت سے بنظر احترام دیکھتی ہے، نظر احترام سے دیکھنے کا معاملہ صاحب قبر کی بزرگی کے ساتھ متعلق ہے، پختہ قبر کی پختگی کو اہل حق نے ہمیشہ بنظر انکار دیکھا ہے اور بعض بزرگوں نے وصیت کی ہے کہ ہماری قبر پختہ نہ بنائی جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۵۶/۴-۵۷)

---

(۱) عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها وأن توطأ. (الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۳/۱، ط: سعيد)

(۲) (ولا ينبغي أن يدفن) الميت (في الدار ولو) كان (صغيرًا) لإختصاص هذه السنة بالأنبياء. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۳۵/۲، ط: سعيد)

(۲) ولم يكن من هديه صلى الله عليه وسلم تعلية القبور ولا بناؤها بآجر، ولا بحجر ولبن، ولا تشييدها، ولا تطيينها، ولا بناء القباب عليها، فكل هذا بدعة مكروهة مخالفة لهديه صلى الله عليه وسلم، وقد بعث علي ابن أبي طالب إلى اليمن ألا يدع تمثالا إلا طمسه، ولا قبر مشرفا إلا سوّاه فسنته صلى الله عليه وسلم تسوية هذه القبور المشرفة كلها، ونهى أن يجصص القبر، وأن يبنى عليه، وأن يكتب عليه، وكانت قبور أصحابه لا مشرفة ولا لاطئة، وهكذا كان قبره الكريم وقبر صاحبيه، فقبره صلى الله عليه وسلم مُسَنَّمٌ مبطوح ببطحاء العرصة الحمراء لا مبنيَّ ولا مطينَ، وهكذا كان قبر صاحبيه. (زاد المعاد: ۵۰۵/۱، فصل في تعلية القبور، ط: مؤسسة الرسالة بيروت، انيس)

حدیث کی تحقیق:

سوال: بندہ ایک حدیث کے متعلق تحقیق کرانا چاہتا ہے، تحریر فرمائیے، نہایت عنایت ہوگی ﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(۱) حدیث ابی داؤد (۱۰۱/۲)، **في باب الرجل يجمع موتاه في مقبرة، حدثنا عبد الوهاب إلٰى أن قال لمامات عثمان بن مظعون.** (الحدیث)(۲) اس حدیث سے قبر پر علم لگانا ثابت ہوتا ہے۔ اب تفتیش یہ ہے کہ ایک حجر لگانا سرہانے کو موافق سنت ہے، یا دو، یا ایک سر کو دوسرا پاؤں کی جانب، یا تین حجر ایک سر کو دوسرا پاؤں کو تیسرا درمیان قبر میں، یہاں پر مرد کے لیے دو پتھر لگائے جاتے ہیں اور عورت کے لیے تین جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، پس ثبوت دو کا اس حدیث سے ثابت ہونا جیسا کہ ملا علی قاری شرح مرقاۃ میں ذکر فرماتے ہیں: **قال بعض متقدمي أئمتنا، إلخ.** (۳۷۹/۲) اگر یہ ہمارے أئمہ احناف ہیں تو امام محمد کا قول جو کتاب الآثار میں ہے، (ص:۴۲): **ويكره أن يجصص إلٰى أن قال: أويجعل عنده علمًا، إلخ، وهو قول أبي حنيفة نقله إعلاء السنن (۱۹۶/۲)** اور امام زیلعی نے تبیین الحقائق (۳) میں کراہت کو اختیار کیا ہے، جناب والا سنت کو بدعت سے مشرح فرمائیں، نہایت عنایت ہوگی؛ کیوں نکہ یہاں پر ان علامات کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور عمل کے لیے جو بہتر ہو اس کو بیان فرمائیے؟

(المستفتی: ۲۷۰۹، مولوی محمد غلام صاحب (کوہاٹ) ۲۵/صفر ۱۳۶۱ھ، ۱۴/مارچ ۱۹۴۲ء)

الجواب

قبر کے سرہانے ایک پتھر علامت کے لیے لگانا جائز ہے، یہ ابوداؤد کی حدیث سے ثابت ہے۔(۴) ملا علی قاریؒ نے ابن حجر شافعیہ سے مرقاۃ میں نقل کیا ہے کہ بعض متقدمین ائمہ شافعیہ دو پتھروں کو رکھنے کے مسنون ہونے کے قائل

---

(۱) سورة الأنبياء: ۷

(۲) عن المطَّلبِ، قال: لما ماتَ عثمانُ بن مَظعُونٍ أُخرِجَ بجنازتِه فدُفِنَ فأمر النبيُّ صلَّى الله عليه وسلم رجلاً أن يأتيَه بحجرٍ، فلم يستطِعْ حملَها، فقام إليها رسولُ اللّٰه صلَّى اللّٰه عليه وسلم وحَسَرَ عن ذراعَيه، قال كثيرٌ: قال المُطَّلب: قال الذي يُخبِرني ذلك عن رسولِ اللّٰه صلَّى اللّٰه عليه وسلم: كأني أنظُر إلى بياضِ ذراعَي رسولِ اللّٰه صلَّى اللّٰه عليه وسلم حين حَسَرَ عنهما، ثم حملَها فوضعَها عند رأسِه، وقال: أتَعَلَّمُ بها قبرَ أخي، وأدفِنُ إليه من ماتَ مِن أهلِي. (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۳۲۰۶، انيس)

(۳) ويكره أو يعلم بعلامة من كتابة ونحوه ...وقيل: لابأس الكالكتابة أووضع الحجر ليكون علامة. (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۲٤٦/۱، امدادية، ملتان)

(۴) عن المطلب قال لما مات عثمان بن مظعون أخرج بجنازته فدفن فأمر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رجلاً أن يأتيه بحجر فلم يستطع، ثم حمله فقام إليها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وحسر عن ذراعيه، الخ. (أبوداؤد، كتاب الجنائز، باب في جمع الموتٰى في قبر والقبر يعلم: ۱۰۱/۲، ط: إمدادية، ملتان)

ہیں؛(۱) مگر دو پتھر رکھنے کی روایت کی سند بیان نہیں کی؛ اس لیے ایک پتھر رکھنا بلا شبہ درست اور ثابت ہے اور دو پتھروں کی گنجائش ہے، ایک سرہانے اور ایک قدموں کی طرف (اس لیے کہ یہ پتھر بطور نشانی کے رکھے جاتے ہیں ایک سرہانے کی انتہا پر دلالت کرتا ہے اور ایک پاؤں کی طرف) تیسرا پتھر درمیان میں لگانا کہیں نظر سے نہیں گزرا۔

اور اعلاء السنن میں کتاب الآثار سے جو یہ نقل کیا ہے کہ قبر پر علم مکروہ ہے اس علم سے رکھنے کے سوا کوئی اور نشان قائم کرنا مراد لیا جائے تو بہتر ہے تا کہ یہ جزئیہ حدیث کے خلاف نہ ہو، فقہا متاخرین حنفیہ نے پتھر والی روایت کو علامت بالحجر کیس بارے میں دلیل قرار دے کر اسے قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے، اعلاء السنن میں بھی ذرا آگے یہ مذکور ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی: ۵۷/۴-۵۸)

قبر کے اردگرد پکا کرنا مباح ہے:

سوال (۱) قبرستان میں اکثر بعض قبر کا چاروں طرف سے پکا احاطہ چونے پتھر کا بنوا دیتے ہیں اور بیچ میں اصلی کچی قبر رہتی ہے تو یہ فعل جائز ہے، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حکم یہ ہے کہ مرجائے تو اس کا نشان قائم نہیں رکھنا چاہیے، جس کو خدا نے نہیں رکھا اور اگر کوئی حرج نہیں تو یہ طریقہ سلف صالحین کا ہے، یا قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے، یا یہ دستور ہی دنیوی ہے۔

قبرستان میں تکیہ پر قرآن رکھ کر تلاوت کرنا جائز ہے:

(۲) قبرستان میں قرآن شریف تکیہ وغیرہ پر رکھ کر پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اکثر قبریں ختم ہو کر زمین ہوگئی ہیں، اس پر تکیہ رکھ کر پڑھنا کیسا ہے، یا ہاتھ میں رکھ کر پڑھنا چاہیے؟

بزرگ کی قبر کے پاس چبوترہ بنانے کے لیے دوسری قبروں کو ختم کرنا جائز نہیں:

(۳) ایک شخص نے قبرستان میں کسی بزرگ کی قبر میں کھونچہ (کٹہرا، جو قبر کے چاروں طرف لکڑی گاڑ کر بناتے ہیں) بچھوا کر چاروں طرف تین تین گز کے فاصلے پر کھونچہ بچھوا کر کٹوایا ہے، اکثر پرانی قبریں یا بعض کے پتھر وغیرہ چھپ گئے اور ایک نئی قبر ایک ماہ کی، وہ بھی اس میں آگئی اور اس کا نشان بھی ختم ہوگیا تو یہ فعل کیسا ہے، ایسا کرنے والا گنہگار ہے، یا نہیں؟ (المستفتی: عبدالعزیز ٹونکی)

---

(۱) قال بعض متقدمي أئمتنا: ويسن وضع أخرىٰ عند رجله؛ لأنه عليه السلام وضع حجرين علىٰ قبر عثمان بن مظعون ورد بأن المحفوظ في حديث عثمان حجر واحد. (مرقاة شرح مشكوة، كتاب الجنائز: ۷۸/٤، إمدادية ملتان)

(۲) فقال صاحب ردالمحتار فإن الكتابة طريق إلىٰ تعرف القبر وفي حاشيته وهوما في سنن أبي داؤد: وقال أتعلم بها قبر أخي و ادفن إليه من مات من أهلي (إعلاء السنن، باب النهي عن تجصيص القبور، والقعود، والبناء، والكتابة، والزيادة عليها: ۲٦٧/٨، ط: إدارة القرآن)

الجواب

(۱) قبر کے گرد پختہ چوکا (احاطہ) بنوا دینا کہ قبر درمیان میں کچی رہے، مباح ہے۔(۱)

(۲) قبرستان میں تکیہ پر کلام رکھ کر پڑھنا جائز ہے۔(۲)

(۳) قبر کے آس پاس اگر اور قبریں ہیں تو ان قبروں کو کھود کر یا مٹا کر چبوترا بنوانا درست نہیں ہے۔(۳) خالی جگہ ہو تو اس میں آس پاس چبوترا بنوانا مباح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی (کفایت المفتی: ۵۹/۴)

ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں سم آچکی ہے، جب قبر نکالتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے، لحد بھی نہیں نکلتی، لوگ پختہ قبریں بنا رہے ہیں، اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

جب کچی قبر کسی طرح نہ ٹھہرتی ہو تو پختہ بنانے کی بھی گنجائش ہے، لہٰذا زیادہ تشدد نہ کریں۔

قال مشائخ بخاریٰ: لایکره الآجر فی بلدتنا للحاجة إلیه لضعف الأراضی. (۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۶۶/۳-۱۶۷)

پختہ مزارات کیوں بنے:

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ بہترین وہ قبر ہے، جس کا نشانہ نہ ہو اور کچی ہو، پھر ہندوستان اور پاکستان میں

---

(۱) اگر بغرض زینت ہو تا جائز نہیں۔

"ویکره الآجر فی اللحد إذا کان یلی المیت أما فیما وراء ذالک، فلا بأس به (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیة، باب فی غسل المیت، ومایتعلق به: ۱۹٤/۱، ط: ماجدیة کوئتة)

(۲) قراة القرآن عند القبور عند محمد لاتکره، ومشائخنا أخذ وابقوله وهل ینتفع والمختار أنه ینتفع، هٰکذا فی المضمرات. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل فی القبر والدفن: ۱٦٦/۱، ط: کوئتة)

جب قبر کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے تو چاہے قرآن تکیے پر رکھ کر پڑھے، یا ہاتھ میں لے کر اور یا زبانی پڑھ لے، سب درست ہے۔

(۳) کیوں کہ اس میں دوسرے اہل قبور کی توہین ہے اور کسی کے قبر کو برابر کر کے اس پر تعمیر کرنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک میت بالکل مٹی نہ ہو جائے۔ ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی صلاة الجنائز، فصل فی القبر والدفن: ۱٦۷/۱، کوئٹة)

(۴) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳٦/۲، دار الفکر بیروت، انیس

اتنے سارے مزارات کیوں ہیں، جن کو لوگ پوجا کی حد تک چومتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں؟

الجواب

بزرگوں کی قبروں کو یا تو عقیدت مند بادشاہوں نے پختہ کیا ہے، یا دکان دار مجاوروں نے اوران لوگوں کا فعل کوئی شرعی حجت نہیں ۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۴۰۲)

قبروں کو پختہ بنانا، اونچی بنانا، ان پر قبے تعمیر کرنا اوران کا طواف کرنا جائز نہیں:

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ، مورخہ ۲ رستمبر ۱۹۲۵ء)

سوال: آج کل سلطان عبدالعزیز ابن سعود سلمہٗ اللہ نے مکہ مکرمہ کے قبے وغیرہ گرادیئے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں قرن الشیطان ہوگا، وہ کون سا نجد ہے؟

الجواب هو الموفق

اونچی اونچی قبریں بنانا قبروں کو پختہ بنانا قبروں پر گنبد اور قبے اور عمارتیں بنانا غلاف ڈالنا چادریں چڑھانا، نذریں ماننا، طواف کرنا، سجدہ کرنا، یہ تمام امور منکرات شرعیہ میں داخل ہیں، شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحۃً منع فرمایا ہے، احادیث صحیحہ میں اس قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے، جو شرک یا مفضی الی الشرک ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ نے مرض وفات میں آخری وصایا میں نہایت اہتمام سے یہ ارشاد فرمایا:

عن عائشة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال فی مرضه الذی مات فیه: لعن اللّٰه الیهود والنصارٰی اتخذوا قبور أنبیا ئهم مساجد قالت ولولا ذلک لأبرز قبره غیر أنّی أخشٰی أن یتخذ مسجداً. (۱)

یعنی خدا لعنت کرے یہود ونصاری پر، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا اور کتب حدیث میں وہ حدیثیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت (گنبد وقبہ) بنانے اور چراغ جلانے سے منع فرمایا بکثرت موجود ہیں، فقہ حنفی میں صراحۃً یہ مسئلہ مذکور ہے کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے، (۲) اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ائمہ مجتہدین سلف صالحین کا طرز عمل اسی کے موافق قرون اولی میں اس کی کوئی سند موجود نہیں کہ قبروں پر قبے بنائے جاتے تھے، یا قبروں کی کوئی ایسی تعظیم کی جاتی تھی، جواب کچھ زمانے سے مروج ہے، نذر اور طواف اور سجدہ تو عبادات ہیں اور غیر اللہ کے لیے عبادت کی نیت سے ان افعال کو کرنا تو یقیناً شرک ہے اور نیت عبادت نہ بھی ہو، تاہم حرام ہونے میں کوئی تردد نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب مایکره من اتخاذ المسجد علی القبور: ۱۷۷/۱، ط: قدیمی

(۲) ولایجصص للنهی عنه ولایطین ولایرفع علیه البناء. (ردالمحتار، صلاة الجنائز: ۲۳۷/۲، ط: محمد سعید)

سلطان ابن سعود نے قبے ڈھادیئے تو ان کے نزدیک چوں کہ قبے بنانا ناجائز اور منکر شرعی تھا؛ اس لیے انھوں نے بموجب ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم "**من رأیٰ منکم منکراً**" (**الحدیث**) (۱) اس کا ازالہ کیا معترضین اگر زیادہ سے زیادہ زور لگا کر بعض متاخرین کے قول سے اس کی اباحت پیش کر دیں تاہم حدیث صریح اور تصریحات سلف کے مقابلے میں اول تو یہ اقوال قابل التفات نہ ہوں گے دوسرے یہ کہ پھر بھی ابن سعود کو سب وشتم کرنا اور ہدف ملامت بنانا جائز نہیں ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان ہے: "**سباب المسلم فسوق**". (۲)

نجد، یا اس کا کوئی حصہ اگر موضع زلازل وفتن ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے قرن الشیطان کے نکلنے کی خبر بھی دی تھی؛ تاہم اس سے یہ استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کہ تمام نجدی اس کے مصداق ہیں تو کیا نجد میں آج تک کوئی صالح دیندار نہیں ہوا، سب اسی حدیث کے موافق قرن الشیطان میں داخل ہیں؟ (معاذ اللہ) اور جب کہ ایسا نہیں تو لامحالہ اہل نجد کے اعمال واقوال ہی اس امر کے لیے معیار ہوں گے کہ وہ اس حدیث کے اندر داخل ہیں، یا نہیں؟ لہذا ہمیں یہ دیکھنا نہیں چاہیے کہ ابن سعود نجدی ہیں، یا یمنی، حجازی ہیں، یا شامی؛ بلکہ ان کے اعمال واقوال وعقائد کو دیکھنا چاہیے اور اس کے موافق ان کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔

ہمیں جہاں تک معلوم ہوا ہے، ابن سعود کے عقائد واعمال میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو ان کو قابل مذمت قرار دے، صرف نجدی ہونے سے ان پر ملامت کی بوچھار کرنا اہل دین کا کام نہیں۔ واللہ اعلم

کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ، دہلی

الجواب صحیح بندہ احمد سعید واعظ دہلوی محمد میاں عفی عنہ، مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی شفاعت اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (کفایت المفتی: ۸۲/۴-۸۳)

پختہ قبر کو ڈھا دینا:

سوال: پختہ قبر بنانا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر چاروں طرف پختہ ہو، اور بیچ میں مٹی ہو تو کیا حکم ہے؟ فتویٰ اور احتیاط دونوں صورتوں میں تحریر فرمائیں؟

میرے ایک رشتہ دار کا انتقال ہوا، باوجود بہت منع کرنے کے ان کے لڑکے نے قبر پختہ بنادی، چاروں طرف

---

(۱) فقال أبو سعید ... سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ،فإن لم یستطع،فبلسانہ،فإن لم یستطع فبقلبہ وذالک أضعف الإیمان(الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان،باب کون النھی عن المنکرمن الإیمان إلخ: ۵۱/۱،ط:سعید)

(۲) عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: سباب المسلم فسوق،وقتالہ کفر. (صحیح البخاری، کتاب الأدب،باب ماینھی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲،قدیمی ،انیس)

اینٹ اوعر درمیان مین مٹی ہے۔اب تک ہمارے یہاں کچی ہی قبر کا رواج تھا؛لیکن اس سے پختہ کرنے کا عام رواج پڑنے کا خوف ہے،آگے یہ فتنہ کی صورت بن سکتی ہے،اگر اسے میں ڈھادوں تو کوئی لڑائی جھگڑے کی صورت نہیں بنے گی،ایسی حالت میں میں کیا کروں،غیر کی ملک تصرف کرنے سے گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟اس فتنہ کے روکنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

باوجود بہت منع کرنے کے بھی جب قبر پختہ بنادی گئی تو آپ خود غور کرلیں کہ اگر اسے آپ ڈھادیں گے تو جھگڑا ہوگا، یا نہیں؟''تغییر منکر'' بڑا منصب ہے؛مگر اس کے لیے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے اور شرائط بھی سخت ہیں،(۱) بسا اوقات ایسی صورت میں بڑا فتنہ ہوجاتا ہے،جس کو دینی اور دنیوی حیثیت سے برداشت کرنا دشوار ہوتا ہے،میت کے ورثا کو اگر مسئلہ سمجھا کر صاف کیا جائے اور وہ اپنی غلطی کا خود ہی تدارک کریں،اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اچھا اثر پڑے گا اور عام رواج نہیں ہوگا؛بلکہ دوسرے لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳؍۷؍۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،۱۴؍۷؍۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹؍۱۶۷۔۱۶۸)

پختہ قبر کو منہدم کردینا:

سوال: پہلے پکی قبریں جو بنی ہوئی ہیں،ان کے لیے انہدام جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

انہدام جائز ہے،پختہ قبریں گرا کر کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے؛لیکن اگر اس شورش پیدا ہو اور فتنہ برپا ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح:بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹؍۱۶۸)

---

(۱) وشرطهما (أی الأمر والنهی) أن لایؤدی إلی الفتنة،کما علم من الحدیث،وأن یظن قبوله،فإن ظن أنه لایقبل،فیستحسن إظهاراً لشعار الإسلام''.(مرقاة المفاتیح، کتاب الادب، باب الأمر بالمعروف،الفصل الأول :۳۲۶/۹،رقم الحدیث:۵۱۳۷،دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) وعن أبی الهیاج الأسدی قال:قال لی علی ألا ابعثک علیٰ ما بعثنی علیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم:أن لا تدع تمثالاً إلا طمسته،ولا قبراً مشرفًا إلا سویته ... عن جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه،قال:نهیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أن یجصص القبر وأن یبنی علیه وأن یقعد علیه رواه مسلم(الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز،فصل فی النهی عن تجصیص القبر:۳۱۲/۱،قدیمی،انیس) ==

قبر پر پختہ فرش بنانے کے لیے والد کو اینٹ دینا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: والد صاحب نے اپنی کل جائداد مع دونوں مکانوں کے ہم تینوں لڑکوں کے نام ہبہ کر دیا ہے اور اسی جائداد کے ساتھ میں قریب تین ہزار پکی اینٹیں ہم کو ملی ہیں، اب انہیں اینٹوں میں سے پانچ سو اینٹ اپنی قبر کے اوپر جبوترہ بنانے کے لیے مانگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم والد صاحب کو اینٹ دیں، یا نہ دیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

ابھی اینٹ دے دیں، پھر ان کے انتقال کے بعد ان کو قبرستان میں کچی قبر میں دفن کر دیں، (۱) اور اس دی ہوئی اینٹ کو چبوترہ توڑ کر بطور ترکہ تقسیم کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۵/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۳۸۸/۵/۱۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۹/۹)

مزارات کے قبوں کا حکم:

سوال: بناء علی القبر کی ممانعت تو احادیث میں موجود ہے اور امام صاحب ابو حنیفہؒ سے بھی روایت کراہت بناء

== قال الملاعلی القاری فی شرحه:(ولا قبرًا مشرفًا) هو الذی بنی علیه حتٰی ارتفع قال العلماء یستحب أن یرفع القبر قدر شبرویکرهفوق ذلک ویستحب الهدم ... قال فی الأذهار:النهی عن تجصیص القبور للکراهة، وهو یتنال البناء بذلک وتجصیص وجهه والنهی فی البناء للکراهة إن کان فی ملکه،وللحرمة فی المقبرة المسبلة ویجب الهدم وإن کان مسجدا.(مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب دفن المیت: ۱۷۷/٤،(رقم الحدیث: ۱٦۹٦، ۱٦۹۷،رشیدیة)

(۱) چوں کہ قبر پکی کرنے سے احادیث میں منع آیا ہے؛ اس لیے اس قسم کی وصیت درست اور قابل نفاذ نہیں۔

(أوصٰی بأن یطین قبره أویضرب علیه قبة فهی باطلة)کما فی الخانیة وغیرها وقدمناه عن السراجیة و غیرها ... فینبغی أن یکون القول ببطلان الوصیة بالتطیین مبنیاً علی القول بالکراهة لأنها حینئذ وصیة بالمکروه. (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار،کتاب الوصایا،قبیل باب الوصیة بالخدمة و السکنٰی: ٦۹۰/٦، مکتبة دارالفکر ،بیروت،انیس)

"ولم یتعرض لبناء القبة فهو مکروه اتفاقا".(ردالمحتار،قبیل باب الوصیة بالخدمة والسکنٰی والثمرة: ٦۹۰/٦،سعید)

عن جابر رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:نهٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:"أن یجصص القبر وأن یبنی علیه و أن یقعد علیه". (الصحیح لمسلم،کتاب الجنائز،فصل فی النهی عن تجصیص القبر: ۳۱۲/۱،قدیمی،انیس)

نقل الملا علی القاری عن الأزهار تحت هٰذا الحدیث:النهی عن تجصیص القبور للکراهة،وهو یتناول البناء بذلک وتجصص وجه والنهی فی النباء للکراهة إن کان فی ملکه،وللحرمة فی المقبرة المسبلة ویجب الهدم وإن کان مسجدًا،وقال التور بشتی؛یتحمل وجهین أحدهما:البناء علی القبر بالحجارة ومایجری مجراها،والأخرأن یضرب علیها خباء ونحوه وکلامها منهی لعدم الفائدة فیه". (مرقاة المفاتیح شرح مشکٰوة المصابیح،کتاب الجنائز، باب دفن المیت: ۱۷۷/٤،(رقم الحدیث: ۱٦۹۷)رشیدیة)

علی القبر موجود ہے، غالبًا امام صاحب نے نہی کو کراہت پر محمول فرمایا ہے، باقی رہا قبوں اور ابنیۃ علی القبور کا گرانا تو ہم نے افواہاً سنا ہے کہ ہمارے حضرات اساتذہ کرام دیوبندیہ فرماتے ہیں کہ قبوں اور بناؤں کا بنانا تو منع آیا ہے؛ لیکن اگر بن جائیں تو ان کے گرانے کا ثبوت کہیں نہیں آیا۔ اس پر کمترین کو شبہ ہے، وہ یہ کہ شریعت کے قواعد اور امثلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کام ناجائز وقوع میں آئے تو حتی الامکان اس کا ازالہ کرنا چاہیے، دیوبندیہ کی اس میں کیا رائے ہے اور خصوصاً حضرت علامہ انور شاہ صاحب کی رائے اگر معلوم ہو تو اس سے بھی مطلع فرمادیں؟

الجواب ــ

مزارات پر قبے وغیرہ بنانا جس طرح ابتداً ناجائز ہے، اسی طرح ان کا ابقا بھی ناجائز ہے، بشرطیکہ ازالہ وانہدام قدرت میں ہو، یہ افواہ جو آپ نے سنی ہے کہ حضرات دیوبند بناء کو تو ناجائز کہتے ہیں؛ مگر ابقاء کو ناجائز نہیں کہتے، صحیح نہیں، ہاں اس کی اتنی اصل ضرورت ہے کہ ہمارے حضرات اکابر عموماً اور حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب خصوصاً حسب قواعد فقہیہ اس حکم کو بھی شرط قدرت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ اگر ہدم قبہ جات کی قدرت ہو تو ہدم کردیا جائے اور قدرت نہ ہو تو ہدم کرکے فتنہ برپا کرنا مناسب نہیں اور ظاہر ہے کہ قدرت کے معنی ہیں کہ اس فعل کے کرنے سے کوئی شدید فتنہ مسلمانوں میں برپا نہ ہوجائے، زمانہ قریب میں ابن سعود نے جو حجاز میں قبہ جات گرائے، ان کا گرانا بھی اسی مصلحت شرعیہ کے ماتحت ہمارے اکابر نے پسند نہیں کیا کہ ایک ذراسی منکر کے ازالہ کے لیے سینکڑوں منکرات میں تمام عالم اسلام مبتلا ہوگیا، تمام دنیا کے مسلمانوں میں باہمی فتنہ واختلاف اور جنگ وجدل پھیل گیا ان فتن کی وجہ سے ہمارے اکابر کی رائے یہ ہے کہ ”**إذا بتلی المرء ببلیتین فلیختر أهونهم**“ پر عمل کیا جائے اور جب مسلمانوں میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو قبے وغیرہ باقی چھوڑنے کو بہ نسبت گرانے کے ترجیح ہے۔

الغرض یہ امر ایک خاص تفقہ کی بنا پر ہے جو اصول فقہیہ سے ثابت ہے نفس مسئلہ میں ہمارے حضرات کو کوئی خلاف نہیں اور یہ بعینہ ایسا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بناء کعبہ کو جو قریش نے بناء ابراہیمی کے خلاف قائم کردی تھی، باوجود دلی تمنا کے منہدم نہیں فرمایا کہ باعث مفسدہ تھا، یہ چیزیں ہیں جس پر اہل علم کو غور کرنا چاہیے، محض چند روایات کو سامنے رکھ کر فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہیے۔ فقہا کا قول ہے کہ ”**من لم یدر بعرف أهل الزمانة فهو جاهل**“، اسی قسم کے مسائل کی نظائر الاشباہ النظائر میں بکثرت مل سکتی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (امداد المفتین: ۳۷۹/۲)

قبر پر کتبہ لگانا:

سوال: نشان اور علامت کے لیے قبر پر لکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

کوئی حرج نہیں۔

ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے: وقال فخر الإسلام: فإن احتیج إلی الکتابة حتٰی لایذهب الأثر فلابأس به أیضاً، کذا فی البیانیة، إنتهیٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۰)

اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میت کے جنازے میں شرکت کرنا:

سوال: میرے والد کی پکی قبر میرے سوتیلے بھائی کی زمین میں بنی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت اس پکی قبر میں دفن نہ کی جائے؛ بلکہ قبرستان میں دفن کی جائے، ایسی صورت میں والد صاحب کے جنازے میں شریک ہونا چاہیے، یا نہیں؟ جب کہ والد صاحب نے اپنی حیات میں ہی پختہ قبر بنالی ہے اور جو جائیداد ہے، اس کو ہم تینوں بھائیوں میں تقسیم کرکے ہبہ کردیا ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً

غسل وکفن اور نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرنی چاہیے، پکی قبر بنانا جائز نہیں۔ (۱) اگر کوئی اپنی زندگی میں پکی قبر بناکر اس میں دفن ہونے کی وصیت کردے تو یہ وصیت ہی قابل عمل نہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۶۱-۱۶۲)

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰه عنه قال: نهٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن یجصص القبر، وأن یقعد علیه، وأن یبنی علیه. (الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبر والبناء علیه: ۱/۳۱۲، رقم الحدیث: ۲۲۸۹، قدیمی)

قال الإمام النووی رحمه اللّٰه تعالٰی تحته: "وفی هٰذا الحدیث کراهة تجصیص القبر والبناء علیه ... هٰذا مذهب الشافعی وجمهور العلماء". (شرح النووی، الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها: ۱/۳۱۲، قدیمی)

"عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی: یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقبة أونحو ذلک لما روی جابر رضی اللّٰه تعالٰی عنه: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عن تجصیص القبور وأن یکتب علیها. رواه مسلم وغیره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز فی دفن المیت: ۲/۱۲۱، سعید)

(۲) وکذا تبطل ولو أوصٰی بأن یکفن فی ثوب کذا، أو یدفن فی موضع کذا". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائزة: ۲/۱۲۱، سعید)

"ولو أوصٰی بأن یحمل بعد موته إلٰی موضع کذا، ویدفن هناک ... ووصیته بالحمل باطلة. (الفتاوٰی الهندیة، کتاب الوصایا، الباب الثانی فی بیان الألفاظ التی تکون وصیة والتی لا تکون، إلخ: ۶/۹۵، رشیدیة)

روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار، گنبد پختہ کیوں بنایا گیا؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا انتظام کیا گیا تھا، یا بعد وصال خلیفہ اور صحابہ کرام کے وقت شرعی اسلامی حکومت میں بنایا گیا؟ اور آپ کا اصلی مقام تو بالکل خام ہے اور کس نے بنوایا تھا اور کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر اگربتی، لوبان، عود، پھول وغیرہ سلگایا جاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

اصل مقام تو اب بھی خام ہے، ولید بن عبد الحکیم کے زمانہ میں حجرہ خام کو گرا کر منقش پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور ایک حظیرہ بنایا گیا، حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع بھی کیا؛ لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی، پھر وقتاً فوقتاً تغیر وتزئین ہوتی رہی، حتی کہ ۶۷۸ھ میں قبۂ خضرا تعمیر کیا گیا، جزب القلوب اور اب اصل مزار تک پہونچنے ہی کی جگہ نہیں، پھر پھول لوبان وغیرہ کی گنجائش کہاں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۷/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴ر شعبان ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۲/۹)

روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ جب علمائے دیوبند قبروں پر گنبد بنانے منع کرتے ہیں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر گنبد کیوں ہے؟ اولیائے کرام میں سے حضرت غوث اعظم اور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ، حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبروں پر گنبد کیوں بنے ہوئے ہیں؟ ان کو کس نے بنایا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

قبروں پر تعمیر (گنبد وغیرہ) کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے، اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا حکم نہیں دیا، جس نے بنایا خلاف حدیث شریف بنایا، اس کو قصوروار کہا جائے، حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا اور اس کے عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا، اتباع کے لیے حدیث شریف ہے نہ کہ بادشاہوں کا عمل اولیائے کرام نے اپنے قبور پر گنبد بنانے کو نہیں فرمایا اور فرماتے بھی کیسے، جب کہ حدیث پاک میں مخالفت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا، اس کے ذمہ داری اولیائے کرام پر نہیں۔

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ" نہٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم أن یجصص القبر وأن یقعدعلیہ وأن یبنی علیہ". الحدیث رواہ مسلم وأصحاب السنن. (جمع الفوائد)(۱) فقط واللّٰہ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۶۴)

اولیاءاللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں:

سوال: جب کہ پختہ قبریں وگنبد بنوانا حرام ہے تو زمانۂ سابقہ میں اور اسلامی حکومتوں میں پھر کیوں بڑے اولیاء اللہ کے مزاروگنبد بنوائے گئے تھے، جیسے روضۂ بغداد، روضۂ اجمیری، روضۂ کلیری، روضۂ نظام الدین وغیرہ وغیرہ، حالاں کہ زمانۂ سابقہ میں بڑے بڑے جید علما موجود تھے اور خلیفہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

جید علما نے منع کیا؛ مگر حکومت کا یہ فعل سند نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان ۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۶۴-۱۶۵)

قبور مشائخ پر قبہ کا حکم:

سوال: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی کی کتاب "بہار شریعت" ص: ۱۵۲، حصہ چہارم میں ہے: "علماء ومشائخ وسادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانے میں حرج نہیں"۔ فقط عبارت ختم ہوئی۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

اس کتاب کے مسائل کا پورا حال تو اصل کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا؛ لیکن مسائل مذکورہ کا جواب یہ ہے:

درمختار میں مذکور نہیں ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے:

(ولایطین ولایرفع علیہ بناء، وقیل: لا بأس بہ، وھو المختار، کما فی کراھۃ السراجیۃ. (۲)

اس عبارت میں علماء، مشائخ، سادات کا ذکر تک نہیں، نیز اس عبارت کو فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے اور نقل میں تقدیم وتاخیر ہوگئی، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا ہے:

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النھی عن تجصیص القبور، والقعود، والبناء علیھا: ۱/۳۱۲، قدیمی/ سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۴، إمدادیہ/ جمع الفوائد، کتاب الجنائز، تشییع الجنائز وحملھا ودفنھا: ۱/۳۶۵، (رقم الحدیث: ۲۶۱۲) إدارۃ القرآن کراتشی)

(۲) الدرالمختار علی ھامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید

(قوله: وقيل: لابأس به،إلخ) المناسب ذكره عقب قوله: ولايطين؛لأن عبارة السراجية كما نقله الرحمتى ذكرفى تجريد أبى الفضل أن تطيين القبورمكروه،والمختارأنه لا يكره،آه.(۱)

اختلاف تطیین قبور میں ہے نہ کہ بناء علی القبور میں اور چوں کہ درمختار میں (قوله: لابأس به) کو مؤخر ذکر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اختلاف بناء علی القبور میں ہے؛ اس لیے شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور اس کے بعد صراحۃ تردید بھی کردی ہے، چناں چہ لکھا ہے:

وأما البناء عليه فلم أرمن اختارجوازه،آه".(۲)

البتہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل "ولايرفع عليه بناء" کے ذیل میں لکھا ہے:

أى يحرم لوللزينة،ويكره لو للإحكام بعد الدفن،وأما قبله فليس بقبر"إمداد،وفى الأحكام عن جامع الفتاوىٰ:وقيل لايكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات،آه".(۳)

سواولا تو اس کو "قیل" کے ساتھ نقل کیا ہے، جو کہ "لا يرفع عليه بناء" کے مقابلہ میں ضعیف ہے۔

ثانیا: "لايرفع" کی تفسیر "يحرم" اور "يكره" سے کی ہے اور اس کے مقابل کو لاکر "يكره" سے بیان کیا ہے اور محرم مبیح میں جب تقابل ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، كما تقرر فى الأصول.(۴)

ثالثا: لايرفع" متون میں ہے اور "لايكره "فتاویٰ میں ہے اور متون کو تقدیم ہوتی ہے شروح اور فتاویٰ پر، كما فى شرح عقودرسم المفتى.(۵)

رابعًا: شامی نے خود آگے اس کے خلاف تحریر کیا ہے؛ یعنی:

"وأما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه ، وفى شرح المنية عن منية المفتى:المختار أنه لايكره التطيين وعن أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ:يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أوقبة أو نحو ذلك،لما روى جابررضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال:نهىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور،وأن يكتب عليها،وأن يبنى عليها" رواه مسلم وغيره.(۶)

(۱-۳) ردالمحتارمع الدرالمختار،باب الجنائز،من كتاب الصلاة،مطلب فى دفن الميت:۲/ ۲۳۷، سعيد

(۴) إذا تعارض المانع والمقتضى،يقدم المانع.(قواعدالفقه،ص:٥٦،الصدف پبلشرز)

(۵) التاسعة ... قلت:حاصله أن أصحاب المتون التزمواوضع القول الصحيح، فيكون مافى غيرهامقابل الصحيح ما لم يصرح بتصحيحه،فيقدم عليها ... إذ صرحوا بأنه إذا تعارض مافى المتون والفتاوىٰ، فالمعتمد ما فى المتون،آه".(شرح عقودرسم المفتى،ص:١٥٢،عند بحث المتون مقدمة على الشروح، مكتبة زكريا،ديوبند،انيس)

(۶) ردالمحتار،كتاب الصلوٰة، باب الجنائز: ۲۳۷/۲،سعيد

عن جابر قال نهىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يقعد عليه وأن يبنى عيه.(الصحيح لمسلم،كتاب الجنائز،فصل فى النهى عن تجصيص القبور والصلاة اليه: ٣١٢/١،قديمى،انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب عدم جواز ہے، پھر اس کے مقابلہ میں ''قیل'' کی حیثیت کچھ نہیں، لہذا علامہ شامی کی رائے کے موافق بھی جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ اگر ان کی رائے جواز کی ہوتی تو آگے اس کی تردید نہ کرتے، نیز مشائخ کی قبور پر جو بدعات وخرافات عام طور پر ہوتی ہیں، وہ اظہر من الشّمس ہیں، لہٰذا قبر کو نہ اندر سے پختہ بنانا جائز ہے نہ اوپر سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی (فتاویٰ محمودیہ: ۱۶۵/۹-۱۶۷)

بزرگوں کی قبروں پر بھی قبے بنانا جائز نہیں:

سوال: اکثر کتب فقہ میں قبروں پر بنا از قسم قبہ وغیرہ کو مکروہ لکھا ہے؛ لیکن شامی کی جلد اول ص: ۶۲۷ میں مشہور علماو سادات کی قبروں پر بنا کرنے کو مکروہ نہیں لکھا، نیز اسی صفحے پر باتباع روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو مسلم شریف (۱) میں ہے قبہ وغیرہ بنانے کو مکروہ لکھا ہے اور یہ اظہر من الشّمس ہے کہ بڑے بڑے اولیا کے مزاروں پر قبے بنے ہوئے ہیں۔

(المستفتی: ۲۴۰۱، غلام مرتضیٰ، احمد پور شرقی، مورخہ ۲۷/ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ، ۲۵/ اگست ۱۹۳۸ء)

الجواب

شامی میں مشائخ اور سادات کی قبور پر قبہ کی بنا کا جواز صرف جامع الفتویٰ (۲) سے قیل کے لفظ سے ذکر کیا ہے اور حرمت یا کراہت کا قول مسلم کی حدیث صحیح پر مبنی ہے اور شامی نے خود اقرار کیا ہے: ''وأما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه'' (۳) لہٰذا قول بالمنع اقوی اور احوط اور واجب العمل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۸۰/۴)

قبر پر قبے بنانا جائز نہیں:

سوال: کیا قبر پر قبے بنانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ويحرم البناء عليه للزينة لمارويناه ويكره للأحكام بعد الدفن؛ لأن البناء بناء والقبر موضع

(۱) عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصيص القبور والصلاة اليه: ۳۱۲/۱، ط: قديمي)

(۲) وفي الأحكام عن جامع الفتاوىٰ: وقيل: لايكره البناء إذا كان الميت من المشائخ، والعلماء، والسادات. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۷/۲، ط: سعيد)

(۳) باب صلاة الجنائز: ۲۳۷/۲، ط: سعيد

الفناء. (البرهان شرح مواهب الرحمٰن) ويكره الآجر والخشب لأنهما للزينة والأحكام و القبر موضع البلى والفناء. (البرهان) وإنما بعث النبى صلى الله عليه وسلم علياً رضى الله عنه لا يدع تمثالا إلاطمسه ولاقبرًا مشرفًا إلاسواه، (١) ونهى أن يجصص القبر وأن يبنى عليه وأن يقعد عليه وقال: لاتصلوا إليها؛ لأن ذلك ذريعة أن يتخذها الناس معبوداً وأن يفرطوا فى تعظيمها بماليس بحق فيحرفوا دينهم كمافعل أهل الكتاب وهو قوله صلى الله عليه وسلم: لعن الله اليهود والنصارى إتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، (٢) ومعنى أن يقعدعليه قيل أن يلازمه المزورون وقيل أن يطئوا القبور وعلىٰ هٰذا فالمعنى إكرام الميت فالحق التوسط بين التعظيم الذى يقارب الشرك وبين الإهانة وترك الموالاة به. (حجة اللّٰه البالغه: ٢٨/٢) (٣) ويكره بناء ه بالجص والآجروا لخشب. (ملتقى الأبحر، ص: ٤٨) (٤) وعن أبى حنيفة: لايوطأ القبر إلا لضرورة ويزارمن بعيد ولايقعد وإن فعل يكره. (كذا فى حاشية ملتقى الأ بحر نقلاً عن الخزانة) (٥) نهىٰ أن يقعد على القبر وأن يجصص أويبنى عليه. (رواه أحمد ومسلم وأبوداؤد والنسائى كذا فى الجامع الصغير للسيوطى) (٦) نهىٰ أن يقعد على القبر وأن يجصص أو يبنى عليه. (رواه أحمد، كذافى كنوز الحقائق للمناوى) (٧) فى الخزانة: يكره أن يزيد وأعلى تراب القبر الخارج منه. (برجندى شرح مختصر الوقاية) (٨) ويكره تطيين القبور وتجصيصها والبناء عليها والكتب عليها. (الجوهرة النيرة) (٩)

---

(١) عن أبى الهياج الأسدى قال: قال لى على رضى الله تعالىٰ عنه ألاأبعثك على مابعثنى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا تدع تمثالاً إلاطمسته ولا قبرا مشرفا إلا سويته. (صحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى النهى عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ٣١٢/١، ط: قديمى)

(٢) صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب مايكره من اتخذ المسجد على القبور: ١٧٧/١، قديمى

(٣) الجنائز: ٤٩٤/٢، قاهرة، بغداد

(٤) باب الجنائز، فصل فى الصلاة على الميت: ١٨٦/١، ط: بيروت

(٥) باب الجنائز: فصل فى الصلاة على الميت: ١٨٧/١، ط: بيروت

(٦) الجامع الصغير للسيوطى، الجزء الثالث، حرف النون باب المناهى، ص: ١٩٣، مكتبة إسلامية، لائل فور، باكستان، ومسند أحمد: ٢٩٩/٦، ط: المكتب الإسلامى دار الصادر بيروت، وصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى النهى عن تجصيص القبور والقعود، والبناء عليها: ٣١٢/١، ط: قديمى وأبو داؤد، كتاب الجنائز، باب فى البناء على القبر: ١٠٤/٢، إمدادية ملتان، وسنن النسائى، كتاب الجنائز، الزيادة على القبر: ٢٢١/١، ط: سعيد)

(٧) مسند الإمام أحمد: ٢٩٩/٦، المكتب الإسلامى دار صادر بيروت و كنوز الحقائق فى حديث خير الخلائق، الجزء الثانى، حرف النون، فصل فى المناهى، ص: ١٣٨، ط: مكتبة إسلامية، لائل فور

(٨) برجندى شرح مختصر الوقاية: ١٨٣/١، ط: العالى نول كشورى

(٩) باب الجنائز: ١٤١/١، ط: مير محمد كتب خانة، كراچى

وفي النتف: كره أن يكتب عليه إسم صاحبه وأن يبنى عليه بناء وينقش ويصبغ ويرفع ويجصص وفي المضمرات عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال صفق الرياح وقطر الأمطار على قبر المؤمن كفارة لذنوبه ونهى عن الاكليل والتجصيص. (جامع الرموز)(۱)

قبروں کو پختہ بنانا اونچی بنانا ان پہ قبہ تعمیر کرنا اوران کا طواف کرنا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی:۸۰/۴-۸۲)

قبروں پرآڑ لگانا:

سوال: قبرستان پر اگر پکی قبریں نہ بنا کر آڑ لگا دیا جائے تو کیا جائز ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً مصلیاً

جائز بلکہ بہت مناسب ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۷۰/۹)

قبر کو جانوروں سے بچانے کے لیے غلاف چڑھانا:

سوال: جس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، ہم نے اس کو اپنے آبائی گاؤں میں دفنا دیا ہے، مگر وہاں پر جنگل ہونے کے باعث جانور یا بکریاں، بھینس وغیرہ قبرستان میں قبر پر بیٹھ جاتی ہیں، یا ان کے اُوپر سے گزرنے کی وجہ سے قبر بیٹھ جاتی ہے، یا قبر کو نقصان پہنچتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ قبر پر چادر (غلاف) چڑھا دیں جس سے قبر کی بے وقعتی نہیں ہوگی، ویسے اس کی عمر ۱۳ر سال ۷ر مہینے ہے، اور بہت ہی نیک اور اچھا بچہ تھا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ

قبریں تو مٹنے کے لیے ہیں، جب آدمی نہ رہا تو قبر کب تک رہے گی.؟ قبر پر غلاف نہ چڑھایا جائے۔ (۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۱۶/۴)

---

(۱) **فصل في الجنائز: ۲۸۹/۱، ط: المطبعة الكريميا، ببلدة قزان**

(۲) اگر کفن چوری کرنے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے تین دن تک قبر پر خیمہ لگانے کو فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے، لہٰذا اسی طرح اگر قبر کو مویشی وغیرہ سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو بطور حفاظت آڑ لگانا چاہیے۔

وقال ابن حبيب: أراه (أي ضرب الفسطاط على القبر) في اليوم واليومين والثلاثة واسعًا إذا خيف من نبش أو غيره. (عمدة القاري، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱۳٤/۸، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

(۳) **في الأحكام عن الحجة: تكره الستور على القبور. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۸/۲)**

==

قبے گرانا ممنوع نہیں، نیز ابن سعود سے صراحۃً گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں:

سوال: زید نے کہا کہ ابن سعود حاکم حرمین دجال ہے اور یزید ہے؛ اس لیے کہ اس نے صحابہ اور اماموں کے روضے اور قبریں گرادیں، عمرو نے کہا کہ یہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اگر چہ اس نے صحابہ کے بغض وعناد سے ایسا کیا ہے تو وہ مجرم ہے، ورنہ اس نے حدیث شریف پر عمل کی ہے۔

"وعن أبی الهیاج الأسدی قال: قا ل لی علی ألا أبعثک علیٰ مابعثنی علیه رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن لا تدع تمثالاً إلا طمسته ولا قبرًا مشرفًا إلاسویته". (۱)

دوسری کتاب' زینة الا سلام ' میں حضرت حافظ محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔اب آپ فرمادیں کہ یہ قبریں گرانا کیسا ہے؟

الجواب

قبور پر پختہ فرش اور گنبد بنانا ناجائز او رحرام ہے، بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گنہگار ہیں اور آنحضرت علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے ہیں۔مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عن جابر رضی اللّه عنه قال: نهی رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن یجصض القبرو أن یبنی علیه و أن یقعد علیه". (۲)

جب گنبد بنانا اور قبہ جات تعمیر کرنا گناہ ٹھہرا تو اس گناہ کا ازالہ کرنے والے مستحقِ اجر ہوں گے، نہ کہ موردطعن، لہٰذا ابن سعود کو اس فعل کی بنا پر دجال کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔فقط واللہ اعلم

نوٹ : نیز یہ بھی پوری طرح ثابت نہیں ہوسکا کہ ان قبہ جات کا گرانا ابن سعود کے حکم سے تھا؛ بلکہ بعض واقف حضرات کی رائے یہ ہے کہ زمانہ انقلاب میں جب کہ شریف حسین پر ابن سعود کا غلبہ ہوا تو بعض لوگوں نے امام بلوی میں اس کا ارتکاب کیا تھا۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،۱۴/۵/۰۷ ۱۳ھ۔الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۱۵۲/۳)

== ویکره عند القبرما لم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الا زیارته والدعا عنده قائماً،کذا فی البحر الرائق.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی القبر والدفن،الخ: ۱٦٦/۱،انیس)

لا تجصصوا القبور ولا تبنوا علیها... لأن ذلک من باب الزینة ولا حاجة بالمیت الیها ولأنها تضییع المال بلا فائدة فکان مکروهاً.(بدائع الصنائع : ۳۲۰/۱،(فصل)وأما سنة الدفن)

(۱) الصحیح لمسلم،کتاب الجنائز ،باب دفن المیت،ص:۱٤۸،اقراء بک دپو دیوبند،انیس

(۲) الصحیح لمسلم،کتاب الجنائز،فصل فی النهی عن تجصیص القبور: ۳۱۲/۱،قدیمی،انیس

قبر پر شناخت کے لیے پتھر لگانا:

سوال: میرے دوست کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ قبر کے اوپر نام وغیرہ لکھا ہوا پتھر لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

شناخت کے لیے پتھر لگانا درست ہے؛ مگر اس پر آیات وغیرہ نہ لکھی جائیں، شناخت کے لیے نام لکھ دیا جائے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۱۴/۴)

قبر پر چار دیواری یا چبوترہ بنانا منع ہے:

سوال: قبر پر چار پانچ فٹ بلند چار دیواری بغیر چھت کے بغرض حفاظت بنانا جائز ہے، یا نہیں؟ نیز چبوترہ بنا کر اس کے اوپر قبر بنانا؛ تا کہ بارش کے سیلاب سے حفاظت رہے اور زائرین کے بیٹھنے کے لیے صفائی رہے۔ جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قبر پر ہر قسم کی بنا بغرض زینت حرام ہے اور بغرض استحکام مکروہ تحریمی، گناہ میں مکروہ تحریمی بھی حرام ہی کے برابر ہے، چار دیواری خواہ ایک ہی اینٹ کی ہو اس کا بنا ہونا ظاہر ہے اور چبوترہ؛ بلکہ اصل مٹی ڈالنا بھی بنا میں داخل ہے۔

قال في العلائية: (ويهال التراب عليه وتكره الزيادة عليه) من التراب؛ لأنه بمنزلة النباء.

وفي الشامية: (قوله وتكره الزيادة عليه) لما في الصحيح لمسلم عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يبنى عليه، زاد أبوداؤد: أو يزاد عليه، حلية، (قوله: لأنه بمنزلة البناء) كذا في البدائع وظاهره أن الكراهة تحريمية وهو مقتضى النهي المذكور لكن نظر صاحب الحلية في هٰذا التعليل وقال: وروى عن محمد رحمه الله تعالىٰ أنه لا بأس بذلك ويؤيده ما روى الشافعي وغيره عن جعفر بن محمد عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رش علىٰ قبر ابنه إبراهيم ووضع عليه حصباء، وهو مرسل صحيح، فتحمل الكراهة على الزيادة الفاحشة وعدمها على القليلة المبلغة له مقدار شبراً وما فوقه قليلاً.(۲)

و قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ في أحياء الموات: وإن حوطها وسنمها بحيث يعصم الماء يكون احياء لأنه من جملة البناء.(۳)

---

(۱) وان احتيج إلى الكتابة حتىٰ لايذهب الأثر ولايمتهن فلا بأس به فاما الكتابة بغير عذر فلا اهـ. حتىٰ أنه يكره كتابة شيء عليه من القرآن أو الشعر أو المراء له ونحو ذلك. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۸/۲)

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۶/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب أحياء الأموات: ۳۰۸/۵

امداد الاحکام میں چاردیواری کو بناعلی القبر سے خارج قرار دینا غیر ظاہر ہے اور بفرض صحتِ خروج عدم جواز یہ وجہ ہے کہ اس سے زینت واظہار عظمتِ میت کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا، البتہ پورے قبرستان پر چاردیوار سے حدود قبرستان کی تعیین وحفاظت مقصود ہوتی ہے؛ اس لیے جائز ہے، علاوہ ازیں قبر پر چاردیواری کی رسم قبہ سازی کا ذریعہ بن رہی ہے، چناں چہ ایک مشہور عالم کی قبر پر بعض حیلہ سازوں کی تجویز ایسی گنبد نما زبلند چاردیواری کی ہے، جو چاروں طرف سے بند ہوا اور صرف قبر کے اوپر کا حصہ کھلا ہوا، مزید برین چاردیواری میں دوسروں کی حق تلفی کا گناہ بھی ہے، احاطہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو تو بھی دیواروں کے نیچے آنے والی زمین کو بلاضرورت مشغول کرنے میں دوسروں کی حق تلفی ظاہر ہے۔

زائرین کے لیے بغرض صفائی چبوترہ بنانا کوئی مقصد شرعی نہیں اور سیلاب کا خطرہ ہو تو قبر کے اندر اینٹیں لگا کر سیمنٹ کے سلیپ سے قبر کا شق پاٹ کر حفاظت کا انتظام کیا جاسکتا ہے، اس تدبیر سے قبر بیٹھنے سے محفوظ ہو جائے گی اور نشان باقی رکھنے کے لیے قبر کے سرہانے کوئی پتھر گاڑ دینا کتبہ وغیرہ لگا دینا کافی ہے۔ اگر سیلاب سے قبر کی مٹی بہہ گئی تو اس نشان پر دوبارہ مٹی ڈال کر قبر درست کی جاسکتی ہے۔ مع ہذا اگر قبر پر زیادہ مٹی کی واقعۃً ضرورت ہو تو چبوترہ کے بجائے قبر کے چوگرد ڈھلان کی صورت مین مٹی ڈال کر اس مقام کو بقدر ضرورت ہو تو چبوترہ کے بجائے قبر کے چوگرد ڈھلان کی صورت میں مٹی ڈال کر اس مقام کو بقدر ضرورت اونچا کر دیا جائے۔ نیز حفاظت قبر کی ضرورت صرف اس وقت تک ہے، جب تک میت خاک نہیں ہو جاتی اس کے بعد حفاظت کی ضرورت نہیں، اس لئے قبر کی مضبوطی کا زیادہ اہتمام درست نہیں۔

قال ابن نجیم رحمہ اللّٰہ: لأنہما (الأجر والخشب) لأحکام البناء والقبر موضع البلاء. (البحر الرائق: ۲/۱۹٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۲۵/رجب ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۱۹۹-۲۰۰)

قبر میں اینٹ، پتھر، لوہا وغیرہ لگانا:

سوال: قبر میں بوقت ضرورت سیمنٹ یا سیمنٹ اور بجری کی بنی ہوئی اینٹ، یا پتھر کا استعمال کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ سیمنٹ کی اینٹ اور مٹی کی پختہ اینٹ میں کچھ فرق ہے، یا کہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

قال شارح التنویر رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: (ولا بأس باتخاذ تابوت) ولو من حجر أو حدید (لہ عند الحاجۃ) کرخاوۃ الأرض.

وقال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: (قولہ: ولا بأس باتخاذ تابوت، الخ) أی یرخص ذلک عند الحاجۃ والإکراہ، کما قدمناہ اٰنفاً. قال فی الحلیۃ: نقل غیر واحد عن الامام ابن الفضل أنہ جوزہ

فی أراضیهم لرخاوتها وقال:لکن ینبغی أن یفرش فیه التراب وتطین الطبقة العلیا ممایلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علیٰ یمین المیت ویساره لیصیر بمنزلة اللحد،والمراد بقوله ینبغی یسن کما أفصح به فخرالاسلام وغیره بل فی الینا بیع والسنة ان یفرش فی القبرالتراب،ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذه من حدید بشئ ولاشک فی کراهتة کما هو ظاهرالوجه اهـ أی لأنه لایعمل الا بالنارفیکون کالأجرالمطبوخ بها،کما یأتی.(۱)

وفی شرح التنویر:(ویسوی اللبن علیه والقصب لا الأجر)المطبوخ والخشب لوحوله أما فوقه فلا یکره ابن ملک ... وجازذلک حوله (بأرض رخوة کالتابوت).

وفی الرد تحت(قوله: لوحوله، الخ) قال فی الحلیة: وکرهوا الآجر وألواح الخشب وقال الامام التمرتاشی: هٰذا إذاکان حول المیت، فلوفوقه لایکره؛لأنه یکون عصمة من السبع وقال مشایخ بخاریٰ: لایکره الآجرفی بلدتنا للحاجة الیه لضعف الأراضی ... (قوله:وجاز ذلک) أی الآجروالخشب.(۲)

وفی العلا ئیة:(ولا یجصص) للنهی عنه(ولایطین ولا یرفع علیه بناء)قیل: لابأس به وهوالمختار.

وفی الشامیة:(قوله:وقیل لاباس به،الخ) المناسب ذکره عقب قوله ولا یطین لأن عبارة السراجیة کما نقله الرحمتی ذکرفی تجرید أبی الفضل أن تطیین القبورمکروه،والمختارأنه لا یکره اهـ وعزاهاإلیها المصنف فی المخ أیضاً،وأما البناء علیه فلم أرمن اختارجوازه.

وفی شرح المنیة عن منیة المفتی:المختارأنه لایکره التطیین وعن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقة أونحوذلک،لما روی التطیین وعن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقبة أونحوذلک،لما روی جابررضی اللّٰه تعالیٰ عنه نهٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن تجصیص القبور وأن یکتب علیها وأن یبنی علیها،رواه مسلم وغیره،آه،نعم فی الامداد عن الکبریٰ والیوم اعتاد والتسنیم باللبن صیانة للقبرعن النبش ورأوا ذلک حسنا وقال:ما رآه المسلمون حسناً فهوعند اللّٰه حسن، آه.(۳)

عبارات بالا سے امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱)　قبر کے اندر میت کے اطراف میں بلاضرورت لکڑی کے تختے، پتھر، سمینٹ کی اینٹ، لوہا اور بھٹی میں پکی ہوئی اینٹ لگانا مکروہ تحریمی ہے۔

---

(۱)　الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳٤،دار الفکر بیروت،انیس

(۲-۳)　الدر المختار مع رد المحتار،باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۳٦-۲۳۷،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) اگر زمین بہت نرم ہو، یا اس میں نمی ہو اور قبر گرنے کا خطرہ ہو تو بقدر ضرورت مذکورہ اشیا لگانے کی اجازت ہے، اگر لکڑی، پتھر، یا سیمنٹ کی اینٹ سے ضرورت پوری ہو جائے تو بھٹی کی پختہ اینٹ اور لوہے سے احتراز کیا جائے؛ اس لیے کہ ان میں آگ کا اثر ہے، پتھر اور سیمنٹ کی اینٹ میں یہ قباحت نہیں، ایسی ضرورت کے وقت لکڑی، پتھر اور لوہے کے تابوت میں رکھ کر دفن کرنے کی گنجائش ہے، البتہ لوہے کے تابوت سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، ہر قسم کے تابوت میں بہتر یہ ہے کہ نیچے مٹی بچھالی جائے اور میت کی دونوں طرف کچی اینٹیں لگادی جائیں اور ڈھکنے کے اندر کی طرف مٹی سے لیپ دی جائے۔

(۳) میت کے اوپر کی طرف یعنی قبر کا شق پاٹنے میں بلاضرورت بھی لکڑی، پتھر سیمنٹ کے سلیپ اور لوہا وغیرہ لگانا جائز ہے۔

(۴) اوپر سے قبر کو مٹی سے لیپنے کی گنجائش ہے؛ مگر احتراز بہتر ہے۔

(۵) قبر کے اوپر سیمنٹ کا پلستر اور کسی بھی قسم کی اینٹ لگانا ناجائز ہے، پلستر اور بنا کی ممانعت صراحۃً حدیث میں وارد ہے، اینٹ لگانا بھی بنا میں داخل ہے، جو بغرض زینت حرام ہے اور بغرض استحکام مکروہ تحریمی ہے، جو گناہ میں حرام ہی کے برابر ہے، البتہ درندوں کے خوف سے کچی اینٹ لگانے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰/رجب ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۱۹۷)

بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنا:

سوال: کسی بزرگ کے مزار پر جانے اور مراقبہ کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب

شریعت کے مطابق اگر مزار پر جا کر حاضری دے دی اور دعا کر لے تو جائز ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۹۹)

☆ ☆ ☆

(۱) قوله: وبزيارة القبور) أی لابأس بهابل تندب كما فی البحرعن المجتبیٰ ... وهل تندب الرحلة لها كما اعتيد من الرحلہ الٰی زيارة خليل الرحمان وأهله و أولاده وزيارة السيد البدوی وغيره من الأكابرالكرام؟لم أرمن صرح به من أئمتنا ... وأما الأولياء فانهم متفاوتون فی القرب من اللّٰه تعالیٰ،ونفع الزائرين بحسب معارفهم وأسرارهم،قال ابن حجرفی فتاويه:ولا تترک لما يحصل عندها من منكرات ومفاسد كاختلاط الرجال بالنساء وغيرذلک؛لأن القربات لاتترک لمثل ذلک بل على الانسان فعلها وانكارالبدع بل وازالتها ان أمكن.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب زيارة القبور: ۲/۲۴۲،انيس)

تعزیت وزیارت کے احکام ومسائل

تعزیت کا مسنون طریقہ:

سوال: تعزیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس میں دنوں کی تعیین اور زیادتی خلاف سنت ہوگا کہ نہیں؟ چند ساتھی اہل محلّہ وغیرہ جماعت کی شکل میں آجائیں تو ایک کی دعا سب کے قائم مقام ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ یا سب اہل مجلس کی طرف سے کافی ہے کہ نہیں؟ تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا کیسا ہے؟ تعزیت کا عملی، یا قولی طریقہ جو سیدنا وسید الانبیاء علیہ اعطر التحیۃ والسلام سے ثابت ہے اگر بیان فرمادیں تو کئی افراد کے لئے مشعل راہ بن جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) کیوں کہ بندہ تبلیغی جماعت والوں کی طرح دین کی ضروری اور اہم بات کو ہر مجلس میں بیان کرتا ہے، صرف منبر اور اسٹیج کا منتظر نہیں ہوتا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

تعزیت تین روز کے بعد جائز نہیں، البتہ غائب تین روز کے بعد آئے تو بھی کرسکتا ہے، جماعت کی شکل میں آنے کا اہتمام درست نہیں، اتفاقاً ایک ساتھ ہوگئے تو حرج نہیں، ہر ایک کے لیے مستقلاً تعزیت مسنون ہے، البتہ اگر ایک گھرانے کا کوئی بڑا ہے اور اس کے ساتھ اس کے ماتحت لوگ بھی ہیں تو صرف بڑے ہی کی تعزیت کافی ہے۔ تعزیت کی دعا یہ ہے:

"والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفر لميتك". (۱)

اس سے زائد بھی ایسا مضمون بیان کیا جاسکتا ہے، جس سے غم ہلکا ہو، تسکین اور فکر آخرت پیدا ہو، تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸/ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۲۴۴)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل مطلب فى الثواب على المصيبة: ۲/ ۲٤۰، دار الفكر بيروت، انيس

تعزیت کا طریقہ:

مسئلہ: اہل میت کی تعزیت مردوں اور عورتوں کے لیے مسنون ہے، تعزیت کا مطلب میت کے گھر والوں کو صبر دلانا اور میت کے لیے دعا کرنا ہے۔ (شامی: ۳/ ۱۴۷)

لقوله عليه الصلاة والسلام من عزىٰ أخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة. (رواه ابن ماجة)

وقوله عليه الصلاة والسلام: من عزىٰ مصابا فله مثل أجره. (رواه الترمذى وابن ماجة) ==

== **مسئلہ:** تعزیت میں یہ الفاظ کہنا بہتر ہے: اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَکَ ، وَاَحْسَنَ عَزَائَکَ وَغُفِرَ لِمَیِّتِکَ.

مسئلہ: جس گھر میں غمی ہوان کے یہاں تیسرے دن تک ایک بار تعزیت کے لیے جانا مستحب ہے، تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ تعزیت کرنے والا سفر میں ہو تو اس کے لیے تین دن کے بعد بھی تعزیت کو جانا بلا کراہت جائز و درست ہے۔(شامی:۱۴۹/۳)

میت کے گھر والوں کے لیے کھانا بنانا:

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ میت کے پڑوسی اور دور کے رشتہ دار ایک دن اور ایک رات میت کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کریں اور ان کو کھلائیں؛ لقوله عليه السلام: اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء هم ما يشغلهم.(حسنه الترمذی)

اور اگر وہ غم کی وجہ سے نہ کھاتے ہوں تو اصرار کر کے انہیں کھلائیں۔(شامی:۱۴۸/۳)

اہل میت کی جانب سے ضیافت:

مسئلہ: اہل میت بعد دفن کے پہلے دن دوسرے دن اور ایک ہفتے کے بعد کھانے کی دعوت دیں اور اس میں محلّہ کے امیر وغریب رشتہ دار شریک ہوں تو یہ عمل ممنوع اور بدعت ہے؛ کیوں کہ یہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غمی کے موقع پر نیز صحابۂ کرام اہل میت کی جانب سے دعوت کو نوحہ کا کھانا شمار کرتے تھے۔”كنا نعد الاجتما ع الى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة“.(ابن ماجہ)

مسئلہ: اسی طرح چالیسواں اور سالانہ کے موقع پر دعوت کا اہتمام بدعت ہے۔

مسئلہ: اگر غریب لوگوں کے لیے کھانا بنایا جائے اور ان کو کھلایا جائے تو بہتر ہے، چوں کہ ان سب افعال میں ریا نام ونمود زیادہ ہوتا ہے؛ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔(شامی:۱۴۸/۳)

زیارت قبور:

مسئلہ: مستحب ہے کہ کم از کم ہفتہ میں ایک دن قبرستان جایا جائے اور افضل جمعہ کا دن ہے۔(شامی:۱۵۰/۳)

مسئلہ: مستحب ہے شہداء احد کی زیارت کرنا جیسا کہ ابن شیبہ کی روایت ہے۔أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یاتی قبور الشهداء بأحد علی راس کل حول.(شامی۱۵۰/۳)

مسئلہ: زیارت قبور کے لیے سفر کرنا جائز ہے، جب کہ کوئی عقیدہ اور عمل خلاف شرع نہ ہو۔(شامی۱۵۰/۳)

عورتوں کا قبرستان جانا:

مسئلہ: چونکہ یہ فتنہ کا دور ہے، فساق وفجار کی کثرت ہے، قبرستان جانے کی صورت میں عورتوں کی عزت وآبرو کی حفاظت مشکل ہے، نیز عورتیں کمزور دل کی ہوتی ہیں، قبرستان جانے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پا کر آہ وبکا اور گریہ وزاری شروع کر دیں گی؛ اس لیے ان کے لیے قبرستان جانا ممنوع ہوگا، وہ اس سے احتراز کریں۔

قبرستان میں داخل ہو تو کیا کرے:

مسئلہ: سنت ہے کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم دَارَ قَوْمٍ مُوْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اور سنت ہے کہ زیارت کھڑے ہو کر کرے اور میت کے لیے دعاء مغفرت کرے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ سلم جنت البقیع میں جاتے وقت کرتے تھے۔(شامی۱۵۱/۳)

مسئلہ: آداب زیارت میں سے یہ ہے کہ مرنے والے کے پیر کی جانب سے آئے، نہ کہ سر کی جانب سے۔(شامی۱۵۱/۳)

مسئلہ: یہ بھی آداب زیارت میں سے ہے کہ اگر بیٹھنا چاہے تو مرنے والی کی زندگی کے رتبہ کا خیال کر کے دور، یا نزدیک بیٹھے۔(شامی:۱۵۱/۳) ==

تعزیت میں کیا کہا جائے:

سوال: آدمی کسی کی تعزیت کے لیے جائے تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہیے، یا نہیں؟ اور کیا اسوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں؟

الجواب

تعزیتِ مسنونہ میں آں حضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں، **ومن ادعٰی فعلیه الاثبات**، حضرات فقہاء کرام نے تعزیت کرنے والے کے لیے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے، **ویقول: أعظم الله أجرک وأحسن جزاء ک وغفر لمیتک.** (۱) عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کردے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، ۱۳/۱۰/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۱۸)

مقامی لوگوں کے لیے تعزیت صرف تین دن تک ہے:

مسئله: حاضر بلد کے واسطے تین روز تعزیت کے ہیں، کہ تین روز سوگ کرنا شرع سے اجازت ہے، پھر نہیں؛ کیوں کہ غم کو بھلانا چاہیے، نہ یاد دلا کر پریشان کرنا اور غائب کے واسطے زیادہ ایام میں اجازت ہے، مگر نہ یہ کہ ماہ دوماہ کے بعد آوے کہ یہ ایام بھول جانے کے ہوتے ہیں، ایسے میں آنا محض لغو اور رسم باطل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ فرخ آباد، ص: ۴۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۶)

تعزیت میت کے گھر جا کر کریں اور فاتحہ ایصالِ ثواب اپنے گھر پر:

سوال: ہمارے گاؤں میں بعض لوگ کسی کے گھر میت ہوجانے کی صورت میں وہاں فاتحہ پڑھنے کی غرض سے نہیں جاتے کہ وہاں فاتحہ پڑھنا بدعت ہے، ہم نے امام صاحب سے معلوم کیا تو فرمایا کہ جس گھر میں میت ہوجائے،

== **مسئله:** جب قبرستان مین داخل ہو تو سورہ یٰسین کی تلاوت کرے اور قرآن کریم میں جو آسان ہو، سورہ فاتحہ، سورہ بقرۃ شروع سے المفلحون تک، آیۃ الکرسی، سورۃ الملک، سورۃ التکاثر، سورۃ الاخلاص گیارہ مرتبہ، سات مرتبہ، یا تین مرتبہ پڑھے اور کہے: اے اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے، اس کو قبول فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات تمام صحابہ وصحابیات، تابعین، تبع تابعین، فقہاء ومحدثین اور تمام مؤمنین ومؤمنات کو خاص طور سے فلاں وفلاں کو پہونچادے۔ (شامی: ۳/۱۵۱)

مسئله: افضل ہے کہ جب نفلی صدقہ کرے تو اس ایصال ثواب میں تمام مؤمنین ومؤمنات کو شامل کرے۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ ان سب کو ثواب ملے گا۔ (شامی: ۳/۱۵۲)

مسئله: نفل روزہ، نفل نماز اور صدقہ کا ثواب مردہ یا زندہ کسی شخص کو پہونچایا جاسکتا ہے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق یہ عمل جائز ودرست ہے۔ (شامی: ۳/۱۵۲) (موت سے قبر تک، ازمولانا احسان الحق قاسمی)

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، قبیل مطلب فی الثواب علی المصیبة: ۲/۲۴۰، دار الفکر بیروت، انیس

وہاں صرف تین دن افسوس کے لیے جانا چاہیے؛ لیکن ہمارے ہاں اکثر پورا ہفتہ کی غرض سے بیٹھے رہتے ہیں، آپ بتلائیں کہ یہ بدعت ہے، یا کارِثواب؛ تاکہ دونوں فریق راہِ راست پر آجائیں؟

الجواب

تعزیت سنت ہے، جس کا مطلب ہے اہلِ میت کو تسلی دینا، فاتحہ پڑھنے کے لیے میت کے گھر جانے کی ضرورت نہیں، تعزیت کے لیے جانا چاہیے، فاتحہ اور ایصالِ ثواب اپنے گھر پر بھی کر سکتے ہیں، جو شخص ایک دفعہ تعزیت کر لے، اس کا دوبارہ تعزیت کے لیے جانا سنت نہیں، تین دن تک افسوس کا حکم ہے، دور کے لوگ اس کے بعد بھی اظہارِ افسوس کر سکتے ہیں، فاتحہ کی غرض سے بیٹھنا خلافِ سنت ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۲۴/۴-۳۲۵)

میت کا مرثیہ کہنے کا حکم:

سوال: بعض بڑے لوگ فوت ہوجاتے ہیں تو لوگ ان کی وفات پر مرثیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب

درست ہے، بشرطیکہ اس میں میت کے اوصاف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو؛ بلکہ ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں، جو دوسروں کے لیے قابلِ تقلید ہوں۔

وكذا لا بأس بمرثية الميت شعراً أوغيره، كما في الجلابى. (جامع الرموز، ص:۱۹۳) **فقط واللّٰه أعلم**

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۲۱۶/۳)

قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے:

سوال: دفن کے بعد قبرستان ہی میں لواحقین کے ساتھ افسوس کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبرستان میں قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔

وتكره التعزية ثانياً وعند القبر عند باب الدار، اه. (۲) **فقط واللہ اعلم**

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۵۱/۳)

(۱) التعزية لصاحب المصيبة حسن كذا في الظهيرية وروى الحسن بن زياد اذا عزى أهل الميت مرة فلا ينبغي أن يعزيه مرة أخرى كذا في المضمرات ووقتها من حين يموت الىٰ ثلا ثة أيام ويكره بعدها الاأن يكون المعزى أوالمعزى إليه غائباً فلا بأس بها،الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة،الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى القبر والدفن وما يتصل بذلك: ۱۶۷/۱،طبع رشيدية/وأيضا في رد المحتار: ۲۴۹/۲-۲۴۱،مطلب في كراهة الضيافة)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۴۱/۲،دار الفكر بيروت،انيس

تعزیت کے لیے دریاں بچھا کر بیٹھنا:

سوال: ہمارے ہاں پر یہ رواج ہے کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اہل میت اپنے مکان کے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھا دیتے ہیں، جہاں پر لوگ تعزیت کے لیے آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب

تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسم جاہلیت ہے، ہرگز ایسا نہ کیا جائے، جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کر لے۔

وتكره التعزية ثانياً وعند القبر وعند باب الدار.

وفي الرد تحت (قوله: وعند باب الدار) وفي الظهيرية: ويكره الجلوس علىٰ باب الدار للتعزية؛ لأنه عمل أهل الجاهلية وقد نهى عنه رما يصنع في بلاد العجم من فرش البسط والقيام علىٰ قوارع الطريق من أقبح القبائح، آه. (۱) **فقط والله أعلم**

محمد انور غفر لہ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۸۱)

میت کے لیے جلسہ تعزیت:

سوال: آج کل یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی دینی ادارہ، یا کسی مسلم جماعت کا کوئی رکن انتقال کر جاتا ہے تو جب اس ادارہ یا جماعت کا جلسہ ہوتا ہے، جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا ہے تو اس کے لیے تعزیت کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں اور اس کے لیے دعاء مغفرت کی جاتی ہے، جب کہ جلسہ تین دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لیے شرعاً گنجائش ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــ حامداً ومصلیاً

یہ تعزیت شرعی نہیں؛ بلکہ ادارہ، یا جماعت کی طرف سے اظہار تعلق ہے اور اظہار ہمدردی کے لیے اس سے بھی تقویت پہنچتی ہے اور میت کے اعزہ کے لیے صبر و تسلی بھی فی الجملہ اس سے ہو جاتی ہے؛ اس لیے شرعاً گنجائش ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۵۶)

اظہار افسوس کے لیے سیاہ کپڑے:

سوال: کیا اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر اظہار افسوس کے لیے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے؟ (مجیب الرحمان، چنچل گوڑہ)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲٤۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) (وولـه: وبتعزية أهله): أي تصبيرهم، والدعاء لهم به، قال في القاموس: العزاء الصبر أو حسنة. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في الثواب على المصيبة: ۲/۲۳۹، سعيد)

الجواب

اسلام نے فطری حدود میں غم وافسوس کے اظہار کی اجازت دی ہے، حالاں کہ چیخ کر رونا اور آہ وواویلا کرنا اسلام میں منع ہے؛ لیکن بے ساختہ جو رونا آجائے، اس کی ممانعت نہیں، کپڑے پھاڑنا، بال نوچنا اور سیاہ کپڑے پہننا یہ سب اظہار افسوس کے غیر فطری طریقے ہیں اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔(۱) فقہا بھی اس کے ناجائز ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ولا یجوز صبغ الثیاب أسود أو أکھب تأسفا علی المیت". (۲)

"میت پر اظہار افسوس کے لیے کپڑے سیاہ رنگ میں رنگنا جائز نہیں"۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۴۵/۳)

سوگ میں چند منٹ کی خاموشی اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم:

سوال: غیر مسلموں میں رواج ہے کہ کسی بڑی شخصیت کے مرنے پر بطور سوگ اجتماعی طور پر چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں، نیز اگر وہ شخصیت ملک کے سربراہ کی ہو تو بطور سوگ کچھ دن پرچم سرنگوں رکھتے ہیں، پرچم سرنگوں کرنے کا رواج تو ہمارے ملک میں پہلے سے ہی اب بطور اظہار افسوس چند منٹ کا خاموشی کا رواج بھی شروع ہوگیا ہے، چناں چہ کچھ دن ہوئے ایک اسمبلی میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

شریعت میں موت اور مابعد الموت کے تمام احکام تفصیل سے مذکور ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو اسے مالی اور بدنی عبادات سے ثواب پہنچایا جائے اور مرحوم کے ورثا سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں دلاسہ دیا جائے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی تدابیر کی جائیں، اسلام میں خاموشی کوئی عبادت نہیں؛ بلکہ خالص غیر مسلموں کی رسم ہے مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے، اگر ان کے ساتھ تشبہ کے قصد سے مسلمان بھی ایسا کریں گے تو سخت گناہ ہوگا۔ ایسے ہی پرچم سرنگوں کرنا بھی غیر مسلموں کی رسم ہے، اس سے بچا جائے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۲۱۸/۳)

---

(۱) قال عمر: دعھن یبکین علی أبی سلیمان ما لم یکن نقع لعلعة ... وعن عبد اللہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیة. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحة علی المیت: ۱۷۲/۱، قدیمی، انیس)

(۲) الفتاوی الھندیة، کتاب الکراھیة، الباب التاسع فی اللبس ما یکرہ من ذلک وما لا یکرہ: ۳۳۳/۵

کافر کی صرف تعزیت جائز ہے، جنازہ پڑھنا، یا قبرستان جانا جائز نہیں:

سوال: ہمارے ہاں ایک مرزائی فوت ہوگیا ہے،لوگ اس کے جنازہ میں بھی شریک ہوئے، اس کے گھر تعزیت کے لیے بھی گئے اور قبرستان بھی ساتھ گئے۔ان کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب

کافر کی صرف تعزیت جائز ہے،اس کا جنازہ پڑھنا، یا اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرنا ناجائز ہے، ایسے ہی اس کی قبر پر جانا بھی جائز نہیں، جن لوگوں نے ایسا کیا ہے، وہ مجمع عام کے سامنے سخت شرمندگی کے ساتھ اللہ سے توبہ کریں۔

وفي النوادر: جار يهودي أو مجوسي مات ابن له أو قريب ينبغي أن يعزيه ويقول أخلف الله عليك خيرا منه وأصلحك وكان معناه أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام ورزقك ولداً مسلمًا كفاية. (۱)

بیان القرآن میں ہے: کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لیے استغفار جائز نہیں۔(۱۳۱/۴) روح البیان میں ہے:

ولا تقم علىٰ قبره،آه،أي ولا تقف عند قبره للدفن أوللزيارة والدعاء، آه.(٤٧٨/٣) فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،۱۰/۱۱/۱۴۰۹ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲۲۵/۳)

تعزیت کفار:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کہ مسلمانان را تعزیت اہل ذمہ جائز است، یا نہ؟ خصوصاً بہ نیت دوستی ایشاں وطمع دنیاوی در مال ایشاں۔ مفصل جواب درکار است؟

الجواب　　حامدًا ومصلياً

اگر حق شرکت بلد، یا محلّہ پنداشتہ عیادت کند جائز است، فی الدر المختار: وجاز عیادۃ الذمی، بالاجماع دوستی وطمع فی نفسہ مذموم است، لہٰذا تخلیص عیادت ازاں ضروری ست۔

۱۷/ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی،ص:۱۷۰)(امداد الفتاویٰ جدید:۷۵۴/۱-۷۵۵)

غیر مسلموں کی تعزیت:

سوال: غیر مسلموں میں اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کو پُرسہ دینے کا کیا حکم ہے؟ اگر پُرسہ دینا جائز ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے؟　　(ابوقمر، سمری، بختیار پور)

(۱)　رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ٣٨٨/٦، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

غیر مسلموں کی خوشی اورغم میں انسانی سماجی رشتہ سے شریک ہونا درست ؛ بلکہ بہتر ہے؛ تاکہ ان پر اسلام کی فراخ دلی اورمسلمانوں کی خوش اخلاقی کانقش قائم ہوسکے؛اس لیے غیر مسلموں کی تعزیت بھی کی جاسکتی ہے۔فرق یہ ہے کہ مسلمان کی تعزیت کرتے ہوئے متوفی کے لیے دعاء مغفرت کرنی چاہیے،غیر مسلم متوفی کے لیے صرف پس ماندگان سے محبت اور تعلق کا اظہار کیا جائے،اہل علم نے غیر مسلم کی تعزیت کے لیے یہ کلمات لکھے ہیں:

"أصلح اللّٰہ بالک و أخلفک". (۱)

"اللہ تمہارے حالات کو بہتر کرے اور بدل عطاء فرمائے"۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۲۴۵-۲۴۶)

کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے:

سوال: لوگوں میں مشہور ہے کہ جب کسی کافر کے مرنے کی خبر سنے یا لاش لے جاتے ہوئے دیکھے تو ﴿فی نارجھنم خالدین فیھا أبداً﴾ پڑھنا چاہئے۔شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

میں نے فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔(۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۳۹۲ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۸/۴۸۵-۴۸۶)

---

(۱) "أعظم اللّٰہ أجرک وأحسن عزاءک".(الفتاوی الھندیة، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز، قبیل الفصل السابع فی الشھید: ۱/۱۶۷،انیس)

(۲) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمدللہ پڑھنا چاہیے۔

قال اللّٰہ تعالٰی:﴿فإذا استویت أنت ومن معک علی الفلک،فقل الحمد للّٰہ الذی نجانا من القوم الظالمین﴾. (سورة المؤمنون:۲۸)

"فإن الحمد علی الإنجاء منھم متضمن للحمد علی إھلاکھم،وإنما قیل:ماذکر،ولم یقل: فقل الحمد للّٰہ الذی أھلک القوم الظالمین؛لأن نعمة الإنجاء أتم...وأنت تعلم أن الحمد ھنا ردیف الشکر،فإذاخص بالنعمة الواصلة إلٰی الشاکر،لایصلح أن یتعلق بالمصیبة من حیث أنھا مصیبة،وھوظاھر،وفی أمرہ علیہ السلام بالحمد علی نجاة أتباعہ إشارةإلٰی أنہ نعمة علیہ أیضاً". (روح المعانی:۱۸/۲۷-۲۸،دارإحیاء التراث العربی،بیروت)

قال اللّٰہ تعالٰی:﴿فقطع دابر القوم الذین ظلموا،والحمد للّٰہ رب العٰلمین﴾(سورة الأنعام:۴۵)

"علٰی ما جرٰی علیھم من النکال والاھلاک،فإن إھلاک الکفاروالعصاة من حیث أنہ تخلیص لأھل الأرض من شؤم عقائدھم الفاسدة وأعمالھم الخبیثة نعمة جلیلة یحق أن یحمد علیھا،فھٰذا منہ تعالٰی تعلیم للعباد أن یحمدوہ علٰی مثل ذلک،واختار الطبرسی أنہ حمد منہ عزاسمہ لنفسہ علٰی ذلک الفعل".(روح المعانی:۷/۱۵۲، دارإحیاء التراث العربی،بیروت)

غیر مسلم میت کی خبر سننے پر کیا پڑھے:

سوال: غیر مسلم کی میت کی خبر سن کر، یا میت دیکھ کر کوئی مسلمان ''إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون'' پڑھتا، درست ہے، یا نہیں؟ یا اور کوئی کلمہ پڑھنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

کسی بھی میت کی خبر ملے، یا کوئی بھی میت سامنے ملے، مسلم ہو، یا غیر مسلم، اس کو دیکھ کر اپنی موت کو یاد کرنا چاہیے، جس کے بہتر الفاظ یہ ہیں: ''إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون''. (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۶/۸-۴۸۷)

کافر کی موت کی خبر سن کر کیا کہنا چاہیے:

سوال: کافر کے مرنے کی خبر سن کر کیا کہنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ایسی بات کہے، جس میں اس کا معاملہ خدا کے حوالہ ہو جاوے، مثلاً یوں کہے: خدا اس کے مناسب حال معاملہ اس کے ساتھ کرے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور، ۱۳۸۵/۱۰/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۵۸/۱)

---

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمد للہ پڑھنا چاہیے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فإذا استویت أنت ومن معک علی الفلک، فقل الحمد للّٰہ الذی نجانا من القوم الظالمین﴾. (سورة المؤمنون: ۲۸)

''فإن الحمد علی الإنجاء منهم متضمن للحمد علی إهلاکهم، وإنما قیل: ماذکر، ولم یقل: فقل الحمد للّٰہ الذی أهلک القوم الظالمین؛ لأن نعمة الإنجاء أتم... وأنت تعلم أن الحمد هنا ردیف الشکر، فإذا خص بالنعمة الواصلة إلی الشاکر، لا یصلح أن یتعلق بالمصیبة من حیث أنها مصیبة، وهو ظاهر، وفی أمره علیه السلام بالحمد علی نجاة أتباعه إشارة إلی أنه نعمة علیه أیضاً''. (روح المعانی: ۲۷/۱۸-۲۸، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فقطع دابر القوم الذین ظلموا، والحمد للّٰہ رب العٰلمین﴾ (سورة الأنعام: ۴۵) ''علیٰ ما جریٰ علیهم من النکال والاهلاک، فإن إهلاک الکفار والعصاة من حیث أنه تخلیص لأهل الأرض من شؤم عقائدهم الفاسدة وأعمالهم الخبیثة نعمة جلیلة یحق أن یحمد علیها، فهٰذا منه تعالیٰ تعلیم للعباد أن یحمدوه علیٰ مثل ذلک، واختار الطبرسی أنه حمد منه عز اسمه لنفسه علیٰ ذلک الفعل''. (روح المعانی: ۱۵۲/۷، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) دیکھئے: کتاب الخراج لأبی یوسف ۲۱۶/ اور رد المحتار: ۵۵۷/۹، مکتبہ زکریا دیوبند

غیر مسلم کی موت کی خبر سن کر "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھنا:

سوال: جب ہم کسی مسلمان کی موت کی خبر سنتے ہیں تو سننے کے بعد "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھتے ہیں؛ لیکن اگر کسی دوسرے مذہب، یا کسی غیر مسلم کی موت کی خبریں سنیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس وقت بھی اپنی موت کو یاد کر کے یہ آیت پڑھ لی جائے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۲۸/۴)

زیارت قبور قرآن وحدیث سے ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: زیارت قبور از قرآن مجید ثابت ست، یا از حدیث شریف؟ دیگر آنکہ زیارت قبور بے نماز اں جائز است، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

زیارت قبور از حدیث شریف ثابت است۔ ترمذی روایت کردہ: ألا فزوروها فإنها تذكركم الآخرة، اھ. (۱) ہم چنیں در دیگر کتب حدیث ہم روایات کثیرہ موجود است زیارت قبر محض بجہت تذکیر آخرت است ودرین باب نمازی و بے نمازی ہر دو برابر اند۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ (کفایت المفتی: ۱۸۸/۴)

---

(۱) عن سليمان بن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قدكنت نهيتكم عن زيارة القبور فقد أذن لمحمد فى زيارة قبر أمه فزوروها فانها تذكر الآخرة. (سنن الترمذى، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى الرخصة فى زيارة القبور: ۲۰۳/۱، ط: سعيد)

قبروں کی زیارت:

۱۔ مرد وعورت دونوں کے لیے قبر کی زیارت مستحب ہے۔ (ندب زيارتها) من غير أن يطأ القبور (للرجال والنساء) (مراقى الفلاح علىٰ هامش الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۶۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

۲۔ قبر کی زیارت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، دل کی اصلاح کرنا اور تلاوت قرآن پاک اور دعائے صحت سے میت کو نفع پہنچانا ہو۔ قبر کو نہ چھوئے، نہ بوسہ لے، یہ اہل کتاب کی عادت ہے، اسلام میں حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی کا بوسہ لینا معہود نہیں ہے۔ (ولا يمس القبر ولا يقبله فانه من عادة أهل الكتاب ولم يعهد الاستدام الا للحجر الأسود. (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۶۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

۳۔ جوان عورتوں کے لیے زیارت قبر مکروہ ہے، جیسے ان کا پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھنے جانا مکروہ ہے اور بوڑھی عورتوں کے لیے قبر کی زیارت کرنا جائز ہے، جب کہ شریعت کے خلاف کوئی چیز نہ کریں اور فتنہ فساد کا ذریعہ نہ بنیں۔ (وكره ذلك للشابات كحضورهن فى المساجد للجماعات. (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۶۲۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

==

زیارت قبور کا طریقہ:

سوال: قبرستان جانے اور فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرما دیجئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

پنج شنبہ، یا جمعہ کو بغیر کسی خاص پابندی کے جا کر قبلہ کی طرف پشت کر کے قبر کی طرف رخ کر کے **سورۃ یٰسین، قل هو اللّٰه أحد، إلخ**، وغیرہ پڑھ کر کہہ دے: یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچا دے اور پڑھنے سے پہلے وہاں جا کر کہے: "**السلام علیکم دارقوم مؤمنین و إنا إن شاء اللّٰه بکم لاحقون**". (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸۶/۹)

== ۵۔ سنت یہ ہے کہ!

(۱) کھڑا ہو کر زیارت کرے۔

(۲) اور کھڑا ہو کر دعا کرے جس طرح اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قبرستان میں کرتے تھے اور کہتے تھے: "**السلام علیکم دارقوم مؤمنین وإنا إنشاء اللّٰه بکم لاحقون أسأل اللّٰه لي ولکم العافیة**. (مراقی، ص: ۳۴۱) اے مسلمانوں کا گھر اللہ کی سلامتی تم لوگوں پر ہو، بلاشبہ ہم بھی اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں، میں اپنے لیے اور تم لوگوں کے لیے اللہ سے عافیت کا مانگتا ہوں۔

(۳) اور قبر والے سے اس کی زندگی میں جتنی دوری رہ کر اس سے ملتا تھا اور بات کرتا تھا اس کے قبر سے اتنی دوری پر رہے۔

(۴) اور چہرہ کے سامنے رہے۔ (**وینبغي أن یدنوا من القبر قائماً أو قاعداً بحسب ما کان یصنع لزوارہ في صباتہ ... ویقوم بحذاءہ وجہ قربا وبعدا مثل ما في الحیاۃ**. (**حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، فصل في زیارۃ القبور، ص: ۶۲۰-۶۲۱**)

(۵) احیاء العلوم میں ہے کہ قبر کی زیارت میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ طرف پشت کرے اور میت کے چہرہ کی طرف متوجہ ہوں اور سلام کرے اور قبر پر ہاتھ نہ پھیرے اور نہ چھوئے اور نہ قبر کا بوسہ لے کیوں کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ (حوالہ بالا)

(۶) بیٹھ کر سورہ یٰسین پڑھ کر میت کو ثواب پہنچا دے۔ (**ویستحب للزائر قراءۃ سورۃ یٰسین**. (**حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، فصل في زیارۃ القبور، ص: ۶۲۱، دار الکتب العلمیة بیروت**)

(۹) سورہ یٰسین کے علاوہ اور سورتیں جو ممکن ہوں پڑھے، شرح لباب کے حوالہ سے شامی میں ہے کہ سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ کا شروع "**مفلحون**" تک **آیة الکرسي** اور سورہ بقرہ کا آخر "**آمن الرسول**" سے آخیر تک اور سورہ یٰسین، تبارک الذی، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص (**قل هو اللّٰه**) بارہ یا گیارہ یا تین مرتبہ میں سے جو آسان ہو پڑھے اور اس کے بعد کہے یا اللہ ہم نے جو کچھ پڑھا ہے، اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے، یا کہے ان لوگوں کو پہنچا دے۔ (شامی: ۶۰۵/۱)

(۱۰) قبر کا چھونا، بوسہ لینا اور ہر وہ عمل جو سنت نہ ہو، مکروہ تحریمی ہے۔ (**وکرہ النوم علی القبور ... وکذا کل ما لم یعهد من غیر فعل السنة کالمس والتقبیل**. (**مراقی مع الطحطاوي، باب صلاۃ الجنائز**) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص: ۵۹۶-۶۰۰)

(۱) **ولا بأس ... "بزیارۃ القبور ... ویقول: السلام علیکم دارقوم مؤمنین وإنا إنشاء اللّٰه بکم لاحقون، ویقرأ یٰس، وفي الحدیث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرۃ، ثم وهب أجرها للأموات، أعطی من الأجر بعدد الأموات". (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز: ۲۴۱/۲-۲۴۳، مکتبة دار الفکر بیروت، انیس)** ==

اقسام زیارت قبور:

السوال: زيارة القبور ليست مشروعة مطلقاً،بل نوعان:شرعية وغيرشرعية، فالمسنونة منها شرعية،وغير المسنونة غيرشرعية،فبعضها معصية كبيرة وبعضها كفر و شرك؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداًمصلياً

زيارة القبورمن حيث المقاصد والأعمال مختلفة بعضها:مستحبة، والبعض مباحة، والبعض بدعة محرمة،والبعض شرك (الزيارة تنقسم إلٰى قسمين:زيارة شرعية،فالزيارة الشرعية، السلام على الميت،والدعاء له،بمنزلة الصلاة علٰى جنازته، ... وأما الزيارة البدعية:فمن جنس زيارة اليهود والنصارىٰ،وأهل البدع الذين يتخذون قبورالأنبياء والصالحين مساجد ... فالزيارة البدعية مثل قصد قبر... للصلاة عنده ... أوطلب الحوائج منه،إلخ". (۱)

وآخردعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين،والصلاة علٰى سيد المرسلين وآله وأصحابه أجمعين. *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم*

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۱۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۸۷)

== (قوله:وبزيارة القبور):أى لابأس بها،بل تندب ... وتزارفى كل أسبوع ... إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والإثنين والخميس فقد قال محمد بن الواسع الموتٰى يعملون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماً الجمعة أفضل". (ردالمحتار،كتاب الصلاة:باب صلاةالجنازة،مطلب فى زيارة القبور: ۲/۲٤۲،سعيد)

"يستحب زيارة القبور وكيفية الزيارة كزيارة ذلك الميت فى حياته من القرب والبعد،كذا فى خزانة الفتاوىٰ وإذا أراد زيارة القبور، يستحب له أن يصلى فى بيته ركعتين يقرأ فى كل ركعة الفاتحة وآية الكرسى مرة واحدة، والإخلاص ثلاث مرات،ويجعل ثوابها للميت ،يبعث اللّٰه تعالٰى إلى الميت فى قبره نورًا ويكتب للمصلى ثواباً كثيرًا ...'ثم يقف مستدبرالقبلة مستقبلاً لوجه الميت،ويقول:السلام عليكم يا أهل القبور!يغفراللّٰه لنا ولكم أنتم لنا سلف و نحن بالأثر... وأفضل أيام الزيارة أربعة:يوم الإثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن". (الفتاوىٰ الهندية،كتاب الكراهية،الباب السادس عشرفى زيارة القبوروقرأة القرآن فى المقابر: ٥/۳٥۰،رشيدية)

(۱) مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية،باب زيارة القبور: ۱۲/۱۸۷-۱۸۸،مكتبة العبيكان الرياض

وتفصيل هذه المسئلة فى اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، فصل فى مقامات الأنبياء والصالحين، ص: ٤۱۱-٤۱۷،مكتبه نزارمصطفى الباز)

"عن عائشة رضى اللّٰه تعالٰى عنها أنها قالت:كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم،يخرج من آخر الليل:إلى البقيع فيقول:"السلام عليكم دارقوم مؤمنين ،وأتاكم ما توعدون غدا مؤجلون وإنا إن شاء اللّٰه بكم لاحقون،اللهم اغفرلأهل بقيع الغرقد". (الصحيح لمسلم،فصل فى التسليم علٰى أهل القبوروالدعاء والاستغفار لهم : ۱/۳۱۳،قديمى) ==

ہر سال کی ابتدا میں زیارت قبور:

سوال: بنارس میں اس کے شیدئی اور اہل بدعت کے غوصی حضرات نے اس وقت موسم کے لحاظ سے نیاز، فاتحہ، عرس اور دوسرے تمام لوازمات کی غزل پڑھنا شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں سالانہ مزارات کی حاضری کے بارے میں فریق مخالف نے بس یہ تحریر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال صحابہ کو لے کر احد جاتے تھے۔ میں نے جب تلاش کیا تو شنبہ میں آپ کا جانا ثابت ہے اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ضرور تھے کہ دعاء مغفرت کے سماں کا کیف وسرور کو انہوں نے انتہائی ذوق وشوق سے بیان فرمایا ہے اور بھی دو جگہ ہے؛ مگر صحابہ کے ساتھ ہر سال کا جانا صحاح میں نظر سے نہیں گزرا، البتہ مولانا فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں ابن جریر کے حوالہ سے ایک حدیث "علیٰ رأس کل حول" ملی، اس کے بعد فتاوی دار العلوم جلد پنجم، ص:۱۹۶، میں یہ حدیث ملی:

"لما أخرج ابن جرير عن محمد إبراهيم قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يأتى قبور الشهداء علىٰ رأس كل حول فيقول: سلام عليكم بما صبرتم، فعم عقبى الدار وأبوبكر وعمر وعثمان".

اس حدیث کے بارے میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ سنداً یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور یہ تو تعیین تاریخ کے لیے بہت مفید ہے۔ راویوں میں اگر کوئی راوی کمزور ہو تو اس کا نام تحریر فرمادیں گے اور صاحب رجال نے جو اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہو، اس کو بھی۔ چوں کہ ابن جریر یہاں نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مجھ میں صلاحیت کہاں، یقین ہے کہ جواب سے شکر گذار فرمائیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

شہدائے احد کے ساتھ بعض خصوصی معاملات بھی ہوئے، مثلاً یہ کہ قبل دفن ان پر صلوٰۃ جنازہ پڑھ لینے کے باوجود

== قال الإمام النووى: "قوله: وإنا إن شاء الله الحديث ... وفى هٰذا الحديث: دليل لإستحباب زيارة القبور والسلام علىٰ أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى التسليم علىٰ أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ۳۱۳/۱، قديمي)

عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: زار النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكىٰ و أبكى من حوله، فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استأذنت ربى فى أن أستغفر لها فلم يؤذن لى واستأذنته فى أن أزور قبرها فاذن لى فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم، فصل فى ذهاب إلىٰ زيارة القبور: ۳۱۴/۱)

ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات ... وصرح فى المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، و الأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۴۲/۲، رشيدية)

"ولابأس ... بزيارة القبور ولوللنساء". (الدرالمختار). "قوله: وبزيارة القبور): أى لا بأس بها بل تندب ... (قوله: ولوللنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، ... فلا بأس إذا كن عجائز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى زيارة القبور: ۲۴۲/۲، سعيد)

ان پر حیات طیبہ میں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی،(۱) اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بار بار تمام شہدائے احد کے ساتھ نماز پڑھی گئی،(۲) ہوسکتا ہے کہ یہ "علیٰ رأس کل حـــول" کی زیات بھی خصوصیات میں سے ہو، ورنہ اس قسم کی چیز شہدائے بدر کی زیارت سے متعلق بھی ثابت ہوتی، خاص کر جبکہ ان کا مقام شہدائے احد سے بلند ہے اور مدفون بقیع کی زیارت کے متعلق بھی ثابت ہوتی کہ ان کے مناقب مستقلاً احادیث میں موجود ہیں۔

نیز غزوۂ احد شوال میں ہوا،(۳) اور "رأس کـل حـول" کا مصداق محرم ہے اور اعراس کا معمول تاریخ وفات پر ہے، نہ کہ رأس کل حول پر پھر اس زیارت پر راس کل حول سے استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ زیارت رأس کل حول بھی مسلسل اور دائمی ثابت نہیں، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد میں بھی اس کا اہتمام فرماتے اور محدثین ومجتہدین بھی؛(۴) اس لیے مبتدعین کا استدلال بالکل بے محل ہے، روایت پر جرح کی ضرورت نہیں۔ شامی نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے۔(۵) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۷/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸۹/۹-۱۹۰)

---

(۱) وقدروى أيضاً عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلىٰ علىٰ قتلىٰ أحد بعد مقتلهم بثمان سنين (شرح معاني الآثار للطحاوى، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۲۹۲/۱، رقم الحديث: ۲٦٥٨، مكتبة رحمانية لاهور، انيس)

حدثنا يونس ... أنه سمع عقبة رضى الله تعالىٰ عنه يقول: إن آخر ما خطب لنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أنه صلىٰ علىٰ شهداء أحد ثم رقى على المنبر فحمد الله وأثنىٰ عليه ثم قال إنى لكم فرط وأنا عليكم شهيد". (شرح معانى الآثار للطحاوى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۲۹۲/۱، رقم الحديث: ۲٦٥٩، مكتبة رحمانية لاهور)

(۲) عن ابن عباس رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يوضع بين يديه يوم أحد عشرة، فيصلى عليهم وعلىٰ حمزة، ثم يرفع العشرة وحمزة موضوع، ثم يوضع عشرة، فيصلى عليهم وعلىٰ حمزة معهم". (شرح معانى الآثار للطحاوى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۲۹۲/۲، مكتبة رحمانية لاهور)

(۳) قال ابن حجر رحمه الله تعالىٰ: "وكانت عنده الواقعة (أى واقعة أحد) المشهورة فى شوال سنة ثلاث باتفاق الجمهور". (فتح البارى، كتاب المغازى، باب غزوة أحد: ۳٤٦/۷، دار العرفة، بيروت)

(۴) یعنی وہ خصوصیت بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تک تھی، ورنہ تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کی ترغیب بھی دوسرے اعمال کی طرح ثابت ہوتی۔

(۵) روى ابن أبى شيبة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يأتى قبور الشهداء بأحد علىٰ رأس كل حول. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فى زيارة القبور: ۲٤۲/۲، سعيد)

زیارت قبور کے واسطے کون سے دن افضل ہیں:

سوال: زیارت قبور کے واسطے کون کون دن افضل ہیں؟ اور کس دن میں مُردوں کو اپنے زائران کے آنے سے اطلاع زیادہ ہوتی ہے؟

الجواب

زیارت قبور کو جمعرات جمعہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے، بعض روایات سے۔

(بدست خاص، جواب نمبر:۱۱۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۹۷)

قبرستان کس دن ورکس وقت جانا چاہیے:

سوال: قبرستان جانے کے لیے سب سے بہتر وقت اور دن کون سے ہیں؟

الجواب

قطعی طور پر کسی خاص وقت اور دن کی تعلیم نہیں دی گئی، آپ جب چاہیں جاسکتے ہیں۔ وہاں جانے سے اصل مقصود عبرت حاصل کرنا ہے، موت وآخرت کو یاد کرنا ہے، البتہ بعض روایات میں شب برأت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ کے قبرستان (بقیع) میں تشریف لے جانا اور ان کے لیے دعاء مغفرت فرمانا آیا ہے۔ بعض حضرات نے ان روایات پر کلام فرمایا ہے اور ان کو ضعیف کہا ہے۔(۱) ایک مرسل روایت میں ہے کہ جس نے اپنے والدین کی، یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کی، اس کی بخشش ہو جائے گی اور اسے ماں باپ سے حسنِ سلوک کرنے والا لکھ دیا جائے گا۔ (مشکوۃ از شعب الایمان بیہقی)(۲) فی الجملہ ان روایت سے متبرک دن میں قبرستان جانے کا اہتمام معلوم ہوتا ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''ہر ہفتے میں قبروں کی زیارت کی جائے، جیسا کہ ''مختارات النوازل'' میں ہے، اور ''شرح لباب المناسک'' میں لکھا ہے کہ جمعہ، ہفتہ، پیر اور جمعرات کا دن افضل ہے، محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ مردے اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں، جمعہ کے دن اور ایک دن پہلے اور ایک دن بعد، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن افضل ہے''۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۳۰۱-۳۰۲)

(۱) عن عائشة قالت فقدت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة فاذا هو بالبقيع فقال اكنت تخافين أن يحيف عليک ورسوله قلت يا رسول اللّٰه انى ظننت انک أتيت بعض نسائک فقال ان اللّٰه تعالىٰ ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. (مشكوٰة، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، ص: ١١٤، قديمي، انيس)۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: اصلاحی مواعظ: ۲/۲۱۷، از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

(۲) عن محمد بن النعمان يرفع الحديث الى النبى صلى اللّٰه عليه و سلم قال: من زار قبر أبيويه أو احدهما فى كل جمعة غفرله و كتب براً. رواه البيهقى فى شعب الايمان مرسلا. (مشكوة ص: ١٥٤، باب زيارة القبور)

(۳) (وبزيارة القبور) أى رأس لا بأس بها بل تهذيب كما فى البحر عن المجتبىٰ فكان ينبغى التصريح به==

عید کے دن زیارت قبور:

سوال: ہمارے گاؤں میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں، وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں تو قبرستان جانا خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہوجاتی ہے اور زیارت قبور سے آخرت یاد آتی ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں؛ (۱) لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست نہیں، نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارت قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۰۱-۲۰۲)

سفر برائے زیارت قبور:

سوال: کیا سوائے مسجد اقصی، مسجد حرام، مسجد نبوی کے ثواب کی نیت سے کسی بزرگ کے مزار کی طرف سفر کرنا مسنون، یا جائز ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر خلفائے راشدین نے یا کسی بھی صحابی، یا تابعی، یا تبع تابعی نے پھولوں کی چادر چڑھائی ہے، یا عطر وغیرہ کی شیشیاں چڑھائی ہیں، جیسا کہ آج کل اجمیر وکلیر ودہلی کے اکثر مزارات پر لوگ چڑھاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تینوں زمانوں میں کسی بھی صحابی، یا تابعی، یا تبع تابعی نے نذر ونیاز منت مانی ہے؟

== الأمر بها في الحديث المذكور كما في الامداد، وتزار في كل أسبوع كما في مختارات النوازل قال في شرح لباب المناسک الا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والاثنين والخميس فقد قا محمد بن الواسع الموتٰى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله بعده فتحصل أن يوم الجمعة أفضل. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، أن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة. (مشكٰوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ۱/۱۵۴، قديمی)

"فزوروها" "فإنها": أی زيارة القبور أو القبور: أی رؤيتها "تزهد في الدنيا": فإن ذكر الموت هادم اللذات، مهون الكدورات". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ۴/۲۵۶، رشيدية)

(۲) قال الطيبی: وفيه أن من أصر علٰی أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علٰی بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشيدية)

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

قبور کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرنے میں اختلاف ہے، امام غزالی کے کلام سے جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، **وھٰکذا یفھم من عبارة الشامی فی ردالمحتار.** (۱) روضۂ اطہر پر صحابہ تابعین تبع تابعین سے پھول وغیرہ چڑھانا جیسا کہ کلیرا جمیر وغیرہ میں رواج ہے، ہرگز ثابت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نذر ماننا ثابت نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۰۰-۲۰۱)

عورت کو قبر پر جانے کی اجازت ہے، یا نہیں:

سوال: میری ہمشیرہ کی قبر مردانہ مکان میں ہے میری والدہ زنانہ مکان سے جو بہت قریب ہے، اس کی قبر پر جانا چاہتی ہیں، کسی قسم کی آہ وبکا اور بے صبری وغیرہ نہ ہوگی جانا جائز ہے، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــ

بعض فقہا نے اس کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ آہ وبکا نہ ہو؛ لیکن احوط نہ جانا ہی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۳۱-۴۳۲)

مستورات کا قبروں پر نہ جانا ہی بہتر ہے:

سوال: جو شخص مستورات کو اپنی ہمراہ قبرستان میں لے جا کر زیارت قبور کرادے۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــ

صحیح بات یہی ہے کہ عورتوں کو قبروں پر نہ جانا چاہیے؛ کیوں کہ ان میں صبر کم ہوتا ہے، وہ وہاں جزع وفزع کریں گی، باقی اس میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ عورت زیارت قبور کو نہ جاوے، (۳) البتہ دعا کو بعد نماز جنازہ کے فقہا

(۱) والمعنی، کما أفاده فی الإحیاء، أنه لا تشد الرحال لمسجد من المساجد إلا لهٰذه الثلاثة، لما فیها من المضاعفة، بخلاف بقیة المساجد، فإنها متساویة فی ذلک، فلا یرد أنه قد تشد الرحال لغیر ذلک، کصلة الرحم، وتعلم علم، وزیارة المشاهد کقبر النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه و سلم، و قبر الخلیل علیه السلام، وسائر الأئمة. (رد المحتار، کتاب الحج، باب الهدیٰ قبیل مطلب فی المجاورة بالمدینة المشرفة ومکة المکرمة: ۲/۶۲۷، سعید)

(۲) لا بأس ... بزیارة القبور (ولو للنساء). وفی الرد تحته: وقیل: تحرم علیهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر ... وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علٰی ما جرت به عادتهن فلا تجوز وعلیه حمل حدیث لعن اللّٰه زائرات القبور وان کان للاعتبار التراحم من غیر بکاء والتبرک بزیارة قبور الصالحین فلا بأس اذا کن عجائز، ویکره اذا کن شواب کحضور الجماعة فی المساجد. (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۴۲، دارالفکر، بیروت، انیس)

(۳) أن صلاة الجنازة هی الدعاء للمیت اذ هو المعضود منها. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲/۲۱۰، دار الفکر بیروت، انیس)

نے مکروہ لکھا ہے؛ کیوں کہ نماز جنازہ خود دعا للمیت ہے۔(۱) پس اس کے بعد اور کوئی دعا مشروع نہیں ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۱۸/۵-۴۱۹)

کیا عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے:

سوال: کیا عورتوں کے قبرستان، مزارات پر جانے، محفل سماع (قوالی) منعقد کرنے کی مذہب نے کہیں اجازت دی ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کریں، ویسے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں آپ اسے اختلافی مسئلہ سمجھتے ہوئے گول نہ کر جائیں۔

الجواب

مسئلہ اتفاقی ہو، یا اختلافی؛ لیکن جب جناب کو ہم پر اتنا اعتماد بھی نہیں کہ ہم مسئلہ صحیح بتائیں گے، یا گول کر جائیں گے تو آپ نے سوال بھیجنے کی زحمت ہی کیوں فرمائی؟

آپ کو چاہیے تھا کہ یہ مسئلہ کسی ایسے عالم سے دریافت فرماتے، جن پر جناب کو کم از کم اتنا اعتماد تو ہوتا کہ وہ مسئلے کو گول نہیں کریں گے؛ بلکہ خدا اور رسول کی جانب سے ان پر شریعت کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اسے وہ اپنے فہم کے مطابق پورا کریں گے۔

میرے بھائی! شرعی مسائل تو نہ ذہنی عیاشی کے لیے ہیں، نہ محض چھیڑ چھاڑ کے لیے، یہ تو عمل کرنے اور اپنی زندگی کی اصلاح کے لیے ہیں، لہٰذا مسئلہ کسی ایسے شخص سے پوچھئے جو آپ کی نظر میں دین کا صحیح عالم بھی ہو اور اس کے دل میں خدا کا اتنا خوف بھی ہو کہ وہ محض اپنی، یا لوگوں کی خواہشات کی رعایت کر کے شریعت کے مسائل میں تلبیس، یا ترمیم نہیں کرے گا۔ اب آپ کا مسئلہ بھی عرض کیے دیتا ہوں، ورنہ آپ فرمائیں گے کہ دیکھو گول کر گئے نا۔

عورتوں کا قبروں پر جانا واقعی اختلافی مسئلہ ہے، اکثر اہل علم تو حرام یا مکروہِ تحریمی کہتے ہیں اور کچھ حضرات اس کی اجازت دیتے ہیں، یہ اختلاف یوں پیدا ہوا کہ ایک زمانے میں قبروں پر جانا سب کو منع تھا، مردوں کو بھی عورتوں کو بھی، بعد میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا: ”قبروں کی زیارت کیا کرو، وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں“۔(۳)

---

(۱) ردالمحتار، باب شروۃ الجنائز: ۳۹۳/۱

(۲) ردالمحتار، باب صلاۃ الجنائز: ۸۱۷/۱

(۱) عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تزهد فى الدنيا وتذكر الآخرة.(ابن ماجة.(مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، ص: ١٥٤، باب زيارة القبور، طبع قديمى)

جو حضرات عورتوں کے قبروں پر جانے کو جائز رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ اجازت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے اور جو حضرات اسے ناجائز کہتے ہیں، ان کا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو قبروں کی زیارت کے لیے جائیں، لہٰذا قبروں پر جانا ان کے لیے ممنوع اور موجبِ لعنت ہوگا۔ یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ عورتیں ایک تو شرعی مسائل سے کم واقف ہوتی ہیں۔ دوسرے ان میں صبر، حوصلہ اور ضبط کم ہوتا ہے؛ اس لیے ان کے حق میں غالب اندیشہ یہی ہے کہ یہ وہاں جا کر جزع فزع کریں گے، یا کوئی بدعت کھڑی کریں گی، شاید اسی اندیشے کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبروں پر جانے کو موجبِ لعنت فرمایا اور یہ اختلاف بھی اسی صورت میں ہے کہ عورتیں قبروں پر جا کر کسی بدعت کا ارتکاب نہ کرتی ہوں، ورنہ کسی کے نزدیک بھی اجازت نہیں۔ آج کل عورتیں بزرگوں کے مزارات پر جا کر جو کچھ کرتی ہیں، اسے دیکھ کر یقین آجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت کیوں فرمائی ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۰۶/۴۔۴۰۸)

عورتوں کے لیے خصوصاً زیارت قبور:

سوال: زیارت قبور مستورات کو حرمین شریفین میں کیوں اجازت ہوئی، حالاں کہ "**لعن اللہ زوارات القبور**" وارد ہے، کسی صورت میں عجم میں عجمیہ مستورات کو جواز ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عورتوں کے لیے زیارت قبور میں تین قول ہیں: ایک منع مطلقاً، **لقوله علیه السلام: "لعن اللّٰه زوارات القبور"**، دوسرا جواز مطلقاً، **لقوله علیه السلام: "کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فإنها تزهد فی الدنیا وتذکر لآخرة". (الحدیث)** (۲)**قالوا: لما نسخ النهی بلغ الرخصة للرجال والنساء جمیعاً**، تیسرا قول تفصیل اس طرح کہ اگر مقصود زیارت سے ندبہ ونوحہ وغیرہ کرنا ہو، تب تو حرام **وهو محمل قوله علیه السلام الاول** اور اگر عبرت اور برکت کے لیے ہو تو بڈھیوں کو جائز **وهو محمل قوله علیه السلام**

(۱) إن کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت به عادتهن فلاتجوز وعلیه حمل حدیث (لعن اللّٰه زائرات القبور) وإن کان للإعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارة قبور الصالحین فلاباس إذا کن عجائز ویکره إذا کن شواب (حاشیة رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲۴۲/۲)

(عن ابن مسعود أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فإنها تزهد فی الدنیا وتذکر الآخرة. رواه ابن ماجة. (مشکاة المصابیح، ص: ۱۵۴، باب زیارة القبور، طبع قدیمی)

(۲) مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب زیارة القبور، ص: ۱۵۴، انیس

الثانی اور جوانوں کو ناجائز، جیسا مساجد میں آنا، لقول عائشة رضی الله عنها: ''لو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى ما أحدث النساء بعده لمنعهن كما منعت نساء بنی اسرائيل''. یہ تفصیل ردالمحتار (۱) میں خیر رملی سے نقل کرکے کہا ہے، وھو توفیق حسن، اور اس حکم میں عربیات وعجمیات سب برابر ہیں، ہماری شریعت سب اسود واحمر کے لیے یکساں ہے۔ واللہ اعلم

(امداد ثانی، ص:۱۳۲) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۷۵۳)

ایک مضمون جس میں عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے:

سوال: مضمون اخبار جس میں عورتوں کا قبرستان جانا جائز قرار دیا ہے ارسال خدمت ہے امید ہے کہ حضور بھی اس کے متعلق کچھ ارشاد فرماویں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اس مضمون میں صرف ایک پہلو پر نظر کی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ مضمون لکھتے وقت اصول نظر سے غائب تھے، اصل یہ ہے کہ قبیح کی ایک قسم قبیح لغیر ہ ہے، اس تمام تر مضمون کا حاصل تو قبیح لعینہ کی نفی ہے؛ مگر اس سے قبیح لغیر ہ کی نفی کیسے لازم آ گئی اور جب قبیح لغیر ہ ہے تو جہاں وہ غیر غالب الوقوع ہے، وہاں ممانعت کی جاوے گی اور ممانعت میں تفصیل نہ کی جاوے گی اور یہی حاصل ہے فتویٰ ممانعت کا اور جہاں غالب الوقوع نہیں، وہاں تفصیل کریں گے اور یہی حقیقت ہے آثار قبیحہ کی۔

۲/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۷۵۳-۷۵۴)

خلاصہ مضمون اخبار تہذیب نسواں، جس کا حوالہ سوال میں ہے:

پہلے زیارت قبور کی سب کو ممانعت تھی، پھر سب کے لیے منسوخ ہوگئی اور حضرت عائشہؓ کے بعض آثار سے اس کی تائید کی گئی ہے اور درمیان میں علما پر طعن کیا ہے، اسی طرح سوال میں عورتوں کے لیے ممانعت کے احتمال پر حکم شرعی میں ناگواری ظاہر کی ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں، یا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے تسلی کی یہ راہ بھی بند کردی ہے اور مجیب صاحب نے اس گستاخی پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور علما پر حکم شرعی اجتہادی کے تحقیق کرنے میں طعن کیا گیا، اللہ اکبر ایک شخص اطاعت کرے اور مطعون ہو اور دوسرا شخص گناہ قریب بکفر کرے اور اس کو اس پر مطلع بھی نہ کیا جاوے، نہ توبہ کی اس کو تاکید کی جاوے۔ (انا اللہ)

شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ، ص:۱۵۸) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۷۵۴)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۲/۲٤۲، مطلب فی زيارة القبور

سوال: چوں کہ زیارت قبور عورتوں کو منع ہے، بدیں وجہ اگر مستورات کو زیارت قبور خانہ کعبہ و مدینہ طیبہ و دیگر اطراف سے منع کیا جاوے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور زیارت روضۂ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ازواج مطہرات وصحابۂ کرام سے بھی روکا جاوے، یا نہیں؟ مشرح بیان فرمائیے۔

الجواب

زیارت قبور عورتوں کے لیے جب کہ احتمال جزع فزع کا نہ ہو، مثل حضور مساجد و جماعات ہے، ایک کی اجازت دوسرے کی ممانعت بے معنی ہے۔

۹؍ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۲۱۰) (امداد الفتاویٰ:۱؍۵۴۷)

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم:

سوال: اگر عورت ضعیفہ، یا جوان پردہ کے ساتھ قبرستان جاوے اور اس جگہ کوئی خلاف شرع کوئی کام نہ کرے تو اس کا جانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قال فی الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح (ص:٣٦٢): وان كان للا عتبار والترحم والتبرک بزيارة قبور الصالحين من غير مايخالف الشرع فلابأس به إذا كن عجائز وكره ذلک للشابات كحضورهن فی المساجد للجماعات، آه. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جاوے تو بوڑھی عورتوں کو زیارت قبور جائز ہے، جوان کو نہ چاہیے کہ اس میں فتنہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۱؍۵۴۷)

خواتین کا قبر کی زیارت:

سوال: کیا خواتین اپنے عزیز مرحومین، شوہر، والدین یا دوسرے رشتہ داروں کی قبروں پر جاسکتی ہیں؟

(محمد کلیم احمد، رنگ روڈ)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً قبر کی زیارت سے منع فرمایا تھا، بعد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کی تفریق کیے بغیر زیارتِ قبر کی اجازت مرحمت فرمادی؛ تاکہ لوگ اس سے آخرت کو یاد کرنے کا ذریعہ بنائیں۔

---

(۱) حاشية الطحطاوی، باب صلاة الجنائز، فصل فی زيارة القبور، ص: ٦٢٠، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

''كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها''.(۱)

اب بعض فقہا کے نزدیک اس اجازت میں عورتیں بھی شامل ہیں، شمس الائمہ سرخسیؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے،(۲) ام المؤمنین سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرنا بھی ثابت ہے،(۳) اس لیے عورتوں کو اپنے اعزہ کے قبر کی زیارت جائز ہے؛ لیکن جزع وفزع سے بچنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ اگر غیر محرم کے قبیل سے ہو تو ستر کا ویسا ہی خیال رکھیں، جیسا کہ زندگی میں خیال رکھا جاتا ہے۔

''و كيفية الزيارة كزيارة ذلك الميت في حيا ته من القرب و البعد''.(۴)

''ام المؤمنین سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ روضۂ شریف میں جب تک سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبریں تھیں، میں بے تکلف کپڑے کا زیادہ خیال کیے بغیر جایا کرتی تھی؛ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روضہ میں تدفین ہوئی تو چوں کہ وہ غیر محرم تھے، اس لیے اچھی طرح کپڑوں کا اہتمام کر کے زیارت کے لیے جاتی تھی''۔(۵) (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۲۸-۲۲۹)

عورتوں کا زیارت اولیا کے لیے جانا:

سوال: عورتوں کا اولیائے کرام کی زیارت کے لیے جانا جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب ــــــــــــ حامداً مصلیاً

نامحرم کو دیکھنا، چاہے وہ اولیائے کرام ہوں چاہے کوئی اور، ممنوع ہے،(۶) اور ان کے مزارات پر جانے سے

(۱) مسند الإمام أحمد،عن أبي بريدة،رقم الحديث: ۱۲۴۰

(۲) اختلف المشائخ رحمهم الله فى زيارة القبور للنساء، قال شمس الأئمة السرخسي: الأصح به لا بأس بها. (الفتاوٰى الهندية،كتاب الكراهية،الباب السادس عشرفى زيارة القبور: ۳۵۰/۱ ،انيس)

(۳) حاشية جامع المسانيد والسنن: ۳۵۹۰،رقم الحديث: ۱۶۱۵

(۴) الفتاوٰى الهندية،كتاب الكراهية،الباب السادس عشر فى زيارة القبور: ۳۰۵/۱،انيس

(۵) حاشية جامع المسانيد والسنن: ۳۵۹۰،رقم الحديث: ۱۶۱۵

(۶) أن أم سلمة رضى الله تعالٰى عنها حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وميمونة رضى الله تعالٰى عنها قالت:فبينما نحن عنده،أقبل ابن أم مكتوم،فدخل عليه، وذلك بعد ما أمرنا بالحجاب،فقال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه و سلم:''احتجبا منه'' فقلت :يارسول الله ! أليس هو أعمى لايبصرنا؟ولايعرفنا،فقال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم:''أفعميا وإن أنتما الستما تبصرانه''؟ هٰذا حديث حسن صحيح''.(جامع الترمذى، أبواب الاستيذان،باب ماجاء فى احتجاب النساء من الرجال: ۱۰۶/۲،سعيد)

مفاسد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کو منع کیا جاتا ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر ۱۳۶۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۶/۹-۱۹۷)

عورت کے لیے رات کو برقع پہن کر اپنے محرم کے ساتھ زیارت قبور کے لیے جانا:

سوال: پردہ مروجہ فی الوقت کے ساتھ کسی پردہ دار خاتون کو اپنے شوہر، یا پیر کے ہمراہ تاریکی میں برقعہ پوش ہو کر کسی اپنے اقارب، یا اولاد کی قبر پر اپنے عقیدے کو درست رکھتے ہوئے بغرض محض تسکین قلب جانا جائز ہے، یا ناجائز؟

(مستفتی: ۱۶۰۵، حاجی حفیظ الدین صاحب وعزیز الدین صاحب، ضلع میرٹھ، ۵/جمادی الاول ۱۳۵۶ھ، ۱۶/جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

پردہ نشین خاتون کے لیے رات کو برقعہ پہن کر اپنے شوہر، یا کسی محرم (باپ، بھائی، نانا، چچا، ماموں وغیرہ) کے ہمراہ زیارت قبور کے لیے جانا مباح ہے،(۲) برقعہ میں محرم کے ہمراہ جانے میں پردے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی اور زیارت قبر کے لئے قبرستان میں جانا عورتوں کے لیے فی حد ذاتہ مباح ہے، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ نہ جائیں؛ مگر جانا بھی معصیت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر زیارت کے لیے گئی تھیں،(۳) پیر غیر محرم ہے؛ اس لیے صرف اس کے ساتھ نہیں جانا چاہیے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۹۴/۴)

---

(۱)　وحاصل الكلام من هٰذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هٰذا الزمان، ولاسيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه فيه الفساد والفتنة، إلخ. (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ٩٦/٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

"إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز ... ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازه، مطلب في زيارة القبور: ٢٤٢/٢، سعيد)

(۲)　(قوله: ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ٢٤٢/١، ط: سعيد)

(۳)　عن عبد الله بن ابي مليكة قال: توفي عبد الرحمن بن ابي بكر بالحبشي، قال فحمل الى مكة فدفن فيها فلما قدمت عائشة اتت قبر عبد الرحمن بن أبي بكر، فقالت وكنا كند ماني جذيمة حقبة، من الدهر حتٰى قيل لن يتصدعا فلما تفرقنا كاني ومالكاً، بطول اجتماع لم نبت ليلة معا، ثم قالت والله لو حضرتك مادفنت الاحيث مت، و لو شهدتك ما زرتك (الترمذي، باب ماجاء في زيارة القبور للنساء: ٢٠٣/٢، ط: سعيد)

(۴)　پیر ہونے سے آدمی محرم نہیں ہوتا تو جس طرح عورت دوسرے غیر محرموں کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی، اسی طرح پیر کے ساتھ بھی نہیں کرسکتی۔ ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، وأو زوج ولا يجوزلها أن تحج بغيرهما. (الهداية، كتاب الحج: ٢٣٣/١، ط: امدادية ملتان)

کسی ولی کی قبر پر قصد کر کے جانا کیسا ہے:

سوال (۱) کسی بزرگ، یا ولی، یا پیر کے مزار پر قصد کر کے اور سفر کر کے جانا کیسا ہے؟

اپنے والدین کے مزار پر غیر ملک میں جانا کیسا ہے:

(۲) لڑکا اپنے والدین کے مزار پر غیر ملک میں جا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) بغیر کسی خاص دن کی تعیین کے اگر کبھی چلا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔(۱) اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا برکت سے خالی نہیں۔

(۲) جا سکتا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۸/۵)

کسی بزرگ یا ولی کے مزار پر بغرض زیارت جانا اور وہاں کھانا:

سوال: کسی بزرگ، یا ولی کے مزار پر بغرض زیارت سواری پر دھوم دھام سے جانا اور وہاں کھانا بریانی پکا کر کھانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور حدیث "لا تشدوا الرحال" (۳) کا کیا مطلب ہے؟

(المستفتی: ۱۰۶، محمد رفیق صاحب، ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۲/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

زیارت قبور کے لیے دور دراز مسافت پر سفر کر کے جانا گو حرام نہیں اور حد اباحت میں ہے؛(۴) تاہم موجب قربت بھی نہیں دھوم دھام سے جانا اور وہاں جا کر کھانا پکا کر کھانا جائز نہیں اگر اس کو شرعی کام اور موجب ثواب قرار دیا جاتا ہو تو اور بھی زیادہ بُرا ہوگا۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۹۱/۴)

(۱-۲) (وبزيارة القبور) أى لا بأس بها تندب كما فى البحر عن المجتبىٰ ... (وتزار فى كل أسبوع). (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فى زيارة القبر: ٢٤٢/٢، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) سنن الترمذى، باب ما جاء فى أى المسجد أفضل: ٧٤/١، ط: سعيد

(۴) قلت: استفيد منه ندب الزيارة، وان بعد محلها، الخ. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى زيارة القبور: ٢٤٢/٢، ط: سعيد)

(۵) ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس الا زيارته، والدعاء عنده قائماً. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن: ١٦٦/١، ط: كوئتة)

بزرگوں کی قبر کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر کرنا:

سوال: زیارت قبور کی اہمیت شرع میں کہاں تک ہے؟ کیا دور دور کے مردہ، یا زندہ بزرگوں کی زیارت کے لیے جانا جائز ہے، یا نہیں؟ مثلاً کوئی آدمی بلوچستان کے علاقہ سے ہندوستان کے بزرگوں کی زیارت کے لیے سفر کرتا ہے، دوسرا کوئی مقصد سوائے زیارت کے نہیں تو شرعاً ٹھیک ہے؟ کیوں کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں اس قسم کے سفر کو شرک فی العبادۃ کہا ہے؛ اس لیے کہ جو معاملہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ غیر اللہ کے ساتھ نہیں رکھنا چاہیے؛ کیوں کہ خانہ کعبہ کی زیارت خوشنودئی خدا کے لیے کی جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کے مکان کی زیارت موجب ثواب اور برکت جان کر کرے تو یہ معاملہ خدا والا غیر اللہ ساتھ ہوگا اور یہ شرک ہے اور ﴿**إیاک نعبد وإیاک نستعین**﴾ کے منافی ہے۔ بعض لوگ تقویۃ الایمان کو حضرت شہیدؒ مرحوم کی کتاب نہیں سمجھتے۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو یہ کس کی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

زیارت قبور کے لیے دور دراز سے سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے اور یہ اختلاف متقدمین سے چلا آرہا ہے، لہٰذا اس کا فیصلہ اب ہونا مشکل ہے۔ (ہکذا فی فتاویٰ رشیدیہ) لیکن یہ اس وقت تک ہے جب سفر مذکور میں دیگر مفاسد موجود نہ ہوں، مثلاً: اہل قبول سے اپنی حاجات طلب کرنا، ان کے تقرب کی غرض سے چڑھاوے چڑھانا، قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امور مذکورہ کے انضمام کی صورت میں یہ سفر بالکل ناجائز ہو جائے گا اور شرک بن جائے گا؛ کیوں کہ اب یہ سفر بہ نیت تقرب بزرگ ہوگا بہ نیت زیارت نہ رہا۔ آج کل عوام اپنی اغراض کے لیے ایسے سفر کرتے ہیں، **کما هو المشاهد ولا ریب فیه**. پس ان کے لیے سفر کرنا ناجائز ہے۔ حضرت شہیدؒ غالباً اسی کی ممانعت فرمارہے ہیں۔ تقویۃ الایمان'' حضرت موصوف ہی کی تصنیف ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۶/۲/۷ ۱۳۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۰۵/۳)

کسی بزرگ کے قبر کے لیے سفر کا حکم:

سوال: سفر کرنا واسطے کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے خصوصا مردوں کو جائز ہے، یا نہیں؟ مثلا: اکثر لوگ اجمیر شریف کلیر شریف پھلواری شریف جایا کرتے ہی؟

(المستفتی: ۱۰۰۷، عبد الستار (گیا) ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

سفر زیارت اگر چہ جائز ہے؛ مگر بہتر نہیں،(۱) اور بہتر اس لیے نہیں کہ آج کل یہ مزارات شرک و بدعت کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۱۹۱/۴)

اولیا کے مزارات پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست جائز ہے، یا نہیں:

سوال: بزرگان دین کی درگاہ میں حاضر ہونا اور ان سے یہ کہنا کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں، ہمارے لیے دعا کیجئے کہ خداوند عالم فلاں عرض پوری کردے۔شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے، یا نہیں؟ اولیاء اللہ کو مزارات پر جانے سے خبر ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس بارے میں مشروع یہ ہے کہ زیارت کے وقت سلام موافق طریقہ معروف کے کرے اور اہل قبور کے لیے دعاء مغفرت کرے اور اگر کچھ پڑھ کر ان کی ارواح کو ثواب پہنچا دیوے تو بہت اچھا ہے اور اگر کچھ دعاء مغفرت کرے تو اللہ تعالیٰ سے کرے، مثلا: اس طریق سے کہ یا الٰہ ان کی برکت سے میری حاجت پوری فرما، ان بزرگوں سے یہ نہ کہے کہ تم دعا کرو، سماع موتی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔حنفیہ سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں، لہٰذا اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعا کرو؛ بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعاء مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرے اور اگر ان کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرما دے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۱/۵-۴۴۲)

اولیاء اللہ کے قبور کے لیے جانا اور وہاں شرینی وغیرہ لے جانا:

سوال: اولیاء اللہ کی قبور کی زیارت کے وقت ان کی قبور کے سرہانے شیرینی وغیرہ رکھ کر باادب کھڑے ہو کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا، ثواب رسانی کرنا، جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۲۸۳، محمد گھوڑو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ) ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ، مطابق ۳ جنوری ۱۹۳۷ء)

(۱) لابأس بزيارة القبور... قلت،استفيد منه ندب الزيارة وان بعد محلها الخ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فى زيارة القبور: ۲۴۲/۲، ط: سعيد)

(۲) حصن حصین، آداب الدعاء، ص: ۱۸

الجواب

زیارت قبور کے لیے جانا اور جا کر ''السلام علیکم یاأهل القبور، أنتم سلفنا و نحن بالأثر''(۱) کہنا مسنون ہے اور کچھ پڑھ کر ان کو ثواب بخشنا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز ہے شیرینی لے جانا اور قبر پر یا قبر کے سرہانے رکھ کر فاتحہ پڑھانا بے اصل ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۱۹۱/۴)

اولیاء اللہ کی قبروں پر بکرے وغیرہ دینا حرام ہے:

سوال: جو لوگ اولیاء اللہ کی قبروں پر بکرے وغیرہ دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہیں؟ حالاں کہ اگر ان کی نیت خیرات کی ہو تو ان کے قرب جوار میں مساکین بھی موجود ہیں؟

الجواب

اولیاء اللہ کے مزارات پر جو بکرے بطور نذر و نیاز کے چڑھائے جاتے ہیں، وہ قطعاً ناجائز و حرام ہیں، ان کا کھانا کسی کے لیے بھی جائز نہیں؛(۳) الا یہ کہ مالک اپنے فعل سے توبہ کر کے بکرے کو واپس لے لے اور جو بکرے وہاں کے غریب، غربا کو کھلانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں، وہ غریب، غربا کے لیے حلال ہیں۔(۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴۰۳/۴)

اجمیر شریف کی زیارت کے لیے سفر:

سوال: اگر ہم گھر سے نیت کر کے چلے اجمیر شریف کی زیارت کرنے کے لیے اور وہاں پر پہونچ کر زیارت کی اور جو کچھ ہو سکتا ہے ہم نے درود شریف پڑھا اور بخشا اور چلے آئے۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) عن ابن عباس قال: مر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بقبور المدينة، فأقبل عليهم بوجهه، فقال: السلام عليكم يا أهل القبور يغفر اللّٰه لنا ولكم أنتم سلفنا ونحنم بالأكثر. (الترمذى، كتاب الصلاة، أبواب الجنائز، باب ما يقول الرجل اذا دخل المقابر: ۲۰۳/۱، قديمى، انيس)

(۲) اور چوں کہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور سے اس کا ثبوت نہیں؛ اس لیے بدعت ہے۔

(۳) واعلم أن النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع و الزيت ونحوها إلىٰ ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم بالاجماع باطل وحرام ما لم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام وقد ابتلى الناس بذلك ولاسيما فى هٰذه الأعصار. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم: ۴۳۹/۲، ۴۴۰، قبيل باب الاعتكاف، طبع سعيد)

(قوله: باطل وحرام) لوجوه: منها: أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق. (رد المحتار، كتاب الصوم: ۴۳۹/۲، مطلب فى النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام)

(۴) وذكر الشيخ إنما هو محل لصرف النذر لمستحقيه القاطنين برباطه أومسجده فيجوز بهٰذا الاعتبار ولا يجوز أن يصرف ذلك لغنى ولاشريف منصب أوذى نسب أوعلم ما لم يكن فقيراً. (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب فى النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام من شمع أو زيتٍ: ۴۳۹/۲، دار الفكر بيروت)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اورآخرت یادآتی ہے،(۱) قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہونچانا بھی ثابت اورمفید ہے،(۲) جوکام محض ثواب کے ہیں ان میں بھی لوگوں نے ایسی چیزیں داخل کرلیں کہ ثواب کے بجائے ان سے گناہ ہوتا ہے، مثلا اجمیر شریف جا کر مزاروں کوسجدہ کرتے ہیں، ان سے منت مانگتے ہیں، قبرپر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، قوالی کرتے، یا سنتے ہیں، وہاں بے پردہ عورتیں بھی جاتی ہیں، (۳) ایسی باتیں شرعا جائز

---

(۱) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دارقوم مؤمنين، وآتاكم ما توعدون غدا مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللّٰهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد". (رواه مسلم) (الصحيح لمسلم، فصل فى التسليم علىٰ أهل القبور: ۳۱۳/۱، قديمى، انيس)

قوله: "وإنا إن شاء الله" الحديث ... وفى هٰذه الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور، و السلام علىٰ أهلها، و الدعاء لهم، والترحم عليهم. (شرح مسلم للنووى، كتاب الجنائز، فصل فى التسليم علىٰ أهل القبور و الدعاء والاستغفار لهم: ۳۱۳/۱، قديمى)

عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: زار النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكىٰ و أبكىٰ من حوله، وقال النبى صلى الله عليه وسلم استاذنت ربى فى أن استغفر لها فلم يؤذن لى واستاذنته فى أن أزور قبرها فاذن لى فزوروها فإنها تذكركم الموت. (الصحيح لمسلم، فصل فى الذهاب إلىٰ زيارة القبور: ۳۱٤/۱، قديمى)

ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات ... وصرح فى المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لهما". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳٤۲/۲، رشيدية)

ولابأس ... بزيارة القبور ولو للنساء". (الدرالمختار). "قوله: وبزيارة القبور): أى لا بأس بها بل تندب ... (قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، ... فلا بأس إذا كن عجائز. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى زيارة القبور، ۲٤۲/۲، سعيد)

(۲) إن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يارسول الله! صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إن أمى توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: نعم" قال: فإنى أشهدك أن حائطى المخراف صدقة عليها. (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضى وبستانى صدقة لله عن أمى: ۳۸٦/۱، قديمى)

صرح علماء نا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوماً أوصدقة أوغيرها ... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين و المؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره شئ. (ردالمحتار كتاب الجنائز، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲٤۳/۲، سعيد)

(۳) عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوارات القبور. قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث حسن صحيح. (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى كراهية زيارة القبور للنساء: ۲۰۳/۱، سعيد)

ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة فى المساجد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى زيارة القبور: ۲٤۲/۲، سعيد)
==

نہیں؛ بلکہ گناہ اور حرام ہیں، بعض باتیں شرک کے قریب ہیں،(۱) اگر کوئی شخص خود یہ باتیں نہ کرے، تب بھی دوسرے لوگ جو یہ باتیں کرتے ہیں، ان کو دیکھنا، یا ان کے ساتھ شریک ہونا پڑتا ہے، لہٰذا ایسی حالت میں وہاں جانا درست نہیں اور زیارت قبور کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ میلہ اور تماشہ بن جاتا ہے، اپنے مکان پر جو کچھ ہوسکے پڑھ کر ثواب پہونچادیا جائے، گورغریباں کی زیارت کبھی کبھی اپنی بستی کے قبرستان میں جا کرلیا کریں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۳۹۰/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،۱۳۹۰/۶/۲۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹۷-۱۹۹)

قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے، یا مغرب کی جانب سے:

سوال (۱) زید نے قبر کی شرق کی جانب سے قبلہ رد ہو کر جیسے نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں فاتحہ پڑھی، بکر کہتا ہے کہ اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، شرق، یا شرق کے کسی گوشہ کی جانب رخ کر کے پڑھنا چاہیے۔شرعاً بکر کا قول کس درجہ میں ہے؟

(۲)　　جب کہ ہر چہار سو قبریں ہوں اور یہ شخص اپنے عزیز کی قبر پر فاتحہ کے لیے جائے تو فاتحہ کے لیے کون سی سمت کو اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱،۲)　　اگر میت کے سر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت کی جائے تو یہ میت پر باعث دشواری ہے، لہٰذا پیر کی جانب کھڑے ہو کر زیارت اور فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

"یأتی الزائر من قبل رجلی المتوفی لا من قبل رأسه؛ لأنه أتعب لبصر المیت، بخلاف الأول؛ لأنه یکون مقابل بصره". (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳۵۳/۱۱/۱۷ھ۔صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۹۰)

==　　وحاصل الکلام من هذا کله أن زیارة القبور مکروهة للنساء، بل حرام فی هذا الزمان، ولا سیما نساء مصر؛ لأن خروجهن علی وجه الفساد والفتنة. (عمدة القاری، باب زیارة القبور، بیان ما یستفاد منه: ۹٦/٦، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

(۱)　　جیسے کہ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ۔عن أبی مرثد الغنوی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا إلیها". (مشکوة المصابیح، باب دفن المیت، ص: ۱٤۸، قدیمی)

قال الملا علی القاری: (ولا تصلوا): أی مستقبلین (إلیها) لما فیه من التعظیم البالغ؛ لأنه من مرتبة المعبود ... ولو کان هذا التعظیم حقیقة للقبر أو لصاحبه لکفر المعظم فالتشبه به مکروه وینبغی أن تکون کراهة تحریم. (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، الفصل الأول. (رقم الحدیث: ۱٦۹۸): ۱۷۸/٤، رشیدیة)

(۲)　　ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی زیارة القبور: ۲٤۲/۲، سعید　　==

جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتاینِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا حالت ناپاکی میں قبرستان میں، یا قبر کے پاس جانا کیسا ہے؛ یعنی حالت جنابت میں؟ بینوا توجروا۔

(مستفتی: نیازمند، احسان الحق، سرمحمد اسحاق، محلّہ سرائے قیصر علی، سہارنپور)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

قبر کی زیارت کے لیے پاکی کی حالت میں جانا چاہیے؛ کیوں کہ وہاں جا کر قرآن شریف پڑھنا بھی مسنون ہے اور قرآن شریف ناپاکی کی حالت میں پڑھنا ناجائز ہے، اگر قرآن شریف نہ پڑھے تو بحالت جنابت جانا بھی گناہ نہیں، البتہ خلاف افضل ضرور ہے۔

”**والأفضل أن یکون ذلک یوم الخمیس متطهرًا**“. (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹۰/۹-۱۹۱)

مزارات پر جانا جائز ہے؛ لیکن وہاں شرک وبدعت نہ کرے:

سوال: کیا مزاروں پر جانا جائز ہے؟ جو لوگ جاتے ہیں یہ شرک تو نہیں کررہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

قبروں کی زیارت کو جانا مستحب ہے؛ (۲) اس لیے مزاراتِ اولیاء پر جانا تو شرک نہیں۔ ہاں! وہاں جا کر شرک وبدعت کرنا بڑا سخت وبال ہے۔ (۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴۰۲/۴)

== ”من آداب زيارة القبور مطلقاً ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، فإنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلىٰ جهة قدمه إذا كان علىٰ جنبه“ (مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، فصل: يستحب زيارة أهل المعلى إلخ، ص: ۵۰۱، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی زيارة القبور: ۲۴۲/۲، سعید

(والأفضل)، وفی نسخة: يستحب (أن يكون ذلک): أی وقت زيارتهم (يوم الخميس متطهرًا): أی القذار والأوزار. (مناسک الملاعلی القاری، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل فی زيارة جبل أحد وأهله، ص: ۵۲۵، إدارة القرآن کراتشی)

(۲) قوله بزيارة القبور أی لا بأس بها بل تندب كما فی البحر عن المجتبی. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زيارة القبور: ۲۴۲/۲، طبع سعید)

(۳) ﴿وإن الشرک لظلم عظيم﴾ الآية. وأيضاً و يكره عند القبور مالم يعهد من السنة و المعهود منها ليس الا زيارته والدعاء عنده قائماً. (الفتاویٰ الهندية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱۶۶/۱، انيس)

بزرگوں کے مزارات پر منت ماننا حرام ہے:

سوال: کئی جگہ پر کچھ بزرگوں کے مزار بنائے جاتے ہیں (آج کل تو بعض نقلی بھی بن رہے ہیں)، اوران پر ہرسال عرس ہوتے ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب______________

یہ تمام بالکل ناجائز اور حرام ہیں، ان کی ضروری تفصیل میرے رسالے ''اختلاف امت اورصراط مستقیم'' میں دیکھ لی جائے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۴۰۲)

کفن یا قبر پر پھول ڈالنا:

سوال: قبر، یا کفن پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ خوشبو لگانا کیسا ہے؟

الجواب______________ حامداً ومصلیاً

میت کو کفن پہناتے وقت جو خوشبو لگائی جاتی ہے، وہ ثابت ہے،(۲) اور وہی کافی ہے، نہ کفن پر پھول ڈالے جائیں نہ قبر میں۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۷۳)

قبروں پر پھول چڑھانا:

سوال: قبر پر پھول چڑھانا ناجائز ہے کہ نہیں؟

(المستفتی: ۲۳۱۸، اے سی منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ، مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۸ء)

الجواب______________

قبروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں،(۴) جس حدیث سے پھول ڈالنے والوں نے استدلال پکڑا ہے، وہ خصوصیت پر محمول ہے؛ کیوں کہ خیر القرون میں اس عمل کو کسی نے نہیں کیا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۱۹۴)

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''اختلاف امت اورصراط مستقیم''، صفحہ: ۶۳-۷۸، مطبع مکتبہ لدھیانوی

(۲) وجميع ما يجمر فيه الميت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة، وعند غسله، وعند تكفينه، ولا يجمر خلفه ولا في القبر". (البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/ ۳۱۰، رشيدية)

(۳) قال العيني رحمه الله تعالىٰ: إن إلقا الرياحين ليس بشئ. (فيض الباري، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۲/ ۴۴۹، مكتبه حضر راه بكڈپو ديوبند)

(۴) اور بدعت ہے؛ کیوں کہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے ثابت نہیں۔ ==

قبر پر پھول چادر روشنی کرنا:

سوال: قبر کے گرد روشنی کرنا، قبر پر غلاف ڈالنا اور پھولوں کی چادر جنازہ، یا قبر پر ڈالنا، درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ سب چیزیں بھی بدعت ہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷۴/۹)

مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا:

سوال: اکثر مقامات پر مصنوعی قبریں بنا کر چادر وغیرہ چڑھاتے ہیں، کیا مصنوعی قبروں پر ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسے لوگ مثال دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوقبروں پر کھجور کی سبز ٹہنی گاڑ دی تھی، وہ تو قبر والوں پر عذاب ہو رہا تھا، لہٰذا اس کا منشا اور تھا؛ لیکن اس جگہ تو زینت کے لیے پھول وغیرہ چڑھاتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مصنوعی قبروں کو بنا کر مخلوق کو دھوکا دینا ہے، جو کہ معصیت ہے،(۲) اور قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانا درست نہیں ہے۔(۳) حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوقبروں پر شاخ گاڑنا منقول ہے، وہ بھی اس لیے کہ ان دونوں پر عذاب قبر ہو رہا تھا۔(۴)

== "وذكرابن الحاج في المدخل،أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد فيجعلونه على الميت في قبره فان ذالک لم يروعن السلف فهوبدعة قال،ويكفيه من الطيب ما عمل له، وهوفي البيت،فنحن متبعون لامبتدعون فحيث وقف سلفنا،وقفنا.(حاشية الطحطاوى،علىٰ مراقى الفلاح،فصل فى حملها، ودفنها،ص:٣٦٨،مصطفى،مصر)

(۱) وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلىٰ ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم،فهوبالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد،قبيل باب الاعتكاف: ٤٣٩/٢،سعيد)

وإخراج الشموع إلىٰ رأس القبورفي الليالي الأول بدعة، كذا في السراجية.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشرفي زيارة القبور: ٣٥١/٥،رشيدية)

(۲) فقال السيد:هو(أى الخداع) أن يوهم صاحبه خلاف ما يريد من المكروه ... وأما المؤمنون وإن جازأن يخدعوا إلا أنه يبعد أن يقصدوا خدع المنافقين؛لأنه غيرمستحسن،بل مذموم مستهجن،وهى أشبه شئ بالنفاق،وهم فى غنى عنه ... ﴿وما يشعرون﴾ ... هلاک أنفسهم وإيقاعها فى الشقاء الأبدى بكفرهم و نفاقهم كما روى عن زيد أوالمراد لا يشعرون بشئ. (روح المعانى(سورة البقرة:٩): ١٤٥/١-١٤٨،دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) وقال العينى رحمه الله تعالىٰ:إن القاء الرياحين ليس بشئ". (فيض البارى، كتاب الجنائز،باب الجريد على القبر: ٤٨٩/٢ ،مكتبة خضرراه بكڈپوديوبند)

(۴) عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال:مرالنبى صلى الله عليه و سلم بقبرين يعذبان،فقال:إنهما ==

وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت شامل تھی،(۱) اگر اس سے استدلال کر کے بزرگان دین کے مزارات پر پھول چڑھائے جاتے ہیں تو کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگان دین کے مزارات پر پھول چڑھائے جاتے ہیں تو کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگان دین کو عذاب قبر ہورہا ہے (معاذ اللہ) ان دو قبروں کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں شاخ کا گاڑنا بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، کانپور۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۷۵-۱۷۶)

صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا:

سوال: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر تعداد میں شہید ہوئے اور اماماں شریعت وطریقت بھی ہوئے۔ کیا ان کے مزارات پر غلاف یا پھول وغیرہ چڑھایا جاتا ہے اور ان کا سویم، دسواں، چالیسواں وغیرہ بھی ہوتا ہے، جس طرح ہندوستان میں ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ہندوستان میں بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں مجھے علم نہیں کہ کسی دوسرے ممالک میں بھی یہ سب کیا جاتا ہے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارات تو ان چیزوں سے محفوظ ہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۹/۱۷۶)

قبروں پر پھول چڑھانے کے لیے ایک آیت اور حدیث سے استدلال:

سوال: جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کو شق کر کے گاڑ دیا اور فرمایا کہ ”جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی“۔ (۳) اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں۔

== لیعذبان وما یعذبان فی کبیر أما أحدهما فکان لا یستتر من البول وأما الآخر فکان یمشی بالنمیمة ثم أخذ جریدة رطبة فشقها بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدةً فقالوا یا رسول اللّٰه لِمَ صنعت هٰذا؟فقال لعله أن یخفف عنهما ما لم ییبسا. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۱/۱۸۱-۱۸۲،مکتبة ملت،دیوبند،انیس)

(۱) قال الطرطوشی:لأن ذلک خاص ببرکة یده صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم“.(إعلاء السنن، کتاب الجنائز، باب استحباب غرزالجرید الرطبة علی القبر: ۸/۲۸۹،إدارة القرآن، کراتشی)

(۲) بلکہ سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم عرب ممالک میں دفن ہیں اور ان تمام ممالک میں کسی بھی ملک میں نہ پھول وغیرہ چڑھانے کا عمل ہے، اگر اس طرح کا کوئی عمل مسنون، یا مستحب ہوتا تو وہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں؛ لیکن یہ طریقے اہل بدعت کے ایجاد کردہ ہیں۔

(۳) عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: مر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی قبرین،فقال: إنهما یعذبان”وما یعذبان فی کبیر،أما هٰذا فکان لا یستتر من البول وأما هٰذا فکان یمشی بالنمیمة ثم دعا بعسیب رطب، فشقه باثنین، ثم غرس علٰی هٰذا واحدًا وعلٰی هٰذا واحدًا،وقال:”لعله یخفف عنهما ما لم ییبسا.(سنن أبی داؤد،باب الإستبراء من البول: ۱/۴، دارالحدیث ملتان)

کہتے ہیں: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم﴾ (الآية)(۱) قول اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور تر لکڑی ذی حیات ہے تو یہ استدلال صحیح ہے، یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں، یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہو گیا تھا کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے، (۲) کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں، کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہو رہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۃ حاضر ہو کر مقابر اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے۔ (۳) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے؟

اس حدیث کے ذیل میں علما نے تخصیص کا احتمام بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، (۴) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تیقن کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا؛ بلکہ ''لعل'' فرمایا ہے۔ (۵) اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''إن إلقاء الرياحين ليس بشيء، آه''. (۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری: ۱/۲۷۷، میں لکھا ہے:

''وأما حديث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانامسلمين، ففي رواية ابن ماجة: ''مر

---

(۱) سورة الإسراء: ٤٤

(۲) قال المازري: يحتمل أن يكون أوحي إليه أن العذاب يخفف عنهما هٰذه المدة''. (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لايستترمن بوله: ٤٢٥/١، قديمي)

(۳) قلت ... إن كانوا يدعون إتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، و على المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين. (البدرالساري علىٰ حاشية فيض الباري، باب من الكبائر أن لا يستتر من البول: ٣١١/١، خضرراه بکڈپو دیوبند)

(۴) بعض العلماء قال: إنها واقعة عين يحتمل أن تكون مخصوصة بمن أطلعه اللّٰه تعالىٰ علىٰ حال الميت''. (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر: ٢٢٤/٣، دار المعرفة، بيروت)

وقد استنكر الخطابي ومن تبعه وضع الناس الجريدة ونحوه في القبر عملًا بهٰذا الحديث، قال الطرطوشي: ل أن ذلك خاص ببركة يده صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم. (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستترمن بوله: ٤٢٥/١، قديمي)

(۵) عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستترمن بوله: ١٨٠/٣، دارالكتب العلمية بيروت

(۶) سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول، ص: ٢٩، قديمي

بقبرين جديدين". (۱)فانتفى كونهما فى الجاهلية وفى حديث أبى أمامة عند أحمد:أنه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم مربالبقيع فقال:"من دفنتم اليوم هٰهُنا؟(۲)فهٰذا يدل علىٰ أنهما كانا مسلمين وفى رواية أبى بكرة عند أحمد،والطبرانى بإسناد صحيح:"أنهما يعذبان إلا فى الغيبة والبول" (۳) وعن عائشة رضى اللّٰه عنها: قالت:مرالنبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال :"إنهما يعذبان،وما يعذبان فى كبير،كان أحدهما لايتنزه من البول"الحديث،رواه الطبرانى فى الأوسط". (۴)فهٰذا الحصرينفى كونهما كانا كافرين؛لأن الكافر وإن عذب علىٰ ترك أحكام الإسلام،فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلاخلاف". (۵)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۷۶/۹-۱۷۸)

قبر پر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ:

سوال: قبر کے اوپر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ کا جلانا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

بدعت اور ممنوع ہے، میت کے لیے خوشبو لگانا تین وقت ثابت ہے: ایک جب اس کی روح نکلے، دوسرے جب اس کو غسل دیا جائے، تیسرے کفن پہنانے کے قریب۔ (بحر:۱۹۱/۲)(۶) قبر پر ثابت نہیں، نہ دفن سے پہلے اور نہ دفن کے بعد جو لوگ قبر پر چراغ جلاتے ہیں، ان پر حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوۃ ص:۷۱)(۷)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۷۹/۹-۱۸۰)

---

(۱) عن ابن عباس قال: مر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بقبرين جديدين،فقال:إنهما يعذبان،ما يعذبان فى كبير،أما أحدهما فكان لا يستنزه من بوله وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة.(سنن ابن ماجة،باب التشديد فى البول،ص:۲۹،قديمى)

(۲) مسند الإمام أحمد،حديث أبى أمامة:۳۵۷/۵،رقم الحديث: ۲۹۷۸۹،دارإحياء التراث العربى بيروت

(۳) مسند الإمام أحمد،حديث أبى بكرة نفيع بن حارث:۱٤/۵،رقم الحديث:۱۹۸٦۰،دار إحياء التراث العربى بيروت
عن أبى بكرة قال: كنت أمشى مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم، فمر علىٰ قبرين، فقال: من يأتينى بجريدة؟ قال: فاستبقت أنا ورجل آخر فجئنا بعسيب فشقه باثنين فعل علىٰ هٰذا واحداً وعلىٰ هٰذا واحداً ثم قال أما أنه سيخفف عنهما ما كان فيهما من بلولتهما شئ،ثم قال:إنهما ليعذبان فى الغيبة والبول.(مسند أحمد،حديث أبى بكرة،٥٣/٣٤،انيس)

(۴) مجمع الزوائد:۲۰۷/۱،دارالفكر،بيروت

(۵) فتح البارى،كتاب الوضوء،باب من الكبائرأن لايستترمن بوله: ۱/٤۲٦،قديمى

(٦) وجميع ما يجمرفيه الميت ثلاثة مواضع:عند خروج روحه لإزالة الرائحة الكريهة وعند غسله وعند تكفينه ولا يجمرخلفه ولا فى القبر.(البحرالرائق،كتاب الجنائز:۳۱۰/۲،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۷) عن ابن عباس رضى اللّٰه عنهما قال:لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد و السرج".(رواه أبوداؤد والترمذى والنسائى".مشكٰوة المصابيح،كتاب الصلاة،باب المساجد ومواضع الصلاة فى الفصل الثانى،ص:۷۱،قديمى)

شب برأت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی:

سوال: شب برأت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگربتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

رسم جہالت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۸۰/۹)

قبر پر اگربتی جلانا، اذان دینا، تیجہ کرنا:

سوال: بعض جگہ میں عام دستور ہے کہ اگر کوئی مرجاتا ہے تو تین روز تک قبر پر بتیاں جلائی جاتی ہیں اور اذان پڑھی جاتی ہے اور تیسرے دن تیجہ کے نام سے کلام مجید اور آیت کریمہ پڑھنا لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کیا شرعا یہ صورتیں جائز ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ امور بدعت اور ناجائز ہیں۔(۲) قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز پڑھ کر، یا روزہ رکھ کر، یا غربا کو کھانا، کپڑا، نقد دے کر بلا تعیین تاریخ ثواب پہنچانا اور جس قدر جلدی ممکن ہو، اس میں جلدی کرنا؛ بلکہ دفن سے پہلے پہلے کرنا مستحسن اور باعث ثواب ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۵۹/۹/۹ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ۔ صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۸۰/۹)

قبر سے متعلق چند خرافات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کے ماننے والوں نے تجہیز وتکفین وتدفین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کئے:

(۱) نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد بالقصد قبر کھودنے میں دیر کرنا بایں وجہ کہ ان کے مریدین دور دراز سے آنے والے ہیں، وہ لوگ پیر کے چہرہ کو دیکھ لیں۔

(۱-۲) وإخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي. الأول بدعة. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور: ۳۵۱/۵، رشيدية)

(۳) وللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوٰة كان أو صوماً أو حجا أو صدقة أو قراءة للقرآن أو لأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير.
(مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱-۶۲۲، قديمي)

(۲)　قبر میں مردہ کو رکھ کر ایک دوروزہ تک قبر کھلی ہوئی رکھنا۔

(۳)　چھوٹی الائچی پیس کر مردے کے بدن پر لگانا۔

(۴)　میت کے غسالہ (دھوون) کو تبرک سمجھ کر پینا، پلانا۔

(۵)　قبر کو چھ فٹ گہرا کھودنا تاکہ پیر قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے۔

(۶)　قبر میں گدے بچھانا، پھولوں کی سیج بچھانا، تین تکیے ایک دائیں جانب، دوسرے بائیں جانب، تیسرے سرہانے کی جانب رکھنا، چھڑی اور بدھنا رکھنا، ٹوپی وغیرہ پہنانا۔

(۷)　شخص مذکور کے ماننے والے نے اس قسم کی باتیں بھی کہی ہیں، مثلاً تمام نبیوں سے اعلیٰ ہے میرا پیر، نیز یہ بھی کہا ہے کہ اسی سیرت کی پوجا کرو، اسی میں کامیابی ہے۔ (العیاذ باللہ)

نوٹ: جمیع سوالات کے جوابات مدلل ومفصل بحوالہ کتب عنایت فرمادیں؟

(محمد مصطفیٰ قاسمی، جامع العلوم، جامع مسجد فیروز آباد، آگرہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

میت اور ازس کے غسل اور دفن اور قبر سے متعلق چھوٹے سے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور ہیں، امور مسئولہ کا ذکر نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ فقہ کی مستند کتب میں، پس یہ سب چیزیں بے اصل ہیں، بے دلیل ہیں، جہالت ہیں، ضلالت ہیں، بدعت ہیں، (۱) اور بعض ان میں شرک ہیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح راستے پر چلائے۔ اگر دلائل کا مطالبہ کرنا ہے تو جو لوگ ان چیزوں کے مرتکب ہیں، ان سے ثبوت طلب کیا جائے، ہمارے واسطے تو اتنی بات کافی ہے کہ ان چیزوں کا کہیں ثبوت نہیں۔

میت کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں جلدی کرنے کا حکم حدیث وفقہ میں موجود ہے، (۳) قبر کا اتنا گہرا کھودنا غلط ہے؛ بلکہ اتنی

---

(۱)　عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: قال النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه، فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علٰی صلح جور فهومردود: ۳۷۱/۱، قدیمی)

قال العلامة المناوی تحته: (من أحدث) "أی أنشأ واخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه ... (ما لیس منه): أی رأیا لیس له فی الکتاب، أوالسنة عاضد ظاهر أوخفی، ملفوظ أومستنبط، (فهورد): أی مردود علٰی فاعله لبطلانه.

(فیض القدیر: ۵۵۹٤/۱۱، رقم الحدیث: ۸۳۳۳، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض وبمعناه مفصلاً فی المرقاة شرح المشکٰوة، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۳٦٦/۱، رشیدیة)

(۲)　"قوله: اسی سیرت کی پوجا کرو" پوجا کرنا شرک ہے؛ کیوں کہ سجدہ کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ذات ہے: وقال شمس الأئمة السرخسی: السجود لغیر اللّٰه علٰی وجه التعظیم کفر. (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، قبیل فصل فی البیع: ۳٦٤/۸، رشیدیة)

گہری ہونی چاہیے کہ میت کو اس میں رکھنے کے بعد جو تختہ وغیرہ رکھا جائے تو اس کے جسم سے مس نہ کرے، البتہ اوپر کا حصہ ایک آدمی کی قد کے برابر، یا اس سے کچھ کم گہرا ہونا چاہیے،(۱) میت کے نیچے گدا بچھانا صحابہ کرام، مجتہدین اور جملہ اصحاب عظام سے کہیں ثابت نہیں۔ تین تکیوں کی مصلحت بھی وہی بتائیں گے، حدیث وفقہ میں تو کہیں نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۸۱/۹-۱۸۴)

مزارات پر خرافات:

سوال: قبروں پر قبے بنانا، چادریں ڈالنا، چڑھاوے چڑھانا، جھنڈے لگانا، نذر و نیاز کے طور پر مزارون پر بکرے ذبح کرنا، شیرینی تقسیم کرنا، قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اور سنت طریقہ ہے، یا بدعت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ سب کام شرو عاناجائز، مکروہ اور گناہ ہیں،(۳) اور بعض شرک کی حدتک پہونچے ہوئے ہیں۔(۴) تفصیل نظام تصوف نمبر، اگست، ۱۹۶۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۸۴/۹-۱۸۵)

---

(۱) وعن هشام بن عامر رضي اللّٰه تعالٰى عنه أن النبي صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم قال يوم أحد:"احفروا وأوسعوا و أعمقوا وأحسنوا وادفنوا الاثنين و الثلاثة في قبر واحدٍ وقدموا أكثرهم ترآنا.الحديث.(مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز ،باب دفن الميت،الفصل الثاني،ص:١٤٨،قديمي)

"قال المظهري:أي اجعلوا عمقه قدر قامة الرجل إذا مديده إلٰى رؤس أصابعه".(المرقاة، باب دفن الميت، الفصل الثاني: ١٨١/٤،رقم الحديث: ١٧٠٢،رشيدية)

(۲) بلکہ اس کو شارحین حدیث اور فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی قرار دے کر رد کیا ہے۔

قال النووي في شرحه على مسلم:وقد نص الشافعي وجميع أصحابنا و غيرهم من العلماء علٰى كراهة وضع قطيفة أو مضربة أو مخدة ونحو ذلك تحت الميت في القبر،وشذ عنهم البغوي من أصحابنا ... والصواب كراهته كما قاله الجمهور وأجابوا عن هٰذا الحديث بأن شقران انفرد بفعل ذلك، ولم يوافقه غيره ... وخالفه غيره فروى البيهقي عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أنه كره أن يجعل تحت الميت ثوب في قبره،واللّٰه تعالٰى أعلم.(الكامل للنوي،باب الجنائز ،فصل في استحياب اللحد: ٣١١/١،قديمي)

(۳) أما بطلان قوله:" قبروں پر قبے بنانا"كما في الدرالمختار :(ولايجصص) للنهي عنه،(ولايطين،ولا يرفع عليه بناء قيل لا بأس به وهو المختار).قال ابن عابدين: وعن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالٰى :يكره أن يبني عليه بناء من بيت أوقبة أونحو ذلك،لما روى جابر رضي اللّٰه عنه:نهٰى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه و سلم عن تجصيص القبور،وأن يكتب عليها،وأن يبني عليها،رواه مسلم وغيره.(ردالمحتار،باب صلاة الجنازة،مطلب في دفن الميت: ٢٣٧/٢،سعيد)

كره بعض الفقهاء وضع الستور و العمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء،قال في فتاوىٰ الحجة: وتكره الستورعلى القبور.(ردالمحتار،كتاب الحظر والاباحة،قبيل فصل في النظرو المس: ٣٦٣/٦،سعيد)

(۴) وأماقوله:"چڑھاوے چڑھانا،نذرونیاز کے طور پر مزاروں پر بکری ذبح کرنا"فلما قال العلامة الطحطاوي:"واعلم أن النذرالذي يقع للأموات من أكثر العوام،وما يؤخذ من الدراهم،والشمع والزيت،ونحوها إلٰى ضرائح الأولياء ==

مزار پر احتراما سجدہ کرنا:

سوال: جناب ایک مسلمان جس کے دل میں یقین کامل ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ واحد ہے، وحدہٗ لاشریک ہے، ایک مسلمان کے مزار پر احتراما محبت سے سجدہ کرتا ہے۔ کیا وہ سجدہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہماری شریعت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مقدس کون ہوگا؟ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود اپنے آپ کو، یا اپنی قبر مبارک کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی، جو مسلمان اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے، اس کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ورسول نے غیر اللہ کے سجدے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۸/۴)

قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے:

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ (مثلا قبور وغیرہ) کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ کیا یہ جائز ہے، یا نہ؟ اور اگر جائز نہیں تو جائز کہنے والوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بوسہ دینا قبور اولیا و دیگر صلحاء عظام کو اور طواف کرنا قبر کے گرد اور تعظیماً سجدہ کرنا، یہ سب عادات نصاریٰ وطریقہ پرستش کفار ہے۔ حضرت علامہ ملا علی قادری رحمہ اللہ علیہ اپنی کتاب شرح مناسک میں باب زیارت مزار پُرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں:

== الكرام تقرباً إليهم فهو باطل،وحرام،قال في البحر:لوجوه:منها أنه نذرلمخلوق،ولايجوز؛لأنه عبادة، والعبادة لا تكون لمخلوق،ومنها أن المنذورله ميت،والميت لا يملك،ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون اللّٰه تعالىٰ،كفر.اللهم!إلا أن يقول:يااللّٰه! إني نذرت لك إن شفيت مريضي ... آه ... أن أطعم الفقرآء الذين بباب السيدة نفيسة ... إلىٰ غيرذلك مما يكون فيه نفع للفقرآء". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به،ص:٦٩٣،قديمي)

(۱) عن جندب رضي اللّٰه عنه قال:سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:ألا وان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبورأنبيائهم وصالحيهم مساجد،ألا فلا تتخذوا القبورمساجد انى أنها كم عن ذلك.رواه مسلم.(مشكٰوة المصابيح،كتاب الصلاة،باب المساجد ومواضع الصلاة: ٦٩)

عن عائشة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال في مرضه الذى لم يقم منه:لعن اللّٰه اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبورأنبيائهم مساجد.متفق عليه.(مشكٰوة،كتاب الصلاة،ص:٦٩، باب المساجد ومواضع الصلاة)

"لایطوف أی لایدورحول البقعة الشریفة؛لأن الطوافمن مختصات الکعبة امنیفة فیحرم حول قبورالأنبیاء والأولیاء ولاعبرة لمایفعله الجهلة إلٰی إن قال وأماالسجدة فلا شک أنها حرام.(عزیزالفتاویٰ:۱۰/۱)

قال اللّٰه تعالٰی:﴿ومن آیاته اللیل والنهاروالشمس والقمر لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للّٰه الذی خلقهن إن کنتم ایاه تعبدون﴾(سورة فصلت:۳۷)

وقال تعالٰی:﴿وأن المساجد للّٰه فلا تدعوا مع اللّٰه أحداً﴾(الآیة)(۱)

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حیرہ گیا، میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں، آہ۔(مشکوٰۃ:۲۸۲/۲)

الحاصل اس آیت شریفہ حدیث صحیح اور اجماع امت سے سجدہ تعظیمی کا عدم جواز ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ سے استدلال درست نہیں؛ کیوں کہ یہ پہلی شریعت کی بات ہے، جو ہماری شریعت میں منسوخ ہوگئی ہے۔ نیز ہوسکتا ہے کہ سجود حقیقی نہ ہو، جیسا کہ تفسیر جلالین میں مذکور ہے:

﴿وخروا له سجدا﴾سجود انحناء،لاوضع جبهة وکان تحیتهم فی ذلک الزمان.(ص:۱۹۸)

الغرض شریعت محمدیہ میں تعظیمی سجدہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہ خیر المدارس، ملتان۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۱۷۱/۳)

کسی بزرگ کی قبر کو تعظیماً بوسہ دینا اور وقتاً فوقتاً جاکر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے:

سوال: کیا کسی بزرگ کی قبر کو تعظیما بوسہ دینا وقتا فوقتا جاکر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے؟

(المستفتی:۱۵۶۴، جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایوں) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ، ۴ر جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

زیارت قبور کے لیے جانا اور ان کو سلام مسنون "السلام علیکم یا أهل القبور"(۱) کرنا جائز اور مستحب ہے؛

---

(۱) سورة الجن:۱۸،انیس

(۲) عن ابن عباس قال: مررسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بقبور المدینة فأقبل علیهم بوجهه،فقال:السلام علیکم یا أهل القبور،یغفر اللّٰه لنا ولکم أنتم سلفنا ونحن بالأثر.(الجماع للترمذی،باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر:۲۰۳/۱،سعید)

مگر قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فساد عقیدہ عوام کا خوف ہے۔(۱) (کفایت المفتی: ۱۹۲/۴)

والدین کی قبر کا بوسہ بھی جائز نہیں:

سوال: اپنے والدین کی قبر کا بوسہ لینا جائز ہے، یا نہیں؟ عالمگیری میں ہے کہ جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کس طرح لینا چاہیے؟

الجواب

عالمگیری میں ہے:

ولا يمسح القبر ولايقبله فإن ذلک من عادة النصارٰی ولابأس بتقبيل قبر والديه. (۱۰۹/٤)

اس عبارت سے گو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن حضرات علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ درست نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

"در بارۂ بوسہ قبر والدین روایات فقہی نقل می کنند وصحیح آنست کہ لا یجوز است"۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ محققین حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، وحنابلہ کے نزدیک اس طرح امور مکروہ اور بدعت ہیں، کسی قبر کے ساتھ خواہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو، یا قبر ولی مرشد کی ہو، یا قبر والدین کی ہو، ہرگز نہ چاہیے۔ (ناقلاً عن الفتاویٰ العزیزیۃ) لہٰذا کسی قبر کو بوسہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۴۴/۳)

مزارات کو چومنا:

محترم جناب مفتی صاحب　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم کسی مزار پر جائیں تو ہم مزار پر کھڑے ہوکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں، یا ہم ان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری مشکل آسان کردیں، یا کردیں اور مزار پر جاکر چومنا، یا سر ٹیکنا، یا چکر لگانا، یا الٹے پیر مزار سے نکلنا۔ یہ سب جائز ہے، یا ناجائز؟ قرآن وحدیث سے حوالہ دے کر ہمیں بتائیں؟ (رحیم الدین لیاقت آباد)

---

(۱) قبر کسی کی بھی ہو، اسے بوسہ دینا جائز نہیں۔

"ولا يمس القبر، ولا يقبله، فإنه من عادة أهل الكتاب (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى زيارة القبور ص: ٦٢٠، دار الكتب العلمية بيرورت، انيس)

وكره تحريماً ... وكذا كل ما لم يعهد من غير فعل السنة كالمس، والتقبيل. (مراقى مع حاشية الطحطاوى، أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ٦٢٣، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ باسمه تعالیٰ

واضح رہے کہ ناواقف لوگ قبروں پر سر ٹیکتے؛ یعنی سجدہ کرتے ہیں اور چکر لگاتے ہیں اور بوسہ دیتے ہیں اوران سے مرادیں مانگتے ہیں، یہ تمام افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت نے ان کے حرام وناجائز ہونے کی تصریح کی ہے؛اس لیے کہ سر ٹیکنا،طواف کرنا، بوسہ دینا اور ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا اورمرادیں طلب کرنا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں اورقبر کی تعظیم میں الٹے پیر نکلنا ان سب چیزوں سے ہماری شریعت مطہرہ نے سخت منع کیا ہے اورقبروں کی تعظیم کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی گئی ہے کہ پوجا پاٹ کی حد تک پہنچ جائے،حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کومعلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی عذراورحد سے تجاوز کرنے پر گمراہ اورتباہ ہوئیں؛اس لیے آپ نے اپنی امت کوان افعال سے بچنے کی تاکیداوروصیت فرمائی ہے۔ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر میں فرماتے تھے۔

عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى مرضه الذى لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبورانبيائهم مساجد. (۱)

اسی طرح اورایک حدیث شریف میں ہے:

عن جندب قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم قبل أن يموت بخمس وهو يقول:إنى أبرأ إلى الله أن يكون لى منكم خليل فإن الله قد اتخذنى خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلاً ولو كنت متخذاً من أمتى خليلاً لأتخذت أبا بكر خليلاً ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذوه قبورأنبياء هم وصالحيهم مساجد ألا فلا تتخذوا القبور مساجد إنى أنهاكم عن ذلك. (۲)

(۔۔۔خبردارتم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اورولیوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنایا کرتے تھے،خبردارتم قبروں کوسجدہ کی جگہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔)

ایک اورحدیث میں ہے:**عن عطاء بن يسارٍقال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:اللّٰهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد،اشتد غضب الله علىٰ قوم اتخذوا قبورأنبيائهم مساجد.** (۳)

(اے اللہ میری قبرکو بت خانہ نہ بنانا،جس کو پوجا جائے،اللہ کا غضب سخت بھڑکتا ہے،اس قوم پر جواپنے نبیوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنائے۔)

(۱) مشكوٰة المصابيح،كتاب الصلاة،باب المساجد ومواضع الصلاة: ۶۹/۱،ط:قديمى

(۲) الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب النهى عن بناء المسجد على القبر: ۲۰۱/۱،ط: قديمى

(۳) مشكوٰةالمصابيح،كتاب الصلاة،باب المساجدومواضع الصلاة: ۷۲/۱،ط:قديمى

ان احادیث طیبہ پر غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے میں قبر پرستی کا خطرہ شدت سے محسوس فرماتے ہیں اور پھر کتنی سختی سے ممانعت فرماتے ہیں، انہی احادیث کی بنا پر علماء اہل سنت نے قبر پر سر ٹیکنے کو شرک جلی فرمایا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

''اولیا کی قبروں کو سجدہ کرنا قبروں کے گرد طواف کرنا اوران سے دعا مانگنا، ان کے لیے نذر قبول کرنا حرام ہے؛ بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اوران سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت خانہ نہ بنالینا''۔(۱)

صاحب مدارج فرماتے ہیں کہ بوسہ لینا قبر کا اوراس کا سجدہ کرنا اورسر رکھنا حرام اور ممنوع ہے، یہ عادت اہل کتاب کی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''من تشبه بقوم فهو منهم ''، لہٰذا اس کفر کا یہ عمل ہر مسلمان کو پناہ مانگنی چاہیے اور قبر کو بوسہ دینا یہ بھی عبادت کی شکل ہے، الہٰذا یہ بھی قبر کے لیے حرام ہے، جیسا کہ مدارج میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قال برهان الترجماني: لانعرف وضع اليدعلى المقابرسنة ولا مستحسناً ... وقال شمس الأئمة المكي:بدعة، كذا في القنية،ولايمسح القبرولا يقبله فإن ذلك من عادة النصارىٰ.(۲)

قبروں پر ہاتھ پھیرنا اورقبر کو چومنا یہ سب بدعت اور ممنوع ہے؛ کیوں کہ وہ نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی عادت ہے، لہٰذا قبر کو بوسہ دینا دراصل قبر کا طواف ہے اورطواف کرنا عبادت ہے اور یہ عبادت خاص کعبۃ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ امام ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ولايطوف أى يدورحول البقعة الشريفة ؛لأن الطواف من مختصات الكعبة فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء ولا عبرة بما يفعله العامة الجهلة ولوكانوا فى صورة المشائخ و العلماء.(۳)

(اورحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کے گرد طواف نہ کیا جائے؛ کیوں کہ طواف کعبے شریف کے ساتھ خاص ہے۔ پس انبیا واولیا کرام کے قبروں کا طواف کرنا حرام ہے اور عام جاہل لوگوں کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں، اگر چہ وہ خود کو ولی، یا علما میں سمجھتے ہوں۔)

مذکورہ تصریح سے معلوم ہوا کہ مزارات کے گرد چکر لگانا حرام ہے اور یہی تصریح تمام فقہی کتابوں میں ہے قاضی ثناء

---

(۱) مالابدمنہ فارسی، قاضی ثناء اللہ، کتاب الجنائز، فصل زیارت قبور، ص:۸۰، مطبع قدیمی کراچی

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية،الباب السادس عشرفى زيادة القبور وقراء ة القرآن فى المقابر: ۳۵۱/۵، ط:ایچ ایم سعید

(۳) المسلك المنقسط فى المنسك المتوسط علىٰ لباب المناسك المعروف بمناسك ملا على قارى، فصل وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة،ص: ۲۹۱،ط:المطبعة الأميرية مكة

اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ قبروں کے گرد چکر لگانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ بیت اللہ کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے۔ اطراح میں مرقوم ہے:

”ولو طاف حول المسجد سوىٰ الكعبة يخشىٰ عليه الكفر“. (اطراح)

(اگر طواف کیا مسجد کے گرد کعبہ شریف کے علاوہ تو اس پر کفر کا خطرہ ہے۔)

مسجد کے گرد طواف پر اتنی شدید وعید تو عام مزارات کا طواف کرنا بالا جماع حرام ہے اور قبر کی تعظیم کے لیے الٹے پیر مزار سے نکلنا یہ بھی فعل حرام ہے؛ کیوں کہ قبروں کے کروڑوں درجہ افضل مقامات کعبہ اللہ، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور تمام مساجد عالم کے بارے میں جب یہ عمل درست نہیں ہے تو کسی عام مزار کے بارے میں یہ تعظیمی عمل بجالانا بدعت اور گمراہی ہے اور صاحب قبر سے یہ کہنا کہ میرے لیے دعا کریں، یہ بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔

دوسرا یہ کہ براہ راست صاحب مزار سے کہنا کہ میری مشکل حل کردو اور اسی سے دعا کرنا جس طرح اللہ سے دعا کی جاتی ہے، یہ بالکل شرکیہ عمل ہے، جیسا کہ بعض بزرگان دین کے مزارات پر لوگوں کو دعا کرتے دیکھا جاتا ہے، یہ جہالت اور عقیدہ بد کا نتیجہ ہے کہ اللہ ہماری نہیں سنتا؛ بلکہ ان بزرگوں کی سنتا ہے، اس طرح انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار عالی کو دنیا کے شاہی درباریوں پر قیاس کیا ہے کہ یہاں براہ راست بادشاہ وقت سے ملاقات واستدعا نہیں کرسکتے، یہ ان کی کج فہمی اور کم علمی کا نتیجہ ہے، جب کہ خدا تعالیٰ کو دنیا کے باشاہوں پر قیاس کرنا سراسر غلط فیصلہ ہے، جب کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿نحن أقرب إليه من حبل الوريد﴾ (سورة ق: ١٦)

(اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑتی رگوں سے زیادہ۔)

﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (سورة المؤمن: ٦٠)

(اور کہا کہ تم تمہارے رب نے مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔)

اللہ کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے فرشتے جنات انسانوں اور حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز وہ اس طرح سنتے ہیں گویا کہ دوسری ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی بات کررہا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ نہایت تاریک رات میں سنگ سیاہ چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی اللہ تعالیٰ سنتے ہیں سبحان اللہ۔

علامہ مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ قمطراز ہیں کہ ایک بار صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی **أقرب ربنا فنناجيه أم بعيد فنناديه**. (۱) کہ ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ اسے آہستہ پکاریں، یا دور سے کہ اسے زور سے

---

(۱) تفسير القرآن العظيم لابن كثير: ٤٤٥/١، ط: مكتبة فاروقية بشاور

پکاریں، اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وإذا سألک عبادی عنی فإنی قریب أجیب دعوة الداع إذا دعانی﴾(سورة البقرة:۱۸۲)

(اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں کہ میں ان سے قریب ہوں، یا دور تو ان کو بتائے کہ میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، جب بھی وہ مجھے پکارے۔)

اور عبادت کا نچوڑ ہے، جیسے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن أنس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: الدعاء مخ العبادة.(۱)

(دعا عبادت کا مغز ہے۔)

وعن النعمان بن بشیر، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: الدعاء هو العبادة، ثم قرأ ﴿وقال ربکم ادعونی استجب لکم﴾.(۲)

(حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا ہی اصل عبادت ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا سنوں گا۔)

اس سے ثابت ہوا کہ دعا ازکو دعبادت ہے اور عبادت کا نچوڑ ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی کرنا قطعاً حرام وناجائز ہے؛ کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وقضٰی ربک ألا تعبدوا إلا إیاه﴾(سورة بنی إسرائیل:۲۳)

(اور تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے تم نہیں عبادت کروگے صرف اللہ ہی کی۔)

اس لیے بزرگوں سے دعا کرنا، مرادوں اور مشکلات کے لیے یہ بالکل قرآن کے خلاف اور حرام ہے؛ اسی لیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

’’فوت شدہ، یا زندہ بزرگوں سے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے دعائیں مانگنا جائز نہیں ہے‘‘۔

(ارشاد الطالبین، ص۱۸)

آگے فرماتے ہیں کہ ’’رسو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی: ’’اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں سنوں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے‘‘ اور جو جاہل لوگ کہتے ہیں، یا شیخ عبد القادر جیلانی، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ جائز نہیں؛ بلکہ کفر اور شرک ہے‘‘۔(ارشاد الطالبین، ص:۱۸)

---

(۱)　مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة:۱/۱۹٤، ط:قدیمی

(۲)　مشکوة المصابیح، کتاب الدعوات، الفصل الأول:۱/۱۹٤، ط:قدیمی

﴿قل لا أملک لنفسی نفعاً ولا ضراً إلا ماشاء اللّٰہ﴾(سورة الأعراف:۱۸۸)

(اے رسول! کہہ دو کہ میرے اختیار میں نہیں ہے، اپنی ذات کا نفع ونقصان؛ مگر جو اللہ چاہے۔)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اقدس کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو دوسروں کے کیسے نفع ونقصان میں تصرف کر سکتے ہیں؛ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکسول ہو کر بیان فرمایا کہ:

”أما بعد فإني أدعوکم إلیٰ عبادة اللّٰہ من عبادة اللّٰہ العباد وادعوکم إلیٰ اللّٰہ ولایة اللّٰہ من ولایة العباد. (التفسیر للحافظ أبی الفداء إسماعیل بن کثیر، ص:۳۶۹)

(میں تمھیں بندوں کی عبادت کے بجائے خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور بجائے اس کے کہ تم بندوں کو کارساز سمجھو میں تمھیں اس کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ہی کو کارساز سمجھو۔)

اور اللہ کی مشیت کو ان بزرگوں کی مشیت کے مطابق سمجھنا بھی شرک ہے۔ ایک حدیث اس مسئلہ کے بارے میں بطور دلیل لکھی جاتی ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما شاء اللّٰہ وشئت جعلت ندا ما شاء اللّٰہ وحدہ فی روایة أخریٰ اجعلتنی للّٰہ نداوفی روایة عدلاً. (۱)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ارکم صلی اللہ علیہ وسلم سے خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ جو خدا کو منظور ہوگا وہ کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا (بلکہ کہو کہ وحدہ لاشریک یعنی جو خدا کو منظور ہوگا وہی ہوگا“۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسے موہوم کلام استعمال کرنے پر حضور نے خود اس کو شرک فرمایا تو کسی قبر والے کو مشکل کشا کہنا بدرجہ اولیٰ شرک وکفر ہے اور یہ توسل کا سب سے آخری اور ناجائز اور حرام طریقہ ہے، لہٰذا قبر والے کو یہ کہنا میری مشکل حل کر دے، شرک صریح ہے اور یہ حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شریف اللہ الکوثری۔ الجواب صحیح: محمد عبد السلام عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ بینات:۴۹۶/۲-۵۰۲)

مزارات کے تقدس کی حدود:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ مزارات مقدسہ کو منہدم کر دینا چاہیے، چاہے وہ کسی کے بھی ہوں، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے بھی، جب کہ بکر کہتا ہے کہ یہ عمل سراسر بے

---

(۱) الأدب المفرد للإمام البخاری، باب قول الرجل ما شاء اللّٰہ، رقم الباب: ۳۳۹، رقم الحدیث: ۷۸۴، ص:۲٦٥، ط:عالم الکتب/مسند الإمام احمد بن حنبل:۳۸۷/۳، رقم الحدیث: ۲٥٦۱، ط:دار الحدیث القاهرة)

ادبی ہے، لہٰذا دونوں میں سے کس کی بات درست ہے؟ قرآن حدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیجئے۔ شکریہ

(محمد عمران پی آئی بی کالونی)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسمہ تعالیٰ

واضح رہے کہ کسی بھی مسئلہ کی حقیقت، یا تہہ تک رسائی تب ہی ممکن ہے جب کہ مسئلہ کے مثبت اور منفی ہر دو پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے مسئلہ پر بحث کی جائے اور اس مسئلہ سے متعلق صحیح، یا غلط ہونے کا موقف اختیار کیا جائے، ورنہ کسی ایک ہی پہلو کو لے کر جو بھی موقف اختیار کیا جائے، وہ درست ہونے میں حتمی ویقینی ہوتا ہے نہ اس موقف کے اختیار کرنے والے کے موقف کی تردید، یا تائید ہو سکتی ہے؛ بلکہ ایسے مؤقف کی تائید، یا تردید غایت درجہ مشکل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس مسئلہ کی اہمیت ونزاکت ہوتی ہے، یا پھر حالات وزمانے کے تغیرات، جو قدم قدم پر صدائے احتیاط دے رہے ہوتے ہیں، اگر ان پر پیچ مراحل میں پائے احتیاط ذرا سا بھی ڈگمگائے جائے تو انسان لغزشوں کے میدان میں قلابازیاں کھاتا ہوا ضلالت وگمراہی کی گہری کھائی میں جا گرتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ مذکورہ مسئلہ سے متعلق اختیار کیے گئے ہر وقت موقف کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر زید، یا بکر میں سے کسی ایک کے موقف کی تصویب اور دوسرے کی تغلیط کریں، بصورت دیگر اس مین غلطی وخطا کا وقوع لازمی نتیجہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سے راست یابی کے لیے دست بدعا ہیں۔

چناں چہ اس مسئلہ کی دو وجہیں ہیں جن کے بیان کے بعد بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ زید وبکر ہر دو کا موقف درست بھی ہے اور من وجہ غلط بھی۔

(۱) مزارات کا احترام

(۲) حدود شریعت کی حفاظت

پہلی جہت:

جاننا چاہیے کہ مزارات مقدسہ ہوں، یا مؤثر قدیمہ جن سے کوئی روحانی، یا دینی، یا دانستہ ہو، ان کا تقدس واحترام لزوم کا درجہ رکھتا ہے، ان کی بے حرمتی کسی طرح بھی جائز نہیں۔ مزارات اور قبروں کے تقدس واحترام کا اہتمام تو اس حد تک کیا گیا ہے کہ قبروں پر بیٹھنے، ٹیک لگانے اور انہیں روندنے تک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث مبارکہ میں ممانعت فرمائی ہے، ایک روایت میں یوں بھی ارشاد ہے کہ ”قبر پر بیٹھنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان انگارے پر بیٹھ جائے، جس سے اس کے کپڑے جل کر جلد چمٹ جائیں“، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لأن یجلس أحدکم علیٰ جمرة

فتحرق ثيابه فتخلص في جلده خيرله من أن يجلس علٰى قبر". (۱)

اسی طرح دوسری روایت میں ہے:

عن أبي يرشد الغنوي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور لا تصلوا إليها". (۲)

عن جابر رضي الله عنه قال: "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبور وأن يكتب عليها و إن تؤطا".

"وعن عمروبن حزم قال رأني النبي صلى الله عليه وسلم متكئاً علٰى قبر، فقال لا تؤذ صاحب هٰذا القبر، أو لا تؤذه". (۳)

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ قبروں کی بے حرمتی کی یہ ممانعت عام ہے، کسی خاص ہیئت وصورت کے ساتھ خاص نہیں ہے، کوئی بھی ایسا فعل جس سے صاحب قبر کو ایذا پہنچتی ہو، یا اس کی توہین ہوتی ہو، یہ ممنوع ہے، چناں چہ مندرجہ بالا احادیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(من أن يجلس علٰى قبر) الظاهر عمومه ... فإن الميت تدرك روحه ما يفعل به فيحسن و يتأذٰى كما يتأذٰى الحي، إلخ ... كما صح في الأحاديث ... وظاهره حرمة القعود عليه ومثله الاتكاء عليه والاستناد ودوسه"... إلخ. (۴)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله: إن تؤطا) بالأرجل لما فيه من الاستخفاف". (۵)

بنا بریں صورت مسئولہ میں مزارات مقدسہ کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے ان مزارات کو منہدم کرنا اور اس کو راستہ، یا سڑک بنانا، یا کوئی عمارت وغیرہ بنانا جس میں کسی قسم کی بے حرمتی ہو، خلاف شرع ہوگا، خصوصاً جب کہ مزارات کسی محترم ہستی کے ہوں تو بے ادبی ہی نہیں اخلاقی وشرعی بھی کہلائے گا، مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین مدفون ہیں، یا اسے سڑک بنانے کے لیے، یا اس پر رہائشی، یا غیر رہائشی مکان بنانا، یہ سنگین جرم اور عظیم جسارت ہے، ایک تو اس لیے کہ اس میں صاحب قبر کو ایذا دینے کا جرم ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن جلوس القبر: ۳۱۲/۱، قديمي، انيس
(۲) مشكٰوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب دفن الميت، ص: ۱٤۸، قديمي، انيس
(۳) مشكٰوة المصابيح، باب دفن الميت: ۱٤۸/۱ـ۱٤۹، ط: قديمي كتب خانة
(۴) مرقاة المفاتيح لملا على القاري، باب الجنائز، باب دفن الميت: ۷۰/٤، ط: مكتبة إمدادية ملتان
(۵) مرقاة المفاتيح لملا على القاري، باب دفن الميت: ۷٦/٤، ط: مكتبة إمدادية، ملتان

وسلم کے والدین ماجدین ہونے کی بنا پر بے حرمتی اگر کی جائے تو ایسے آدمی کفر کا کوف ہے، اس معنیٰ سے زید کا موقف کہ مزارات منہدم کر دینا چاہیے۔ خواہ مزارات کسی کے بھی ہوں درست نہیں؛ بلکہ بکر کا موقف کہ کسی شرعی وجہ کے ان کے مزارات کے منہدم کرنے میں بے ادبی ہے، درست ہے۔

دوسری جهت :

آثار قدیمہ، یا امکنہ مقدسہ کے تقدس کا لزوم کم از کم دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، اگر یہ دو شرطیں موجود نہ ہوں تو پھر مزارات مقدس، یا دیگر جگہوں کا احترام نہ صرف یہ کہ لازم ہی نہیں؛ بلکہ کم از کم بدعت ہوگا۔

پہلی شرط: یہ کہ ان کا آثار قدیمہ اور مقامات مقدسہ کی صحیح تعین ہو، ان کا وجود خیالی، یا وہمی نہ ہو، اگر ان مزارات، یا مقامات کی تعیین مشکل ہو جائے، باوجودیکہ پہلے ان کا وجود (ان جگہوں میں پایا جانا) ثابت بھی ہو تو اسے برائے نام مزارات، یا مآثر قدیمہ کو منانے دینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ یہ جائز ہے، جس طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان والے درخت کو کٹوا دیا تھا، جس کی ایک یہ وجہ بھی تھی کہ اس کی تعیین مشکل ہو چکی تھی اور لوگ اس کی تعیین میں مختلف ہو گئے تھے، اس بنا پر اس مقدس درخت کو جسے اپنی طرف سے متعین کر کے اس کے نیچے سجدہ گاہ بنائی گئی تھی، اس کو کٹوا دیا، جسے حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے واسطہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی قرار دیا جا سکتا ہے، چناں چہ طبقات الکبریٰ لابن سعد میں ہے:

"أخبرنا عبد اللّٰه بن عون نافع قال: كان الناس يأتون الشجرة التي يقال لها شجرة الرضوان فيصلون عندها قال: فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فأوعدهم فيها وأمر بها فقطعت". (۱)

شجرہ بیعت رضوان کو کٹوانے دینے کی مذکورہ وجہ بیان حضرت سعد بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے طریق سے مروی آثار میں ہے کہ ان تک جب یہ بات پہنچی کہ شجرہ بیعت رضوان کے نام سے ایک درخت کے نیچے لوگ کرتے ہیں ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں تو آپ رحمہ اللہ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد صاحب خود اس بیعت میں موجود تھے، دوسرے سال جب وہ حضرات تشریف لائے تھے تو ان سے اس درخت کی تعیین نہیں ہو سکی تھی، حضرت سعید رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر اس درخت کی پہچان نہیں کر سکے اور تم نے اس کی پہچان کر لی تو تم ان سے زیادہ جاننے والے ہوئے، چناں چہ تحریر فرماتے ہیں:

"عن طارق قال: انطلقت حاجاً، فمررت بقوم يصلون، فقلت: ما هٰذا المسجد؟ قالوا: هٰذه الشجرة حيث بايع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بيعة الرضوان فأتيت سعيد بن المسيب فأخبرته

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، غزوة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الحديبية: ۱۰۰/۲، ط: دار صادر، بيروت

فقال: حدثني أبي أنه كان فيمن بايع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تحت الشجرة قال فلما خرجا من العام المقبل نسيناها فلم نقدرعليها قال سعيد: إن كان أصحاب محمد لم يعلموها وعلمتموها أنتم فأنتم أعلم، إلخ". (۱)

غرض یہ کہ وہ مقامات مقدسہ اور مزارات جن کا احترام وتقدس باعث نزاع بنا ہوا ہے، اگر ان کی تصحیح وتعیین نصوص شرعیہ سے ہوجاتی ہے، اس طور پر کہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو، مثلاً صحابہ کرام علیہم الرضوان یا بعض تابعین، یا پھر ان کے بعد صلحا وعلما وشہدا علیہم الرحمۃ جن کے مزارات کو امت مسلمہ نے یاد رکھا اور ان کی تعیین میں کسی قسم کا شبہ واقع نہیں ہوا، ان مزارات کا احترام کی طرح ہی لازم ہے، انہیں منہدم کرنا جرم ہے۔

لیکن وہ مزارات جن کی تعیین ممکن نہیں، یا مشکل ہے، یا پھر مختلف فیہ ہے؛ بلکہ باعث نزاع وفساد ہیں تو ایسے مزارات کا احترام ضروری نہیں؛ بلکہ ان مزارات موہوبہ کو موجب فساد عقیدہ ہونے کی بنا پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ سنت پر عمل کرتے ہوئے منہدم کرنا نہ صرف جائز ہوگا؛ بلکہ مصلحت سے خالی بھی نہیں کہ فساد وفتنہ ونزاع سے لوگ بچ جائیں گے۔

دوسری شرط: مزارات مقدسہ کے واجب الاحترام ہونے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ ان کی بناوٹ وسجاوٹ شرعی ہو، غیر شرعی نہ ہو، وہاں کسی قسم کے خلاف شرع افعال ہوتے ہوں، نہ آئندہ کے متعلق خدشہ اور وہم ہو، اگر ایسے مزارات ومقامات جو بناوٹ وسجاوٹ میں شریعت کے مطابق نہ ہوں، یا وہاں خلاف شرع افعال ہوتے ہوں تو انہیں منہدم کرنے میں بے ادبی، یا تقدس کی پامالی نہیں؛ بلکہ یہ عین سنت نبوی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر بھیجا کہ ہر اونچی قبر (جو بناوٹ میں خلاف شرع ہو) کو زمین کے ساتھ برابر کردو، چناں چہ مشکوۃ شریف میں ہے:

"عن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي: ألا أبعثك علٰى ما بعثني عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لا تدع تمثالاً إلا طمسته ولا قبراً مشرفاً إلا سويته". (۲)

ممتاز حنفی محدث ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) اس قسم کے خلاف شرع مزارات کے منہدم کرنے کو مستحب تحریر فرماتے ہیں:

"ويكره فوق ذلك ويستحب الهدم، إلخ". (۳)

اور اگر ان مزارات پر خلاف شرع امور ہوتے ہوں، شرک وبدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہو، سجدے کئے جاتے ہوں، یا

---

(۱) الطبقات الكبرٰى لابن سعد، غزوة رسو اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الحدبية: ۹۹/۲، ط: دار صادر، بيروت

(۲) مشكوة المصابيح، باب دفن الميت: ۱۴۸/۱، ط: قديمي، كراتشي

(۳) مرقاة المفاتيح، باب دفن الميت: ۶۸/۴، ط: مكتبة إدادية، ملتان

اصحاب قبور سے حوائج مانگی جاتی ہوں اور ہر قسم کی بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہو تو ایسے مزارات کی عمارت کے تقدس سے زیادہ اہم ترین اور واجب العمل یہ ہے کہ شرک وبدعات کا انسداد کیا جائے؛ کیوں کہ احترام کی خاطر شریعت سے بغاوت کسی طرح بھی گوارا نہیں ہوسکتی؛ بلکہ شریعت مطہرہ کا دفاع شخص واحد، یا اس کے مزار مقدس احترام سے مقدم اور لازم ہے؛ کیوں کہ یہ وہی دین متین ہے، جس کی خاطر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف محاذوں پر اپنی ذات اطہر کو پیش فرمایا اور احد میں اپنے دندان مبارک شہید کروائے اور ہزاروں لاکھوں صحابہ کرام کی داستاں شہادت اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت کا دفاع شخصیات کے احترام وحفاظت پر مقدم ہے۔

اس بنا پر آئندہ کے متعلق بھی اگر شرک وبدعت کا خدشہ ہو، یا شریعت کی کلاف ورزی کا اندیشہ ہو تو اس فساد اور خرابی کے انسداد کے لیے حضرت فاروق اعظم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کی حفاظت اور دفاع کی غرض سے محترام ہستیوں کے مزارات کے منہدم کر کے است زمین کے برابر کردینا جائز ہی نہیں، مستحب و مستحسن بلکہ واجب ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا موقف کہ ''مزارات مقدسہ کو منہدم کردینا چاہیے'' علی الاطلاق درست نہیں ہے، البتہ جہاں شریعت کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، وہاں پر زید کا موقف درست ہے اور بکر کا موقف شرعی اصول اور مصالح کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

(بینات، ربیع الاول ۱۴۲۰ھ) کتبہ: رفیق احمد بالاکوٹی۔ الجواب صحیح: محمد عبد المجید دین پوری۔ الجواب صحیح: نظام الدین شامزئی۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۴۹۰-۴۹۵)

قبر کے سامنے مناجات:

سوال: دفن کے بعد اسی وقت قبر پر پڑھتے ہیں اور قبر سامنے رکھ کر مناجات کرتے ہیں؟

الجواب ________________ حامدًا و مصلیاً

میت کے لیے دعا کرنا درست ہے۔ (۱) دعا ایسی طرح نہ کی جائے جس سے دیکھنے والے کو شبہ ہو کہ قبر سے کچھ مانگ رہے ہیں، پڑھنے کا حکم نمبر (۱) پر آ گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۹/محرم/۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۶۷-۲۶۸)

---

(۱) عن عائشه رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کلما کان لیلتها من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، یخرج من آخر اللیل إلی البقیع، فیقول: ''السلام علیکم دار قوم مؤمنین، و أتاکم ما توعدون غدًا مؤجلون، وإنا إنشاء اللّٰه بکم لاحقون، اللّٰهم! اغفر لأهل بقیع الغرقد''. (الصحیح لسملم، فصل فی التسلیم علٰی أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ۱/۳۱۳، فاروقیه بک دپو دهلی)

==

استمداد اہل قبور جائز ہے، یا نہیں:

سوال: استمداد من اہل القبور کے جواز کی حنفیہ کے یہاں کوئی صورت ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

استمداد من اہل القبور اگر اس عقیدہ کے ساتھ ہے کہ وہ متصرف فی الامور ہیں، جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہے تو یہ درست نہیں ہے؛ بلکہ اس میں خوف کفر ہے۔ شامی میں ہے:

ومنها أنه ان ظن أن الميت يتصرف فی الأمور دون اللّٰه تعالیٰ اعتقاده ذٰلک کفر، الخ. (۱)

اور اگر مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ذریعہ سے دعا کی جاوے کہ یا اللہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کی برکت سے پورا فرمادے تو یہ جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۳/۵-۴۲۴)

قبر پر مراقبہ:

سوال: قبرستان میں کسی مخصوص قبر پر مراقبہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتابوں میں کسی بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنا موجود ہے، اس کا طریقہ تفصیل سے موجود ہے، بوادر النوادر، ص: ۸۸ میں ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۸/۹)

== "(قوله: وإنا إنشا اللّٰه بكم إلخ) ... وفی هٰذا الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور و السلام علیٰ أهلها و الدعاء لهم والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووی، كتاب الجنائز، فصل فی التسليم علیٰ أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ۳۱۳/۱، قديمی)

"ومن آدابها أن يسلم بلفظ "السلام عليكم" ... ثم يدعو قائماً، وإن جلس يجلس بعيدًا أو قريباً بحسب مرتبته فی حال حياته إلخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی زيارة القبور: ۲۴۲/۲، سعيد)

"ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور". (البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب صلاة الشهيد: ۳۴۲/۲، رشيدية)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی من أكثر العوام: ۴۳۹/۲، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) اول کچھ پڑھ کر بخشے، پھر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی ہے اور اس سے احوال خاصہ منتقل ہو کر پہونچ رہے ہیں۔ (بوادر النوادر، غریبہ: ۵۷، در استفاضہ از اموات، ص: ۸۵، ادارہ اسلامیات، لاہور)

قبر سے استفادہ کی صورت:

سوال: اہل اللہ کی قبر سے استفادہ حاصل کرنے کا بطور صوفیہ کیا طریقہ ہے، اوران کے مزار پر حسن اتفاق سے اگر جانا کبھی ہوگیا تو کیا کرنا چاہئے تاکہ ان کے فیضان روحانی سے طالب مستفیض ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اول کچھ پڑھ کر بخشے، آنکھیں بند کرکے، تصور کرکے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی اوراس سے احوال خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۹/۹)

مزارات پر پیسے دینا کب جائز ہے اور کب حرام ہے:

سوال: میں جس روٹ پر گاڑی چلاتا ہوں، اس راستے میں ایک مزار آتا ہے، لوگ مجھے پیسے دیتے ہیں کہ مزار پر دے دو، مزار پر پیسے دینا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مزار پر جو پیسے دیئے جاتے ہیں، اگر مقصود وہاں کے فقرا ومساکین پر صدقہ کرنا ہے تو جائز ہے اوراگر مزار کا نذرانہ مقصود ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴۰۳/۴)

مزارات کی جمع کردہ رقم کو کہاں خرچ کرنا چاہیے:

سوال: مزاروں پر قبروں جو پیسے دیے جاتے ہیں یہ کیسے ہیں؟ (جمع کرنے کیسے ہیں؟) اگر ناجائز ہیں تو پہلے جو جمع ہیں، ان کو کہاں خرچ کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اولیاء اللہ کے مزارات پر جو چڑھائے جاتے ہیں، وہ ﴿ما أهل به لغير الله﴾ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، (۲) اوران کا مصرف مالِ حرام کا مصرف ہے، یعنی بغیر نیت ثواب کے یہ مال کسی مستحق زکوۃ کو دے دیں۔ (۳)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴۰۳/۴)

---

(۱) واعلم ان النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الىٰ ضرائح الأولياء الكرام تقربا اليهم بالاجماع باطل و حرام ما لم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام وقد ابتلى الناس بذلك ولا سيما فی هذه الأعصار،الخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم)

(۲) قوله: باطل وحرام) لوجوه:منها: أنه نذرلمخلوق والنذرللمخلوق لا يجوز؛لأنه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق... الخ. (رد المحتار، كتاب الصوم،مطلب فی النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام: ۴۳۹/۲)==

کیا حج کے لیے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے:

سوال: ۱ بعض جگہ عوام سمجھتے ہیں کہ حرمین کی زیارت سے پہلے خواجہ اجمیری کے مزار کی زیارت کرنا ضروری ہے، یہ بھی مشہور ہے کہ جو شخص سات مرتبہ خواجہ امیری کے عرس میں شرکت کرے، اس کو ایک حج کے برابر ثواب ملتا ہے، ایسا سمجھنا کہاں تک درست ہے؟

اعراس اولیاء اللہ کی شرکت کیلئے جانا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: اعراس اولیاء اللہ کی شرکت کے لئے جانا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عرس کی حقیقت شرعی نقطہ نظر سے زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتی ہے کہ بزرگوں کی زیارۃ قبور مقصود ہوتی ہے اور اگر چہ زیارت قبور کے لیے سفر طویل کی اجازت ہے؛ لیکن کسی خاص تاریخ کو زیارت کے لیے معین کر لینا اور اسے موجب ثواب سمجھنا، یا باعث زیادتی ثواب خیال کرنا حد شرعی سے تجاوز ہے،(۱) پھر جب کہ ایسے مجامع عادۃ طرح طرح کے منکرات (جیسے مرد عورتوں کا جمع ہونا، قوالی اور شرکیہ اشعار پڑھنا موسیقی وغیرہ ہونا اور اسراف کرنا وغیرہ وغیرہ) پر بھی مشتمل ہوتے ہیں تو ان کی شرکت کا عدم جواز اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے پس زیارت قبور کے لئے کسی خاص تاریخ کی تعیین اور اعراس مروجہ کی شرکت نا جائز ہے۔

کتبہ: محمد کفایت اللہ غفر لہ مولاہ (کفایت المفتی: ۱۸۹/۴)

اولیاء اللہ کے عرس کے دن ان کے مزاروں پر رقص وسرور:

رجب وشعبان و دیگر مہینوں میں کسی بزرگ کے نام کونڈے کا حکم:

سوال (۱) اولیاء اللہ کے عرس کے دن ان کے مزاروں پر رقص وسرور کے میلے جمانا شرعا درست ہے، یا نہیں؟

==(۳) لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق،الخ.(رد المحتار ،فصل في البيع:۳۸۵/۶)
ويتصدق بها بلانية الثواب انما ينوى به برأة الذمة.(قواعد الفقه،ص:۱۱۵)

حاشية صفحه هذا:

(۱) حدیث شریف میں تو عبارت محضہ کو بھی کسی خاص تاریخ اور وقت کے ساتھ مخصوص کرنے کو منع کیا گیا ہے، چہ جائیکہ کسی امر مباح کے لیے وقت خاص کر دیا جائے۔عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لاتختصو الليلة الجمعة بقيام من بين الليالي،ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام الا أن يكون في صوم يصوم أحدكم (الصحيح لمسلم، كتاب الصوم،باب كراهة افراد يوم الجمعة بصيام لايوافق عادته: ۳۶۱/۱،ط:قديمى)

(۲) رجب وشعبان و دیگر مہینوں میں کسی بزرگ کے نام پر کونڈے وغیرہ کر کے کونڈے بھر کر ان پر فاتحہ پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ (المستفتی:۱۲۸۳، محمد گھوڑ وخاں صاحب، ضلع دھارواڑ)

الجواب

(۱) اول تو عرس کا اجتماع ہی بے اصل ہے، پھر اس میں رقص وسرور کے میلے جمانا تو کسی صورت سے جائز نہیں ہوسکتا۔(۱)

(۲) یہ رواج بھی شرعی نہیں ہے اور کونڈے بھرنا اور اس کو شرعی کام سمجھنا اور اس پر اصرار کرنا، یہ سب خلاف شرع اور بدعت ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۱۹۲/۴)

سالانہ عرس مقرر کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے:

سوال (۱) ایک عام وقف قبرستان میں جس میں کوئی پیر مدفون نہیں، وہاں سالانہ عرس مقرر کرنا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) قبرستان میں نذر نیاز کا کھانا پکانا اور قبرستان میں ہی کھلانا کیسا ہے؟

(۳) قبرستان میں عورتوں کا جانا کیسا ہے؟

(۴) قبرستان میں چودہ پندرہ سال کے لڑکوں سے رات کو بعد عشا مولودخوانی کرنا اور عورتوں کو بھی وہاں مولود سننے کے لیے جمع کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۵) ایسے کاموں میں امداد کرنا اور چندہ دینا کیسا ہے؟

(المستفتی:۲۰۴۲، احمد صدیق کراچی، ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ، مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) سالانہ عرس مقرر کرنا بدعت ہے۔(۳)

---

(۱) قلت وفی البزازية،استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام،لقوله عليه السلام ،استماع الملاهی معصية،والجلوس عليها فسق،والتلذ ذبها كفر.(الدر المختار علی هامش،كتاب الحظر والا باحة:٣٤٩/٦،سعيد)

(۲) من أصر علی أمر مندوب،وجعله عزماً،ولم يعمل بالرخصة،فقد أصاب منه الشيطان من الأضلال، فكيف من أصر علی بدعة،أومنكر(مرقات المفاتيح،باب الدعاء فی التشهد:٣١/٣،ط،المكتبة الحبيبة،كوئتة)

(۳) کیوں کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں اور لوگ اسے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جو چیز شریعت میں ثابت نہ ہو اسے ثواب سمجھ کر کیا جائے تو بدعت بن جاتی ہے۔(البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من علم أوعمل،أوحال بنوع شبهة و استحسان،وجعل دينا قويماً،وصراطاً مستقيماً.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الامامة، مطلب البدعة خمسة أقسام:٥٦٠/١،ط:سعيد)

(۲) یہ بھی بدعت ہے۔(۱)

(۳) مکروہ ہے۔(۲)

(۴) یہ بھی فتنہ کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۵) ایسے کاموں میں شرکت اور امداد ناجائز ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۱۹۶/۴)

مزارات پر مروّجہ عرس مکروہ اور بدعت ہیں:

سوال: ایک شخص مسجد امام اپنا والد کی وصیت پر، یا ویسے اپنی خواہش پر اپنے والد کی قبر اپنی مسجد کے احاطہ میں بنوا ڈالے اور اوپر کا فرش جہاں قبر کی شکل بنائی گئی ہے، مسجد کے تھلہ سے ۱۲/۱۰ فٹ اونچا رکھا ہے اور اس پر ایک کمرہ تیار کیا گیا ہے اور قبر پر ریشمی کپڑوں، بجلی کے قمقموں سے سجاوٹ کی گئی ہے، عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے، ہر سال عرس ہوتا ہے اور روضہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گائے بھیڑیں دنبے ذبح کر کے پکائے جاتے ہیں اور عوام کو کھلائے جاتے ہیں، علاقہ کے چند صوفی اور مولوی آ کر وعظ کرتے ہیں ایک رات شبینہ بھی ہوتا ہے انہی دنوں میں لکڑی کا بنا ہوا گنبد نما روضہ رکھ دیا جاتا ہے، اس کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جاتا ہے، عورتیں بھی اکثر روضہ پر سو جاتی ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر یہ جگہ وقف ہے، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس جگہ قبر بنانا فرش لگوانا کمرہ تیار کرنا یہ سب تصرفات ناجائز وحرام ہیں اور یہ غاصبانہ فعل ہے۔ قبر کو ریشمی پردوں سے مزین کرنا اور عرس کرانا یہ افعال بھی مکروہ و بدعت ہیں۔

فی الشامیة: تکره السنور علی القبور، آہ.(۴)

---

(۱) کیوں کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں اور لوگ اسے ثواب سمجھ کرا کرتے ہیں اور جو چیز شریعت میں ثابت نہ ہوا سے ثواب سمجھ کر کیا جائے تو بدعت بن جاتی ہے۔

(البدعة) ما أحدث علیٰ خلاف الحق الملتقی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من علم أو عمل، أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل دیناً قویماً، وصراطاً مستقیماً (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰/۱، ط: سعید)

(۲) یعنی جوان عورتوں کا جانا مکروہ ہے اور نہ بوڑھی عورتیں اگر وہاں جا کر روئیں دھوئیں نہیں تو جائز ہے۔ ''ویکره إذا کن شوابّ. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زیارة القبور: ۲۴۲/۲، ط: سعید)

(۳) لقولہٖ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ، وَالتَّقْوٰی وَلَاتَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۴) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۸/۲، دارالفکر بیروت، انیس

درحاشیہ ہدایہ مذکوراست:

یکره نقل الطعام فی المقبرة فی الأعیاد واسراج وغیره واتخاذ الدعوة بقراء ة القرآن وبختم القرآن وقراء ة سورة الأنعام وسورة الأخلاص ألف مرة جمیع الصبیان والصلحاء لذلک،آه.

وفی شرح المنهاج للنووی الإجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والطعام فی الأیام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والأربعین و الشهرالسادس و السنة بدعة ممنوعة،آه.

قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز ترجمہ ارشادالطالبین میں ارقام فرماتے ہیں:

”قبوراولیاءاللہ رابلند کردن وگنبد برآں ساختن وعرس وامثال آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام وبعض مکروہ،آہ“۔(۱)

عبارات سے جملہ امور مذکور فی السوال کا ناجائز وبدعت ہونا ظاہر ہوا اور ایسے امور پر اصرار کرنے والا فاسق ومبتدع ہےاورفاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔(۲)فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ،خیرالمدارس ملتان،۱۳۳۹/۹/۲ھ۔(خیرالفتاویٰ:۲۱۹/۳)

بحث سماع موتیٰ:

سوال: آپ کا فتویٰ پہنچا،حال معلوم ہوا،جواباً گذارش ہے کہ جب میت کو زائر کا علم وادراک ہےاورسماع نہیں،یہ ایک ایسا عقیدہ لاینحل ہے کہ خاکسار کی سمجھ میں نہیں آتا،میت کو زائرین کا علم ہواورادراک بھی ہواورسماع نہ ہو،یہ عجیب تماشہ ہے،بجز دیکھنےاور سننے کے علم،یاادراک نہیں ہوتا،پھراموات کس طرح معلوم کرلیتی ہیں؟

الجواب

اس بارے میں بندہ نے وہی لکھا ہے،جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا،جب ان سے یہ کہا گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قلیب بدر کے بارے میں فرمایا ہے:”**ما أنتم باسمع منهم**“. (۳) کہ تم اموات سے زیادہ سننے والے نہیں ہوتو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

---

(۱) كذا فى المسائل الاثناء عشرية،ص: ٤٦-٤٧

(۲) كذا فى الشامية والدرالمختار: ٥٢٣/١

(۳) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: وقف النبى صلى الله عليه وسلم على قليب بدر، فقال: هل وجدتم ما وعد ربكم حقاً،ثم قال:إنهم الآن يسمعون ما أقول، فذكر لعائشة، فقالت: إنما قال النبى صلى الله عليه وسلم: إنهم الآن ليعلمون إن الذى كنت أقول لهم هو الحق ثم قرأت﴿إنک لا تسمع الموتىٰ﴾.(عمدة القارى،كتاب المغازى،باب قتل أبى جهل:٥/٢٣٦،انيس)

"ما أنتم بأعلم منهم" یعنی یہ کہ تم ان سے زیادہ نہیں جانتے۔ غرض ان کی یہ تھی کہ اموات کو علم ہے اور سماع نہیں ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ بدون سننے کے علم اورادراک نہیں ہوسکتا ہے، بہر آں کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور سماع نہیں ہوتا، پس ان قصوں میں نہ پڑیں اور اس کو کسی عالم سے سمجھ لیں اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن شریف میں سماع موتی کا انکار کیا گیا ہے، ہذا حدیث شریف میں تاویل کرنا مناسب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۶۷/۵)

سماع موتی کی بحث:

سوال: (متعلق: ۲۸۳۶، مندرجہ رجسٹر ۱۳۳۹ھ) شک یہ ہے کہ تمام فقہاء حنفیہ عدم سماع اموات کا مسئلہ تحریر فرمارہے ہیں اور آپ نے بھی ایک جگہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ عدم سماع اموات امام صاحب کا مذہب ہے، پھر بعد میں واسطی کا قول ہے، وہی قول فقہا نقل کرتے ہیں اور اس پر کسی قسم کی جرح وقدح نہیں کرتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع اموات کا مسئلہ درست ہے اور عدم سماع کا غلط، لہٰذا محمد بن واسع ناقل عن السلف ہے، وہ کون ہے اور کس مذہب کا شخص ہے؟

الجواب

محمد بن واسع تابعین میں سے ہیں، جو کہ ائمہ مجتہدین میں سے سابق ہیں؛ اس لیے ان کو حنفی، یا شافعی کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ صحابہ کو، اور علم ادراک امر آخر ہے، خود حضرت عائشہ صدیقہؓ جو سماع موتی کی منکر ہیں، بدلیل "قوله تعالیٰ ﴿انک لا تسمع الموتیٰ﴾" (۲) اور آیت ﴿وما أنت بمسمع من في القبور﴾ (۳) حدیث "ما انت باسمع منهم" جو اہل قلیب بدر کے بارے میں وارد ہے اور مثبتین سماع موتی اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ تاویل "بأعلم منهم" کے ساتھ کرسکتی ہیں۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴۶۸/۵)

مردہ قبر پر جانے والے کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے:

سوال: قبر پر کوئی عزیز مثلاً: ماں باپ، بہن بھائی اولاد جائے تو کیا اس شخص کی روح انہیں اس رشتے سے پہچانتی ہے؟

---

(۱) وأجابوا عن هٰذا الحديث فارة بأنه مردود عن عائشة رضي الله عنها قالت كيف يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك، والله تعالىٰ يقول: أي ما أنت بمسمع من في القبور إنك لا تسمع الموتىٰ أي أقول والحديث متفق عليه، (لا يصح أن يكون مردوداً لا سيما ولا منافاة وبين القرآن فان المراد من الموتىٰ الكفار والنفي منصب علىٰ نفي النفع لا علىٰ مطلق السمع لقوله تعالىٰ ﴿صم بكم عمى فهم لا يعقلون﴾. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأمراء: ١٢/١٢٤، انيس)

(۲) سورة النمل: ٨٠

(۳) سورة الفاطر: ٢٢

(۴) مرقاة المفاتيح: ٤/٢٤٦

الجواب

حافظ سیوطیؒ نے ''شرح الصدور'' میں اس مسئلے پر متعدد روایات نقل کی ہیں کہ میت ان لوگوں کو جو اس کی قبر پر جائیں، دیکھتی اور پہچانتی ہے اوران کے سلام کا جواب دیتی ہے۔(۱)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ''جوشخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر جائے،جس کو وہ دنیاج میں پہچانتا تھا، پس جا کر سلام کہے تو وہ ان کو پہچان لیتا ہے اوراس کا جواب دیتا ہے۔'' یہ حدیث ''شرح صدور'' میں حافظ ابن عبدالبر کی ''استذکار'' اور ''تمہید'' کے حوالے سے نقل کی ہے،اور لکھا ہے کہ محدث عبدالحق نے اس کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۰۴)

قبرستان پر کتنی دور سے سلام کہہ سکتے ہیں:

سوال: قبرستان میں جاتے ہوئے یا قریب سے گزرتے ہوئے "السلام علیکم یا أهل القبور" کہنا چاہیے۔دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ بس،ٹرین، یا کسی بھی سواری میں سفر کے دوران کوئی قبرستان، یا کوئی مزار نظر آجائے تو"السلام علیکم یا أهل القبور" یا "السلام علیکم یا صاحب مزار" کہنا چاہیے، یانہیں؟

الجواب

اگر پاس سے گزریں تو"السلام علیکم یا أهل القبور" کہہ لینا چاہیے۔(۳)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۰۱)

'السلام علیکم یا أهل القبور" میں 'یا' حرف ندا ہے،اس کو مردوں کے لیے استعمال کرنا:

سوال: قبرستان سے گزرتے ہوئے 'السلام علیکم یا أهل القبور' کہتے ہیں،حالاں کہ 'یا' حرف ندا ہے

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:ما من رجل یزرو قبرأخیه ویجلس عنده الا استأنس ورد علیه حتٰی یقوم.

وأخرج أیضا والبیهقی فی الشعب عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:اذا مر الرجل بقبریعرفه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه، واذا مربقبر لایعرفه فسلم علیه،رد علیه السلام ... وأحرج ابن أبی الدنیا فی القبور،والصابونی فی المائتین، عن أبی هریرة رضی اللّٰه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:ما من عبد یمرعلٰی قبر رجل یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام. (شرح الصدور،ص:۲۰۲،باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارهم،دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) وأخرج ابن عبد البر فی الاستذکار والتمهید عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:ما من أحد یمربقبرأخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه إلا عرفه ورد علیه السلام صححه عبد الحق.(شرح الصدور: ۲۰۲،طبع دار الکتب العلمیة،بیروت)

(۳) عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه قال:مر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بقبور بالمدینة فأقبل علیهم بوجهه فقال:السلام علیکم یا أهل القبوریغفراللّٰه لنا و لکم أنتم سلفنا ونحن بالأثر.(مشکٰوة،باب زیارة القبور،ص:۱۵۴)

اور حرف ندا صرف سننے وجواب دینے والے حاضر؛ یعنی مخاطب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح دیار حبیب میں پہنچ کر روضہ اقدس پر کھڑے ہوئے 'السلام علیکم یارسول اللّٰہ ویاحبیب اللّٰہ' کہتے ہیں، ان دونوں باتوں میں حرف ندا جو کہا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے، اگر جائز ہے تو یا محمد، یا علی کس لیے ناجائز ہے؟

(المستفتی: ۱۴۴۹، محمد فضل اللہ خاں صاحب، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، مطابق ۲۳ رمئی ۱۹۳۷ء)

الجواب

قبرستان میں جا کر 'السلام علیکم یا أهل القبور' (۱) کہنا جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عذاب سے سلامتی کی دعا دینا مراد ہے، یا بیشک حرف ندا ہے؛ مگر ندا اور خطاب کبھی نہ سننے والے کو بھی کر دیا جاتا ہے، جیسے 'هل أنت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت' (۲) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہوگئی تو آپ نے انگلی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو ایک انگلی ہے کہ خود آلود ہوگئی اور یہ تکلیف اللہ کے راستے میں تو نے اٹھائی ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سلام مردوں کو سنا دیتا ہو، باقی اور کلام مردے نہیں سنتے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۱۹۲/۴)

کیا مردے سنتے ہیں؟ مسئلہ سماع موتی کی جامع ومختصر تحقیق:

سوال: اولیاء اموات سے طلب دعا اس طرح کرے کہ اے حضرت اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمایئے کہ فلاں کام ہوجائے، اللہ تعالیٰ میری مشکل کو حل کر دے۔ کیا یہ استدعا شرعا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں اور اس میں کیا قباحت لازم آتی ہے، ایک رسالہ اثبات سماع موتی مصنفہ شاہ ولی اللہ دھاڑ واڑ علاقہ بمبئی مطبع قاسمی دیوبند نظر سے گزرا، اس کے طبع کرنے والے مذکور مولانا عبدالحی لکھنوی کے شاگرد ہیں، اس میں انہوں نے تمام مواد اس مسئلہ پر جمع کیا ہے اور منکرین کا جواب دیتے ہوئے سماع ثابت کیا ہے پس کیا ہمارے اکابر کی رائے بھی یہی ہے، یا نہیں؟ ظن غالب ہے کہ یہی رائے ہے اگر ہے تو اب یہ اشکال واقع ہوا کہ بوادر النوادر میں ایک مقام پر جس میں اس مسئلہ طلب دعا از اموات پر فرمایا ہے کہ طلب دعا احیا سے جائز ہے اور اموات سے نہیں؛ کیوں کہ اموات اس کے محل نہیں

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه، فقال: السلام عليكم يا أهل القبور، يغفر الله لنا ولكم أنتم سلفنا ونحن با لأثر (الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما يقول الرجل اذا دخل المقابر: ۲۰۳/۱، ط: سعيد)

(۲) عن جندب ابن سليمان النجلي قال: أصاب حجرا صبع رسول الله صلى الله عليه وسلم فدميت، فقال: هل أنت الا أصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت. (سنن الترمذي، شمائل باب ماجاء في صفة كلام رسول الله في الشعر: ۱۲/۲، ط: سعيد)

(۳) رد المحتار، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذالک مطلب في سماع الميت: ۸۳۶/۳، ط: سعيد

پس یہ سوال ہے کہ اموات کیوں اس کے محل نہیں، حیات انبیا وشہدا اوران کے بعض تصرفات مثلا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے ان افراد کے لیے جو درود پڑھتے ہیں، استغفار فرمانا اور شہدا کے لیے **یرزقون فرحین بما اٰتا ھم اللّٰہ من فضلہ**' وغیرہ ثابت ہے اوراسماع موتی بھی ثابت ہے اور احساس وشعور فرحت وغم اور کلام بجواب سلام بھی ثابت ہے تو پھر اولیاء اموات شہدا وانبیا طلب دعا کے محل کیوں نہیں، ان کے لیے دعا کر سکنے سے کیا چیز مانع ہے؛ یعنی نہ کر سکنے پر کیا دلیل ہے، جب کہ مندرجہ بالا حقائق ثابتہ سے اس پر ان کی قدرت ثابت ہوتی ہے، ازراہ شفقت برامت محمدیہ اس مسئلہ کو بدلائل واضحہ حل فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب

مسئلہ سماع موتی زمانہ قدیم سے مختلف فیہ ہے، کلام اس میں طویل ہے میرا ایک مستقل رسالہ بزبان عربی بنام اعدل الامور فی سماع اہل القبور بشکل مسودہ موجود ہے؛ مگر ہنوز شائع نہیں ہوا، اس میں سے خلاصہ کر کے حقیقت لکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت انبیا وشہدا کی تو اپنے اپنے درجوں کے موافق ثابت ہی ہے، عام اموات کی ارواح کا زندہ ہونا بھی ثابت ہے؛ لیکن یہ ظاہر ہے کہ نوعیت اس حیات کی حیات ناسوتی سے مختلف ہے، وہ حیات ایک دوسرے عالم کی حیات ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک عالم کے حالات کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ جو شخص اس دنیوی زندگی میں ہمارا کلام سنا کرتا تھا، وہ بعد الموت بھی اس طرح سنا کرے، یہ ضروری نہیں، اس کے لیے کوئی دلیل مستقل ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے دلیل عقلی نہ کوئی اثبات پر قائم ہے، نہ نفی پر اب صرف دلیل نقلی رہ گئی، سو اس میں قرآن وحدیث کے متعدد نصوص ہیں، بعض اموات کا، یا عام اموات کا خاص خاص حالات میں احیا کا کلام سننے؛ بلکہ بعض جگہ جواب دینے کا بھی ثبوت موجود ہے؛ لیکن ان سے کوئی ضابطہ کلیہ مستفاد نہیں ہوتا کہ ہر مردہ، ہر شخص کلام، ہر وقت سن سکتا ہے؛ اس لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ جن مقامات میں سماع موتی کسی روایت سے ثابت ہے، اس کا اقرار کر لیا جائے اور جہاں قرآن وحدیث ساکت ہیں، وہاں یہ اختیار کیا جائے، نہ اثبات کرے، نہ نفی، ہاں کسی شخص کو بذریعہ کشف سننا معلوم ہو جائے اور وہ اس کو صحیح سمجھے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں؛ لیکن اس سے بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بنتا کہ ہر میت ہر وقت ہر شخص کا کلام سن سکتا ہے؛ اس لیے معلوم ہوا کہ اس کے یقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم جس وقت جس میت سے جو کلام کریں گے، وہ ضرور سنے گا اور ایسا عقیدہ رکھنا بے اصل اور بے بنیاد ہے، جب اصل مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اب مسئلہ زیر بحث؛ یعنی دعا میں الفاظ مذکورہ کا استعمال اسی بے اصل عقیدہ پر مبنی ہے؛ اس لیے درست نہیں۔ ہاں اگر کسی کا عقیدہ یہ نہ ہو؛ بلکہ اسی احتمال پر کہہ دے کہ شاید سن لیں اور دعا کریں تو فی نفسہ مضائقہ نہیں؛ لیکن دوسروں کے سامنے ایسے الفاظ استعمال ان کے عقیدہ کو فاسد کرے گا؛ اس لیے احتراز کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ (امداد المفتین: ۲/۲۷۲-۲۷۳)

مردے کوسلام کرنا اورمردے کا سلام سننا:

سوال: اگرمردے سنتے نہیں تواہل قبور کی زیارت کے وقت ''السلام علیکم یا أهل القبور'' کہنا کیا مطلب رکھتا ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

زائرین قبور کے لیے سنت ہے کہ مردوں کوسلام کرے۔(۱) سلام کے الفاظ روایات میں مختلف آئے ہیں، ایک روایت میں ہے:

''عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمهم إذا خرجوا إلى المقابر وكان قائلهم يقول ، في رواية أبي بكر: السلام علٰى أهل الديار، وفي رواية زهير: السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين إنا إن شاء الله لاحقون أسأل الله لنا ولكم العافية''. (رواه مسلم)(۲)

ترمذی کی روایت میں اس طرح کے الفاظ ہیں:

''عن ابن عباس قال مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه فقال السلام عليكم يا أهل القبور يغفر الله لنا ولكم أنتم سلفنا ونحن بالأثر''. (۳)

سلام کا سننا ثابت ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اس کے سوا اور باتیں سنتے، یا نہیں؟ اس میں سلف وخلف کا اختلاف ہے۔(۴) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۲۰۸/۳-۲۰۹)

☆ ☆ ☆

(۱) ومن آدابها أن يسلم بلفظ السلام عليكم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب: في زيارة القبور :۱۵۱/۳، مكتبة زكريا ديوبند)

(۲) الصحيح لمسلم، فصل في التسليم على أهل القبور، الخ: ۳۱۴/۱، قديمي، انيس

(۳) سنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما يقول الرجل اذا دخل المقابر: ۲۰۳/۱، قديمي، انيس

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سماع کے قائل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی فرماتی ہیں؛ اسی لیے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین میں بھی دو گروہ ہوگئے۔ بعض اثبات کے قائل ہیں، بعض نفی کے۔ دیکھئے! ''معارف القرآن'': ۵۹۰/۶۔ اہل علم کے لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''تكميل الحبور بسماع أهل القبور'' قابل مطالعہ ہے، جو ''احکام القرآن'' میں شائع ہو چکا ہے۔ مرتب

اعضاءِ میت کے مسائل

مرنے کے بعد بچہ کا ناف کاٹنے کا حکم:

سوال: طحطاوی بر مراقی الفلاح، باب الجنائز، ص:۳۲۹ میں ہے:

”وقد قالوا إن السقط يحيا في الآخرة وترجى شفاعته واستدلوا بماروى أبوعبيدة مرفوعاً أن السقط ليقف محنبطئاً علىٰ باب الجنة فيقول لا أدخل حتىٰ يدخل أبواى وقوله محنبطئاً يروى بغير همزة وبهمزة، فعلى الأول معناه المتغضب المستبطى للشيء وعلى الثانى معناه العظيم البطن المنتفخ يعنى يغضب وينتفخ بطنه من الغضب حتىٰ يدخل أبواه الجنة.

وروى ابن ماجة من حديث على رضى اللّٰه عنه أن السقط ليراغم ربه إذ دخل أبواه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه أدخل أبويك الجنة فيجرهما بسرره حتىٰ يدخلهما الجنة حتىٰ يدخلهما الجنة والسرر بفتحتين ويكسر لغة فى السر بالضم وهو ما تقطعه القابلة من سرة الصبى و يحشرعلى ما مات عليه كغيره من أهل الموقف. (۱)

ہندی میں سرہ صبی کی نال کو کہتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ جب نال کے ساتھ یہ لڑکا ماں باپ کو کھینچ کر لائے گا تو جو کوئی لڑکا قبل کاٹنے نال کے مرگیا تو اس کی نال اب نہ کاٹنی چاہیے؛ کیوں کہ اس کے ساتھ ماں باپ کو کھینچے گا، اس کی شفاعت اسی طور سے ہوگی، کیا زید کا کہنا درست ہے اور اس عبارت سے یہ نکلتا ہے کہ قبل کاٹنے کے اگر مرگیا تو نال نہ کاٹنی چاہیے اور فی الواقع مسئلہ ایسا ہی ہے، یا بعد موت کے بھی وہ نال لڑکے لڑکی کی جو دراز مقدار بالشت بھر کے ہوتی ہے، کاٹی جائے گی اور یہ سابق حدیث کون کتاب میں کون باب میں ہے؟ اور اس میں سرہ کا کیا معنی ہے؟ اور مضمون اس حدیث کا موافق احناف کے ہے، یا نہ؟

عن جابر أنه قال كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم جالساً فى مسجده فجاء عامربن فهيرة فسأل النبى يا رسول اللّٰه(صلى اللّٰه عليه وسلم) نفست امرأتى ومات ولدها ما استهل ما أرضعه فقال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم الولد وقطع السرة واغسله وكفنه وصل عليه وادفنه،آه.

کیا ابوداؤد، یا نسائی، یا اور کسی کتاب میں ہے، یا نہیں؟

---

(۱) حاشية الطحطاوى،باب أحكام الجنائز،فصل فى حملها ودفنها،ص:۵۹۸،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

الجواب

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو نظر سے نہیں گزری، دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مشکوٰۃ میں بھی ہے اوراس سے مسئلہ فقہیہ قطع، یاعدم قطع سرہ کا اثبات تونہیں ہوسکتا،البتہ تائیدعدم قطع کی اشارۃً ہوسکتی ہے، وجہ عدم اثبات یہ ہے کہ سرہ سے کھینچنا اگرعدم قطع پرموقوف ہوتو چاہیے کہ تخلف بشارت کا باختیارقاطع ہوجائے، وهو خلف ؛ بلکہ اگرقطع بھی کردی جاوے،حق تعالیٰ قیامت میں متصل کرسکتے ہیں،البتہ فقہ کی روایات اس کی دلیل ہیں، گوخصوصیت سے توقطع سرہ کے متعلق کوئی روایت نہیں دیکھی ؛مگراشتراک علت سےاس کے لیے یہ روایت کافی ہے۔

في الدرالمختار: ولايسرح شعره أي يكره تحريماً ولايقص ظفره إلا المكسور ولاشعره ولايختن،آه.

وفي ردالمحتار تحت(قوله: يكره تحريماً) لما في القنية من أن التزيين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لايجوز،نهر،فلوقطع ظفره أوشعره أدرج معه في الكفن،قهستاني عن العتابي. (۱)

اورحدیث معلوم نہیں،کیسی ہےاورکہاں ہے،آپ نے کہاں سےنقل کی ہے،ظاہراتو قواعد کے خلاف ہے،عدم استہلال میں صلوٰۃ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ صلوٰۃ کے لیے سبق حیات شرط ہےاوراگرثابت ہوتو یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ استہلال کےعلاوہ اورکسی قرینہ سے حیات ثابت ہوگئی ہوگی ؛مگرسائل نے حکم کامداراستہلال پرسمجھا ہوگا۔

۱۴/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی،ص:۱۸۳) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۷۳۸-۷۳۹)

چھ ماہ کی حاملہ عورت کے مرنے پر بچے کوآپریشن کے ذریعے نکالنا:

سوال: اسلامی عقیدے کے مطابق ۱۲۰/دن میں بچہ ماں کے پیٹ میں جاندارشمارہوتا ہے؛یعنی ۱۲۰/دن میں ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے میں جان آجائے گی، جب کہ میڈیکل تھیوری کے لحاظ سے بھی ۱۲۰/دن کے بعد بچے میں جان پیدا ہوجاتی ہے۔اب مسئلہ یہ ہے کہ اگرکسی بیماری کی وجہ سےادل کادورہ پڑنے کی وجہ سے حاملہ عورت ۶/ماہ کے حمل میں وفات پاجاتی ہے، جب کہ بچے کی پیدائش ۹/مہینے میں ہوتی ہے،اب اگر بچے کوآپریشن کے ذریعے مردہ ماں کے پیٹ سے نکال لیاجائےتوشایدوہ بچ جائے ؛لیکن اگرماں کے پیٹ میں رہنے دیاجائے اور مردہ عورت کودفنایاجائےتو جاندار بچےبھی زندہ درگورکردیا گیا۔اب اس صورت میں کہ اگرعورت ۶/ماہ کے حمل میں وفات پاجائےتواس بچے کا کیا بنے گا، جوماں کے پیٹ میں پرورش پارہاتھا؟

الجواب

اگراس کاوثوق ہوکہ بچہ زندہ ہےاور یہ کہ اگرآپریشن کے ذریعہ بچے کونکالا جائے تواس کے زندہ رہنے کے

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الجنائز: ۱۹۸/۲،دار الفكر بيروت

امکانات ہیں تو آپریشن کے ذریعہ بچے کو نکال لینا صحیح ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۷/۴)

حاملہ کا بچہ چاک کر کے نکالا جائے، یا نہیں:

سوال: اگر حاملہ عورت چار ماہ یا چھ ماہ سات ماہ یا نو ماہ کے اثنا میں انتقال ہو جائے تو اس کے بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکالا جائے، یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت مر جاوے اور بچہ اس کے پیٹ میں زندہ ہو کر حرکت کرتا ہو تو اس کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ کو نکالا جاوے، جس وقت حمل کو اتنی مدت ہو جاوے کہ بچہ پیٹ میں حرکت کرنے لگے اور ماں کے مرنے پر بھی اس میں حرکت واضطراب باقی ہو، اس وقت یہ حکم ہے جو مذکور ہوا، کسی مدت کی قید نہیں ہے؛ بلکہ اگر نواں مہینہ بھی حاملہ کو ہو اور اس کے مرنے پر بچہ پیٹ میں حرکت کرتا اور اضطراب کرتا ہوا معلوم نہ ہو تو پیٹ کو چاک نہ کیا جاوے گا؛ بلکہ مدار بچہ پیٹ میں حرکت واضطراب پر ہے، چناں چہ عبارت درمختار کی عبارت یہ ہے:

(حامل ماتت وولدها حی)یضطرب (شق بطنها)من الأیسر(ویخرج ولدها)الخ.(۲)

(ترجمہ: اس کا یہ ہے کہ حاملہ عورت مرگئی اور بچہ اس کا پیٹ میں زندہ ہے کہ حرکت کرتا ہے تو بائیں جانب سے عورت کے شکم کو چاک کر کے بچہ کو نکالا جاوے۔) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۵/۵-۳۷۶)

مردہ عورت کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو کیا کیا جائے:

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے، مسلمانوں کا ایک گروپ کہتا ہے کہ اگر کوئی حاملہ مسلمہ کا انتقال ہو جائے اور بچہ شکم مادر میں زندہ ہو تو اس فوت شدہ عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے گا، اسلامی شریعت ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے؛ مگر دوسرا گروپ اس کے برعکس یہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی، پیٹ چاک نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ میت کی بے حرمتی ہوتی ہے، لہٰذا اس عورت کو اسی حال میں بعد نماز جنازہ کے دفن کر دیا جائے۔ آپ صحیح فیصلۂ شرعی سے نوازیں؟

---

(۱) وفی فتاویٰ أبی اللیث رحمه اللّٰه تعالیٰ فی امرأة حامل ماتت وعلم أن ما فی بطنها حیٌّ فانه یشق بطنها من الشق الأیسر وكذلك اذا كان أكبر رأیهم أنه حی یشق بطنها كذا فی المحیط وحكی أنه فعل ذلك باذن أبی حنیفة فعاش الولد، كذا فی السراجیة. (الفتاویٰ الهندیة، كتاب الكراهیة، الباب الحادی والعشرون فیما یسع من جراحات،الخ: ۳٦۰/۵،طبع مكتبة رشیدیة)

(۲) الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ اس صورت میں پیٹ چاک کر کے بچہ نکلوادیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۲/۱/۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۲۶/۲-۵۲۷)

حاملہ مر جائے تو وضع حمل کی کیا صورت ہے:

سوال: اگر حاملہ عورت اپنے حمل کے وضع ہونے سے قبل مرگئی تو اس کا حمل اس کے پیٹ میں اسی طرح موجود ہے، اس عورت کا وضع حمل کس طرح سے ہوگا؟ قبر کے اندر وضع حمل ناممکن ہے تو جب قیامت کے دن مردے قبروں سے نکلیں گے تو وہ حمل پیٹ میں رہے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اس کی تحقیق نہیں، حدیث میں صاف صاف دیکھنا یاد نہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۲/۹)

حاملہ عورت مر جائے تو کس طرح دفن کیا جائے:

سوال: جب عورت حاملہ کا انتقال ہو جائے تو اس کو مع بچہ کے دفن کیا جاوے، یا عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالا جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

عورت حاملہ اگر مر جائے تو دیکھا جائے کہ اگر بچہ پورا ہے اور پیٹ میں زندہ ہے کہ حرکت کرتا ہے تو متوفیہ عورت کا

---

(۱) حامل ماتت وولدها حی)يضطرب (شق بطنها) من الأيسر(ويخرج ولدها).(الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۱٤٥/۳، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ حاملہ عورت اگر مر جائے تو شہید ہے۔

عن جابر بن عتيك ... قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم: الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل الله: المطعون شهيد، والغريق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد.(سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز،باب فى فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲،إمدادية ملتان)

قال الملاعلى القارى رحمه الله تعالٰى تحته:"فى النهاية:أى تموت وفى بطنهاولد ... وقال بعض الشراح الجمع بضم الجيم وكسرها والرواية بالجيم أى تموت وولدها فى بطنها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز،باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل الثانى (رقم الحديث: ۱٥٦۱) : ۳۹/٤، رشيدية)

پیٹ چاک کرکے زندہ بچہ کونکال لیا جاوے اور اگر بچہ میں ابھی جان ہی نہیں پڑھی تھی؛ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرگیا، زندہ نہیں اور کوئی حرکت اس میں نماز ہے تو اس متوفیہ حاملہ کو مع بچہ کے دفن کردیا جائے۔

درمختار میں ہے: **(حامل ماتت و ولدها حی) يضطرب (شق بطنها) من الأيسر (ويخرج ولدها) ولوبالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج، الخ.** (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۱/۵)

لاش کو پوسٹ مارٹم کرنا اور بعض اعضا کو دفن میں مؤخر کرنا:

سوال: جب کوئی شخص زہر وغیرہ کھا کر، یا کسی کے کھلانے سے مرجاتا ہے، یا زخم وضرب شدید سے مرجاتا ہے تو اس مردہ لاش کو ڈاکٹر لوگ چیر کر دیکھتے ہیں اور بعض دفعہ بعد چیرنے کے تمام لاش تو دلوا دیتے ہیں اور صرف دل وکلیجی وگروہ بڑے ڈاکٹر کے پاس برائے ملاحظہ لاہور بھیجتے ہیں اور وہ بعد ملاحظہ وہیں کہیں داب، یا پھینک دیتا ہے، پس عرض ہے کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر ہو تو ایسا کام کرے، یا شرع شریف میں اجازت نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: (حامل ماتت وولدها حی) يضطرب (شق بطنها) ... ولو بلع مال غيره ومات هل يشق قولان والأولٰى نعم، فتح.

وفی ردالمحتار تحت قوله ولو بلع مال غيره) أی ولامال له، كما فی الفتح وشرح المنية، ومفهومه أنه لوترك مالا يضمن مابلعه لايشق اتفاقاً (قوله و الأولٰى نعم)؛ لأنه وان كان حرمة الآدمی أعلٰى من صيانة المال لكنه ازال احترامه بتعديه كما فی الفتح ومفاده أنه لوسقط فی جوفه بلا تعدلايشق اتفاقاً. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ میت کا چیرنا امر نا جائز ہے، صرف کسی دوسرے زندہ کی جان بچانے کے لیے، یا مال محترم کے محفوظ کرنے کے لیے جب کہ اس کا کوئی بدل بھی نہ ہوسکے بضرورت شدیدہ اجازت دی گئی ہے اور صورت مسئولہ میں یہ ضرورت شدیدہ متحقق نہیں اور جو ضرورت ومصلحت اس کا سبب ہے، وہ اس درجہ کی نہیں؛ اس لیے عدم جواز ہی کا حکم باقی رہے گا اور جس شخص کو کلیجی وگردہ وغیرہ مل جاویں، واجب ہے کہ ان کو دفن کردے پھینک کر بے حرمتی نہ کرے اور جس شخص کو ملازمت کی ضرورت سے ایسی چیر پھاڑ کا اتفاق ہوا، وہ اس فعل کو ناجائز سمجھے اور استغفار کرے اور جب تک دوسری نوکری قابل بسر میسر نہ ہو، یہ نوکری نہ چھوڑے کہ **"من ابتلی ببليتين فليختر أهونهما"**.

۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ۔ (تتمۂ رابعہ، ص: ۱۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۳۴۱/۷/۱۰)

---

(۱) **الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، دار الفكر بيروت**

(۲) **الدرالمختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲، مطلب دفن الميت، دار الفكر بيروت، انيس**

لاوارث لاش پر عملِ جراحی کی مشق کرنا:

سوال: ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی تشخیص کے لیے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریضہ کے سارے جسم کا ہاتھوں سے چھوکر معائنہ کرنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاءِ مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہو جاتا ہے اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مردہ جسم پر عملِ جراحی کروائی جاتی ہے۔ براہ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں؟

الجواب

مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لیے جن مواضع کا چھونا، یا دیکھنا لابدی ہو تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہے (جب کہ بدوں اس کے تشخیص وعلاج درست نہ ہوسکتا ہو) البتہ انسانی جسم پر عملِ جراحی برائے مہارت ہو، بوجوہ ذیل شرعاً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

وجہ اول: مسلمان میت کو غسل دینا، کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہل اسلام کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے، (کما فی الدر المختار وغیرہ عن المعتبرات) اور عملِ جراحی کی مشق کے لیے مردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں۔

وجہ دوم: حق تعالیٰ سبحانہ نے انسان اور باقی تمام اشیا (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات) کے مقاصد تخلیق میں بنیادی طور پر فرق رکھا ہے، پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس متعددہ کی ان گنت اشیا کو اس لیے وجود میں لایا گیا؛ تاکہ مختلف انسانی حاجات کی براری اور زندگی کے گوناگوں تقاضوں کی تکمیل ہوسکے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿**هو الذى خلق لكم مافى الأرض جميعاً**﴾(۱) لوہا، پیتل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات اناج، غلے، سبزیاں اور دیگر نباتات اسی طرح حیوانات ان سب اشیا کو انسان کے تصرف میں دے دیا گیا ہے، انسان مختلف طریقوں سے اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لیے ان اشیا کو استعمال میں لاتا ہے، کوئی چیز پس کر کام آتی ہے، کوئی کٹ کر، کسی کو گرم کر کے کارآمد بنایا جاتا ہے، کسی کو ٹھنڈا کر کے، کسی کو چیر پھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے تو کسی کو سی کر پرو کر، کہیں تحلیل ہوتی ہے، کہیں ترکیب وتجزیہ ہوتا ہے، کہیں تنقید، الغرض ان اشیا کو انسان کے استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی ہونے کی ہے، پس ان میں سب تصرفات درست ہیں، بخلاف انسان کے کہ اسے خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت میں پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی چیر پھاڑ کر، یا کوٹ چھان کر، یا گلا پگھلا کر لگایا اور استعمال کیا جاسکے؛ بلکہ انسان کو صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیا میں تصرف کنندہ بنایا ہے، اسی بنیادی

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲۹

فرق کی وجہ سے اسے تکریمِ خداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھئے آیت میں اسی خصوصیتِ انسانی پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے: ﴿ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبت﴾ (۱) اور کچھ ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناپر تکریم سے بڑھ کر خلافت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے ﴿وإذ قال ربک للملئکة إنی جاعل فی الأرض خلیفة﴾ (۲) پس انسان کی اس متصرفانہ حیثیت اور دیگر اشیا کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاءِ خداوندی کے مطابق ہے، جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطرتی مقام سے پست و بالا کیا جائے گا تو قانونِ فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست وریخت لازم آئے گی اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عملِ جراحی کی مشق یہ اسے دائرہ انسانیت سے نکال کر متاع وجمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے تو کسی انسان، یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لیے کسی دوسرے انسان، یا اس کے کسی عضو کو تختۂ مشق بنائے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے، جو ایک لوہار لوہے کے ساتھ، یا ایک بڑھئی لکڑی کے ساتھ، یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے، آخر خدائی حدود کی شکست وریخت کو کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

وجہ سوم: مردہ انسان کو عملِ جراحی کے لیے تختۂ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین وتذلیل ہے، جو کہ مقامِ تکریم کے قطعاً خلاف ہے، پس عدم جواز ظاہر ہے۔

وجہ چہارم: بعض احادیث میں آتا ہے کہ مردہ کی روح بھی اسی طرح درد والم کو محسوس کرتی ہے، جیسا کہ زندہ انسان کی روح اور مردہ کو بھی ایذا پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذا ہونا ظاہر ہے اور ایذا سے احتراز کرنا واجب ہے۔

وجہ پنجم: کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ، یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی معہود) کو پسند نہیں کرتا تو جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کی جاتی تو آخر لاوارث اور غربا کی لاشوں کے لیے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ وگدا، امیر وغریب، زبردست وزیردست سب برابر ہیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

وجہ ششم: لاوارث، غربا مساکین کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوت قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے، معاشرہ کا فرض ہے کہ لاوارث لاشوں کا اسی طرح احترام کرے، جیسا کہ ہر شخص اپنے اقربا کی لاشوں کا کرتا ہے، اقربا کی لاشوں کا انتہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کو فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور انسان ہمدردی

---

(۱)　سورۃ الاسراء: ۷۰، انیس

(۲)　سورۃ البقرۃ: ۳۰، انیس

کی کون سی قسم ہے، غربا پروری اور رحم دلی کی کون سی نوع ہے؟ مختصراً تحریر ہوا، امید ہے کہ انسانی مردہ جسم پر عملِ جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ اس پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عملِ جراحی مذکور ناجائز ہوا تو فن جراحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی مخدوش ہے کہ بدوں اس کے تکمیل وتحصیل فن ممکن نہیں، ثانیاً یہ کہ یہ ایک مشترکہ انسانی حاجت ہے، اس کے لیے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا، ماہرین فن کا کام ہے، اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لیے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دشوار ہے تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلہ میں جائز دشوار کو اختیار کرنا عین عقلی تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے، آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو ہے۔ دیگر واضح رہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں؛ بلکہ موجودہ نظامِ تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے موجودہ نظامِ تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز وناجائز کی تفریق کو پیش نظر نہیں رکھا یہ تو درکنار جو بیچارے غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے تو ایسے لوگوں کا مرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر چالو کیا جائے گا، جو لوگ جائز وناجائز کی تفریق کے قائل ہیں، آخر مشکلات اور دشواریاں ہی تو پیش آئیں گی، فإلی المشتکی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبداللہ غفرلہ۔ (خیر الفتاوی ج:۳/ ۳۱۷-۳۲۰)

پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میت کو نکالنا:

سوال (۱) کیا زہرخوانی وغیرہ کے معاملات میں نعش دفن ہوجانے کے بعد بغرض پوسٹ مارٹم نعش برآمد کرنے کی شرعاً ممانعت ہے؟ نعش کا پوسٹ مارٹم ایک وجہ ثبوت ہیچو قسم معاملات میں فراہم کرتا ہے؟

(۲) اگر ایسا ہو تو کیا پولس کو نعش برآمد کرنے سے روکنا، اس کے خلاف احتجاجی کارروائی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؟ خواہ وہ سلسلہ میں مزاحمت سرکاری ملازم کی زد میں بھی آتے ہوں؟

(۳) کیا احترام قبر ومیت شرع میں اس حد تک رکھا گیا ہے کہ قصاصی کارروائی کے سلسلہ میں بھی اگر نعش برآمد کرنے کی قانوناً ضرورت ہو تو بھی نہ کی جائے۔

(۴) جو شخص پولس میں اس مرگ مفاجات کی رپورٹ کرتا ہے، وہ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی شرعی سزا کا مستوجب ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱) دفن کرنے کے بعد مذکورہ مقصد کے لیے نعش کو قبر کھود کر نکالنا شرعاً درست وجائز نہیں، (۱) نعش کو چیرنا بھی

(۱) إذا دفن بلاغسل أو صلاة أو وضع علی غیر یمینه أو إلی غیر القبلة، فإنه لا ینبش علیه بعد إهالة التراب. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۸/۲، سعید) ==

جائز نہیں۔(۱) زہرخوانی کا ثبوت مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔(۲) پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جو ثبوت ہو وہ شرعی ثبوت نہیں اور ایسے ثبوت پر کسی کو مجرم قرار دے کر سزا دینے کا بھی حق نہیں۔

(۲)　ایسی صورت میں قانونی چارہ جوئی وکیلوں سے کی جاسکتی ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کے نتائج بسا اوقات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہوتا ہے اور ایسا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے، جس کا خمیازہ بہت سے بےقصوروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

(۳)　اس کا جواب نمبر ایک میں آگیا ہے۔

(۴)　اخفائے واردات جرم ہے، اگر اس جرم سے بچنے کے لیے اطلاع کی ہے کہ اگر اطلاع نہ کرتا تو وہ مستوجب سزا ہوتا، تب تو مضائقہ نہیں ہے،(۳) اگر اس تحفظ کے علاوہ دوسرا مقصد ہے کہ دوسروں کو بلا وجہ شرعی ذلیل کیا جائے تو یہ سخت معصیت ہے،(۴) اس نے قبر کی بھی بےحرمتی کی اور میت کی بھی بےحرمتی کی، اگر اقتدار اعلیٰ ایسے شخص کے ہاتھ میں

==　ولو وضع الميت لغير القبلة أو علىٰ شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل عليه التراب، لم ينبش" (الفتاوىٰ الهندية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن، إلخ: ١٦٧/١، رشيدية)

(۱)　قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ولقد كرمنابنى آدم وحملنهم فى البر والبحر﴾ (الآية) (سورة الإسراء: ٧٠)

"عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: كسرعظم الميت ككسره حياً". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان: ١٠٢/٢، إمدادية)

"ولايجوزبيع شعورالإنسان ولا الإنتفاع بها؛ لأن الآدمى مكرم لامبتذل، فلا يجوز أن يكون شيئ من أجزائه مهانا ومبتذلا ... والآدمى مكرم شرعاً وإن كان كافرًا، فإيراد العقد عليه وإبداله به وإلحاقه بالجمادات إذلال له". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣٩٠/٦-٣٩١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ٢٧٥/١، إدارة القرآن، كراتشى

(۲)　المرء مواخذ بإقراره". (يعنى إذا أقرالحر البالغ لزمه، أقره مجهولاً كان ما إقراءه أو معلوماً، وقد رجم صلى اللّٰه عليه وسلم ما عزا بإقراره أربع مرات. (القواعد الفقهية مع حاشية عميم الإحسان المجددى، رقم القاعدة: ٣١٤، ص: ١٢٠، الصدف پبلشرز)

"هى (الشهادة) إخبار صدق لإثبات حق ... بلفظ الشهادة فى مجلس القاضى ... ونصابها للزنا أربعة رجال ليس منهم ابن زوجها، إلخ". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الشهادات: ٤٦١/٥-٤٦٤، سعيد)

"تنبيه: بقى طريق ثبوت الحكم: أى بعد وقوعه ... فقال: له وجهان، أحدهما: اعترافه حيث كان موتىٰ ... الثانى: الشهادة علىٰ حكمه بعد دعوىٰ صحيحة". (ردالمحتار، كتاب القضاء: ٣٥٤/٥، سعيد)

(۳)　الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ١٧٠، ص: ٨٩، الصدف پبلشرز)

(۴)　قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ويل لكل همزة لمزة﴾. (سورة الهمزة، الجزء: ٣٠) قال ابن كثير تحتها: "الهماز بالقول واللماز بالفعل، يعنى يزدرى الناس وينتقص بهم". (تفسير ابن كثير: ٥٤٨/٤، سهيل اكادمى لاهور)

عن عقبة بن عامر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: "من سترمؤمناً كان كمن أحيىٰ موءودة من قبرها. (مسند أحمد، أحاديث عقبة بن عامر، رقم الحديث: ١٦٨٨٠: ١٤٣/٥، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

ہو، جو شرعی سزا دینے کا مجاز ہو تو وہ حسب صواب دید تعزیر کر سکتا ہے، ہر شخص کو تعزیر کا حق نہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۳۴-۱۳۶)

مردے کو قبر سے کر نکال کر ڈاکٹری معائنہ کرانا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۰-۲۴/ مئی ۱۹۳۹ء)

سوال: زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی کو ان کے مکان میں گھس کر مزدوروں نے مار ڈالا، دن کو معلوم ہوا تو حکام نے موقع پر پہنچ کر واقعہ کا حال معلوم کر کے مسلمانوں کو زید و ہندہ کے دفن کرنے کی اجازت دے دی، مسلمانوں نے بعد غسل و تکفین نماز جنازہ پڑھ کر دونوں کو دفن کر دیا، دوسرے روز مارنے والا خود ظاہر ہو گیا اور جرم کا اقرار کر لیا، حکام ضلع نے مجرم کو حراست میں لے کر رپورٹ صوبہ کے حاکم اعلیٰ کے پاس بھیجی، وہاں سے حکم آیا کہ جب تک ڈاکٹری رپورٹ نہ ملے، مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا، زید و ہندہ دونوں کو قبر سے کھود کر نکال کر ڈاکٹری معائنہ کی رپورٹ بھیجی جائے، ایسی صورت میں مسلمان کیا کریں؟ خصوصاً ہندہ کے تمام بدن کو ڈاکٹروں کا دیکھنا اور چھونا کیسا ہے؟

الجواب

دفن کے بعد قبر کو کھولنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے نکالنا جائز نہیں ہے۔(۲) نیز پوسٹ مارٹم کے لیے مسلمان عورت کے جسم کو غیر محرم ڈاکٹر کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔(۳) غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کو کوشش کر کے اس قاعدے کو منسوخ کرانا چاہیے اور جب تک منسوخ نہ ہو اور حکومت جبراً یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے۔(۴) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۰۰-۲۰۱)

---

(۱) وعزر كل مرتكب منكر ومؤذى مسلم بغير حق بقول أوفعل. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤/٦٦، سعيد)

قالوا: لكل مسلم إقامة التعزير حال مباشرة المعصية، وأما بعد المباشرة، فليس ذلك لغير الحاكم ... الأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكرًا أو آذىٰ مسلماً بغير حق بقوله أو بفعله يجب التعزير. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ٢/١٦٧-١٦٨، رشيدية)

(۲) میت کو صرف اس صورت میں قبر سے نکال سکتے ہیں جب کہ وہ غیر کی زمین میں دفن کیا گیا ہو اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے میت کو قبر سے نکالنا جائز نہیں۔ ولا يسع اخراج الميت من القبر بعد ما دفن إلا إذا كانت الأرض مغصوبة وأخذت بالشفة. (قاضي خان علىٰ هامش الهندية، باب في غسل الميت و ما يتعلق به: ١/١٩٥، ط: كوئتة)

(۳) عورت کے جسم کو جس طرح زندگی میں دیکھنا جائز نہیں، اسی طرح مرنے کے بعد بھی جائز نہیں۔ "ويمنع زوجها من غسلها و مسها. (الدر المختار) وفي الرد تحت (قوله: ويمنع زوجها، الخ) أشار إلىٰ ما في البحر من أن من شرط الغاسل أن يحل له النظر إلى المغسول فلايغسل الرجل المرأة وبالعكس. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ٢/١٩٨، ط: سعيد)

(۴) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾. (سورة البقرة: ٢٨٦)

انسانی لاش کی چیر پھاڑ اور اس پر تجربات کرنا جائز نہیں:

سوال: آج کل جو ڈاکٹر بنتے ہیں، مختلف قسم کے تجربات کرتے ہیں، جن میں پوسٹ مارٹم بھی شامل ہے، جس میں انسانی اعضا کی بے حرمتی ہوتی ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ قرونِ اولیٰ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مسلمان کی لاش پر تجربات نہیں کیے جاسکتے اور غیر مسلم کی لاش پر کر سکتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب

کسی انسانی لاش کی بے حرمتی جائز نہیں، نہ مسلمان کی، نہ غیر مسلم کی۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۵/۴)

پوسٹ مارٹم:

سوال (۱) موت واقع ہو جانے کے بعد میت کے احترام کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) مسلمان عورت کی میت کے احترام اور پردے کے احکام کیا ہیں؟

(۳) لاش کا طبی معائنہ (جس میں لاش کو چیر پھاڑ کر اندرونی حصے دیکھے جاتے ہیں)، کس حکم شریعت کے ماتحت آتا ہے؟

(۴) کیا نامحرم مرد کے ہاتھوں میں عورت کی برہنہ میت کا جانا بطریق مذکور اس کا طبی معائنہ جائز ہے؟

(المستفتی: ۱۴۹۷، خلیق صدیقی سہارنپوری، فاضل ادب، ایڈیٹر امت، سہارنپور، ۵/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ، ۱۵/جون ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) مسلمان میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے؛ بلکہ بعض صورتوں میں بھی زیادہ لازم ہے۔(۲)

(۲) مسلمان میت اگر عورت ہو تو اس کے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں؛ یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔(۳)

(۳) طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو،(۴) تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر و احترام میت کا

---

(۱) امداد الفتاوی: ۵۰۸/۱- و أيضاً: (وحرمته الانتفاع باجزاء الأدمی) ... (لكرامته) لئلا يتجاسر الناس على من كرمه الله بابتذال أجزائه، الخ. (شرح العناية على الهداية على حاشية فتح القدير: ٦٥/١)

(۲) مثلا جنازہ سے آگے چلنا اور قبر میں چارپائی کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا وغیرہ۔

(۳) ويمنع زوجها من غسلها ومسها. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجنائز: ١٩٨/٢، ط: سعيد)

(۴) و فی التجنيس من علامة النوازل امراة حامل ماتت، و اضطرب فی بطنها شئ و كان رأيهم أنه ولد حی شق بطنها (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١٤٢/٢، ط: مصطفى البابى، مصر)

التزام ضروری ہوگا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے، چیر پھاڑ مباح نہیں ہوسکتی۔

(۴) عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۰۰/۴)

پوسٹ مارٹم کا حکم:

سوال: میت کی نعش کی پوسٹ مارٹم کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور پوسٹ مارٹم کرنا شرعا جائز ہے، یا نہیں؟

(قاری، ایم ایس خان، جدید ملک پیٹ)

الجواب

اسلام نے انسانی تکریم کے تحت مردہ کے لیے بھی اسی طرح کا احترام واجب قرار دیا ہے، جیسے زندہ کے لیے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**کسر عظم المیت ککسره حیًا**“. (۲)(مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔) لیکن جیسے ضرورت کی بنا پر زندگی میں انسان کا آپریشن کرنا جائز ہے، اسی طرح ضرورت کے مواقع پر مردہ کے جسم کا آپریشن بھی درست ہے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ:

”اگر کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو اور بچہ میں ابھی زندگی کے آثار موجود ہوں تو پیٹ چیر کر بچہ کو نکالا جائے گا“۔(۳)

بعض دفعہ جرم کی تحقیق، اس کی نوعیت اور مجرم کی شناخت کے لیے پوسٹ مارٹم کی ضرورت پڑتی ہے، ایسے مواقع پر بہ قدرِ ضرورت پوسٹ مارٹم کی گنجائش ہے؛ لیکن جہاں موت کا سبب معلوم ہو، مجرم کو اقرار ہو اور پوسٹ مارٹم مقدمہ کو

---

(۱) ﴿یا أیها النبی قل لأزواجک‘وبناتک ‘ونساء المومنین‘یدنین علیهن من جلا بیبهن﴾.(سورة الأحزاب:۵۹)
﴿وقل للمؤمنین یغضوا من أبصارهم﴾(سورة النور: ۳۰)
وأما الغاسل‘فمن شرطه أن یحل له النظر الی المغسول‘فلا یغسل الرجل المراة‘ ولا المراة الرجل.(البحر الرائق،کتاب الجنائز: ۱۸۸/۲،ط:دار الفكر بیروت)

(۲) عن عائشة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال كسر عظیم المیت كسره حیاً. رواه أبوداؤد.(کتاب الجنائز،باب فی الحفاریجدالعظیم هل یتنکب ذالک المکان:۱۰۲/۲،مکتبة حقانیة لاهور)

(۳) حائل ماتت وولدها حی) یضطرب (شق بطنها) من الأیسر(ویخرج ولدها) (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة:۲۳۸/۲،دار الفكر بیروت،انیس)

حل کرنے میں معاون نہ ہو، خود میت کے ورثا کی طرف سے بھی اس کا مطالبہ نہ ہو اور ان ورثا کا اپنا کردار اس جرم کے سلسلہ میں مشکوک ومبہم نہ ہو تو ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم درست نہیں۔ آج کل صورتحال یہ ہے کہ ہر حادثاتی موت میں پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، حالاں کہ ہلاکت کے اسباب بالکل واضح ہوتے ہیں، جیسے: گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ میں اور سانپ کاٹنے سے ہونے والی موت میں، یہ فضول عمل ہے اور اس سے بلا وجہ مردہ کی بے حرمتی ہوتی ہے؛ اس لیے ان مواقع پر پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں۔

پھر جن صورتوں میں پوسٹ مارٹم کی اجازت ہے، ان میں بھی ضروری ہے کہ حتی المقدور انسانی احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا جائے، خواہ مخواہ بے ستری نہ ہو اور غیر متعلق اعضا کی رعایت کے ساتھ مخصوص مواقع پر، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، پوسٹ مارٹم کی گنجائش ہے اور یہ نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر ہے؛ بلکہ ایک عام انسانی مسئلہ ہے؛ اس لیے حکومت کو اس سلسلہ میں متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۵۰-۲۵۲)

پوسٹ مارٹم کئے ہوئے شخص کی تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ:

سوال: ایک انسان ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہو گیا اور اس انسان کا پوسٹ مارٹم کر لیا گیا اور اس انسان کی نعش پوسٹ مارٹم کے تین دن بعد اس کے گھر پہنچائی گئی؛ کیوں کہ گھر اس کا دور تھا اور تاخیر کی وجہ سے نعش میں بدبو پیدا ہو گئی، اس انسان کو بغیر غسل اور بغیر کفن کے صلوٰۃ جنازہ کے بعد دفن کر دیا گیا تو آیا اس کی صلوٰۃ جنازہ صحیح ہے، یا نہیں؟ اور پوسٹ مارٹم کی صورت میں غسل کی کیا شکل ہو سکتی ہے، جب کہ اس کے اعضا الگ الگ ہو چکے ہوتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے شرائط میں سے میت کا پاک ہونا بھی ہے؛ اس لیے جس کو غسل نہیں دیا گیا، اس پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔(۱) اب اگر کسی میت کو غسل دیئے بغیر اس پر بھول، یا جہالت کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ کا اعادہ کر لیا جائے، بشرطیکہ دفن کو اتنا وقت نہ گزرا ہو کہ جس میں نعش پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

ولو صلّٰی علیہ بلا غسل جھلا أو نسیاناً ثم دفن ولا یخرج إلا بالنبش أعیدت علٰی قبرہ استحساناً لفساد الأولٰی.(۲)

---

(۱) (وشرائطها) ستة ... (و) الثاني (الطهارة) وفي حاشية تحته عن نجاسة حكمية وحقيقية في البدن فلا تصح علٰى من لم يغسل (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الجنائز، فصل الصلاة عليه، ص: ٥٨١، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) حاشية الطحطاوي، كتاب الجنائز، فصل الصلاة عليه، ص ٥٨٢، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(وإن دفن)واهيل عليه التراب (بلاصلاة) ... (صلّی علٰی قبره وإن لم يغسل) لسقوط شرط طهارته لحرمة نبشه ... (مالم يتفسخ).(۱)

پوسٹ مارٹم میں اعضا الگ الگ نہیں کئے جاتے ؛ بلکہ صرف بدن چیر پھاڑ کر اس میں سے کچھ اجزا نکال لیتے ہیں اور پھر سی لیتے ہیں، غسل کے لیے پورے جسم پر پانی بہادینا کافی ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ:۱/۵۴۳-۵۴۴)

قبر سے لاش نکالنا اور اس کا سر کاٹا اور بے حرمتی کرنا:

سوال: ایک مسلمان تو بو محمد میاں کا انتقال ہو گیا اور دو تین روز کے بعد دو ایک ہندو نے تو بو محمد میاں کی لاش کو قبر سے رات کو نکال کر اوپر زمین پر کھ کر تو بو میاں مرحوم کی لاش سے چھری، یا تلوار سے گردن کاٹ کر جدا کیا اور تو بو محمد میاں مرحوم کے منہ میں شراب دیا اور چند قسم کی بے حرمتی ہندو نے سفلی عمل جادو سیکھنے کے لیے کیا، مسلمانوں کو یہ ہندوؤں کی شرارت معلوم ہوئی تو مسلمانوں نے پوچھا، ہندوؤں نے اقرار کیا اور کہتے ہیں کہ ہم ہندوؤں سے غلطی ہوئی، دس پانچ روپیہ لے کر معاف کر دیں؛ مگر ادھر پانچ ہزار مسلمان غصہ سے آگ ہو رہے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے، اس پر سب مسلمانوں کی یہ رائے ہوئی کہ مولانا صاحب مدظلہ کے پاس لکھا جائے، جو فتویٰ آئے، اسی کے مطابق ہندوؤں سے صلح، یا جنگ، یا تاوان لے کر، یا جو فتوی کا حکم ہو کیا جائے۔

(۲) لاش اور سر کٹا ہوا تو بو محمد میاں کا قبرستان میں پڑا ہے، اب اس لاش کو اسی قبر میں دیکر مٹی سے قبر کا منہ ڈھانک دیں، یا پھر لاش اور سر کٹے ہوئے کو غسل و کفن دے کر جنازے کی نماز پڑھ کر قبر میں دیں، کس طور سے عمل میں لاش کو لاویں؟

(المستفتی:۲۶۲۹، حافظ محمد عثمان صاحب (بنگال) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء)

الجواب

جن لوگوں نے قبر سے لاش نکالی اور اس کا سر کاٹا اور بے حرمتی کی، انہوں نے بہت سخت ظلم اور برا کام کیا، ان کو قانونی سزا دلوانی چاہیے، تاوان لے کر معاف کر دینا درست نہیں اور خود کوئی انتقام لینے کی صورت بھی مناسب نہیں (۲) کہ اس میں فساد اور مزید ضرر کا احتمال ہے، قانونی کارروائی کی جائے۔

---

(۱) مراقی الفلاح علٰی هامش حاشية الطحطاوی، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۱-۵۹۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) کیوں کہ یہ تعزیر مالی ہے، جو کہ احناف کے نزدیک جائز نہیں۔

والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب فی التعزير بأخذ المال: ٦٢/٤، ط: سعيد)

(۲) لاش اور سر کو اسی قبر میں، یا علاحدہ قبر میں دفن کردیں، غسل اور نماز کی حاجت نہیں، یہ پہلی مرتبہ دفن کرنے سے پہلے ادا ہو چکے ہیں اور تکرار مشروع نہیں۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۲۰۵/۴-۲۰۶)

لاش کی چیر پھاڑ کا شرعی حکم:

سوال: کیا سائنسی تحقیق کے لیے اسلامی شریعت کی رو سے لاشوں کی چیر پھاڑ جائز ہے؟ کیا اس سے لاشوں کی بے حرمتی کا احتمال تو نہیں جب کہ لاشوں میں مرد اوگر عورتیں بھی ہوتی ہیں اور لاشیں بالکل ننگی ہوتی ہیں اور چیر پھاڑنے والے مرد اور عورتیں دونوں ہوتے ہیں، اگر بے حرمتی ہے تو اس کی سزا کیا ہے؟ اور پھر مردوں کی موجودگی میں یہ کام کرنا جائز ہے؟ بصورتِ دیگر کیا سزا ہے؟

الجواب

لاشوں کی چیر پھاڑ شرعا حرام ہے۔(۲) خصوصاً جنسِ مخال کی لاش کی بے حرمتی اور بھی سنگین جرم ہے، پھر لڑکوں لڑکیوں کے سامنے اور بھی قبیح ہے۔(۳)

گورنمنٹ سے اس کے انسداد کا مطالبہ کرنا چاہیے اور جب تک یہ ہونہ ہو، اس کو ناجائز سمجھتے ہوئے استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۳۶/۴-۳۳۷)

---

(۱) ولا یصلی علیٰ میت الامرۃ واحدۃ،والتنفل بصلاۃ الجنازۃ غیر مشروع .(الفتاویٰ الھندیۃ،کتاب الصلاۃ، باب الجنائز،الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت:۱۶۳/۱،ط:کوئتۃ)

(۲) مالک أنہ بلغہ أن عن عائشۃ زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کانت تقول: کسرعظم المسلم لکسرہ وھوحی، قال مالک: تعنی فی الاثم.(رواہ مالک فی الموطأ،کتاب الجنائز،قبیل جامع الجنائز:۵۹۳/۱،انیس)

عن عمروبن حزم قال: رانی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مکتئاً علیٰ قبرقال:لا تؤذ صاحب ھٰذا القبر،أو:لا تؤذہ، رواہ احمد. (مشکوٰۃ،باب دفن المیت،ص:۱۴۹)

قال ابن عابدین:لأن المیت یتأذی بما یتأذیٰ بہ الحی.(رد المحتار،کتاب الصلاۃ،مطلب فی القراء ۃ عند المیت:۱۹۶/۲،دارالفکر بیروت،انیس)

(۳) قال فی شرح المنیۃ: ان الثانی ھو المأخوذ بہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لعلی:"لا تنظر إلیٰ فخذ حی ولا میت"لأن ما کان عورۃ لا یسقط بالموت ولذا لا یجوز مسہ،حتیٰ لوماتت بین رجال أجانب یممھا رجل بخرقۃ ولا یمسھا،الخ،وفی الشرنبلالیۃ:وھٰذا شامل للمرأۃ والرجل؛لأن عورۃ المرأۃ کالرجل للرجل. (رد المحتار،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنائز،مطلب فی القراء ۃ عند المیت:۱۹۵/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

اعضاء انسانی کے عطیہ کا بیان

تمہید:

زیر نظر مسئلہ انسانی خون اور انسانی اعضا کے تبادلے کا معاملہ اس زمانے میں ایک ابتلائے عام کا معاملہ ہے اور مسئلہ کتبِ فقہ میں منصوص نہیں، جب اس کے متعلق پاکستان اور بیرونِ پاکستان سے متعدد سوالات آئے تو احقر (مفتی صاحب) نے سنتِ اکابر کے مطابق مناسب سمجھا کہ انفرادی رائے کے بجائے ماہر علما کی ایک جماعت اس میں غور وفکر اور بحث وتمحیص کرے، چناں چہ اس کے لیے ایک سوال نامہ مرتب کر کے فقہ وفتویٰ کے مرکز پاکستان میں کراچی، ملتان، پشاور وغیرہ اور انڈیا میں دیوبند، سہارنپور، دہلی وغیرہ میں بھیجے۔ اکثر حضرات کے جواب تاخیر میں موصول ہوئے تو ان پر بھی اجتماعی غور وفکر مناسب تھا؛ مگر ملک گیر وسائل بھی آسان نہ تھے، اس کے لیے جتنے وقت اور طویل فرصت کی ضرورت تھی، اس کا میسر ہونا بھی دشوار تھا؛ اس لیے بحکم "ما لا یدرک کله لا یترک کله" یہ صورت اختیار کی کہ صرف کراچی کے اہلِ فتوی علماء کا اجتماع کر کے ان پر غور کیا جائے اور یہ اجتماع جس نتیجے پر پہنچے، اس کو منضبط کر کے ملک اور بیرون ملک کے اربابِ فتویٰ کے پاس بھیج کر ان کی آراء اور فتاویٰ حاصل کیے جائیں؛ تا کہ یہ ماہرین اہلِ فتویٰ کا اجتماعی فتویٰ ہو سکے۔ اس اجتماع میں حسبِ ذیل حضرات نے شرکت کی اور مختلف تاریخوں کی پانچ چھ نشستوں میں باہر سے آئے ہوئے جوابات اور اس مسئلے ہر پہلو پر غور کیا گیا اور اس معاملے کے متعلق مذاہب اربعہ کی کتابوں کو سامنے رکھا گیا، یہ مجلس اتفاقِ رائے سے جس نتیجے پر پہنچی، وہ آئندہ صفحات میں مع دلائل کے لکھا جا رہا ہے۔ اسمائے شرکائے مجلس یہ ہیں:

دار العلوم، کراچی سے:

(۱) محمد شفیع خادم دار العلوم، کراچی
(۲) مولانا محمد صابر صاحب، نائب مفتی
(۳) مولانا سلیم اللہ صاب، مدرس دار العلوم
(۴) مولانا سحبان محمود صاحب، دار العلوم کراچی
(۵) مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب، دار العلوم کراچی
(۶) مولانا محمد رفیع صاحب، دار العلوم کراچی
(۷) مولانا محمد تقی صاحب، دار العلوم کراچی

مدرسه عربیه اسلامیه، نیوٹائون کراچی سے:

(۸) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، شیخ الحدیث ومہتمم مدرسہ
(۹) مولانا محمد ولی حسن صاحب، مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن، کراچی
(۱۰) مولانا محمد ادریس صاحب، مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ

اشرف المدارس سے:

(۱۱) مولانا مفتی رشید احمد صاحب، مفتی و مہتمم مدرسہ

باہر سے جن حضرات کے تحقیقی فتاویٰ موصول ہوئے ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب، مفتی خیرالمدارس، ملتان

(۳) مولانا عبدالستار صاحب، مفتی خیرالمدارس، ملتان

(۵) مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی، مفتی جامعہ اشرفیہ، لاہور

(۶) مولانا مفتی محمود صاحب، مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

(۷) مولانا عبداللطیف صاحب، معین مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

(۸) مولانا وجیہ صاحب، مفتی دارالعلوم ٹنڈ والہ یار

اس مجلس نے خون اور اعضا کے مسائل کے علاوہ اسی طرح کے دوسرے اہم اور ابتلائے عام کے مسائل میں بحث وتمحیص کا بھی فیصلہ کیا ہے اور بحمد اللہ! اس وقت تک بہت سے اہم مسائل زیر بحث آ کر مجلس کی رائے کی حد تک طے کر کے منضبط کر لیے گئے ہیں، جس میں مسائلِ ذیل شامل ہیں:

(۱) بیمۂ زندگی کا مسئلہ

(۲) پراویڈنٹ فنڈ کے سود اور اس فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ کا مسئلہ

(۳) بلاسود بینکاری کا مفصل نظام

(۴) یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ اور ان سے گوشت خریدنے کا مسئلہ

(۵) مشینی ذبیحہ کا مسئلہ

اس وقت خون اور اعضا کے زیر بحث مسئلے کے متعلق جس قدر جوابات بیرونی حضرات سے وصول ہوئے، یا ارکان مجلس نے اپنی تحقیق سے لکھے، ان سب پر غور وفکر کے بعد مجلس جس نتیجے پر پہنچی، اس کو ان اوراق میں پیش کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ لکھنے میں تکرار بھی ہوتا اور بے ضرورت ضخامت بھی بڑھتی، اس لیے بحث وتمحیص کے بعد جو کچھ منقح ہوا، اس کو ایک ترتیب سے لکھ لیا گیا اور دلائل کے حوالوں کو عام کی سہولت کے لیے الگ لکھ دیا گیا ہے۔ واللہ المستعان

آنکھوں کے عطیہ کی وصیت کرنا شرعا کیسا ہے:

سوال: دُکھی انسانیت کی خدمت کرنا بہت بڑا ثواب ہے، اسلام کیا یہ جائز ہے کہ کوئی آدمی فوت ہونے سے

پہلے وصیت کر جائے کہ مرنے کے بعد میری آنکھیں کسی نابینا آدمی کو لگا دی جائیں؟

الجواب

کچھ عرصہ پہلے مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا سید بنوریؒ نے علما کا ایک بورڈ مقرر کیا تھا، اس بورڈ نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کرنے کے بعد آخری فیصلہ یہی دیا تھا کہ ایسی وصیت جائز نہیں اور اس کو پوار کرنا بھی جائز نہیں، یہ فیصلہ ''اعضائے انسانی کی پیوندرکاری'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔

شاید یہ کہا جائے کہ یہ تو دُکھی انسانیت کی خدمت ہے، اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ میں اس قسم کی دلیل پیش کرنے والوں سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ واقعتاً اس کو انسانیت کی خدمت اور کارِثواب سمجھتے ہیں تو اس کے لیے مرنے کے بعد کا انتظار کیوں کیا جائے؟ بسم اللہ! آگے بڑھیے اور اپنی دونوں آنکھیں دے کر انسانیت کی خدمت کیجیے اور ثواب کمائیے، دونوں نہیں دے سکتے تو کم از کم ایک آنکھ ہی دیجیے، انسانیت کی خدمت بھی ہوگی اور ''مساوات'' کے تقاضے بھی پورے ہوں گے۔

غالباً اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ زندہ تو آنکھوں کی خود ضرورت ہے، جب کہ مرنے کے بعد وہ آنکھیں بیکار ہو جائیں گی؛ کیوں کہ نہ ان کو کسی دوسرے کام کے لیے وقف کر دیا جائے؟

بس یہ ہے کہ وہ اصل نکتہ، جس کی بنا پر آنکھوں کا عطیہ دینے کا جواز پیش کیا جاتا ہے اور اس کو بہت بڑا ثواب سمجھا جاتا ہے؛ لیکن غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ یہ نکتہ اسلامی ذہن کی پیداوار نہیں؛ بلکہ حیات بعد الموت (مرنے کے بعد کی زندگی) کے انکار پر مبنی ہے۔

اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کی زندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا؛ بلکہ زندگی کا ایک مرحلہ طے ہونے کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، مرنے کے بعد بھی آدمی زندہ ہے؛ مگر اس کی زندگی کے آثار اس جہان میں ظاہر نہیں ہوتے، زندگی کا تیسرا مرحلہ حشر کے بعد شروع ہوگا اور یہ دائمی اور ابدی زندگی ہوگی۔

جب یہ بات طے ہوئی کہ مرنے کے بعد بھی زندگی کا سلسلہ تو باقی رہتا ہے مگر اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ تو اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ کیا آدمی کو دیکھنے کی ضرورت صرف اسی زندگی میں ہے؟ کیا مرنے کے بعد کی زندگی میں اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں؟

معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی اس کا جواب یہی دے گا کہ اگر مرنے کے بعد کسی نوعیت کی زندگی ہے تو جس طرح زندگی کے اور لوازمات کی ضرورت ہے اسی طرح بینائی کی بھی ضرورت ہوگی۔

جب یہ بات طے ہوئی کہ جو شخص آنکھوں کے عطیہ کی وصدیت کرتا ہے، اس کے بارے میں دو میں سے ایک بات

کہی جاسکتی ہے، یا یہ کہ وہ مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتا، یا یہ کہ وہ ایثار قربانی کے طور پر اپنی بینائی کا آلہ دوسروں کو عطیہ کر دینا اور خود بینائی سے محروم ہونا پسند کرتا ہے؛ لیکن کسی مسلمان کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مرنے کے بعد خلق کے لیے رضا کارانہ طور پر اندھا ہونا پسند کرتا ہے۔ بلاشبہ اس کی یہ بہت بڑی قربانی اور بہت بڑا ایثار ہے؛ مگر ہم اس سے یہ ضرور کہیں کہ کہ جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بہ اختیارِ خود اندھا پن قبول فرما رہے ہیں تو اس چندروزہ زندگی میں بھی یہیں ایثار کیجئے اور اس قربانی کے لیے مرنے کے بعد کا انتظار نہ کیجئے۔

ہمارے اس تنقیح سے معلوم ہوا ہوگا کہ:

(۱) آنکھوں کا عطیہ دنے کے مسئلے میں اسلامی نقطہ نظر سے مرنے سے پہلے اور بعد کی حالت یکساں ہے۔

(۲) آنکھوں کا عطیہ دینے کی تجویز اسلامی ذہن کی پیداوار نہیں؛ بلکہ حیات بعد الموت کے انکار کا نظریہ اس کی بنیاد ہے۔

(۳) زندگی میں انسانوں کو اپنے وجود اور اعضا پر تصرف حاصل ہوتا ہے، اس کے باوجود اس کا اپنے کسی عضو کو تلف کرنا نہ قانوناً صحیح ہے، نہ شرعاً، نہ اخلاقاً۔ اسی طرح مرنے کے بعد اپنے کسی عضو کے تلف کرنے کی وصیت بھی نہ شرعاً درست ہے، نہ اخلاقاً، بقدر ضرورت مسئلے کی وضاحت ہوچکی؛ تاہم مناسب ہوگا کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کر دیے جائیں:

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: کسر عظم المیت ککسره حیا. (۱)

(ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کی ہڈی توڑنا، اس کی زندگی میں ہڈی توڑنے کے مثل ہے۔)

عن عمرو بن حزم قال: رانی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم متکئا علی قبر، فقال: لا تؤذ صاحب هذا القبر، أو لا تؤذه. (رواه أحمد) (۲)

(ترجمہ: عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر والے کو ایذا نہ دے۔)

عن ابن مسعود: أذی المؤمن فی موته کأذاه فی حیاته. (۳)

---

(۱) أبو داؤد، أبواب الجنائز، باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکب ذلک المکان: ۱۰۲/۲، مکتبة حقانیة لاهور

(۲) مسند أحمد، مشکاة، باب دفن المیت، ص: ۱۴۹

(۳) ابن أبی شیبة، حاشیة مشکاة المصابیح، باب دفن المیت، ص: ۱۴۹

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومن کو مرنے کے بعد ایذا دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں ایذا دینا۔)

حدیث میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا لمبا قصہ آتا ہے کہ وہ ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، کسی جہاد میں ان کا ہاتھ زخمی ہوگیا، درد کی شدت کی تاب نہ لاکر انہوں نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا، جس سے ان کی موت واقع ہوگئی، ان کے رفیق نے کچھ دنوں کے بعد ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ٹہل رہے ہیں؛ مگر ان کا ہاتھ کپڑے میں لپٹا ہوا ہے، جیسے زخمی ہوتا ہے، ان سے حال احوال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرت ہونے کی برکت سے میری بخشش فرمادی اور ہاتھ کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تو نے خود بگاڑا ہے، اس کو ہم ٹھیک نہیں کریں گے۔(۱)

ان احادیث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ میت کے کسی عضو کو کاٹنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ اس کی زندگی میں کاٹا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو عضو آدمی نے خود کاٹ ڈالا ہو، یا اس کے کاٹنے کی وصیت کی ہو، وہ مرنے کے بعد بھی اس طرح رہتا ہے، یہ نہیں کہ اس کی جگہ اور عضو عطا کردیا جائے گا۔ اس سے بعض حضرات کا یہ استدلال ختم ہوجاتا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھوں کے عطیہ کی وصیت کرجائے، اللہ تعالیٰ اس کو اور آنکھیں عطا کرسکتے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ اس کو نئی آنکھیں عطا کردے؛ مگر اس کے جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو آپ کو بھی نئی آنکھیں عطا کرسکتے ہیں، لہٰذا آپ اس ''کرسکتے ہیں'' پر اعتماد کرکے کیوں نہ اپنی آنکھیں کسی نابینا کو عطا کردیں۔ نیز اللہ تعالیٰ اس نابینا کو بھی بینائی عطا کرسکتے ہیں تو پھر اس کے لیے آنکھوں کے عطیہ کی وصیت کیوں فرماتے ہیں؟ خلاصہ یہ کہ جو شخص مرنے کے بعد بھی زندگی کے تسلسل کو مانتا ہو، اس کے لیے آنکھوں کے عطیہ کی وصیت کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور جو شخص حیات بعد الموت کا منکر ہو اس سے اس مسئلے میں گفتگو کرنا بے کار ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۸/۴-۳۳۹)

---

(۱) عن جابر أن الطفيل بن عمرو الدوسی أتی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال: یارسول اللہ هل لک فی حصن حصین ومنعه؟ قال: حصن کان لدوس فی الجاهلية فأبیٰ ذلک النبی صلی اللہ علیه وسلم للذی ذخر اللہ للأنصار، فلما هاجر النبی صلی اللہ علیه وسلم الی المدینة هاجر إلیه الطفیل بن عمرو وهاجر معه رجل من قومه فاجتووا المدینة فمرض فجزع فأخذ مشاقص له فقطع لها براجمه فشخبت یداه حتیٰ مات فراه الطفیل بن عمرو فی منامه فرآه وهیئته حسنة ورآه مغطیاً یدیه فقال له ما صنع بک ربک فقال غفر لی بهجرتی الیٰ نبیه صلی اللہ علیه وسلم فقال له مالی أراک مغطیاً یدیک، قال: قیل لی: لن نصلح منک ما أفسدت، فقصها الطفیل علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: اللّٰهم ولیدیه فاغفر. (رواہ مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علیٰ أن قاتل نفسه لا یکفر: ۷٤/۱، قدیمی، انیس)

آنکھوں کا عطیہ کیوں ناجائز ہے؟ جب کہ انسان قبر میں گل سڑ جاتا ہے:

سوال: آنکھوں کے عطیہ کے بارے میں آپ نے جس رائے کا اظہار کیا، میں اس سے پوری طرح مطمئن ہوں؛ لیکن چند الجھنیں ذہن میں پیدا ہوتی ہیں، جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قبر میں جانے کے ایک سال کے بعد انسان کا سارا جسم ختم ہوجاتا ہے؛ یعنی زمین میں جو کیمیکل ہوتے ہیں، انسان کا جسم ان میں مل جاتا ہے، بس انسان کی روح جو ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے، قبر میں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے اور مسلمانوں کے ہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ قبرستان کی ایک حد ہوتی ہے، اس کے بعد اس قبرستان کو ختم کردیا جاتا ہے اور اس کے اوپر دوسری قبر بنادی جاتی ہے؛ اس لیے اگر آنکھوں کو مرنے کے بعد کسی زندہ شخص کو دے دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ زمین میں پگھلے ہوئے انسان کو دوسری زندگی عطا کریں گے تو کیا آنکھوں کے عطیہ سے محروم کردیں گے؟ (نعوذ باللہ)

الجواب

جی ہاں! قانون یہی ہے کہ جو چیز بہ اختیارِ خود ضائع کی ہو، وہ ونہ دی جائے، ویسے اللہ تعالیٰ کسی کا گناہ معاف کردیں، یا گناہ کی سزا دے کر وہ چیز عطا کردیں، اس میں کسی کو کیا اعتراض؟ مگر ہم تو قانونِ الٰہی کے پابند ہیں، اس جرأت پر اپنی آنکھیں پھوڑ لینا کہ اللہ تعالیٰ اور دیدے گا، حماقت ہے۔ باقی یہ خیال غلط ہے کہ قبر میں جسم بالکل معدوم ہوجاتا ہے، جسم مٹی بن جاتا ہے اور مٹی کے ان ذرات کے ساتھ (خواہ وہ کہیں کے کہیں منتشر ہوجائیں) روح کا تعلق باقی رہتا ہے، جس کی وجہ سے برزخ میں (یعنی روزِ محشر سے پہلے پہلے) عذاب وراحت کا سلسلہ رہتا ہے۔(۱)

سوال: گزارش ہے کہ ہر انسان اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، مردہ جسم کا قرنیہ جو مردے کے لیے بیکار ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے زندہ کی آنکھ میں منتقل کردی، یہ زندہ آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، گویا ایک امانت دوسری امانت میں میں منتقل ہوگئی اور اس عمل سے وہ زندہ انسان اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی نعمتوں کو دیکھنے لگا اور اس کا شکرادا

---

(۱) واعلم أن أهل الحق اتفقوا علىٰ أن اللّٰه تعالىٰ يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم أو يتلذذ. (شرح الفقه الأكبر، ضغطة القبر، ص: ۱۰۱)

فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلاً بالجسد وإن كان خارجاً عنه. (أبو المعين علىٰ هامش شرح العقائد، عذاب القبر، ص: ۷۲)

أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيبه منه قبر أو لم يقبر فلو أكلته السباع أو أحرق حتىٰ صار رماداً ونسف في الهواء أو صلب أو غرق في البحر وصل الى روحه وبدنه من العذاب ما يصل الى القبر و. (كتاب الروح، المئسلة السادسة، ص: ۸۱، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

کرنے لگا، ظاہراً تو یہ نہایت ہی نیک کام ہے اور جب یہ آدمی مرے گا تو یہ قرنیہ بھی واپس دفن ہوجائے گا اور جس سے یہ قرنیہ مستعار لیا گیا تھا، اس کو واپس مل جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ قرنیہ اجازت سے لیا گیا ہے؛ کیوں کہ انسان ہمدردی کے تحت اجازت دیتا ہے، اس سے تو امانت، امانت ہی رہی، علما کے فیصلے سے اپنی تسلی چاہتا ہوں۔

الجواب

اس سلسلے میں صحیح فیصلہ تو علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں اور ہمیں ان کے فیصلے پر اعتماد کرنا چاہیے۔ آنکھ اگر امانتِ الٰہی ہے تو ہمیں اس امانت میں تصرف کا حق بھی باذن الٰہی ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ بحث یہ ہے کہ کیا اس تصرف کا حق شریعت نے دیا ہے؟ علما کی رائے یہ ہے کہ شرعاً اس تصرف کا ہمیں حق نہیں۔

سوال: بزرگوارم! آپ نے انسانی اعضا کا عطیہ ناجائز لکھا ہے، چند دن قبل روزنامہ ''نوائے وقت'' میں ایک مفتی صاحب نے بہت سارے دلائل کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ بطورعلاج حرام اشیا کا استعمال بھی جائز ہے، ویسے بھی:

دردِ دِل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کم نہ تھے کرو بیان

کے پیش نظر سینکڑوں ہزاروں نابیناؤں کو بینائی مل جائے تو اسلام کو اس خدمتِ خلق سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

الجواب

ضروری نہیں کہ ہر مسئلے میں دوسرے حضرات بھی مجھ سے متفق ہوں۔ ''دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو'' کوئی شرعی قاعدہ نہیں اور یہ کہنے کی میں جرأت نہیں کرسکتا کہ ''اسلام کو فلاں چیز سے منع کرنا چاہیے، فلاں سے نہیں''، عقل کو حاکم سمجھنا اہلِ سنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔(۱) اسلام نے انسانی اعضا کی منتقلی کی اجازت نہیں دی۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۰/۴-۳۴۲)

خون کے عطیہ کا اہتمام کرنا اور مریضوں کو دینا شرعاً کیسا ہے:

سوال: ہم لوگ ڈاؤ میڈیکل کالج میں ڈاکٹری تعلیم حاصل کرتے ہیں اور چوں کہ تیسرے اور چوتھے سال سے ہمارا تعلق براہِ راست مریضوں کی دیکھ بھال سے ہوجاتا ہے، جس میں ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ بہت سارے مریضوں

(۱) ومنها أن القول بالرأى والعقل المجرد فى الفقه و الشريعة بدعة و ضلالة فأولىٰ أن يكون ذلك فى علم التوحيد و الصفات بدعة وضلالة، فقد قال فخر الاسلام على البزدوى فى اُصول الفقه؛ لأنه لم يرد فى الشرع دليل علىٰ أن العقل موجب ولا يجوز أن يكون موجباً وعلة بدون الشرع إذا لعلل موضوعات الشرع وليس إلىٰ العباد ذلك لا أنه ينزع أى يسوق الى الشركة فمن جعله موجباً بلا دليل شرعاً فقد جاوز من حد العباد وتعدى عن حد الشرع علىٰ وجه العناد. (شرح فقه الاكبر، ص: ۷-۸ طبع مجتبائى)

غربت کی وجہ سے اپنا علاج معالجہ صحیح طور پر نہیں کرا سکتے اور نہ ہی دوائیاں وغیرہ خرید سکتے ہیں؛ اس لیے ہم لوگوں نے ایک امدادی جماعت ''پیشنٹ ویلفیئر ایسوسی ایشن'' (مریضوں کی امدادی جماعت) کے نام سے بنائی ہے، جس میں ہم مختلف لوگوں سے چندہ وغیرہ لے کر دوائیاں خریدتے ہیں اور پھر خود مریضوں کو مہیا کرتے ہیں۔ اب ہماری اس انجمن نے اپنے کالج میں ''بلڈ بینک'' بنانا شروع کیا ہے، جس میں ہم خون جمع کرکے رکھا کریں گے؛ تاکہ جاں بلب مریضوں کو خون پہنچا سکیں، اس کا طریقۂ کار یہ ہوگا کہ ہم اس مریض کے کسی رشتہ دار سے خون لے کر اپنے بینک میں رکھ لیا کریں گے اور اس مریض کے نمبر کا خون اس مریض کو مہیا کردیا کریں گے۔ کیا اس طرح ہم لوگوں کا مریضوں کے لیے خون جمع کرنا اور پھر مریض کو مہیا کرنا شریعت کے مطابق درست ہے، یا نہیں؟ اور ہم طلبہ کو اس کام کا ثواب ملے گا؟

الجواب______________

اضطرار کی حالت میں مریض کی جان بچانے کے لیے خون دینا جائز ہے اور اسی ضرورت کے پیش نظر خون کا مہیا رکھنا اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور خدمتِ خلق جب کہ حدِ جواز کے اندر ہو۔ ظاہر ہے کہ بڑے ثواب کا کام ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۲/۴)

انسانی اعضا کی پیوند کاری اور خون کا مسئلہ:

سوال: مولانا صاحب! آج کل انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا سلسلہ چلا ہوا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ نئی تحقیقات اور سائنسی ایجادات نے ہمارے لیے ایک چیلینج کی شکل اختیار کرلی ہے، بعض لوگ ان تحقیقات سے نفع اٹھانے کو عقل مندی اور اس سلسلے کی غیر شرعی تحقیقات سے بچنے والے حضرات کو تنگ نظر کہتے ہیں، اس طرح خون چڑھانے کا مسئلہ بھی ہے۔ آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟

الجواب______________

اس سلسلے میں حال ہی میں حضرت مفتی صاحب مد فیوضہم کی تازہ تالیف ''انسانی اعضاء کی پیوند کاری'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس میں ان دونوں مسائل کے بارے میں متعدد علمائے کرام (جن کے اسمائے گرامی حضرات مفتی صاحب نے تمہید میں ذکر کردیے ہیں) کی متفقہ تحقیق کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے دلائل کی روشنی میں درج کی گئی ہے، اس کا مختصر سا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، تفصیلی دلائل کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۲/۴-۳۴۳)

---

(۱) الضرورات تبيح المحظورات: أي ان الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة. (شرح المجلة، ص: ۲۹)

خون کا مسئلہ:

سوال: ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

خون انسان کا جزو ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو نجس بھی ہے، انسان کا جزو ہونے کی حیثیت سے اس کی مثال عورت کے دودھ کی ہوگی، جس کا استعمال علاج کے لیے فقہا نے جائز لکھا ہے۔(۱) خون کو بھی اگر اسی پر قیاس کر لیا جائے تو یہ قیاس بعید نہیں ہوگا، البتہ اس کی نجاست کے پیش نظر اس کا حکم وہی ہوگا جو حرام اور نجس چیزوں کے استعمال کا اوپر مقدمہ میں ذکر کیا گیا، یعنی:

(۱) جب مریض اضطراری حالت میں ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیئے بغیر اس کی جان بچانے کا کوئی راستہ نہ ہو تو خون دینا جائز ہے۔

(۲) جب ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دینے کی ''حاجت'' ہو، یعنی مریض کی ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو؛ لیکن اس کی رائے میں خون دیئے بغیر صحت کا امکان نہ ہو، تب بھی خون دینا جائز ہے۔

(۳) جب خون نہ دینے کی صورت میں ماہر ڈاکٹر کے نزدیک مرض کی طوال کا اندیشہ ہو، اس صورت میں خون دینے کی گنجائش ہے؛ مگر اجتناب بہتر ہے۔

(۴) جب خون دینے سے محض منفعت، یا زینت مقصود ہو؛ یعنی ہلاکت یا مرض کی طوالت کا اندیشہ نہ ہو؛ بلکہ محض قوت بڑھانا، یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو ایسی صور میں خون دینا ہرگز جائز نہیں۔

سوال دوم: کیا کسی مریض کو خون دینے کے لیے اس کی خرید وفروخت اور قیمت لینا بھی جائز ہے؟

---

(۱) ولم يبح الارضاع بعد مدته لأنه جزء أدمي والانتفاع به لغيرضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية. وفي البحر: لا يجوز التداوي بالمحرم في ظاهر المذهب، أصله بول المأكول كما مر. (الدرالمختار)

وفي الشرح: (تحت قوله وفي البحرعبارته) وعلىٰ هٰذا أى الفرع المذكور لايجوز الانتفاع به للتداوى. قال في الفتح: وأهل الطب يثبتون للبن البنت أى الذى نزل بسبب بنت مرضعة نفعاً لوجع العين، واختلف المشايخ فيه، قيل: لا يجوز اذا علم أنه يزول به الرمد. ولا يخفى أن حقيقة العلم متعذرة، فالمراد اذا غلب على الظن والا فهومعنى المنع، آه، و لا يخفى أن التداوى بالمحرم لايجوزفى ظاهرالمذهب أصله بوله ما يؤكل لحمه فأنه لا يشرب أصلاً اهـ. قوله بالمحرم أى المحرم استعماله طاهراً كان أونجساً، قوله كما مرأى قبيل فصل فى البئرحيث قال: فرح اختلف فى التداوى بالمحرم، وظاهرالمذهب المنع كما فى ارضاع البحرلكن نقل المضف ثمة وهنا عن الحاوى: وقيل يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما خص الخمر للعطشان وعليه الفتوىٰ، آه. (الدر المختارمع رد المحتار: ۲۱۱/۳، دارالفكر، بيروت، انيس)

الجواب

خون کی بیع تو جائز نہیں؛ لیکن جن حالات میں، جن شرائط کے ساتھ نمبر اول میں مریض کو خون دینا جائز قرار دیا ہے، ان حالات میں اگر کسی کو خون بلا قیمت نہ ملے تو قیمت دے کر خون حاصل کرنا صاحبِ ضرورت کے لیے جائز ہے؛ مگر خون دینے والے کے لیے اس کی قیمت لینا درست نہیں۔

سوال سوم: کسی غیر مسلم کا خون مسلم کے بدن میں داخل کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

نفسِ جواز میں کوئی فرق نہیں؛ لیکن یہ ظاہر ہے کہ کافر یہ فاسق فاجر انسان کے خون میں جو اثراتِ خبیثہ ہیں، ان کے منتقل ہونے اور اخلاق پر اثر انداز ہونے کا قوی خطرہ ہے؛ اسی لیے صلحائے امت نے فاسقہ عورت کا دودھ پلوانا بھی پسند نہیں کیا؛ اس لیے کافر اور فاسق فاجر انسان کے خون سے حتی الوسع اجتناب بہتر ہے۔

سوال چہارم: شوہر اور بیوی کے باہم تبادلہ خون کا کیا حکم ہے؟

الجواب

میاں بیوی کا خون اگر ایک دوسرے کو دیا جائے تو شرعاً نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح بدستور قائم رہتا ہے۔ واللہ اعلم

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۳۴۷-۳۴۸)

اعضائے انسانی کا مسئلہ:

سوال: کسی بیمار، یا معذور انسان کا علاج دوسرے زندہ، یا مردہ انسان کے اعضا کا جوڑ لگا کر کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اس وقت تک ڈاکٹروں نے بھی زندہ انسان کے اعضا کا استعمال کہیں تجویز نہیں کیا؛ اس لیے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ بحث طلب مسئلہ وہ ہے جو آج کل ہسپتالوں میں پیش آ رہا ہے اور جس کے لیے اپیلیں کی جا رہی ہیں، وہ یہ کہ جو انسان دنیا سے جا رہا ہو، خواہ کسی عارضے کے سبب، یا کسی جرم میں قتل کیے جانے کی وجہ سے، اس کی اجازت اس پر لی جائے کہ مرنے کے بعد فلاں عضو لے کر دوسری انسان میں لگا دیا جائے۔

بظاہر یہ صورت مفید ہی ہے کہ مرنے والے کے تو سارے ہی اعضاء فنا ہونے والے ہیں، ان میں سے کوئی عضو اگر کسی زندہ انسان کے کام آ جائے اور اس کی مصیبت کا علاج بن جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ یہ ایسا معاملہ ہے کہ عام لوگوں کی نظر صرف اس کے مفید پہلو پر جم جاتی ہے اور اس کے وہ مہلک نتائج نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، جن کا

کچھ ذکر شروع بحث میں آچکا ہے؛(۱) مگر شریعتِ اسلام کے لیے، جو انسان اور انسانیت کی ظاہری اور معنوی صلاح وفلاح کی ضامن ہے، اس کے مضر اور مہلک نتائج سے صرفِ نظر کر لینا اور محض ظاہری فائدے کی بنا پر اس کی اجازت دے دینا ممکن نہیں۔ شریعتِ اسلام نے صرف زندہ انسان کے کارآمد اعضا ہی کا نہیں؛ بلکہ قطع شدہ بیکار اعضا واجزا کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے اور مردہ انسان کے کسی عضو کی قطع وبرید کو بھی ناجائز کہا ہے اور اس معاملے میں کسی کی رضامندی اور اجازت سے بھی اس کے اعضا واجزا کے استعمال کی اجازت نہیں دی اور اس میں ی مسلم وکافر سب کا حکم یکساں؛ کیوں کہ یہ انسانیت کا حق ہے، جو سب میں برابر ہے، تکریم انسان کو شریعتِ اسلام نے وہ مقام عطا کیا ہے کہ کسی وقت کسی حال میں کسی کو انسان کے اعضا واجزا حاصل کرنے کی طمع دامن گیر نہ ہو اور اس طرح یہ مخدومِ کائنات اور اس کے اعضا عام استعمال کی چیزوں سے بالاتر رہیں، جن کو کاٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر غذاؤں اور دواؤں اور دوسرے مفادات میں استعمال کیا جاتا ہے، اس پر ائمہ اربعہؒ اور پوری امت کے فقہا متفق ہیں، (۲) اور نہ صرف شریعت اسلام، بلکہ شرائع سابقہ اور تقریباً ہر مذہب وملت میں یہی قانون ہے۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۸/۴-۳۴۹)

انسانی اعضا کی حرمت:

سوال: میں ایم بی بی ایس کے سال آخر کی طالبہ ہوں، میں آپ کے مشورے اخبار ''جنگ'' کے کالم میں پڑھتی رہتی ہوں، اس وقت میں بھی اپنا ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ اس وقت میری سِول اسپتال کے وارڈ S.I.U.T (سندھ انسٹی ٹیوٹ آف یورولوجی اینڈ ٹرانسپلائزیشن) میں پوسٹنگ لگی ہوئی ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں پہلی دفعہ Kidney Cadaver Transplantation (مردہ جسم سے گردہ نکال کر زندہ آدمی کے لگانا) ہوا ہے۔ یہ S.I.U.T میں ہی پرفارم کیا گیا ہے اور آج کل میں دوسرا اس نوعیت کا آپریشن ہونے والا ہے۔ یہ دونوں گردے جو مردہ اشخاص کے جسم سے نکالے گئے، باہر کے ملک سے بھیجے گئے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اس وارڈ کی جو ایڈمنسٹریشن ہیں وہ ہم سب اسٹوڈنٹس کے ساتھ مل کر یہ ڈسکشن کرنا چاہتی ہیں کہ آیا اگر کوئی ہم سے کہے کہ ہم مرنے کے بعد اپنے جسم کا کوئی عضو کسی مرتے ہوئے انسان کی جان بچانے کے لیے دے دیں تو ہمارا کیا ردعمل ہوگا؟ ان کا کہنا ہے کہ کچھ لوگ اسلامی نقطۂ نظر سے اس بات کو غلط سمجھتے ہیں تو سعودی عرب بھی ایک اسلامی ملک ہے اور وہاں شاید ۷، یا ۸/سال

(۱) اصل کتاب میں اس کے مضر پہلوؤں پر مفصل بحث کی گئی ہے، تلخیص میں وہ حصہ حذف کر دیا گیا۔

(۲) وقد فصله أصحابنا قالوا ان وصلت شعرها بشعر آدمی فهو حرام بلا خلاف سواءً كان شعر رجل أو امرأة وسواء المحرم والزوج و غيرها بلا خلاف لعموم الأحاديث و لأنه يحرم الانتفاع بشعر الأدمی وسائر أجزائه لكرامته بل يدفن شعرهُ وظفرهُ وسائر أجزائه. (شرح النواوی لمسلم: ۲۰۴/۲، باب تحريم الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والناصمة، الخ)

سے کیڈ ایورٹرانسپلا نٹ ہورہا ہے۔ میری کچھ اور دوستوں کا کہنا یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک انسان کی جان بچانا ساری انسانیت کی جان بچانا ہے تو اس لیے اگر ہم Donorcard بھر دیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے جسم سے ہمارا کوئی بھی عضو نکال کر کسی کے لگا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میرا اپنا اس بارے میں یہ خیال ہے کہ اس طرح کرنا مردے کی بے حرمتی ہے اور یہ اسلام میں جائز نہیں۔ اب میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ فرمایئے کہ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ پلیز آپ اپنے دلائل ثبوت کے ساتھ دیجیے گا تا کہ مجھے آپ کا موقف دوسروں تک پہنچانے اور سمجھانے میں آسانی رہے۔

الجواب

اس مسئلے میں آپ کا موقف صحیح ہے اور آپ کی رفیقاؤں کا موقف غلط ہے، اس سلسلے میں چند باتیں ذہن میں رکھی جائیں:

(۱) آپ کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرنے سے پہلے ایسی وصیت کر جائے کہ اس کے جسم کے اجزا نکال کر کسی ضرورت مند کے بدن میں لگا دیے جائیں، تب تو اس کے بدن کے اجزا نکالے جاتے ہیں، ورنہ نہیں، گویا یہ اصول تسلیم کرلیا گیا ہے کہ مرنے والے کی اجازت کے بغیر اس کے بدن کے اجزا استعمال نہیں کیے جاسکتے۔

(۲) اب جو لوگ کہ کسی دین ومذہب کے قائل ہی نہیں، یا دین مذہب کے قائل تو ہیں؛ لیکن ان کا خیال ہے کہ مذہب ہماری زندگی کے جائز وناجائز سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، ایسے لوگوں کو تو مذکورہ بالا اجازت نامے کے لیے مذہب سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں؛ لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ہمارا دین مذہب اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اگر مذہب کی طرف سے اجازت ہو تو مذکورہ بالا وصیت جائز ہوگی، ورنہ ایسی وصیت غلط اور لغو وباطل ہوگی۔

(۳) یہ اُصول طے ہوا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے اعضا کا اور اس کے وجود کا مالک بنایا ہے؟ آدمی ذرا بھی غور کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کا وجود اور اس کے اعضا اس کی ملکیت نہیں۔

بلکہ یہ ایک سرکاری مشین ہے، جو اس کے استعمال کے لیے اس کو دی گئی ہے اور سرکاری چیز سمجھ کر اس کی حفاظت ونگرانی بھی اس کے ذمہ لگائی ہے، لہٰذا اس کو ان اعضا کے تلف کرنے کی اجازت نہیں،(۱) نہ فروخت کرنے ہی کی اجازت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو خودکشی کی اجازت نہیں؛ بلکہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص خودکشی کرے، وہ تا قیامت اسی

---

(۱) مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاک فقال له رجل: أقطع يدی وكلها، أو قال: أقطع منی قطعة وكلها، لايسعه أن يفعل ذلک ولايصح أمره به كما لا يسع للمضطر أن يقع قطعة من نفسه فيأكل، كذا فی فتاویٰ قاضيخان. (الفتاویٰ الهندية، كراب الكراهية: ۳۳۸/۵، الباب الحادی عشر فی الكراهة فی الأكل وما يتصل به)

عذاب میں مبتلا رہے گا۔(۱) پس جب انسان اپنے وجود کا مالک نہیں تو اعضا کو فروخت بھی کرسکتا، نہ ہبہ کرسکتا ہے، اس کی وصیت کرسکتا ہے اور اگر ایسی وصیت کر جائے تو یہ وصیت غیر ملک میں ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی۔(۲)

(۴) علاوہ ازیں احترام آدمیت کا بھی تقاضا ہے کہ اس کے اعضا کو ''بکاؤ مال'' اور استعمال کی چیز نہ بنایا جائے، پس اعضا ہبہ کی وصیت کرنا احترامِ آدمیت کے خلاف ہے۔

(۵) عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی بے حس ہوتا ہے، یہ خیال بھی صحیح نہیں، وہ صرف ہمارے جہاں اور ہمارے مشاہدے کے اعتبار سے بے حس نظر آتا ہے، ورنہ دوسری زندگی کے اعتبار سے اس میں احساس موجود ہے، اس بنا پر مردہ کے جسم کی چیر پھاڑ جائز نہیں کہ اس سے مردہ کو بھی ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے، چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے؛ یعنی: ''میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے وہ زندہ کی ہٹی توڑنا''۔(۳)

(۶) لوگ اپنی زندگی میں نہ آنکھوں کا عطیہ دیتے ہیں، نہ گردوں کا؛ کیوں کہ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں اس کو خود اعضا کی ضرورت ہے؛ لیکن مرنے کے بعد کے لیے بڑی فیاضی سے وصیت کر جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زندگی تو زندگی سمجھتے ہیں؛ لیکن مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے، یوں سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اعضا گل سڑ جائیں گے، خاک میں مل جائیں گے اور ان اعضا کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہی عقیدہ کفارِ مکہ کا تھا اور یہی عقیدہ عام کافروں کا ہے، جو مسلمان ایسی وصیت کرتے ہیں، وہ بھی انہی کاروں کے عقیدے کے مطابق مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے۔ الغرض! اعضائے انسانی کی پیوند کاری جائز نہیں اور ان اعضا کے ہبہ کی وصیت باطل ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۹/۴-۳۵۱)

---

(۱) عن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: من تردیٰ من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم يتردیٰ فيها خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن تحسّیٰ سما فقتل نفسه فسمه فی يده يتحساه فی نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته فی يده يتوجا بها فی بطنه فی نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً. متفق عليه. (صحيح البخاری، قبيل كتاب اللباس: ۸۶۰/۲، قديمی، انيس)

وأبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: الذی يخنق نفسه يخنقها فی النار، والذی يطعنها يطعنها فی النار. (مشكوة ص: ۲۹۹، كتاب القصاص، طبع قديمی كتب خانه)(صحيح البخاری، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی قاتل نفسه: ۱۸۲/۱، قديمی، انيس)

(۲) ومن شرائط الوصية أن يكون الرجل مالكاً وكون الشیء قابلا للتمليك. (البحر الرائق: ۴۰۳/۸، ردالمحتار: ۶۴۹/۶، كتاب الوصايا، طبع ايچ ايم سعيد)

(۳) مشكاة المصابيح ص: ۱۴۹، باب دفن الميت (عن عائشة ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (وأبو داؤد، باب فی الحفاريجد العظم هل ينكب ذلك المكان: ۱۰۲/۲، مكتبة حقانية لاهور، انيس)

سبب التبرعات وشرائطها كون الموصی أهلاً للتمليك) ... (و) كون (الموصی به قابلاً للتمليك بعد موت الموصی). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الوصايا: ۶۴۹/۶، دار الفكر بيروت، انيس)

سوال وجواب اور عذاب قبر

جمعہ کے دن مرنے والوں سے سوال وجواب:

سوال: جو مسلمان جمعہ کے دن مرجائے، تو اس کے لیے جمعہ کے دن کا کچھ ثواب ہے، یا نہیں؟
(المستفتی: نظیرالدین امیرالدین، (املیز ہ ضلع مشرقی خاندیس)

الجواب

ہاں فضیلت اور ثواب ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۰۶/۴)

مرنے کے بعد روح کہاں رہتی ہے اور قبر میں سوال وجواب:

سوال: مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے، پھر قبر میں لائی جاتی ہے، یا جسم میں بند کردی جاتی ہے؟

الجواب

جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۶۲/۵)

قبر میں شہدا سے سوال وجواب:

سوال: کیا قبر میں شہداءِ کرام سے منکر ونکیر کا سوال وجواب ہوگا؟ (محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

---

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مرجائے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ فرماتے ہیں۔

عن عبد الله بن عمرو رضى الله عنهما قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أوليلة الجمعة إلا وقاه الله من فتنة القبر. (الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء من يموت يوم الجمعة: ۲۰۵/۱، ط: سعيد)

(۲) أشعة اللمعات: ۱۳/۱، باب اثبات عذاب القبر

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

سوال و جواب ہوگا؛ بلکہ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاءِ کرام سے بھی سوال ہوگا، البتہ سوال میں بھی ان کی عظمت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔(۱)

ویسے ملا علی قاریؒ کی رائے ہے کہ انبیا، بچوں اور شہدا سے قبر میں سوال نہیں ہوگا۔(۲) (کتاب الفتاوی:۳/۲۳۴-۲۳۵)

کیا جنات سے بھی حساب وکتاب ہوگا:

سوال: قیامت کے روز جنات سے حساب وکتاب ہوگا، یا نہیں؟ اور دوزخ، جنت میں ان کا داخلہ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

جنات سے حساب وکتاب اور اس کے بعد اس پر ثواب وعتاب متعدد احادیث میں وارد ہے۔ بعض نے دخولِ جنت کا بھی لکھا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ان کو عذاب سے بچاؤ ہی ان کے لیے جنت ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں حیاۃ الحیوان، ج اول۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفی عنہ، ۳/۷/۱۴۰۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۲۸۰)

آنحضرت علیہ السلام کا قبر میں آنا اور میت سے لے کر روضۂ اطہر تک پردے ہٹایا جانا ثابت نہیں:

سوال: ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ جب آدمی فوت ہوجاتا ہے تو قبر میں فرشتے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوجاتے ہیں۔ آیا صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

آنخضرت علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ جلوہ گر ہونا کہیں ثابت نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس قبر سے آنحضرت علیہ السلام کے مزار تک پردے اٹھادیئے جاتے ہیں؛ لیکن بعض محققین علما نے کہا ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

ولا نعلم حديثاً صحيحاً مرويًا في ذلك. (حاشية مشكاة)(۳)

مشہور شارح حدیث ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

ولا يلزم من الإشارة ما قيل من رفع الحجب بين الميت وبينه صلى الله عليه وسلم حتى يراه

---

(۱) قال السيد أبو شجاع: إن للصبيان سوالا وكذا للأنبياء عليه السلام عند البعض. (شرح العقائد: ۹۹)

(۲) "واستثنى من عموم سوال القبر الأنبياء عليه السلام والأطفال والشهداء، ففي صحيح مسلم أنه عليه السلام سئل عن ذلك فقال: "كفى ببارقة السيوف شاهدًا" (شرح فقه أكبر: ۱۱۹)

(۳) مشكوة المصابيح، كتاب الايمان، باب اثبات عذاب القبر: ۲٤/۱، قديمي، انيس

ویسئل عنه لأن مثل ذلک لایثبت بالاحتمال، آہ. (۱) فقط واللّٰہ أعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۳۶/۳)

قبر میں ''من نبیک'' سے سوال ہوگا، یا ''ما تقول فی ھٰذا الرجل'' سے:

سوال: قبر میں مردے سے منکر نکیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب سوال کرتے ہیں تو کیا ''ھٰـــذا الرجل'' کہتے ہیں، یا ''من نبیک'' کہتے ہیں؟

الجواب

دونوں طرح کے الفاظ حدیث میں ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

عن أنس قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن العبد إذا وضع فی قبرہ وتولیٰ عنه أصحابه أنه لیسمع قرع نعالھم أتاہ ملکان فیقعدانه فیقولان ما کنت تقول فی ھٰذ الرجل لمحمدا فأما المؤمن فیقول أشھد أنه عبد اللّٰہ ورسوله فیقال له انتظر الیٰ مقعدک من النار قد أبدلک اللّٰہ به مقعداً من الجنة فیراھما جمیعاً وأما المنافق والکافر فیقال له ما کنت تقول فی ھٰذا الرجل فیقول لا أدری کنت أقول ما یقول الناس فیقال له لا دریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربة فیصیح صیحة لیسمعھا من یلیه غیر الثقلین. (۲)

اور مجمع الزوائد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں ہے:

وعن عبد اللّٰہ قال: إذا حدثتکم بحدیث أنبئکم بتصدیق ذلک ان المؤمن إذا مات جلس قبرہ، فیقال: من ربک؟ مادینک؟ من نبیک؟ فیقول ربی اللّٰہ ودینی الاسلام ونبی محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم فیوسع له فی قبرہ ویفرج له فیه. (۳) فقط واللہ اعلم (خیر الفتاویٰ: ۱۸۱/۳)

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال:

سوال: میرے مطالعہ میں یہ بات آئی ہے کہ میت کی تدفین کے بعد اس سے تین سوالات کئے جائیں گے: (۱) من ربک؟ (تیرا رب کون ہے؟) (۲) مـادینک؟ (تیرا دین کیا ہے؟) (۳) من نبیک؟ (تیرے نبی کون ہیں؟) مگر ہمارے یہاں ایک صاحب نے کہا کہ قبر میں دو ہی سوالات کئے جائیں گے، تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ تو کیا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال نہیں ہوگا؟ (محمد وقار الدین، مشیر آباد)

(۱) مرقاۃ، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب القبر: ۳۱۳/۱۔۳۱٤، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس
(۲) مشکٰوۃ، باب عذاب القبر، ص: ۲٤، قدیمی
(۳) مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، کتاب الجنائز، باب السوال فی القبر: ۱۷۸/۳، انیس

الجواب

آپ کے مطالعہ میں جو بات آئی ہے، وہ درست ہے، قبر میں رب، دین، نبی تینوں کے بارے میں سوالات کئے جائیں گے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں تینوں سوالات کی تفصیل مذکور ہے،(۱) البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو سوال ہوگا، اس کے الفاظ کسی قدر مختلف ہیں، بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو فرشتے آئیں گے، مردہ کو بیٹھائیں گے اور استفسار کریں گے: تم اس شخص 'محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مومن کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں، فرشتے اسے دوزخ دکھائیں گے، جس سے اسے نجات دی گئی، پھر جنت میں اس کے مقام کا دیدار کرائیں گے، کافر اور منافق اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ جو لوگ کہتے تھے، وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، **''کنت أقول ما یقول الناس''** اس سے کہا جائے گا کہ نہ تم نے خود سمجھداری سے کام لیا اور نہ ہی سمجھداروں کی پیروی کی، **''لا دریت ولا تلیت''**. (۲) یہ اور اس طرح کی اور بھی روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۳۲/۳-۲۳۳)

جمعہ کو فاسق مر جائے تو حساب ہوگا، یا نہیں:

سوال: اگر جمعہ کے روز فاسق فاجر مر جائے، اس سے حساب منکر نکیر کا اور ضغطہ قبر کا ہوگا، یا نہیں؟ اور روز جمعہ کے بعد پھر عود کرے گا، یا نہیں؟

الجواب

حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: مامن مسلم یموت یوم الجمعة أولیلة الجمعة إلاوقاه اللّٰہ فتنة القبر. (۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٤٧٥٣، عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنه، باب المسئلة في القبر وعذاب القبر

(۲) عن أنس رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال العبد اذا وضع فی قبره وتولٰی وذهب أصحابه حتٰی أنه لیسمع قرع نعالهم أتاه ملكان فأقعداه فیقولان له ما كنت تقول فی هٰذا الرجل محمد یقول أشهد أنه عبد اللّٰه ورسوله فیقال انظر الٰی مقعدک من النار أبدلک مقعداً من الجنة قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یراهما جمیعاً وأما الكافر أوالمنافقین فیقول لا أدرٰی كنت أقول ما یقول الناس فیقال لا دریت ولا تلیت خم یضرب بمطرقة من حدید ضربة بین أذنیه فیصیح صیحة یسمعها من یلیه إلا الثقلین. (صحیح البخاری، كتاب الجنائز، باب المیت یسمع حفق النعال: ۱۷۸/۱، قدیمی، انیس)

(۳) سنن الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی من یموت یوم الجمعة: ۲۰۵/۱، قدیمی، انیس

قال القاری فی شرح المرقاة: فتنة القبر أی عذابه وسواله وهو يحتمل الاطلاق والتقييد الأول هوالأولٰی بالنسبة الٰی فضل المولٰی.(۱)

اوراس کے بعد شارع موصوف نے چند روایات اس بارے میں نقل فرمائی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ عذاب نہ ہوگا، اور شامی میں نقل ہے کہ جمعہ کے روز عذاب منقطع ہو کر پھر نہ ہوگا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۵۹/۵-۴۶۰)

حساب وکتاب سے پہلے ہی عذاب قبر کیوں:

سوال: میرے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ قبر میں عذاب کی بات درست نہیں؛ کیوں کہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں، نیز جب ابھی نیکی اور بدی کا فیصلہ ہی نہیں ہوا تو عذاب دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

الجواب

(الف) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید میں عذاب قبر کا ذکر نہیں، آل فرعون جو حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلہ غرقاب کئے گئے تھے، ان کا بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَّ يَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ اُدۡخُلُوۡا آلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ﴾(۱)

(یہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جارہے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔)

اس آیت میں فی الحال جس عذاب کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس سے قبر وبرزخ کا عذاب مراد ہے۔

(ب) عذاب قبر دراصل عذاب آخرت کی تمہید ہے، آخرت میں حساب وکتاب محض اتمامِ حجت کے لیے ہے، نہ کہ یہ جاننے کے لیے کہ کون عذاب کا مستحق ہے اور کون نہیں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود ہے کہ فی الواقع کون عذاب کا مستحق ہے اور کون نہیں؟ اللہ تو عالم الغیب ہیں، وہ مخلوق کے انجام کو جاننے کے لیے حساب وکتاب کے محتاج نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قبر میں عذاب کے مسئلہ پر بکثرت صحیح وصریح احادیث موجود ہیں، اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اس کا انکار گمراہی میں داخل ہے۔(أعاذنا الله منه) (کتاب الفتاویٰ: ۲۳۷/۳-۲۳۸)

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، باب الجمعة: ۱۱۲/۱

(۲) ثمانية لايسألون فی قبورهم ثم ذكر أن من لا يسأل ثمانية الشهيد و المرابط والمطعون والميت زمن الطاعون بغيره اذا كان صابراً محتسباً والصديق والأطفال والميت يوم الجمعة أو ليلتها والقارى كل ليلة تبارك الملك وبعضهم ضم اليها السجدة والقارى فی مرض موته قل هوالله أحد. (ردالمحتار، كتاب الجنائز، باب صلاة الجنائز، مطلب ثمانية لاسيئون فی قبورهم: ۱۹۲/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

(۳) سورةالمومن: ٤٦

عذاب قبر:

سوال: عذاب قبر حق ہے، یا نہیں؟ اور عذاب قبر کب ہوتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

عذاب قبر حق ہے اور اس وقت شروع ہو جاتا ہے، جس وقت دفن کر کے واپس آتے ہیں۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۹۲/۵-۳۹۳)

کیا قیامت سے پہلے روح انسانی قبر میں رہتی ہے:

سوال (۱) زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے۔ یہ درست ہے، یا نہیں؟

مرنے کے بعد عذاب جسم کو ہوتا ہے، یا روح کو، یا دونوں کو:

(۲) مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے، یا جسم کو، یا دونوں کو؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصل اس کا علیین، یا سجین ہے۔ (۲)

(۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے، جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۶/۵-۴۲۷)

جسم بلا روح کو عذاب کیسے ہوگا:

سوال: قبر میں انسان کا سر فضلہ باقی رہ جاتا ہے تو عذاب قبر کس چیز پر ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بعض علما کا خیال ہے کہ عذاب قبر فقط روح کو ہوتا ہے اور روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح وجسد دونوں پر ہوتا ہے؛ کیوں کہ مردہ کا قبر میں جا کر زندہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

---

(۱) وضغطة القبر حق ... و عذابه أی ایلامه حق للکفار کلهم أجمعین وبعض المسلمین أی عصاة المسلمین فقد ورد أن القبر روضة من ریاض الجنة أوحفرة من حفر النیران. (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۲۰، انیس)

(۲) تذکرة الموتی والقبور، ص: ۲۸

(۳) ثم اعلم أن الروح لها بالبدن خمسة أنواع من التعلیق ... والرابع تعقلها به فی البروج فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقها فراقاً کلیاً بهیث لا ینبقی لها الیه التفات البتة فانها واردها الیه وقت سلام المسلم علیه ورد أنه یسمع خفق نعالهم حین یولون عنهم. (شرح الفقه الأکبر، ص: ۱۵۲، انیس)

قال اللّٰہ تعالیٰ حکایة عن قولهم:﴿ربنا أمتنا اثنتین واحییتنا اثنتین﴾ (۱)فإن اللّٰہ تعالیٰ ذکر الموتة مرتین وهما لا تتحققان إلا أن یکون فی القبر حیاة وموت حتیٰ تکون إحدیٰ الموتتین ما یتحصل عقیب الحیاة فی الدینا والأخریٰ ما یتحصل عقیب الحیاة التی فی القبر.(۲)

روایت میں نکیرین کے بارے میں ''یقعد انه'' کا لفظ ''وغیرها من الروایات'' بھی اعادۂ روح پر دال ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ جسم پر وقع عذاب ہمیں معلوم نہیں ہوتا، یا جسم کے اجزا متفرق ہوجاتے ہیں اور انہیں مٹی کھا جاتی ہے، سو اس کے حل کے لیے صوفیا نے یہ قول کیا ہے کہ اعادۂ روح جسم مادی میں نہیں؛ بلکہ جسم مثالی میں ہوتا ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے؛ مگر اسے ہم معلوم نہیں کرسکتے، جیسا کہ خواب میں کسی کو تکلیف ہو رہی ہو؛ بلکہ یقظان کو تخیل وتفکر کی وجہ سے سرور، یا غم لاحق ہو، ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

جسم اگر چہ مٹی ہوجائے، تب بھی احادیث سے ثابت ہے کہ ریڑھ کی ہڈی مٹی نہیں ہوتی تو اسی کا احیا ہوسکتا ہے، بالفرض سارا جسم ہی مٹی ہوجائے، تب بھی جسم کی ہیئت وصورت بدل گئی، اس کا اصل مادہ تو باقی ہے۔ پس مٹی ہوجانے بعد بھی ان اجزا میں ایسے طریق سے اعادۂ روح کہ ہم اسے معلوم نہ کرسکیں، قدرت باری تعالیٰ سے خارج نہیں۔

قال السیوطی رحمه اللّٰہ تعالیٰ فی شرح الصدور: عذاب القبر هو عذاب البرزخ ... ومحله الروح والبدن باتفاق أهل السنة.

وفی فیض الباری: قیل العذاب علی الرفع فقط وقیل: علی الروح والجسد معاً ومال إلی الأول الحافظ ابن القیم رحمه اللّٰہ تعالیٰ والأقرب عندی هو الثانی وذهب الصوفیة إلیٰ أنه علی الجسد المثالی، الخ. (فیض الباری: ۲/۴۹۲)

وأیضاً فیه بعد بحث بدیع: ثم لاحاجة إلیٰ اثبات عذاب القبر إلیٰ ما قاله الصوفیة أن العذاب علی البدن المثالی دون المادی وحنئذٍ لا بعد ان لم نشاهد أحدا یعذب فی قبره، الخ. (فیض الباری: ۲/ ۲۷۶)

وفی عمدة القاری: أن المصلوب لابعد فی الأحیاء والمسالة منه مع عدم المشاهدة کما فی صاحب السکر فانه حی مع أنا لانشاهد حیاته کما فی رؤیة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلما جبریل علیه الصلاة والسلام وهو بین أظهر أصحابه مع ستره عنهم ولابعد فی رد الحیاة الیٰ بعض أجزاء البدن، فیختص بالأحیاء والمسالة والعذاب وإن لم یکن ذلک مشاهدا لنا. (عمدة القاری: ۴/۱۶۳)

وکذا حقق جبل الحدیث الحافظ ابن الحجر رحمه اللّٰہ تعالیٰ أیضا فی الفتح فراجعه. (فتح الباری: ۳/۱۵) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

۷/صفر ۱۳۷۵ھ (احسن الفتاویٰ)

---

(۱) سورة الغافر: ۱۱، انیس

(۲) عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع حفر النعال: ۴/۱۶۱

جس کی قبر نہ ہو، اس پر عذاب قبر:

سوال: عذاب قبر کے تعلق سے سنتے ہیں کہ قبر میں مردہ سے سوال و جواب ہوگا اور مردہ فرشتوں کو جواب دے گا، جس آدمی کی قبر ہی نہ ہو، یا پانی میں غرق ہوگیا ہو، یا کسی آدمی کو درندہ اور شیر وغیرہ نے کھالیا ہو تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟

(سید افروز احمد علوی، گلشن باغ)

الجواب ــ

اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر اور سوال و جواب وغیرہ کا تعلق ان لوگوں سے بھی ہے، جو پانی میں غرق ہوگئے ہوں، یا جن کو جانوروں نے کھالیا ہو۔

إن الغريق في الماء والمأكول في بطون الحيوانات والمصلوب في الهواء يعذب وإن لم نطلع عليه. (۱)

دراصل عذاب قبر کا لفظ ایک اصطلاحی لفظ ہے اور قبر سے صرف زمین کا گڑھا مراد نہیں ہے؛ بلکہ عالم دنیا اور عالم آخرت کا درمیانی وقفہ مراد ہے، جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے، انسانی جسم خواہ ذرات کی شکل میں ہو، عالم برزخ میں روح سے اس کا ربط اس حد تک برقرار رکھا جاتا ہے کہ وہ آرام و تکلیف کو محسوس کر سکے، خواہ وہ کسی درندہ کے پیٹ میں ہو، یا پانی میں، یا زمین میں مدفون ہو اور ظاہر ہے کہ زمین میں بھی انسان کا سالم جسم تو بہت دنوں باقی نہیں رہتا، بلکہ جسم کے ذرات مٹی کا حصہ بن جاتے ہیں؛ اس لیے عذاب قبر کے سلسلہ میں اگر یہ اعتراض ہو کہ انسانی جسم باقی نہیں رہتا تو یہ اعتراض تو زمینی قبر کے بارے میں بھی کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے یہ اعتراض درست نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۳۶-۲۳۷)

عذاب سے بچانے کا کیا طریقہ ہے:

سوال: اگر میت عذاب میں مبتلا ہو تو اس کی نجات کے لیے اعزا کو کون سا فعل کرنا چاہیے؟

الجواب ــ

قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور صدقہ و خیرات سے ثواب پہنچا دے، یہی ذریعہ میت کو نفع پہنچنے کا ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۴۴۴)

عذاب قبر کا تعلق روح اور جسم دونوں سے ہے یا ایک سے؟ نیز قبر سے کیا مراد ہے:

سوال: کیا عذاب صرف جسم کو ہوتا ہے، یا روح کو، یا دونوں کو قبر سے مراد کون سی قبر ہے؟ یہ قبرستان والی، یا جو

---

(۱) شرح العقائد للنسفي، ص: ۱۰۰

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت: ۸٤٤/۱

علیین میں جہاں روح ہوتی ہے، کیا روح کا تعلق جسم سے ہوتا ہے، یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں: قبر سے مراد علیین والی قبر ہے، قبرستان والی قبر مراد نہیں ہے۔ شریعت کی رو سے جواب دیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ایک ہے دارالعمل (دار تکلیف جو دنیا ہے اس کے بعد جزا اور سزا کا معاملہ ہوگا جسکا نام دار آخرت (دار جزا) ہے، ان کے علاوہ تیسرا دار ہے کہ انسان دنیا سے رخصت ہوا اور قیامت سے پہلے درمیان میں پڑتا ہے اس کا نام دار قبر ہے جو (برزخ) کہلاتا ہے آدمی جو عمل کرتا ہے قیامت سے پہلے اس عمل کا بدلہ شروع ہوتا ہے اور آئندہ ملنے والی چیزوں کا نمونہ دیکھایا جاتا ہے نعمت کی شکل میں ہو یا عذاب کی شکل میں ہو۔(۱)

قبر سے مراد وہ گڑھا نہیں ہے جس میں دفنا دیا جاتا ہے؛ بلکہ مرنے کے بعد کی حالت مراد ہے وہ کسی طرح سے بھی ہو، چاہے وہ پانی میں ڈوب کر مرجائے، یا اور کسی طرح سے۔(۲)

دنیا کے اندر اصل جسم ہے اور روح اس کے تابع ہے، جسم کے واسطے سے روح کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور آخرت میں جسم تابع ہے اور روح اصل ہے؛ اس لیے اگر جسم ریزہ ریزہ ہوگیا ہو اور مٹی بن گیا ہو، تب بھی مقصد حاصل ہوتا ہے؛ لیکن جسم کو بھی تابع بنا کر عذاب دیا جاتا ہے، آخرت کی حیات اور دنیا کی حیات میں فرق ہے، دنیا میں جسم اور روح کا تعلق قوی ہے، وہاں ایسا نہیں ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۴۰۲/۱/۲۰ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۵۸)

عذاب قبر میں کمی اور نزاع کی آسانی کے لیے وظیفہ:

سوال: وہ وظیفے بتائیں، جن کے کرنے سے قبر کا عذاب کم ہوتا اور نزع کے وقت کی تکلیف کم ہوتی ہے؟

---

(۱) عن عبد اللّٰہ بن عمر أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: أن أحدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی ان کان من أھل الجنۃ فمن أھل الجنۃ وان کان من أھل النار فمن أھل النار، فیقال: ھٰذا مقعدک حتّٰی یبعثک اللّٰہ یوم القیامۃ. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یعرض مقعدہ بالغداۃ والعشی: ۱۸۴/۱، قدیمی، انیس)

(۲) وانما أضیف العذاب الی القبر لکون معظمہ یقع فیہ ولکون الغالب علی الموتٰی أن یقبروا وإلا فالکافر ومن شاء اللّٰہ تعذیبہ من العصاۃ یعذب بعد موتہ ولو لم یدفن. (فتح الباری شرح صحیح: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۲۳۳/۳، انیس)

(۳) وخالفھم الجمھور فقالوا تعاد الروح إلی الجسد أو بعضہ کما ثبت فی الحدیث ولو کان علی الروح فقط لم یکن للبدن بذلک اختصاص، ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تتفرق أجزاؤہ لأن اللّٰہ قادر أن یعید الحیاۃ إلٰی جزء من الجسد ویقع علیہ السوال کما ھو قادر علٰی أن یجمع أجزاءہ. (فتح الباری شرح صحیح بخاری، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۲۳۵/۳)

الجواب

عذابِ قبر کے لیے سونے سے پہلے سورۂ تبارک الذی پڑھنی چاہیے،(۱) اور نزع کی آسانی کے لیے یہ دعا پڑھنی چاہیے:

"اللّٰھم أعنی علٰی سکرات الموت وغمرات الموت". (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۳۵)

کافر کی روح اور اس پر عذاب قبر کا مسئلہ:

سوال: اگر کافر انسان مرجائے تو اسے جلا دیا جاتا ہے، ایسے شخص کی روح اللہ کے پاس جاتی ہے، یا نہیں؟ اور اس پر قبر کا عذاب کس طرح ہوتا ہے؟ (محمد آصف، عادل آباد)

الجواب

جوں ہی انسان کی موت واقع ہوتی ہے، اس کی روح نکل جاتی ہے؛ بلکہ موت نام ہی روح نکلنے کا ہے نیکوں کی روح "علیین" میں اور بروں کی "سِجّین" میں چلی جاتی ہے، پھر انسان کی لاش دفن کردی جائے، یا جلادی جائے، یا سمندر میں ڈال دی جائے، یا ریزہ ریزہ کردی جائے، یا یوں ہی محفوظ کردی جائے، ہر حالت میں اس پر عالم برزخ شروع ہو جاتا ہے، عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے روح اور جسم کے درمیان ایک نادیدہ اور اَن دیکھا تعلق قائم رہتا ہے، دنیا میں اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن آج کل تمثیلات سے اس کو سمجھا جاسکتا ہے، غور کیجیے کہ ٹی وی اسٹیشن اور ٹی، وی کے درمیان، یا ریڈیو اسٹیشن اور ریڈیو کے درمیان کوئی محسوس رابطہ نہیں؛ لیکن برقی لہروں کی مدد سے ایک جگہ کے مناظر دوسری جگہ نہایت سہولت سے دیکھے جاسکتے ہیں، جب انسان ایسی ایجادات کو وجود میں لاسکتا ہے تو خالق کائنات کے لیے روح اور جسم کے ذرات کے درمیان رابطہ استوار کرنا کیا دشوار ہے؟ روح اور جسم کے اسی رابطہ کی وجہ سے راحت وکلفت اور ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے؛ اس لیے ایسا نہیں ہے کہ لاش جلا دینے کی وجہ سے انسان اللہ کی گرفت کے دائرہ سے باہر نکل آئے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۳۸-۲۳۹)

مرحوم کا قرض ادا ہو، ورنہ وہ عذاب کا مستحق ہے:

سوال: اگر مرحوم کے ذمہ ایسے قرض ہوں، جن کا اس کے وارثوں کو علم نہ ہو، قرض دینے والا نہ بتائے تو اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

(۱) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قال: من قرأ تبارک الذی بیده الملک کل لیلة منعه اللّٰه عزوجل بها من عذاب القبر. (روه النسائی) (عمل الیوم اللیلة، باب فضل فی قراء ة تبارک الذی بیده الملک: ۶/۱۷۹، انیس)

(۲) سنن الترمذی: ۱/۱۱۷، باب ماجاء فی التشدید عند الموت، طبع رشیدیه دهلی

الجواب

جو شخص قرض لے کر مرے، اس کا معاملہ بڑا شدید ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بچائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جس کے ذمہ قرض ہو۔ بعد میں جب فتوحات ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے تھے۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ لٹکتی رہتی ہے، جب تک اس کا قرضہ ادا نہ کر دیا جائے۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ کیا یہاں فلاں قبیلے کے لوگ ہیں؟ دیکھو اور تمہاری آدمی جنت کے دروازے پر رکا ہوا ہے، اس قرض کی وجہ سے جو اس کے ذمہ ہے، اب تمہاری جی چاہے تو اس کا فدیہ (یعنی قرض) ادا کر کے اسے چھڑا لو اور جی چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سپرد کر دو۔ (۳)

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہمارے والد کا انتقال ہوا، تین سو درہم ان کا ترکہ تھا، پیچھے ان کے اہل وعیال بھی تھے اور ان کے ذمہ قرض بھی تھا، میں نے ان کے اہل وعیال پر خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا باپ قرضے میں پکڑا ہوا ہے، اس کا قرضہ ادا کر''۔ (مسندِ احمد) (۴)

مسلمان آدمی کے ذمہ اول تو قرضہ ہونا ہی نہیں چاہیے اور اگر بامر مجبوری قرض لیا تو اس کو حتی الوسع جلد سے جلد ادا ہونا چاہیے، خدانخواستہ اسی حالت میں موت آ گئی تو یہ خود غرض وارث خدا جانے ادا کریں گے بھی، یا نہیں؟ اور اگر زندگی میں قرضہ ادا کر سکنے کا امکان نہ ہو تو وصیت کرنا فرض ہے کہ اس کے ذمہ فلاں فلاں کا اتنا قرض ہے وہ ادا کر دیا

---

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم کان یؤتی بالرجل المتوفی علیه الدین فیقول: هل ترک لدینه من قضاء؟فان حدث أنه ترک وفاء صلیٰ علیه والا قال للمسلمین صلوا علیٰ صاحبکم فلما فتح اللّٰه علیه الفتوح قام فقال:أنا أولیٰ بالمؤمنین من أنفسهم فمن توفی من المؤمنین و ترک دیناً فعلی قضاءه ومن ترک مالاً فهو لورثته.(الترمذی،أبواب الجنائز،باب ما جاء فی المدیون: ۲۰۵/۱)

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال:نفس المؤمن معلقة بدینه حتیٰ یقضیٰ عنه. (الترمذی،أبواب الجنائز،باب ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدینه: ۲۰۶/۱،طبع قدیمی کتب خانة)

(۳) عن سمرة رضی اللّٰه عنه من هاهنا من رهط فلان أن صاحبکم قد احتبس عن الجنة بدین کان علیه فأما أن تفدوه من عذاب اللّٰه وأما أن تسلموه.(کنز العمال: ۲۳۵/۶،رقم الحدیث: ۱۵۵۰۴،طبع مؤسسة الرسالة)

(۴) عن سعد بن الأطول قال:مات أخی وترک ثلاث مأة دیناروترک ولدا صغاراً فأردت أن أنفق علیهم فقال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ان أخاک محبوس بدینه فاذهب فاقض عنه قال فذهبت فقضیت عنه ثم جئت فقلت یارسول اللّٰه قد قضیت عنه ولم یبق الا امرأة تدعی دینار ین ولیست لها بینه قال أعطها فانها صادقة.(مسند الإمام أحمد: ۱۳۶/۴،طبع المکتب الاسلامی،بیروت)

جائے۔(۱) اگر وصیت کے بغیر مرگیا اور گھر والوں کو کچھ پتا نہیں تو گناہگار بھی ہوگا اور پکڑا بھی جائے گا، اب نہ اس کا قرضہ ادا نہ ہو، نہ اس کی رہائی ہو۔ (نعوذ باللہ) ہاں! اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت سے کوئی صورت پیدا فرمادیں تو ان کا کرم ہے۔ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے جو صورت لکھی ہے، ایک مسلمان کو اس کی نوبت ہی نہیں آنے دینی چاہیے اور اگر بالفرض اسی صورت پیش ہی آجائے تو اعلانِ عام کردیا جائے کہ اس میت کے ذمہ کسی کا قرضہ ہو تو ہم سے وصول کرلے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جس شخص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ قرض ہو، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی وعدہ کررکھا ہو، وہ ہمارے پاس آئے۔(۲) مگر وارث بغیر ثبوتِ شرعی کے قرضہ ادا کرنے کے پابند نہیں ہیں۔(۳) یہ مسئلہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ میت کا قرض اس کے کل مال سے ادا کیا جائے گا، خواہ اس کے وارثوں کے لیے ایک پیسہ بھی نہ بچے۔(۴) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۲۹/۴-۳۳۰)

مرحوم ترکہ نہ چھوڑے تو وارث اس کے قرض ادا کرنے کے ذمہ دار نہیں:

سوال: جب کوئی آدمی مرجاتا ہے اور جو کچھ وہ باقی چھوڑ جاتا ہے، وہ اس کے رشتہ دار، عزیز بھائی وغیرہ ایک حد کے مطابق تقسیم کرلیتے ہیں، یہ تو ہوئی سیدھی بات، اس کے علاوہ ایک اور آدمی مرجاتا ہے، جس کے اوپر لووں کا بے

---

(۱) والوصية أربعة أقسام،واجبة كالوصية برد الودائع والدين المجهولة ومستحبة كالوصية بالكفارات وفدية الصلاة والصيام ونحوها ومباهة كالوصية للأغنياء من الأجانب والأقارب ومكروهة كالوصية لأهل الفسوق والمعاصى ... و فى المواهب تجب علٰى مديون بما عليه لله تعالٰى أوللعباد.(رد المحتار: ٦٤٨/٦،كتاب الوصايا، طبع ايچ ايم سعيد)

(۲) لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أبو بكر لما جاء ه مال من البحرين:من كانت له على النبى عدة يأتينى،قال فجاء ه جابربن عبد الله الأنصارى فقال:أن النبى وعدنى اذا أتاه مال البحرين أن يعطينى هٰكذا هٰكذا، و أشار بكفيه،فقال أبوبكر:خذ فأخذ بكفيه فعده خمسمأة درهم فأعطاه اياه وألفاً،ثم جاء ناس كان وعدهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخذ كل انسان ما كان وعده ثم قسم ما بقي من المال فأصاب كل إنسان منهم عشرة دراهم. (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد،ذكر من قضى دين رسول الله صلى الله عليه وسلم: ٣١٧/٢،طبع بيروت)

(۳) (قوله:ويقدم دين الصحة)وهوماكان ثابتاً بالبينة مطلقاً أوبالاقرارفى حال الصحة،الخ.(رد المحتار،كتاب الفرائض: ٧٦٠/٦،دار الفكر بيروت،انيس)

(۴) يبدأ من تركة الميت بتجهيزه ودفنه ثم قضا ديونه ثم تنفيذ وصاياه،والباقى لوارثه.(الفتاوى البزازية على الهندية،كتاب الفرائض: ٤٤٧/٦)

وأيضاً(يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن ... (ثم) تقدم (ديونه التى لها مطالب من جهة العباد ويقدم دين الصحة علٰى دين المرض وان جهل سببه والا فسيان.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار: ٧٦٠/٦،كتاب الفرائض،طبع سعيد)

حساب قرض ہے، جب کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں، باقی لوگ ہیں، مثلا: بیوی، بچیاں، بھائی سگے اور سوتیلے وغیرہ، تو کیا یہ قرض جو وہ چھوڑ کر دنیا سے چلا گیا یا چلا جائے تو ان رشتہ داروں کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟ جب کہ متعلقہ شخص کی ورثا میں کچھ بھی حصہ نہیں ہے، ما سوائے چار گز ر جھونپڑی کے، رشتہ دار، بھائی وغیرہ بھی غریب، قرض ادا نہ کرنے کے قابل، قرض کس طرح ادا ہو؟

الجواب

جب مرحوم نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تو وارثوں کے ذمہ اس کا قرض ادا کرنا لازم نہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۳۰-۳۳۱)

مردے کے مال اور قرض کا کیا حکم کیا جائے:

سوال: میرے بھائی کی شادی ۱۹ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو ہوئی اور دو مہینے بعد؛ یعنی ۲۸ر نومبر کو اس کا انتقال ہو گیا، میرے بھائی نے مرنے سے پہلے ۱۴ر تولہ کے جو زیورات بنوائے تھے، اس کی کچھ رقم اُدھار دینی تھی، میرے بھائی نے دو مہینے کا وعدہ کیا تھا؛ لیکن وہ رقم ادا کرنے سے پہلے خالقِ حقیقی سے جا ملا، آپ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں کہ رقم لڑکے کے والدین ادا کریں گے، یا لڑکے کے بنائے ہوئے زیورات میں سے وہ رقم ادا کر دی جائے؟

الجواب

اگر آپ کے مرحوم بھائی کے ذمہ قرض ہے تو جو زیورات انہوں نے بنوائے تھے، ان کو فروخت کر کے قرض ادا کرنا ضروری ہے۔(۲) والدین کے ذمہ نہیں، وہ زیورات جس کے پاس ہوں، وہ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں گناہ گار ہوگا، مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمانا بڑی سنگین بات ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۳۱)

مرحوم کا اگر کسی نے قرض اُتارنا ہو تو شرعی وارثوں کو ادا کرے:

سوال: مولانا صاحب! میں نے ایک دوست سے دس روپے ادھار لیے تھے اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ دو دن بعد اسے یہ پیسے واپس کر دوں گا، لیکن افسوس کہ پیسے دینے سے قبل ہی میرا دوست اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ بتائیے کہ اب میں کیا کروں؟ اس کے وہ دس روپے اب میں کس طرح اُتاروں؟

الجواب

میت کا جو قرض لوگوں کے ذمہ ہوتا ہے، وہ اس کی وراثت میں شامل ہے اور جن لوگوں کے ذمہ قرض ہو، ان کا

(۱) احکام میت ص: ۱۶۰ اور ۱۶۳، تالیف: ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ

(۲) (ثم) تقدم (دیونه التی لها مطالب من جهة العباد) ویقدم دین الصحة علیٰ دین المرض ان جهل سببه والا فسیان. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/ ۷۶۰، دار الفکر بیروت، انیس)

فرض ہے کہ میت کے شرعی وارثوں کو قرض ادا کریں اور اگر کسی کا کوئی وارث موجود نہ ہو، یا معلوم نہ ہو تو میت کی طرف سے اتنی رقم صدقہ کردے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۱/۴-۳۳۲)

مرحوم کا قرض اگر کوئی معاف کردے تو جائز ہے:

سوال: مرحوم کو ایک دو افراد کے کچھ پیسے دینے ہیں، بہترین دوست ہونے کے ناتے وہ پیسے نہیں لے رہے، اب کیا کیا جائے؟

الجواب

اگر وہ معاف کردیں تو ٹھیک ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۱/۴)

مرحوم کی نماز، روزوں کی قضا کس طرح کی جائے:

سوال: میری والدہ محترمہ معراج کی شب اپنے مالکِ حقیقی سے جاملی ہیں، اللہ تعالی ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین) اب میں ان کی قضا نمازیں ادا کرنا چاہتی ہوں؛ بلکہ آج کل ادا کررہی ہوں؛ لیکن مختلف لوگوں نے مختلف باتیں بتا کر مجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے، مثلا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، لہٰذا مرنے والے کی قضا نمازیں نہیں ہوسکتیں؛ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب مرنے والے کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے قرآن شریف پڑھ کر بخشا جاسکتا ہے، مرنے والے کے قرض کا بوجھ ختم کرنے کے لیے قرض چکایا جاسکتا ہے تو پھر اس کی قضا نمازیں آخر کیوں نہیں ادا کی جاسکتیں؟ آپ میرے ان دو سوالوں کا جواب جلد سے جلد دیں:

(۱) کیا میں اپنی والدہ محترمہ کی قضا نمازیں ادا کرسکتی ہوں؟

(۲) قضا نماز کے ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب

فرض نماز اور روزہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا،(۳) البتہ نماز روزے کا فدیہ مرحوم کی طرف سے

---

(۱) علیه دیون ومظالم جهل أربابها وأیس من علیه ذالک من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جمیع ماله هٰذا مذهب أصحابنا ... ومتیٰ فعل ذالک سقط عنه المطالبة من أصحاب الدیون.

وفی الشامیة: وان لم یجد المدیون ولا وارثه صاحب الدین ولا وارثه فتصدق المدیون أو وارثه عن صاحب الدین برئ فی الآخرة. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب اللقطة: ٤ / ٢٨٣، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) الدین الصحیح وهو الدین الثابت بحیث لا یسقط الا بالأداء أو الابراء کدین القرض ودین المهر ودین الاستهلاک وأمثالها. (کشاف اصطلاحات الفنون: ٥٠٢/١، طبع سهیل اکادمی لاهور)

(۳) (ولا یصح أن یصوم) الولی ولا غیره عن المیت (ولا) یصح (أن یصلی) أحد(عنه) ==

اس کے وارث ادا کرسکتے ہیں۔ پس اگر اپنی والدہ کی طرف سے نمازیں قضا کرنا چاہتی ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس گنجائش ہو تو ان کی نمازوں کا حساب کر کے ہر نماز کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر ادا کریں، وتر کی نماز سمیت ہر دن کی نمازوں کے چھ فدیے ہوں گے۔(۱) ویسے آپ نوافل پڑھ کر اپنی والدہ کو ایصالِ ثواب کرسکتی ہیں۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۲/۴)

جنازہ سے پہلے میت کے مدیون ہونے کی تحقیق کرنا:

سوال: بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام میت کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق فرماتے تھے کہ اس پر قرض ہے، یا نہیں؟ اگر پتہ چلتا کہ قرض ہے تو آپ خود نمازِ جنازہ ادا نہ فرماتے؛ بلکہ صحابہ کرام کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اب بھی کسی کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق کرسکتے ہیں کہ اس پر قرض ہے، یا نہیں؟ اگر قرض ثابت ہو تو جنازہ سے انکار کرسکتے ہیں؟　　(حافظ بشیر احمد گلی حاکم رائے محلّہ ساون خان گجرانوالہ)

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے میں جو مصلحت تھی، وہ کسی اور کے ذریعہ پوری نہیں ہوسکتی، لہٰذا اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جنازہ سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ میت پر قرض ہے، یا نہیں؟ نیز آنحضرت علیہ السلام کا یہ تحقیق فرمانا بھی فتوحات سے پہلے کا عمل ہے، بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دے دی تو آپ مقروض کا جنازہ بھی پڑھا دیتے اور قرض اپنے پاس سے ادا فرما دیتے اسی سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا: ''من ترک مالاً فلورثته ومن ترک کلاً فإلینا، آہ. (۳)

== لقوله صلى الله عليه وسلم: لايصوم أحد عن أحد ولا يصلى أحد عن أحد و لكن يطعم عنه وما ورد من قوله صلى الله عليه وسلم "فصومى عن أمك" وقوله "من مات و عليه صيام صام عنه وليه. (مراقى الفلاح علىٰ هامش الطحطاوى، فصل فى اسقاط الصلاة والصوم، ص: ۴۳۹، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس)

قوله فلانيابة فيها أصلاً لأن المقصود من العبادة البدنية اتعاب البدن وقهر النفس الأمارة بالسوء ولايحصل بفعل النائب بخلاف المالية فتجرى فيها البناية مطلقاً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب فيما يصير الكافر به مسلماً من الأفعال: ۳۳۰/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) إذا مات وعليه فوائت فدفع الوارث عن الميت لكل صلاة نصف صاع من برأو قيمته لكل مسكين أومسكين واحد عن كل الفوائت يجوز... الخ. (الفتاوىٰ السراجية، ص: ۱۷)

(۲) الأصل فى هٰذا الباب أن الانسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان أوصوماً أوصدقة، الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب المناسک، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير: ۲۵۷/۱)/ردالمحتار: ۵۹۵/۲، مطلب فى اهداء ثواب الأعمال للغير)

(۳) عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من ترک مالاً فلورثته ومن ترک كلاً فالينا. (صحيح البخارى، كتاب فى الاستعراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب الصلاة علىٰ من ترک ديناً: ۳۲۳/۱، قديمى، انيس)

بخاری شریف میں اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے:

قلت:الدین من کل مایتکلف ومطابقته،للترجمة من حیث أن هٰذا الحدیث روی عن أبی هریرة من وجوهٍ منها مامر فی آخر کتاب الکفالة فی باب الدین وفیه من جملة الألفاظ من ترک دیناً فعلیٰ قضائه ویجیء فی الفرائض وفي سورة الأحزاب قال ابن بطال: هٰذا ناسخ لترکه الصلاة علیٰ من مات وعلیه دین قلت ذلک؛لأنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان لایصلی علیه قبل فتح الفتوحات فلما فتح اللّٰه تعالیٰ منها ما فتح صار صلیٰ اللّٰه علیه ویصلی علیه فصارفعله هٰذا ناسخاً لفعله الأول، کما قال ابن بطال. (۱) فقط واللّٰہ أعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۲۶۳)

جنازہ کے بعد فدیہ نماز کا حیلہ:

سوال (۱) ایک شخص نے وصیت کی کہ میری کچھ نمازیں رہ گئیں تھیں، جن کو میں قضا نہ کرسکا؛ اس لیے میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا، اب اگر اس کا صحیح فدیہ ادا کیا جائے تو اس کے گھر میں اتنا مال نہیں پورا بنتا تھا، اس قیمت کے عوض ایک قرآن شریف ایک مسکین پر فروخت کیا جائے، بعدہ اس سے کہا جائے کہ جو تم پر قرضہ ہوگیا تھا تم کو اس میت کے فدیہ میں بخش دیا ہے، شاید کہ اللہ جل شانہ اس کی خلاصی فرمادیں تو کیا خلاصی کی امید پر اس طرح کا حیلہ کرنا جائز ہے، جس طرح طلاق اضافی کے متعلق فقہا یہ لکھتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) اگر ورثا شرعاً کرنا چاہیں؛ یعنی اس نے وصیت نہیں کی؛ بلکہ ورثا اپنی طرف سے کریں تو کیا ان کے لیے کوئی جواز کی صورت ہے، یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

(۱،۲) بحالت افلاس اس نوع کے حیلہ کی اجازت ہے؛ مگر یہ قرآن شریف فروخت کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ایک ثلث ترکۂ میت مصرف زکوۃ کو دیا جائے اور حساب کر کے دیکھ لیا جائے کہ کس قدر نمازوں کا فدیہ اس کے ذریعہ سے ادا ہوگیا، پھر وہ فقیر اس ثلث ترکہ کو میت کے وصی کو ہبہ کردے، اس کے بعد پھر وصی فقیر کو دے دے، ثم وثم، یہاں تک کہ کل نمازوں کا فدیہ ادا ہوجائے، یہ اس وقت ہے جب کہ کل فدیہ ایک ثلث ترکہ سے ادا نہ ہوسکتا ہو، نیز یہ حیلہ لازم وواجب نہیں، بعض اطراف وبلاد میں اس حیلہ کا التزام ہے، خواہ میت کے ترکہ میں وسعت ہو، یا نہ ہو؟ یہ ناجائز ہے؛ اس لیے ایسے واقعے پر احتراز لازم ہے؛ بلکہ جس قدر ثلث ترکہ سے ادا ہوسکتا ہو، ادا کردیا جائے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ذی الحجہ/۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۸۶-۲۸۷)

(۱) حاشیة البخاری: ۱/۳۲۳

(۲) ولولم یترک مالاً، یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً،ویدفعه لفقیر للوارث،ثم یدفعه الفقیر ثم وثم حتیٰ یتم. ==

اہلِ میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے:

سوال: اگر میت کے اہل وعیال اپنے مردوں پر روئیں تو ان کے رونے سے میت کو عذاب وتکلیف ہوتی ہے، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ عذاب ہوتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ عذاب نہیں ہوتا۔ آپ شریعت کی رو سے فتویٰ دیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یقیناً اہل وعیال کے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے، جب کہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو۔

شامی میں ہے:

إنمايعذب الميت ببكاء أهله إذاأوصىٰ بذٰلک. (۱) فقط والسلام

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۳۰)

کیا میت کا رونا اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہے:

سوال: کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد میت یعنی مردے پر رونا مردے کی تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ مجھے پوچھنا یہ ہے کہ تکلیف سے مردے کا کیا تعلق ہے؟ اور جب روح جسم سے نکل گئی تو روح جسے لطیف شے کا نام دیا جاتا ہے، اس کو رونے کی تکلیف کے احساس کا ادراک کیوں کر ہوتا ہے؟ جب کہ رونا ایک قسم کا وزن ہے، آیا کیا یہ وزن روح محسوس کر لیتی ہے؟ یا پھر رونے کی تکلیف اس گوشت پوست کے بے جان جسم پر ہوتی ہے؟ جب کہ روح وجسم یک صورت؛ یعنی لازم وملزوم ہونے ہی کی صورت میں تکلیف محسوس کرتے ہیں، نہ مرنے کے بعد جب روح وجسم ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

مرنے کے بعد روح اور بدن کا یہ تعلق تو باقی نہیں رہتا؛ لیکن ایک خاص طرح کا دوسرا تعلق دونوں کے ساتھ قائم

== "(قوله: ولو لم يترک مالا، إلخ): أي أصلاً أو كان ما أوصىٰ به: ولا يفي، زاد في الإمداد: أولم يوص بشيء، وأراد الولي التبرع إلخ، و أشار بالتبرع إلىٰ أن ذلک ليس بواجب على الولي، ونص في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي فعل الدور وإن أوصىٰ به الميت؛ لأنها وصية بالتبرع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/۷۲، دار الفكر بيروت، انيس)

"وإن لم يترک مالا يستقرض ورثته نصف صاع يدفع إلىٰ مسكين، ثم يتصدق المسكين علىٰ بعض ورثته، ثم يتصدق، ثم وثم، حتىٰ يتم لكل صلاة ما ذكرنا". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيدية)

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲٤٦، دار الفكر بيروت، انيس

کردیا جاتا ہے، جس سے مردے کو برزخ کے واقعات اور عذاب وثواب کا احساس ہوتا ہے،(۱) اور اسی تعلق کا نام ''برزخی زندگی'' ہے، جو دنیا کی زندگی سے مختلف ہے۔ خلاصہ یہ کہ قبر میں مردہ جمادِ محض نہیں ؛ بلکہ ایک خاص نوعیت کی حیات اس وقت بھی اس کو حاصل رہتی ہے، جس کی بنا پر اس کو ثواب وعذاب اور لذت والم کا احساس عالمِ برزخ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۱۹/۴)

جمعہ ورمضان میں کافر کو بھی عذاب قبر نہیں ہوتا:

سوال: مشہور ہے کہ ماہ رمضان المبارک وجمعہ کافر سے سوالات نکیرین اور عذاب قبر میں تخفیف ہوجاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

جمعہ ورمضان میں کافر سے عذاب قبر مرتفع ہوجاتا ہے۔اس کے بعد پھر شروع ہوجاتا ہے۔(كذا في الشامية في آخر باب الجمعة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸/رمضان ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۲۰۸/۴)

جمعہ کے دن کی موت:

سوال: جمعہ کے دن مرنے کی کیا فضیلت ہے؟ زاہد عمر بھر بیماری اور مصائب میں مبتلا رہا، اخیر عمر میں پانچ سال تک برین ٹیومر کا مریض رہا، دو دفعہ سرجری بھی کی گئی؛ لیکن افاقہ نہ ہوسکا۔ بارہ گھنٹے سکرات میں رہنے کے بعد جمعرات کی شب میں ساڑھے گیارہ بجے انتقال ہوگیا؛ یعنی جمعرات کے بعد آنے والی رات میں، جمعہ کے بعد تدفین ہوئی، بیماری کے دوران اس نے نماز کی پابندی نہیں کی، یہاں تک کہ جمعہ کی بھی نہیں، وہ ہمیشہ کہتا ہے کہ صحت مند ہونے کے بعد نماز کی پابندی کروں گا۔ایسی صورت میں زاہد کے بارے میں کیا احکام ہیں اور قبر میں اس کے ساتھ کیا انجام ہوا ہوگا؟ (و،ح،صدیقی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

اب جب کہ زاہد اللہ کو پیارا ہوچکا ہے تو اپنے ایک مسلمان بھائی کے لیے دعاءِ مغفرت کرنی چاہیے، اس کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے اور اچھی بات ہی ذکر کرنا چاہیے، اپنے مسلمان بھائی کی کوتاہیوں کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔

---

(۱) واعلم أن أهل الحق اتفقوا علىٰ أن اللّٰه تعالىٰ يخلق في الميت نوع حيوٰة في القبر قدر ما يتألم أو يتلذذ.(شرح الفقه الاكبر،ص:۱۲۲،طبع مجتبائی دهلی)

حدیث میں جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت آئی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب مرتا ہے اللہ تعالی قبر کی آزمائش سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں''۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جمعہ کے دن جس کی موت ہوگی، وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا''۔(۲)

یہ روایتیں عام طور پر اہل فن کے نزدیک کلام سے خالی نہیں ہیں؛ لیکن فضائل میں اس درجہ کی روایات بھی معتبر تسلیم کی جاتی ہیں۔شارحین حدیث کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا منشا یا تو اس شخص کا یوم وفات ہے کہ خاص اس جمعہ کو اس پر عذابِ قبر نہیں ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ ہمیشہ جمعہ کے دن عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا اور اگر ہمیشہ عذابِ قبر سے حفاظت مراد ہو تو اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جمعہ کے دن اس کی وفات ہو اور اس نے اپنی زندگی کو دین کے اہتمام کے ساتھ گزاری ہو۔واللہ اعلم

جمعرات کا دن گزر کے جو شب آتی ہے، وہی شبِ جمعہ ہے؛ کیوں کہ غروبِ آفتاب سے تاریخ تبدیل ہوتی ہے۔ بہر حال آدمی کو چاہیے کہ وہ جس حال میں بھی ہو، اللہ تعالی کے احکام پر حتی المقدور عمل کرنے کی کوشش کرے اور صحت کا انتظار نہ کرے کہ نہ معلوم صحت نصیب ہو، یا نہ ہو۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۴۷۔۲۴۸)

جمعہ کی رات، یا صبح کو جو مرے، اسے جمعہ کی جماعت کے انتظار میں رکھنا مکروہ ہے:

سوال: اگر جمعہ کی صبح کو کوئی مسلمان انتقال کرے تو اس کو جمعہ کی نماز سے پہلے دفن کرنا اولیٰ ہے، یا زیادتی ثواب کے خیال سے جمعہ کی نماز کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جاوے؟

الجواب

درمختار میں ہے کہ اگر جمعہ کی رات، یا صبح کو کوئی شخص مرے تو اس کی تجہیز و تکفین میں جلدی کی جاوے اور تاخیر نہ کی جاوے کہ جمعہ کے بعد بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ آ گیا ہو اور پہلے دفن کرنے میں جمعہ کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پھر بعد جمعہ کے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاوے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۴۰۶۔۴۰۷)

(۱) عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر. (الترمذى، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى من يموت يوم الجمعة: ۱/۲۰۵، قديمى، انيس)

(۲) مجمع الزوائد: ۲/۳۱۸

(۳) عبارت درمختار کی یہ ہے: (وكره تأخير صلاته دفنه ليصلى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة) الا اذا خيف فوتها بسبب دفنه. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۲۳۲، دار الفكر بيروت، انيس)

شب جمعہ میں دفن کی فضیلت:

سوال: اگر کوئی شخص جمعرات کے دن فوت ہو؛ مگر اس کو دفن جمعہ کی شب کو کیا گیا تو کیا اس کو عذاب قبر معاف ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

یہ وعدہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں موت پر ہے، دفن پر نہیں، البتہ عذاب قبر چوں کہ دفن کے بعد شروع ہوتا ہے اور مسلم میت پر شب جمعہ سے حشر تک عذاب مرتفع ہوجاتا ہے؛ اس لیے ایسا شخص عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

قال ابن البزاز رحمه الله تعالیٰ: السؤال فیما یستقر فیه المیت حتیٰ لو أکله سبع فالسؤال فی بطنه فإن جعل فی تابوت أیاماً لنقله إلیٰ مکان آخر لایسأل ما لم یدفن. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸/شعبان ۱۳۸۹ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۰۹/۴)

جمعہ کے دن دفن کرنا:

سوال: اگر کوئی شخص جمعہ کے روز فوت ہوگیا ہو تو اس کو جمعہ میں ملانے کو لوگ کہتے ہیں تو اس کو کس طرح جمعہ میں ملانا چاہیے، یا اس کو جمعہ میں نہیں ملا سکتے ہیں اور یہاں یہ بات خاص مانی جاتی ہے اور اچھے اچھے لوگ اس پر زور دیتے ہیں؟

(المستفتی: ۱۳۸۷، شیخ اعظم شیخ معظم ملا جی صاحب، ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۱/ مارچ ۱۹۳۷ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ بات کوئی شرعی بات نہیں ہے صحابہ کرام کے طرز عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۲۰۳/۴)

جمعہ کی موت سے قیامت تک عذاب قبر معاف:

سوال: جمعہ کے دن مرنے والے کو صرف اسی دن عذاب نہیں ہوتا، یا کہ قیامت تک معاف ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة، الباب الخامس والعشرون فی الجنائز: ۸۰/٤

(۲) اس لیے یہ بدعت ہے۔

هی (بدعة) ما أحدث علیٰ خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم أو عمل، أو حال بنوع شبهة، و استحسان، وجعل دیناً، قویماً وصراطاً مستقیماً. (ردالمحتار، کتاب الصلاة باب الامامة، مطلب البدعة خمسة أقسام: ۵٦٠/۲، ط: سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مومن کو قیامت تک معافی مل جاتی ہے، البتہ کافر سے صرف جمعہ اور رمضان میں عذاب مرتفع ہوتا ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹رشوال ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ:۴؍۲۰۸)

جمعہ کی موت سے عذاب قبر نہ ہونے پر اشکال کا جواب:

سوال: جومسلمان جمعہ کے دن مرجائے اس کوعذاب قبر معاف ہے۔اور حدیث ہے کہ قبر پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا اس کے لئے آئندہ منزلیں آسان ہوں گی، سوال ہیہ ہے کہ جمعہ کو سودخور، شرابی، بدکار بھی مرتے ہیں کیاان کیبھی مغفرت ہوجائے گی؟ بینواتوجروا

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس کے مندرجۂ ذیل جواب ہوسکتے ہیں:

(۱) دوسری بصوص کے پیشِ نظر اس حدیث میں اجتناب عن الکبائر کی قید ہے۔

(۲) بعض عصاۃ بلاحساب بھی جنت میں جائیں گے، جن کے لیے یہ سعادت مقدر ہے، جمعہ کے روز صرف انہی کی موت واقع ہوتی ہے۔

(۳) جمعہ کے روز موت سے صرف عذاب قبر معاف ہے، عذاب آخرت نہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ برکت جمعہ کے سوأمل کی بدولت عذاب قبر سے بچ گیا تو آئندہ منازل زیادہ سہل ہوں گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ (احسن الفتاویٰ:۴؍۲۰۸)

---

(۱) عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أوليلة الجمعة إلاوقاه الله فتنة القبر. (سنن الترمذى،أبواب الجنائز،باب ماجاء فى من يموت يوم الجمعة: ١/٢٠٥، قديمى، رقم الحديث: ١٠٧٤/مسند الإمام أحمد بن حنبل،مسند عبدالله بن عمروبن العاص رضى الله عنه،رقم الحديث:٦٥٨٢،المعجم الكبير للطبرانى،عبدالله بن عمروبن العاص،رقم الحديث: ١٤٢٥١/ انيس)

عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:ما من مسلم يموت فى يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا برى من فتنة القبر.(شرح مشكل الآثار،رقم الحديث:٢٧٧،انيس)

عن أنس رضى الله عنه قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل رجب قال:اللهم بارك لنا فى رجب وشعبان،وبلغنا رمضان،قال:وكان يقول:ليلة الجمعة ليلة غراء ويوم الجمعة يوم أزهر. (الدعوات الكبير للبيهقى، باب ما روى فى الدعاء إذا دخل رجب: ٢/١٤٢،غراس للنشر والتوزيع الكويت،رقم الحديث:٥٢٩. انيس)

رمضان میں موت سے عذاب قبر سے امن:

سوال: ماہ رمضان میں مسلمان عاصی وفات پا جائے تو عذاب قبر قیامت تک اس سے معاف ہے، یا صرف ماہ رمضان تک؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

کافر سے صرف رمضان تک عذاب قبر مرتفع ہوتا ہے اور مسلمان عاصی کو قیامت تک امن ہوجاتا ہے، غیر رمضان میں مرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے کہ کافر کو جمعہ کے دن اور رمضان میں عذاب نہیں ہوجاتا ہے۔ غیر رمضان میں مرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے کہ کافر کو جمعہ کے دن اور رمضان میں عذاب نہیں ہوتا اور عاصی مومن پر جب روز جمعہ یا رمضان آتا ہے تو اس سے قیامت تک عذاب مرتفع ہوجاتا ہے۔

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى فى آخرباب الجمعة: قال أهل السنة والجماعه عذاب القبر حق وسوال منكرونكير وضغطة القبرحق لكن إن كان كافراً فعذابه يدوم إلٰى يوم القيمة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان، فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد وإن كان خارجا عنه والمؤمن المطيع لا يعذب بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه والعاصى يعذب ويضغط لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثم لا يعود وإن مات يومها أوليلتها يكون العذاب ساعة واحدة وضغطة القبرثم ينقطع، كذا فى المعتقدات للشيخ أبى المعين النسفى الحنفى من حاشية الحموى ملخصا.(۱)فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

۱۹؍شوال ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ:۴؍۲۰۷)

رمضان میں موت کی فضیلت کا حوالہ:

سوال: شامی، باب الجنائز میں "**من لا يسئل فى قبورهم**" کی تفصیل ہے، اس میں رمضان مین موت کا ذکر نہیں، لہٰذا اس کا حوالہ تحریر فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

شامیہ میں باب الجمعہ کے آخر میں رمضان میں مؤمن سے تا قیامت اور کافر سے اختتام رمضان تک ارتفاع عذاب منقول ہے جو رمضان میں موت کو بھی شامل ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸؍رمضان ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۴؍۲۰۸)

(۱-۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، قبيل باب العيدين: ۲ / ۱٦٥، دار الفكر بيروت، انيس

عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کی بشارت جمعہ کی رات میں، یا دن کو مرنے والے کے لیے ہے:

سوال: زید بدھ، یا جمرات کے دن فوت ہوا، اسے اگر جمعہ کی رات، یا جمعہ کے دن دفن کریں تو کیا وہ بھی عذاب قبر سے محفوظ رہے گا؟

الجواب

حدیث نبوی میں جو عذاب سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے، وہ جمعہ اور جمعہ کی رات ک مرنے والے کے بارے میں، جو ان ایام کے علاوہ کسی اور دن میں مرے، اس کے لیے وعدہ نہیں، چاہے اسے دفن جمعہ کی رات کیا جاوے، یا جمعہ تک قبر پر پڑھنے والے بیٹھے رہیں۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلاوقاه اللّٰه فتنة القبر. (۱)

قال القارى: فتنة القبر: أى عذابه وسواله وهويحتمل الاطلاق والتقييد والأول، هوالأولىٰ بالنسبة إلىٰ فضل المولىٰ. (مرقاة،باب الجمعة: ۲/۱۱۲)

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: محمد صدیق غفرلہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۴۷)

مومنین کی روحوں کا شب جمعہ اپنے گھر آنا:

سوال: ارواح مؤمنین ہر جمعہ کی شب کو اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس طرح کا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ارواح مومنین کا شب جمعہ وغیرہ کو اپنے گھر آنا کہیں ثابت نہیں ہوا، (۲) یہ روایات واہیہ ہیں، اس پر عقیدہ کرنا ہرگز نہیں چاہئیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ، رشید احمد گنگوہی۔ الاجوبۃ صحیحۃ: ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ، مدرس دوم مدرسہ عالیہ دیوبند۔ الاجوبۃ صحیحۃ: محمد یعقوب النانوتوی عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند۔ الاجوبہ صحیحۃ: احمد ہزاروی عفی عنہ۔ الاجوبۃ صحیحۃ: عبداللہ انصاری عفی عنہ۔ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ: ابوالمکارم محمد اسحٰق فرخ آبادی عفی عنہ۔ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ: عزیز الرحمٰن الدیوبندی کان اللہ لہ۔ الاجوبۃ صحیحۃ: محمد محمود عفی عنہ، مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند، وتوکلت علی العزیز الرحمٰن: الٰہی عاقبت محمود گردان۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۲۳۳)

---

(۱) الجامع للترمذی،أبواب الجنائز،باب ماجاء فی من یموت یوم الجمعة: ۱/۲۰۵،قدیمی،انیس

(۲) مأۃ مسائل، مؤلفہ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی میں بھی اسی طرح ہے۔

مردہ کی روح کا شب جمعہ گھر آنا:

سوال: بعض علما کہتے ہیں کہ مردہ کی روح اپنے مکان پر شب جمعہ کو آتی ہے اور طالب خیرات وثواب ہوتی ہے اور نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہ امر صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

یہ روایات صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۲۳۴)

شب جمعہ مردوں کی روحوں کا اپنے مکانوں میں آیا:

سوال: شب جمعہ مردوں کی روحیں اپنے گھر آتی ہیں، یا نہیں، جیسا کہ بعض کتب میں لکھا ہے؟

الجواب

مردون کی روحیں شب جمعہ میں اپنے اپنے گھر نہیں آتیں۔ روایت غلط ہے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۲۳۴)

کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں:

سوال: بعد از مت انسان کی روح ہفتہ، یا دو ہفتہ بعد جمعرات کو اپنے فانی گھر میں واپس آتی ہے اور آیا اس روح کے لیے ختم دلوانا جائز ہے؟ نیز موت کے تیسرے دن قل کروانا جائز ہے، شرعاً ختم دلوانا جائز ہے؟

الجواب

ارواح کا گھر میں واپس آنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے۔ ایصال ثواب بلا قید تاریخ وغیرہ کے جائز ہے؛ بلکہ مستحب ہے؛ مگر اس کے لیے ختم کا اہتمام، یا خصوصی تاریخوں کا تعین بدعت اور گناہ ہے، لہٰذا مروجہ تاریخوں کے علاوہ بلا ختم دلائے، کھانا کپڑا نقدی جو چاہے خیرات کر کے ایصال ثواب کرنا چاہیے، تیسرے دن قل کرنا بدعت ہے۔ فقط۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: عبداللہ غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس، ۱۲/۱۲/۱۳۸۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۳۱/۳)

رات کو روحوں کے گھر آنے کی تحقیق:

سوال: فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوئم، ص:۹۸ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے اور اس کے خلاف نور الصدور، ص:۱۶۸ پر بروایت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں،

جس کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنون کی روحیں اپنے اپنے مکانوں کے مقابل کھڑی ہوکر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دواور ہر روح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے، روایت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں۔ اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے، دوسرے بر تقدیر ثبوت مقید ہے اذن کے ساتھ اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے، پس دونوں میں تعارض نہیں۔

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ (النور، ص: ۹، ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۸۷)

ایام مخصوصہ میں ارواح کا گھروں میں آنا اور مقرارواح کی تحقیق:

سوال: یہاں ہمارے علاقہ میں اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ارواح جمعرات، یا جمعہ کو مکانوں میں آتی ہیں اور شب برأت میں تمام مردوں کی روحیں ضرور اپنے قرابت داروں کے یہاں آیا کرتی ہیں، چوں کہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں لکھا ہوا ہے؛ اس لیے ان کا عقیدہ راسخ ہے؛ مگر آپ نے بہشتی زیور و نیز دوسرے رسالوں میں لکھا ہے کہ روحیں مقید ہیں، گھروں میں نہیں آتیں؛ اس لیے گزارش ہے کہ برائے مہربانی مطلع کریں کہ آیا ارواح گھروں میں آتی ہیں، یا نہیں؟ اور ایسا عقیدہ رکھنا از روئے شرع شریف کیسا ہے، برائے مہربانی کتابوں کا حوالہ بھی دیں؟

الجوابــــــــــــــــــــــــ

مقرارواح کے متعلق علما میں بہت اختلاف ہے، انبیا اور شہدا کے متعلق تو اتفاق ہے کہ وہ بعد وفات کے جنت میں رہتے ہیں اور جسد عنصری سے بھی ان کو تعلق قوی رہتا ہے اور غیر شہدا؛ یعنی عامہ مومنین کے متعلق اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں وہ بھی جنت میں رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت سے باہر رہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ قبر کے پاس رہتی ہے اور جہاں چاہیں چلتی پھرتی ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اوراح مومنین بئر زمزم، یا جابیہ میں رہتی ہیں، جو شام کا ایک شہر ہے اور ارواح کفار حضر موت میں ایک کنواں برہوت ہے، ان میں رہتی ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ارواح مومنین علیین میں رہتی ہیں اور ارواح کفار سجین میں رہتی ہیں اور قبر و جسد عنصری سے بھی ان کو تعلق رہتا ہے اور ممکن ہے کہ جابیہ و زمزم سے بھی کچھ تعلق ارواح مؤمنین کو اور بئر برہوت سے ارواح کفار کو بعد فوت کا ہوتا ہو۔

ذكر كل ذلك السيوطي في شرح الصدر في أحوال الموتى والقبور. (ص: ۹۱-۱۰۲)

وفيه أيضاً: قال الحافظ ابن حجر في فتاويه أرواح المؤ منين في عليين وأرواح الكافرين في سجين و لكل روح بجسد ها اتصال معنوى لايشبه الاتصال في الحياة الدنيا بل أشبه شئى به

حال النائم وإن كان هو أشد من حال النائم اتصالاً قال ولهٰذا يجمع بين ما ورد أن مقرها في عليين أو سجين وبين ما نقله ابن عبد البرعن الجمهور أيضاً؛أنها عند أفنية قبورها اهـ،ثم أيده السيوطي بما أخرجه الحاكم عن ابن عباس قال بينما النبي صلى الله عليه وسلم وأسماء بنت عميس قريب منه إذ رد السلام وقال يا أسماء هٰذا جعفر (بن أبي طالب) مع جبرئيل وميكائيل مروا فسلموا علينا وأخبرني أنه لقي المشركين يوم كذا كذا،الخ.(ص:٩٦)(۱)

اورنصوص صحیحہ قرآنیہ وحدیثیہ سے حافظ ابن حجر کا قول زیادہ قوی ہے کہ مقرارواح مؤمنین علیین ہے، جوایک مقام سماء سابع میں ہے اور مقرارواح کفار سجین ہے، جوارض سابعہ کے نیچے ہے؛لیکن ان مقامات میں ارواح مقید نہیں ہیں؛ بلکہ ان کو اپنے جسد اول سے اور قبر سے بھی تعلق رہتا ہے اور بعض کو زمین میں تصرف وسیر کا بھی اختیار دیا جاتا ہے،جس کے بعد وہ پھر اپنی مقر پر پہونچ جاتی ہے۔

باقی اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کہ سب ارواح جمعرات، یا جمعہ کو، یا پندرہ شعبان کو اپنے گھر آتی ہیں؛ کیوں کہ اول تو زمین میں تصرف کی سب ارواح کو نہیں ہوتی؛ بلکہ خاص خاص کو ہوتی ہے۔دوسرے جن کو تصرف وسیر فی الارض کا اختیار بھی دیا جاتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ جمعرات، یا جمعہ کو ہی زمین میں تصرف وسیر کریں اور تصرف وسیر میں اپنے گھر بھی ضرور آئیں۔بس یہ عقیدہ بلا دلیل ہ جس سے احتراز لازم ہے۔

حررہ الاحقر:ظفر احمد عفا عنہ

اشرف علی عرض کرتا ہے کہ جب اس عقیدہ کا بے دلیل ہونا ثابت ہوگیا اور عقیدہ بے دلیل کے باب میں حکم شرع ہے:﴿ **لاتقف ما ليس لك به علم**﴾ پس بنابراس آیت کے ایسا عقیدہ رکھنے سے عاصی ومبتدع ہوگا،اس سے توبہ واجب ہے اور کسی کتاب میں کوئی مضمون ہونا حجۃ شرعیہ نہیں،تاوقتیکہ اس پر کوئی دلیل نہ ہو اور یہ چوں کہ یہ امر متعلق نقل کے ہے؛اس لیے دلیل نقلی ہونا شرط ہے، جو اصول شرعیہ کی رو سے قابل استدلال ہو اور ایسی دلیل مفقود ہے؛اس لیے ایسی کتاب کافی نہیں۔

اشرف علی، یکم ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ (امداد الاحکام:۴۳۲/۲)

روح کے گھر میں آنے کی روایت محقق نہیں:

سوال: شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ مفید المفتی میں روح کے تعلق کی بابت فرماتے ہیں کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ روایت ہے ابو ہریرہؓ سے:

---

(۱) شرح الصدور بشرح حال الموتٰی و القبور:۲۳۹/۱،انیس

"إذا مات المومن وأرواحه حول داره شهراً فينظر إلٰى خلفه من ماله كيف يقسم ماله وكيف يؤدى دينه فإذا ثم شهر رد إلٰى حضرته فيدور حول قبره حولاً وينظر روحه من يدعو له ويحزن عليه فإذا تم سنة رفع إلٰى حيث يجمع الخلائن إلٰى يوم ينفخ فى الصور" انتهى.

اور مولانا عبدالحی صاحب بجواب استفتاء: ۳۱۷، ارقام فرماتے ہیں:

"ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد قبض کے روح علیین کو جاتی ہے"۔

روایت بزازیہ میں ہے:

"فاذا خرجت روحه وضعت على ذلك المسك والريحات وذهب بهى إلى عليين".

اور یہ امر کہ ایک چلہ گھر میں اور ایک سال قبر پر رہ کر علیین کو جاتی ہے، ثابت نہیں ہے۔ اس میں محقق قول کون ہے؟

الجواب

اس میں محقق قول یہ ہے جو کہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے لکھا ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۵۹/۵)

غیر انسانوں کی ارواح:

سوال: انسانوں وغیرہ کے سوا باقی حیوانات کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟

الجواب

حدیث میں ہے کہ حیوانات بعد ایک دوسرے سے بدلہ لینے دینے کے فنا کر دیئے جائیں گے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۶۲/۵-۴۶۳)

بوہرے کے عقائد اور ان کے متعلق چند سوالات:

سوال: یہاں پر ایک فرقہ ہے، جس کو بوہرے کہتے ہیں۔ یہ لوگ داؤدی شیعہ ہیں، ان میں ایک جماعت ایسی تیار ہوتی ہے، جو اس کے لیے جدوجہد کرتے ہیں کہ مذکورہ فرقہ میں اصلاح ہو جائے، تمام فرقے سورت کے ملا طاہر سیف الدین کے ماتحت ہیں، جس کو آسمان کے نیچے خدا مانا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس اصلاح کن جماعت نے ملا مذکور کے خلاف علم جہاد بلند کیا ہے؛ اس لیے تمام فرقہ نے انہیں خارج از جماعت کر دیا ہے، اس اصلاح پسند جماعت کے خیالات مجملا حسب ذیل ہیں:

قرآن کو مکمل کہنا، صحابہ کرام پر تبرا کرنا سخت گناہ ہے، ملا مذکور کو ایک انسان کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ دینا معصیت

(۱) شرح الصدور، ص: ٦٠

ہے۔ملا مذکور کی بیعت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا، یہ سراسر لغو وبیہودہ خیال ہے۔غرض کہاں میں اوراہل سنت میں یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد نہیں۔علاوہ ازیں موجودہ تحریک خلافت کے بہت بڑے موید اور سرگرم کارکن ہیں،اس اصلاح پسند جماعت کا یہاں صرف ایک گھر ہے،چند روز ہوئے ان کے یہاں ایک بیوی کا انتقال ہوگیا، جوکہ خودبھی ایسی ہیں،روشن خیال تھی ،قوم نے چوں کہ ان سے مقاطعت کر لی ہے؛ اس لیے کوئی ان کی میت میں نہیں آیا؛اس لیے اہل سنت نے باقتضائے اخوت اسلامی میت کی تجہیز وتکفین میں شرکت اورامداد کی اور جنازہ کی نماز بھی پڑھی، ہم لوگوں نے میت کے ولی کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، جوکہ اصلاح پسند جامعت کا سرگروہ ہے۔

نماز جنازہ پڑھانے کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ امام نے کتاب میں دیکھ کر دعا پڑھی، پھر نماز کی نیت کی پانچ تکبیروں کے ساتھ اور جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں،اسی طرح نماز پڑھی،فرق اس قدر ہے کہ ہاتھ میں کتاب لے کر پڑھی پانچ تکبیرات سے،عوام اعتراض کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس امام کے پیچھے نماجنازہ پڑھی، وہ اہل سنت سے خارج ہوگئے۔دریافت طلب امور درج ذیل ہیں:

(۱) میت کی اس کسمپرسی میں ہمارا کیا فرض تھا؟

(۲) مذکورہ بالا عقائد والے کے پیچھے فرض وسنت اور نماز جنازہ ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

(۳) شیعہ کے پیچھے نماز فرض ونماز جنازہ ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

(۴) بصورت جواز لعن طعن کرنے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۵) بصورت عدم جواز مصلی کافر، یا گنہ گار ہوئے؟

الجواب

اہل سنت وجماعت کے نزدیک نماز جنازہ کے لیے وہی جملہ شرائط ہیں،سوائے قرأت ورکوع وسجود وغیرہ کے جوکہ کتب فقہ میں مذکور ہیں، جو دیگر نمازوں کو دفاسد کرتے ہیں وہی نماز جنازہ کو فاسد کرتے ہیں،جیسا کہ شامی میں ہے:

وفي البحر: ويفسد ها ما أفسد الصلاة إلا المحاذاة.(۱)

پس کتاب ہاتھ میں رکھ کر اوراس میں دیکھ کر نماز جنازہ پڑھانا مفسد صلوٰۃ ہے،لہٰذا وہ نماز نہیں ہوئی، باقی جو خیالات وعقائد سوال میں اصلاح پسند جماعت کے لکھے ہیں، یہ جہاں تک بھی ہیں،صحیح ہیں اور اہل سنت وجماعت کے قریب ہیں،سوائے اس کے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید سے علاحدہ رہنا بھی ایک آزادی کا سامان ہےاور عدم تقلید اکثر مقضی ہوجاتی ہے اہل سنت وجماعت کی مخالفت کی طرف۔بہر حال جو کچھ اصلاح ہوسکے،اس میں سعی کرنا مناسب

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز، مطلب في صلاة الجنازة: ۲۰۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس

ہے اور جملہ مدارج اسلام کے طے کر کے اہل سنت و جماعت ہی ہونا چاہیے،(۱) اور اصلاح پسند جماعت کی میت کی اگر اہل سنت و جماعت نے تجہیز وتکفین میں اعانت میں اہل سنت و جماعت اہل اسلام کو یہی لازم تھا کہ وہ تجہیز وتکفین اس میت کی کریں اوراس کی ہر قسم کی امداد کریں، البتہ نماز کا امام اس شخص کو بنانا ج سنے بطریق مذکور نماز پڑھائی، جو کہ شرعا جائز نہیں ہوئی، جائز نہیں تھا اور جب کہ امام اس گروہ میں کا شخص ہوا تھا تو اس کو نماز حسب قاعدہ اہل سنت و جماعت پڑھنی چاہئے تھی، ورنہ اہل سنت و جماعت کو اس کے پیچھے نماز میں شرکت نہ کرنی چاہیے تھی، خیبر جو کچھ ہولیا سو ہولیا، لعن طعن کرنے کی ان کو ضرورت نہیں ہے، آئندہ اس میں احتیاط کرنی چاہیے اور جب کہ اصلاح پسند جماعت نے اصلاح کرنے کی ہمت کی ہے تو پوری طرح اصلاح کرنی چاہیے؛ کیوں کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہی ہے۔(۲) از روئے حدیث شریف کے سرمو اس جماعت سے علاحدہ نہ ہونا چاہیے۔

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
میان دیدہ اگر نیم مواست بسیار است

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۳۱۱-۳۱۲)

قبرستان کے درختوں کا حکم:

سوال (۱) قبرستان کے درخت بہت پرانے ہونے پر ان کی قیمت کو قبرستان پر ہی خرچ کرنے کی نیت سے اکھاڑ کر انہیں نیلام کیا جا سکتا ہے؟

(۲) قبرستان کی گھاس کو صفائی کی نیت سے اکھاڑا جا سکتا ہے؟

الجواب

(۱) قبرستان میں ضرورت ہو تو نیلام کر کے قیمت قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں۔ **سئل نجم الدين عن مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلٰى عمارة المسجد قال نعم إن لم تكن وقفًا علٰى وجه آخر قيل له فإن تداعت حيطان المقبرة إلٰى خراب يصرف إليها أو إلٰى المسجد قال إلٰى ما هي وقف عليه إن عرف وإن لم يكن للمسجد متول ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي.**(۳)

(۲) اکھاڑ سکتے ہیں، مگر بکنے کے قابل ہو تو بیچ کر پیسے قبرستان پر لگا دیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۱۲)

---

(۱) مشكاة المصابيح، باب الأعتصام، ص: ۳۰

(۲) الفرقة الناجية ... وهم أهل السنة و الجماعة. (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲/۳۹۸)

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني والعشرون في الرباطات والمقابر والخانات والحياض: ۲/٤٧٦، انيس

قبر پر سبز شاخ وغیرہ رکھنا:

سوال: قبر پر سبز پتے، یا پھول اور شاخ وغیرہ رکھنا سنت ہے، یا مستحب؟

الجواب

بعض فقہا نے اس کو مستحب لکھا اور دلیل میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے قریب سے گزرتے ہوئے فرمایا کہ ان دونوں کو ایک معمولی چیز پر عذاب دیا جا رہا ہے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک ٹہنی منگا کر اس کو درمیان سے چیرا اور دونوں کی قبر پر رکھنے کے بعد فرمایا:

"یخفف عنهما العذاب ما لم ییسا". (۱)

یعنی ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی؛ کیوں کہ یہ ٹہنیاں تسبیح کرتی رہیں گی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۳۰)

قبر سے گھاس وغیرہ کاٹنا:

سوال: قبر پر اُگے ہوئے درخت اور گھاس کو کاٹنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب تک وہ تر رہے، تو اس کی تسبیح تخفیفِ عذاب اور انس میت کا سبب ہوگی، لہٰذا اس کا کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو جانے کے بعد جائز ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۳۱)

قبر پر پھلواری لگانا اور پھل کھانا کیسا ہے:

سوال: مقابر میں جو قبریں ہموار ہو جاتی ہیں، ان پر پھلواری لگانے میں کچھ حرج تو نہیں اور خوردنی اشیا اس پر کھا لینا کیسا ہے؟

الجواب

پرانی قبور پر ایسا کرنا درست ہے اور پھل کے کھانے میں اس وجہ سے کہ وہ درخت قبر پر ہے، کچھ حرج نہیں ہے، (۲) البتہ قبرستان وقف ہے تو اس کے پھلوں کے متعلق جو کچھ شرط، یا تعامل ہو، ویسا کرے؛ یعنی فروخت کرنے کی شرط ہو تو بلا قیمت نہ کھاوے، یا فقرا کے لیے وقف ہے تو غنی نہ کھاوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۱۱/۵-۴۱۲)

---

(۱) عن ابن عباس قال: مر رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ قبرين فقال: إنهما يعذبان وما يعذبان في كبير أما هٰذا فكان لا يستنزه من البول وأما هٰذا فكان يمشي بالنميمة ثم دعا بعسيب رطب فشقه باثنتين ثم غرس علىٰ هٰذا واحداً وعلىٰ هٰذا واحداً وقال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا. (أبو داؤد، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۹/۱، انيس)

(۲) الفتاویٰ الهندية: ۱۵٦/۱

قبرستان کی خشک گھاس کا جلانا جائز نہیں:

سوال (۱) جو شخص قبرستان میں حفاظت کے واسطے رہتا ہے اور میت کو غسل دیتا ہے، اس کو تنخواہ دی جاتی ہے، قبرستان میں بارش کے موسم میں قبروں پر گھاس ہو جاتی ہے، وہ خشک ہونے کے بعد قبروں پر آگ لگا کر سیاہ کر دیتا ہے۔ ایسے آدمی کو قبرستان میں رکھنا کیسا ہے؟

(۲) جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا کیا ہے، میرا تو پیر خدا ہے، مجھ کو تو پیر نے بتایا ہے، خدا نے کیا بتایا ہے اور میں اپنے پیر کے حکم سے مردے زندہ کر سکتا ہوں، نماز میں خدا کی نہیں پڑھتا، اپنے پیر کی نماز پڑھتا ہوں اور خدا کے ذکر کے بجائے اپنے پیر کا ذکر کرتا ہے، یا وارث یا وارث کہتا ہے، ایسے شخص کو مسجد میں جاروب کش، یا مؤذن کی حیثیت سے رکھنا کیسا ہے؟ اور وہ غسل میت کے فرض واجب نہیں جانتا، اس کے ہاتھ سے میت کو غسل دلوانا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۴۶۲، محمد حسین (سابرمتی) ۱۵ر محرم ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۰ر اپریل ۱۹۳۵ء)

الجواب

(۱) قبروں پر خشک گھاس کو آگ لگا کر جلانا سخت مذموم ہے، شریعت نے قبرستان میں آگ لے جانے اور قبروں میں پکی اینٹیں لگانے کو بھی منع کیا ہے، (۱) چہ جائیکہ قبروں پر آگ جلانا، اگر یہ شخص باز نہ آئے اور اس حرکت سے توبہ نہ کرے تو اس کو قبرستان سے علاحدہ کر دیا جائے۔

(۲) یہ کلمات موجب کفر ہیں، (۲) اس کو ان کلمات سے توبہ کرنی چاہیے، ورنہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کو علاحدہ کر دیں، اگر میت کے غسل کا طریقہ اسے معلوم نہیں تو اس سے میت کو غسل نہ دلوایا جائے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۴۷)

---

(۱) لأن الآجر مما يستعمل للزينة ولاحاجة إليها للميت ولأنه مما مسته النار فيكره أن يجعل على الميت تفاؤلاً كما يكره أن يتبع قبره بنار تفاؤلاً. (بدائع الصنائع، فصل في الدفن: ۱/۳۱۸، ط: سعيد)

(۲) کیوں کہ یہ کلمات قرآن مجید کی تصریحات اور اہل اسلام کے عقیدے کے بالکل مخالف ہیں۔

﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (سورة البقرة: ۱۶۳)

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (سورة الانعام: ۱۶۳)

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ﴾ (سورة الأحزاب: ۱۵۸)

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (سورة الزمر: ۴۵)

ولا يكفر أحد من أهل القبلة الا فيما فيه نفي الصانع القادر العليم، أو شرك، أو إنكار النبوة، أوما علم مجيئا بالضرورة. (شرح الفقه الأكبر، مطلب معرفة المكفرات لإجتنابها، ص: ۲۴۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) یہ مستقل وجہ ہے، یعنی اگر اسے غسل کا طریقہ نہ آتا ہو تو تجدید ایمان کے باوجود اس سے غسل نہ دلوایا جائے گا۔ ==

قبرستان میں آگ لگانا:

سوال: یہاں پر ایک مسجد کے بازو میں قبرستان ہے، جس میں قبروں پر برسات میں گھاس اگتی ہے اور وہ کسی کو گتہ پر دی جاتی ہے اور گھاس کٹ جاتی ہے، اس کے بعد بھی تھوڑی گھاس بچ جاتی ہے، یا گھاس کٹ جانے کے بعد ڈنڈے بچے رہتے ہیں، اگر اسے ایسا ہی چھوڑ بھی دیا جائے تو سوکھ کر مٹی میں مل جاتی ہے؛ لیکن یہاں جلا دیا جاتا ہے، جس سے قبروں پر بھی آگ لگ جاتی ہے اور قبروں پر جلنے کے نشان کئی ہفتوں؛ بلکہ مہینوں تک رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ (امیر مرزا، نلگنڈہ)

الجواب ــ

قبر پر آگ جلانا مکروہ ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے قریب بہ مرگ اپنے صاجزادے سے کہا کہ جب میری موت ہو تو کسی نوحہ خواں کو اور آگ کو ساتھ نہ لانا۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے قبر پر آگ جلانے کو منع کیا ہے۔ (۱)

فقہاءِ حنفیہ میں علامہ طحطاویؒ وغیرہ نے تو صراحت کی ہے کہ قبر میں آگ میں پکی ہوئی اینٹ بھی استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۲۳۵ـ۲۳۶)

قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا:

سوال: یہاں قبرستان میں بہت زیادہ خاردار پودے لگے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے بغیر جوتا پہنے قبرستان میں جانا مشکل ہے؛ بلکہ ناممکن ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) جوتا پہن کر قبرستان میں جا سکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

(ب) خاردار پودے سوائے جلانے کے ختم نہیں ہو سکتے تو کیا قبرستان میں آگ جلا کر ان پودوں کو ختم کر سکتے ہیں؟

(ج) میت پر بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

(الف) اس حالت میں کراہت نہیں۔ (۳)

== والأولٰی فی الفاعل أن یکون أقرب الناس إلٰی المیت،فإن لم یحسن الغسل،فأهل الأمانة و الورع.(الحلبی الکبیر:فصل فی الجنائز،ص: ٥٨٠،ط:سهیل اکادمی لاهور)

(۱) عن أبی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا تتبع الجنازة بصوت ولا نار.(أبوداؤد،کتاب الجنائز، اب اتباع المیت بالنار: ٩٦/٢،مکتبة حقانیة لاهور،انیس)

(۲) حاشیة الطحطاوی،ص: ٣٥٦

(۳) والمشی فی المقابر بنعلین لا یکره عندنا".(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی الدفن،الخ.: ١٦٧/١، رشیدیة)

(ب)　قبرستان سے جو اصل غرض متعلق ہے (تدفین)، جب اس کا حصول ان خاردار پودوں کی وجہ سے دشوار ہو گیا اور بغیر جلائے ان کانٹوں کو دور نہیں کیا جا سکتا تو جلا کر ان کو ختم کر دیا جائے۔(۱)

(ج)　غالباً سائل کا مقصود میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کو دریافت کرنا ہے تو شرعاً جائز ہے، نافع ہے، دفن کے بعد سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول پیر کی طرف سورۂ بقرہ کا اخیر پڑھنا بعض آثار صحابہ سے ثابت ہے۔(مشکوٰۃ شریف، ص:۱۴۹)(۲) تلاوت کلام پاک سراو جہرا دونوں طرح درست ہے، دعا ہاتھ اٹھا کر اور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں طرح درست ہے، اگر ہاتھ اٹھائے تو رخ قبلہ کی طرف کرے۔(کذا فی فتح الباری)(۳)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۹۲/۴/۵ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۱۴۲-۱۴۳)

قبر پر چھڑکاؤ کرنا اور سبز ٹہنی گاڑنا:

سوال:　جب ہم اپنے بڑوں کی قبروں پر جائیں تو کیا پانی کا چھڑکاؤ کر سکتے ہیں؟ اور سبزہ جو کہ قبرستان کے باہر ملتا ہے، خرید کر قبر کے سرہانے لگا سکتے ہیں؟ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پہ ٹہنی لگائی تھی؟

---

(۱)　عن أبی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم: "الإيمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة، فأفضلها قول: لا إلٰه إلا الله، وأدناها إماطة الأذٰی عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان".

قوله: صلی الله تعالٰی عليه وسلم: "أدناها إماطة الأذٰی عن الطريق". أی تنحيته وإبعاده، والمراد بالأذٰی كل ما يؤذی من حجر أو مدر أو شوک أو غيره". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوی رحمه الله تعالٰی، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان، إلخ: ۱/ ٤٧، قديمی)

(۲)　قال لی أبی اللجلاج أبو خالد رضی الله تعالٰی عنه: يابنی! أنامت فالحد لی، فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم الله وعلٰی ملة رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم، ثم سن علی التراب سناً، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمها، فإنی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول ذلک" رواه الطبرانی فی المعجم الكبير وإسناده صحيح". (آثار السنن، كتاب الجنائز، باب قراءة القرآن للميت، ص: ٣٣٨، مكتبة إمدادية)

"عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال: سمعت النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، واسرعوا به إلٰی قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة، إلخ". (مشكٰوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب فی دفن الميت، الفصل الثالث: ١/ ١٤٩، قديمی)

(۳)　وفی حديث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه: رأيت رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم فی قبر عبد الله ذی النجادين "الحديث، و فيه: فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً يديه" أخرجه أبو عوانة فی صحيحه. (فتح الباری، كتاب الدعوات، باب الدعاء، مستقبل القبلة، (رقم الحديث: ٦٣٤٣، ورقم الباب: ٢٥، ١١، قديمی)

الجواب

جائز ہے؛ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹہنی رکھنا بہت سے اہلِ علم کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی؛ تاہم اتباعاللسنۃ اگر کوئی ٹہنی گاڑ دے تو مضائقہ نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۰۰)

قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں، وہ بھی وقف ہوں گے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان مسلمانوں کا بہت پرانا ہے، جس میں کچھ اراضی میں قبریں خام و پختہ بن چکی تھیں اور کچھ اراضی خالی رہ گئی تھی اور اب عرصہ تیس چالیس برس سے وہ قبرستان بحکم سرکار بند کردیا گیا ہے؛ مگر اس کی حفاظت وغیرہ زیرنگرانی انجمن اسلامیہ لکھیم پور ضلع کھیری ہے، قبرستان مذکور میں متفرق جگہوں میں آٹھ قبریں پختہ موجود ہیں اور بقیہ اراضی افتادہ اراضی، جس میں خام قبریں تھیں یکسر ہو کر مثل بنجر اراضی ہوگئی ہے، جس میں گھاس پیدا ہوتی ہے اور اس کا نیلام ہو کر زر نیلام (۲) انجمن میں داخل ہوتا ہے، اراضی بنجر میں جو قبریں تھیں، ان کا اب کسی طرح سے نام ونشان نہیں باقی رہا ہے، موجود معمر لوگ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کہاں کہاں پر قبریں تھیں، ایک صاحب قبرستان مذکور میں درختاں نصب کرنا چاہتے ہیں، جن کی درخواست کی نقل بجنسہ شامل استفتاء ہٰذا کی جاتی ہے اور وجہ ان صاحب کے اس خیال کی یہ ہے کہ اس میں ایک بزرگ کا مزار ہے، جو ان کے استاد بھی ہیں؛ اس لیے اس طریق سے اس کو بے حرمتی سے بچانا چاہتے ہیں اور ان درختوں کی گری پڑی لکڑی اور پھل سے خود مستفید ہوں گے؛ مگر حق انتقال نہ ہوگا، جیسا کہ درخواست کی (نمبر۴) میں تصریح ہے نیز درخواست کنندہ اس زمین کا کچھ کرایہ دینے پر آمادہ ہیں جس نمبر کو او۵ میں بعنوان لگان ونذرانہ لکھا ہے لہٰذا بموجب شرع شریف اس قبرستان کا حسب درخواست منسلکہ ٹھیکہ نگرانی وغیرہ دینے میں کوئی امر مانع تو نہیں ہے اور واضح ہو کہ جب یہ ضلع لکھیم پور قائم ہوا تھا اس وقت مسلمانوں نے کچھ اراضی قبرستان کے لئے حکام وقت سے مانگ لی تھی اور ایک انجمن اسلامیہ بھی جب ہی سے قائم کرلی تھی اور جملہ مساجد وعیدگاہ وقبرستان کا انتظام بھی اس انجمن کی سپردگی میں ہوگیا۔

نقل درخواست مذکورہ سوال بالا:

بخدمت جناب صدر انجمن صاحب انجمن اسلامیہ، لکھیم پور　　　　السلام علیکم

جناب صدر انجمن صاحب: کھیری جاتے ہوئے ایک قدیم قبرستان ہے، جو ویران وناگفتہ بہ حالت میں ہے، میں

---

(۱) أن التخفيف ... ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أودعائه لهما ولايقاس عليه غيره ... ويؤخذ من ذلك ومن الحديث ندب وضع ذلك للاتباع. (حاشية رد المحتار، مطلب في وضع الجريد: ۲/۲٤٥)

(۲) اس نیلام کا حکم بھی قابل تحقیق ہے۔ منہ

چاہتا ہوں کہ اراضی قبرستان مذکور کولگان سالانہ، یا جوممبران انجمن تجویز فرمائیں، مجھ کو بغرض لگانے باغ دے دی جائے۔

(۱)　قبرستان کی پیمائش ذریعہ ماہران فن کرا کر ہر چہار جانب دیوار پختہ جھنجری دار بنوادوں گا اور وہ دیوار ملکیت موقوفہ متصور ہوگی۔

(۲)　بظاہر دو قبریں اور ایک مزار مولانا ممتاز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے، ان کی احتیاط وتعظیم وتکریم کروں گا اور مزار مذکور کے گرد پھول وغیرہ لگائے جائیں گے۔

(۳)　آراضی مذکورہ کو کھدوا کر تھانولے بنوائے جائیں گے، ہل استعمال نہیں ہوگا اور دوران کھدوائی میں جو قبر برآمد ہوگی، اس کا نشان واحترام قائم رکھا جائے گا۔

(۴)　درختاں منصوبہ بھی موقوفہ متصور ہوں گے؛ مگر گری پڑی لکڑی واثمار کے لینے کا مجھ کو اختیار ہوگا، انجمن کو اور مجھ کو اور میرے ورثاء کو اختیار کسی قسم کے انتقال کا حاصل نہ ہوگا۔

(۵)　انجمن تحریری اجازت تعمیر دیوار ونصب درختاں سائل کو بہ حیثیت متولی قبرستان مذکور ادائے نذرانہ سالانہ پر عطا فرمائے، جس کو ممبران حالت موجودہ میں مناسب تصور فرما کر تجویز فرمائیں، وہ سالانہ، یا ششماہی وارادا ہوتا رہے گا۔

(۶)　اور جو مزید شرائط مناسب نسبت تحفظ قبرستان انجمن تجویز فرمائے، اس کی پابندی مجھ پر اور میری وارثان وقائم مقامان پر واجب التعمیل ہوگی۔

الجواب

فی العالمغیریة، فی فصل الألفاظ التی یتم بها الوقف: ولو قال: جعلت حجرتی هذه لدهن سراج المسجد ولم یزد علی ذلک؟ قال الفقیه ابو جعفر: تصیر الحجرة وقفا علی المسجد إذا سلمها إلی المتولی وعلیه الفتویٰ، کذا فی فتاویٰ قاضی خان.(۱)

اسی طرح جب حکام نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اس اراضی کو قبرستان کے لیے تجویز کر دیا تو یہ بھی قبرستان کے لیے وقف ہوگی اور چوں کہ درختوں کا اتصال ارض سے اتصال قرار ہے، وہ درخت بحکم عمارت ہوں گے۔

کما فی الهدایة، کتاب البیوع: ومن باع أرضا دخل ما فیها من النخل والشجر وإن لم یسمه لأنه متصل به للقراء فاشبه البناء.(۲)

اور وقف زمین میں عمارت بنانے کا حکم یہ ہے کہ وہ مثل اصل ارض کے مصرفا وشروطا وقف ہوتی ہے تو یہ درخت بھی

(۱)　الفتاویٰ الهندیة، فصل الألفاظ التی یتم بها الوقف ومالا یتم: ۳۵۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　الهدایة، فصل: ومن باع دارا دخل بناؤها فی البیع: ۲۶/۳، دار إحیاء التراث العربی بیروت، انیس

اسی طرح وقف ہوں گے اور اس زمین سے انتفاع کا کسی خاص شخص کو کا حق حاصل نہیں اسی طرح ان درختوں کی لکڑی، یا پھل سے کسی خاص شخص کو انتفاع کا حق نہیں، پس شرط:۴ کے ساتھ یہ زمین کسی کو دینا جائز نہیں اور جو کرایہ درخواست کے نمبر:۱، و۵ میں مذکور ہے، ظاہر ہے کہ یہ درختوں کی بقا تک کا معاملہ ہے اور وقف زمین کا تین سال سے زائد کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہیں، نیز یہ زمین ہمیشہ کے لیے متولی کے قبضہ سے نکل کر کرایہ دار کے قبضہ میں جاتی ہے، جو احکام وقف کے خلاف ہے، یہ تو قواعد سے حکم ہے علاوہ اس کے نظر بر مصالح شرط:۴ کا نتیجہ ایک مدت کے بعد یہ ہوگا کہ زمین بھی ناصب کی ملک سمجھی جائے گی، جس میں وقف کی مضرت عظیمہ ہے، لہذا ایسی اجازت دینا درست نہیں۔

۳/صفر ۱۳۵۰ھ (النور، ص:۹، شعبان ۱۳۵۰ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۵۷-۶۰)

قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا:

سوال: ایک پرانا قبرستان ہے، جس کے ایک کونے میں گردونواح کے باشندے کوڑا کرکٹ پھنکتے ہیں اور وہاں بظاہر کوئی قبر نظر نہیں آتی، آیا پیپلز پروگرام کے تحت منظور شدہ ٹیوب ویل لگا سکتے ہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

اس جگہ پر ٹیوب ویل کے لیے نلکا اور مشین نصب کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفی عنہ، ۱۴/۱۱/۱۴۱۰ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

تحقیق کرلی جائے، اگر وہ جگہ وقف المقبرہ نہیں تو لگا سکتے ہیں، والجواب صحیح: محمد انور مرتب خیر الفتاویٰ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۴۵)

جنازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں:

سوال: خیر پور، ضلع بہاولپور میں ایک جنازہ گاہ ہے، جو کہ عرصہ اسی (۸۰) سال سے زائد تعمیر شدہ ہے، اردگرد چار دیواری مکمل ہے، جنازہ گاہ کی عمارت آج سے اسی (۸۰) سال قبل خیر پور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی، یہ رقبہ زمیندار کا ہے، کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی، یا تعمیر کنندہ کو ہبہ کی تھی، اصل مالک، یا اس کے ورثا نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا، محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ مملوکہ مالک درج چلا آرہا ہے، صرف یہی نہیں؛ بلکہ جس محلّہ میں یہ جنازہ گاہ واقع ہے، وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً ساری مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے، اسی اصل مالک کے نام چلا آرہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیر پور اس جنازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کوارٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے، جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورتِ بالا کا مطابق یہ جگہ وقف شمار ہوگی، یانہیں؟ آیا ثبوت وقف کے لیے اتنا کافی، یا کاغذی اندارج ضروری ہےاور ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے، یانہیں؟ (احقر غلام قادر، مہتمم خیرالعلوم خیر پور)

الجواب

اگر عامۃ الناس اس کے جنازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہےاس کے وقف ہونے کی، لہٰذا کمیٹی کا اس میں مذکورتصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔ (کذافی امدادالفتاویٰ:۵۰۱/۲)

وقف ہونے کے لیے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

”وفی الخيرية وقف قديم مشهور لايعرف واقفه استولٰى عليه ظالم فادعى المتولى أنه وقف علٰى كذا شهور وشهدا بذالک فالمختار أنه .يجوز، آه“. (رد المحتار: ۴۱۵/۳) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ (خیرالفتاویٰ:۱۸۲/۳)

قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پرخرچ کرسکتے ہیں:

سوال: قبرستان کی آمدنی مسجد پر لگاسکتے ہیں، یانہیں؟ اور جومسجد محلّہ کی قبرستان کی حدود میں ہو، اس پر آمدنی لگ سکتی ہے، یانہیں؟

الجواب

قبرستان کی آمدنی مسجد پرصرف کرنا جائزنہیں، البتہ دوسرے قبرستان پر جواس کے قریب ہو، اس کی آمدنی خرچ کرنا جائز ہے، جب کہ اس کے لیے رقم کی ضرورت ہو۔ (شامی:۴۰۷/۳)

حشيش المسجد وحصيره مع الا ستغناء وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينفع بهما فينصرف وقف المسجدولرباط والبئروالحوض إلٰى أقرب مسجد أورباط أوبئر. (الدرالمختار)

وفى الشامية: (قوله: إلٰى أقرب مسجد) لف ونشر مرتب وظاهر أنه لايجوزصرف وقف مسجد خرب إلٰى حوض وعكسه وفى شرح الملتقى يصرف وقفها لا قرب مجانس لها آه.(۱)

(فقہی) روایت بالا سے معلوم ہوا کہ ایک وقف کی آمدنی اس سے استغنا کے وقت اس وقف کے مماثل میں صرف کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیرالمدارس ملتان، ۱۳۸۵/۱/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۱۳۸۵/۱/۲۴ھ۔ (خیرالفتاوی:۲۰۶/۳)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره: ۳۵۹/۴، دار الفكر بيروت، انيس

اگر کوئی قبرستان کے درخت استعمال کرلے تو ان کی قیمت قبرستان کی ضروریات پر لگادے:

سوال: قبرستان کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگائیں، کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہیں۔ مسجد پر لگانا جائز ہے، یا نہ؟

الجواب

ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے، البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہل مقبرہ اس شخص سے ان لکڑیوں کی قیمت وصول کرلیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں۔

''لما في قاضي خان(ص: ۷۲۳-۷۲٤): مقبرة فيها أشجار عظيمة و كانت الأشجار فيها قبل اتخاذ الأرض يعرف مالكها فالأشجار بأصلها للمالك، إلخ''.

درخت لگانے والا معلوم ہو تو وہ مالک ہوگا، اس کی اجازت کافی سمجھی جائے گی۔ فقط والسلام

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۳۰/۶/۷۷ ۱۳ھ۔ الجواب صحیح بندہ عبداللہ غفرلہ، ۱/۷/۷۷ ۱۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۹/۳)

قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لیے جگہ خریدنا:

سوال: جانوروں کی کھال کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

چرمہائے قربانی کے پیسے واجب التصدق ہیں، اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، قبرستان کے لئے جگہ خریدنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ، ۷/۱۲/۱۳۸۹ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۷/۱۲/۱۳۸۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۳/۳)

☆ ☆ ☆

شہید کے احکام ومسائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الشہداء کہنا درست ہے، یا نہیں:

سوال: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء ہیں، یا نہیں؟ نیز شہدا کی حیات کے متعلق جو قرآن کریم میں خداوندی تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو مردے مت کہو کہ یہ حیات شہدا ہی کے ساتھ مخصوص، یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حیات میں شہدا سے افضل ہیں، یا نہیں؟

الجواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء والمرسلین ہیں اور جب کہ آپ جملہ انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل ہیں تو جملہ صدیقین اور شہدا سے بھی افضل ہیں اور ان کے سردار ہیں، اس میں کچھ جائے تردد اور شک نہیں ہے، **کما قیل: بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر**؛ لیکن ظاہر میں آپ شہید نہیں ہوئے؛ تاکہ سید الشہداء کا لفظ آپ کے لیے استعمال کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کہ جو کہ شہید ہوئے تھے، سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا، **کما ورد فی الأحادیث**. (۱) پس ایسا سوال آپ کا قلت علم وتدبر پر مبنی ہے، ایسا سوال نہ کرنا چاہیے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات خصوصا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہدا کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۱/۵)

حضرت حسین کی شہادت:

سوال: زید حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت امام حسین وحضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کو شہید فی سبیل اللہ نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ شہید ہونے کے شرائط ان کے قتل میں نہیں پائی جاتیں اور نہ کسی کافر کے ہاتھ سے جہاد شرعی میں مارے گئے؛ بلکہ خانگی لڑائیوں میں قتل ہوئے، البتہ مقتول مظلوم ہوئے اور نہ صریح حدیثوں میں ان کی شہادت

(۱) عن علی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سید الشہداء حمزۃ بن عبد المطلب. (فتح الباری، کتاب المغعازی، باب قتل حمزۃ بن عبدالمطلب: ۳۶۸/۷، انیس)

(۲) عن أبی الدرداء قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم أکثروا للصلٰوۃ علی یوم الجمعۃ فانه مشھود بشھدہ الملائکۃ وإن أحداً لم یصل علی الا عرضت علٰی صلاته حتٰی یفرغ منھا قال. قلت وبعد الموت إن اللّٰہ حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء نبی اللّٰہ حی یرزق. (مشکٰوۃ، باب الجمعۃ، الفصل الثالث، ص: ۱۲۱، انیس)

پائی جاتی ہے، پس آپ کی تحقیق کیوں کر ہے؟ اور زید مذکور کا عقیدہ خلاف سلف ہے، یا موافق قانون شریعت۔فقط

الجواب

شہید اصطلاح شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ جو مظلوم مارا جائے، خواہ کسی طرح سے مارا جائے۔ پس بایں معنی یہ سب ائمہ مذکورین شہید ہیں اور اجر شہادت کا ان کو ملے گا، البتہ احکام شہدا کے جو غسل کا نہ دینا خون آلودہ ان کے لباس میں دفن کرنا ایسے شہدا کے واسطے نہیں ہوتے۔ ان احکام شہدا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ شریک نہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ شریک ہیں، پس اگر وہ شخص انکار سب شہادت کا کرتا ہے تو غلط ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید فرمایا ہے اور اگر احکام مذکورہ شہدا کے جاری ہونے کا انکار ہے تو درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۵۹)

شہید کون ہے:

سوال: کیا فساد میں مرنے اور سانپ کے کاٹنے، یا پانی میں بہہ جانے، یا آگ میں جل جانے والے شہید کہلائیں گے؟ (واجد علی خان، بھینسہ)

الجواب

بعض مرحومین وہ ہیں، جو غسل وغیرہ کے احکام میں بھی شہید سمجھے جائیں گے اور اجر وثواب کے اعتبار سے بھی، جیسا کہ اگر کسی شخص کو فساد میں قتل کر دیا گیا اور اسے زخمی ہونے اور مرنے کے درمیان دنیا کی کسی چیز سے مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''ارتثاث'' کہتے ہیں، (۱) ایسا شخص دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہے اور آخرت میں ان شاء اللہ اسے شہادت کا اجر بھی ملے گا، بعض حضرات وہ ہیں کہ جن کو آخرت میں شہادت کا اجر ملے گا؛ لیکن دنیا میں ان کا حکم شہیدوں کا سا نہیں؛ یعنی انہیں بغیر غسل کے دفن نہیں کیا جائے گا، جیسے پانی میں ڈوب کر اور آگ میں جل کر مرنے والوں کو آپ نے اسی میں شمار کیا ہے، (۲) البتہ حدیث میں سانپ گزیدہ شخص کا ذکر نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ:۳/۲۴۳)

---

(۱) ومن قتل مدافعاً عن نفسه أوماله أوعن المسلمين أو أهل الذمة بأى آلة قتل بحديد أوحجر أوخشب فهو شهيد ... وحكمه أن لايغسل ولا يصلى عليه كذا فى محيط السرخسى ويدفن بدمه وتبابه.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ،الفصل السابع فى الشهيد: ١٦٨/١ ،انيس)

(۲) عن جابر بن عنيک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل الله المطعون شهيد والغريق شهيد وصاحب ذات الجنب شهيد والمبطون شهيد وصاحب الحريق شهيد والذى يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجميع شهيد.(مشكوٰةالمصابيح، كتاب الجنائز ،باب عيادة المريض،ص: ١٣٦، انيس)

شہید کے احکام:

اگر چہ شہید بھی بظاہر میت ہے؛ مگر عام موتیٰ کے سب احکام اس میں جاری نہیں ہو سکتے اور فضائل بھی اس کے بہت ہیں؛ اس لیے اس کے احکام علاحدہ بیان کئے جاتے ہیں۔

شہید وہ ہے، جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا، پس غیر اہل اسلام کے لیے کسی قسم کی شہادت ثابت نہیں ہوسکتی۔

(۲) مکلّف؛ یعنی عاقل بالغ ہونا، پس جو حالتِ جنون وغیرہ میں مارا جائے، یا عدم بلوغ کی حالت میں تو اس کے لیے شہادت کے وہ احکام جن کا ذکر ہم آگے کریں گے، ثابت نہ ہوں گے۔

(۳) حدثِ اکبر سے پاک ہونا، اگر کوئی حالتِ جنابت میں، یا کوئی عورت حیض ونفاس میں شہید ہوجائے تو اس کے لیے بھی شہید کے احکام ثابت نہ ہوں گے۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا، پس اگر کوئی شخص بے گناہ مقتول نہیں ہوا؛ بلکہ جرم شرعی کی سزا میں مارا گیا ہو تو اسی کے لیے بھی شہید کے وہ احکام ثابت نہ ہوں گے۔

(۵) اگر کسی مسلمان، یا ذمی کے ہاتھ سے مارا گیا ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ کسی آلۂ جارحہ سے مارا گیا ہو، اگر کسی مسلمان، یا ذمی کے ہاتھ سے بذریعہ آلۂ غیر جارحہ کے مارا گیا ہو، مثلاً کسی پتھر وغیرہ سے مارا جائے تو اس پر شہید احکام جاری نہ ہوں گے؛ لیکن لوہا مطلقاً آلۂ جارحہ کے حکم میں ہے، گو اس میں دھار نہ ہو اور اگر کوئی شخص حربی کافروں، یا باغیوں، یا ڈاکوؤں کے ہاتھ سے مارا گیا ہو، یا ان کے معرکۂ جنگ میں مقتول ملے تو اس میں آلۂ جارحہ سے مقتول ہونے کی شرط نہیں، حتیٰ کہ کسی پتھر وغیرہ سے بھی وہ ماریں اور مر جائے تو شہید کے احکام اس پر جاری ہو جائیں گے۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض مقرر نہ ہوا ہو؛ بلکہ قصاص واجب ہوا ہو، پس اگر مالی عوض مقرر ہوگا تب بھی، اس مقتول شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے، ظلماً مارا جائے۔

مثال: (۱) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو آلۂ جارحہ قتل کر دے۔ (۲) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو آلۂ جارحہ سے قتل کرے؛ مگر خطاءً، مثلاً کسی جانور پر، یا کسی نشانے پر حملہ کر رہا ہو اور وہ کسی انسان کے لگ جائے۔ (۳) کوئی شخص کسی جگہ سوائے معرکۂ جنگ کے مقتول پایا جائے اور کوئی قاتل اس کا معلوم نہ ہو، ان سب صورتوں میں چوں کہ قتل کے عوض میں مال واجب ہوتا ہے، قصاص نہیں واجب ہوتا؛ اس لیے یہاں شہید کے احکام نہ جاری ہوں گے۔

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امر راحت وتمتع زندگی کا مثل کھانے، پینے سونے، دوا کرنے، خرید وفروخت وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور بمقدارِ وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گزرے اور نہ اس کو حالتِ ہوش میں معرکہ سے اٹھائیں۔ ہاں! اگر جانوروں کے پامال کرنے کے خوف سے اٹھائیں تو کچھ حرج نہ ہوگا، پس اگر کوئی شخص بعد زخم کے زیادہ کلام کرے تو وہ شہید کے احکام میں داخل نہ ہوگا؛ اس لیے کہ زیادہ کلام کرنا زندوں کی شان ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص وصیت کرے تو وہ وصیت اگر کسی دنیاوی معاملے میں ہو تو شہید کے حکم سے خارج ہوجائے گا اور اگر کسی دینی معاملہ میں ہو تو خارج نہ ہوگا، اگر کوئی شخص معرکۂ جنگ میں شہید ہوا ہو اور اس سے یہ باتیں صادر ہوں تو شہید کے احکام سے خارج ہو جائے گا، ورنہ نہیں؛ لیکن اگر یہ شخص محاربہ میں شہید ہوا ہے اور ہنوز لڑائی ختم نہیں ہوئی تو باوجود تمتعات مذکورہ کے بھی وہ شہید ہے۔

==

== **مسئلہ**: جس شہید میں یہ سب باتیں پائی جائیں، اس کا ایک حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون اس کے جسم سے زائل نہ کیا جائے، اسی طرح اس کو دفن کر دیا جائے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ کپڑے پہنے ہو، ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں۔ ہاں! اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لیے اور کپڑے زیادہ کر دئے جائیں، اسی طرح اگر اس کے کپڑے کفن مسنون سے زیادہ ہوں تو زائد کپڑے اتار لیے جائیں اور اگر اس کے جسم پر ایسے کپڑے ہوں، جن میں کفن ہونے کی صلاحیت نہ ہو، جیسے پوستین وغیرہ تو اس کو اتارنا چاہئے، ٹوپی، جوتہ، ہتھیار وغیرہ ہر حال میں اتار لیے جائیں گے اور باقی سب احکام جو موتی کے لیے ہیں، مثلاً: نماز وغیرہ کے وہ سب ان کے حق میں جاری ہوں گے۔ اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے کفن بھی پہنایا جائے گا۔ (ماخوذ از دین کی باتیں، مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)

شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے لیے جنت کی شہادت ہے۔ (**الشهيد سمي به لأنه مشهود له بالجنة، مراقی الفلاح علٰی هامش الطحطاوی، كتاب الصلاة، باب أحكام الشهيد، ص: ٦٢٠، دار الكتب العلمية بيروت**)/ (**الشهيد شرعاً هو (من قتله أهل الحرب) مباشرة أو تسبيباً بأى آلة كانت ولو بماء أو نار رموها بين المسلمين (أو) قتله (أهل البغي أو) قتله (قطاع الطريق) بأى آلة كانت (أو) قتله اللصوص فى منزله ليلاً وبمشغل) أو نهاراً (أو وجد فى المعركة أهل الحرب أو البغى أو قطاع الطريق (وبه أثر) كجرح وكسر وحرق وخروج دم من أذن أو عين لا من فم وأنف ومخرج (أو قتله مسلم ظلماً) لا بحد وفود (عمداً) لا خطأً. (مراقى الفلاح علٰى حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب أحكام الشهيد، ص: ٦٢٥ـ٦٢٦، دار الكتب العلمية بيروت**)

فرشتے اس کے اکرام کے لیے اس کے پاس آتے ہیں، اس کے ساتھ اس کے خون وزخم اس کے گواہ رہتے ہیں۔ (**إن الملائكة تشهده إكراماً له. (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ٦٢٥، دار الكتب العلمية بيروت**)

شریعت میں شہید وہ ہے، جس کو دار الحرب والوں نے خود قتل کیا، یا قتل کا ذریعہ بنے، مثلاً مسلمانوں کی راہ میں پتھر ڈالے اور اس سے لوگ ہلاک ہوئے، یا پانی چھوڑا اور اس میں ڈبو دیا، یا ان کے جانوروں نے مسلمانوں کو روند ڈالا، یا ان لوگوں نے مسلمانوں کے جانوروں کو بھگایا تو جانور نے ان کو گرا دیا، یا ان لوگوں نے کسی مسلمان کو دیوار سے گرا دیا، یا کسی پر دیوار گرا دی یا آگ پھینک کر مار ڈالا، یا باغیوں نے قتل کر ڈالا، یا قتل کا سبب بنا، یا ڈاکوؤں نے قتل کیا، باغی اور ڈاکو چاہے جس چیز سے قتل کریں، یا چور نے گھر میں آ کر رات میں قتل کیا، گرچہ وزنی چیز سے قتل کرے، یا دن میں کسی دھاردار آلہ سے قتل کیا، یا اہل حرب، یا باغی، یا راہزن کے معرکہ میں پایا گیا اور اس پر زخم یا توڑ پھوڑ، یا آگ زنی، یا ناک، یا آنکھ سے خون نکلے، یا ٹکرانے، یا مارنے کا، گلا گھوٹنے کا نشان ہو (ناک اور منہ سے خون نکلنے کا اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ ان سے بغیر مار کے بھی خون نکلتا ہے) یا کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو دھاردار چیز سے جان بوجھ کر ناحق قتل کیا؛ یعنی یہ قتل حدود وقصاص کی بنا پر نہیں تھا، خواہ قاتل باپ یا مالک کیوں نہ ہو۔ (مراقی مع طحطاوی، ص: ۳۴۳)

ان تمام صورتوں میں جس مسلمان کو قتل کیا، وہ بالغ ہو، حیض ونفاس اور جنابت سے پاک ہو اور لڑائی ختم ہونے کے بعد زندگی کی سہولتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو تو وہ دنیا کے حکم میں احد کے شہیدوں کی طرح ہے:

۱۔ اس کو خون سمیت دفن کیا جائے گا۔

۲۔ نہلایا نہیں جائے گا، جو کپڑا پہنے ہو وہی کفن بنے گا۔

۳۔ اس کو اتار کر دوسرا کفن پہنانا مکروہ ہے۔ ==

== ۴۔اوراس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔
۵۔اور جو چیز کفن کے لائق نہ ہو،اس کواس سے اتارلیا جائے، جیسے جنگی سامان زرہ،خود، پوستین،خف،ٹوپی۔
۶۔اگرمسنون کفن سے کم کپڑا پہنے ہوتو کمی کو پورا کیا جائے گااور زیادہ ہوتو کم کیا جائے گا۔
۷۔سارے کپڑے اتارنا مکروہ ہے۔**(وكان المقتول مسلماً بالغاً خالياً من حيض ونفاس وجنابة ولم يرتث) ... بعد انقضاء الحرب فيلحق بشهداء أحد في الحكم (فيكفن يديه) أي مع دمه فن غيرتغسيل وفي حاشيته تحته ويكره نزع تباعه.وفي المتن (ويصلى عليه) أي الشهيد(بلا غسلٍ) ... (وينزع عنه) أي عن الشهيد (ماليس صالحاً لكفن كالفرو والحشو) ... (و) ينزع (السلاح والدرع) ... (وكره نزع جميعها) أي تبا به التي قتل فيها ليبقى عليه أثره. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة،باب أحكام الشهيد،ص: ٦٢٦،دار الكتب العلمية بيروت)** اس لئے سب نہ اتارے جائیں۔(ماخوذ از طہارت اورنماز کے تفصیلی مسائل:ص۶۰۱،۶۰۲)

جومسلمان بےقصور قتل کردیئے جاتے ہیں، یاکسی آفت سماوی وارضی سے ان کی وفات ہوجاتی ہے،انھیں شہید کہا جاتا ہے،شہید کواللہ تعالیٰ جنت عطافرماتے ہیں اوراس کے گناہوں کومعاف کردیتے ہیں اور جولوگ راہِ خدا میں مارے جاتے ہیں،اللہ کے نزدیک اپنی شہادت کی وجہ سے قابلِ رشک مقام ورتبہ پاتے ہیں،ظاہراًان کی زندگی گرچہ ختم ہوجاتی ہے؛مگروہ اللہ کے نزدیک حیات سے ہوتے ہیں،ایسے افراد جب شہادت کی موت مرتے ہیں تو انھیں اسی خونِ شہادت کے ساتھ جنازہ پڑھ کراعزاز واکرام سے دفن کردیا جاتا ہے،نہ ان کے جسم کا خون دھویا جاتا ہے،نہ غسل دیا جاتا ہےاور نہ ہی الگ سے کفن دیا جاتا ہے؛لیکن یہ حکم ہرشہید کے لیےنہیں ہے؛ بلکہ اس کے کچھ شرائط ہیں،جب یہ شرائط کسی شہید میں پائیں جائیں گےتواسے نہ غسل دیا جائے گااور نہ کفن؛ بلکہ اس کے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جائے گا،اس طرح دنیا میں غسل وکفن کے اعتبار سے دوقسم کے شہید ہوتے ہیں۔ایک جن کوغسل وکفن نہیں دیا جاتا ہےاور دوسرے جن کوغسل وکفن دیا جاتا ہے۔پہلی قسم میں وہ شہید داخل ہیں،جن میں مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ شہید ہونے والا مسلمان،عاقل وبالغ ہو؛اس لیے اگرکوئی شہید شخص نابالغ ہو،یا کوئی حالت جنون میں ہواور وہ مارا جائے تووہ اس قسم میں شامل نہ ہوگا،شہید میں مرداورعورت دونوں برابر ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شہید ہونے والا حالت جنابت میں،یا(عورت) حیض ونفاس میں مبتلا نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شہید بےگناہ مقتول ہو،کسی جرم شرعی میں قتل نہ کیا گیا ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ قتل کی سزا میں شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ اسے کسی دھاردارآلہ سے قتل کیا گیا ہو(لوہا مطلقاً دھاردارآلہ کے حکم میں ہے گواس میں دھار نہ ہو، بندوق کی گولی بھی اسی حکم میں ہے)البتہ اہل حرب،یاڈاکوؤں سے مڈبھیر میں کوئی مسلمان جس طرح بھی مارا جائے،وہ شہید کی پہلی قسم میں داخل ہے،اسی طرح کسی حربی کافر کے آگ لگانے،یا گاڑی وغیرہ سے ٹھوکرلگا کر مارنے سے موت واقع ہوجائے تووہ شہید ہے۔**(هو مكلف مسلم طاهر) وفي الرد تحته قوله كل مكلف هو البالغ العاقل خرج به الصبي والمجنون ... (قوله طاهر)أي ليس به جنابة ولا حيض فلا نفاس ... (قوله قتل ظلماً) ... (بأتي من أنه لو قتل بحد أو قصاص مثلاً لا يكون شهيداً ،وفي المتن ولم يجب بنفس القتل مال، وفي الرد تحت قوله بخارجة)أي فلاناً لهما كما في النهاية وهذا قيد في غير من قتله باغ أو حربي أوقاطع طريق بقرينة العطف التي واحترز بها عن القتول فانه لا يوجب القصاص عنده (قوله بما يوجب القصاص)أي المراد بها ما يفرق الأجزاء فيدخل فيه النار والغصب.(الدر المختارمع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الشهيد:۱۵۸/۳۔۱۵۹،مكتبة زكريا ديوبند)** ==

== چھٹی شرط یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد پھر کوئی امر راحت وتمتع زندگی کا تھوڑی دیر کے لیے بھی حاصل نہ ہو، جیسے کھانا، پینا، سونا، دوا لینا، خرید وفروخت وغیرہ اور نہ ایک نماز کے وقت کی مقدار وہ ہوش وحواس کی حالت میں زندہ رہے۔

جو لوگ فسادات میں مارے جاتے ہیں اگر ان میں یہ شرائط پائے جائیں تو ان پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔

ان شرائط کے پائے جانے کی صورت میں مرنے والے پر اس دنیا میں بھی شہید کے ظاہری احکام جاری ہوں گے، جس طرح کی آخرت میں شہید کے احکام اس پر جاری ہوں گے؛ یعنی اس کے جسم سے نہ خون صاف کیا جائے، نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اس کے جسم سے پہنے ہوئے کپڑے اتارے جائیں گے، البتہ اگر اس کے پر مسنون عدد سے زائد کپڑے ہوں تو ان کو اتار لیا جائے گا، اسی اگر اس کے جسم پر ایسے کپڑے ہوں جن میں کفن ہونے کی صلاحیت نہیں ہے، جیسے لباس کے اوپر پوستین کے جیکٹ یا ٹوپی، جوتا، ہتھیار وغیرہ ہو تو ان کو اتار لیا جائے گا اور اگر اس کے جسم پر مسنون عدد سے کم کپڑے ہوں تو عدد مسنون پورا کرنے کے لیے اور کپڑے زیادہ کر دیئے جائیں۔ (ردالمحتار: ۲/۲۵۰)

شہید غسل اور کفن میں عام میت سے الگ ہوتے ہیں، باقی سب احکام جو دوسرے مسلمانوں کے لیے ہیں، مثلاً نماز جنازہ اور دفن وغیرہ، وہ سب اس کے حق میں بھی جاری ہوں گے، اسی طرح اگر کسی شہید میں مذکورہ بالا شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور دوسرے مردوں کی طرح نیا کفن بھی پہنایا جائے گا۔ (ردالمحتار: ۲/۲۵۰)

کسی ملک سے ایٹمی، یا میزائل وغیرہ کے جنگ میں مسلمان مارے جائیں تو ان پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔

اگر کفار مسلمانوں کے محلّہ میں گھس جائیں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں تو عورتیں شہید کے زمرہ میں داخل ہوں گی اور ان کو غسل وکفن کے بغیر اسی حالت میں نماز جنازہ ادا کر کے دفن کیا جائے گا، البتہ بچوں کو غسل بھی دیا جائے گا اور نیا کفن بھی، یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کہتے ہیں کہ بچوں کو بھی غسل نہ دیا جائے گا۔ (**قال في الفتاویٰ التاتارخانیه: ولو رموا النار في سفينة للمسلمين فاحترقت وتعد الحرق الى السفينة اخرىٰ فاحترقوا فهولاء كلهم شهداء لا يغسلون: ۲/ ۱٤٤**)

جس شخص کو کسی جانور نے پھاڑ کھایا، یا مار دیا، یا مکان میں دب کر مر گیا، یا بس، کار، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ کے حادثہ میں وفات پا گیا، یا پانی میں ڈوب کر یا پہاڑ سے گر کر مر گیا تو اسے غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی، اس پر شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۲/۱۴۰۔ ردالمحتار: ۲/۲۵۰ وغیرہ)

شہید کی دوسری قسم وہ ہے، جنھیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی بشارت کے موافق آخرت میں تو درجہ شہادت نصیب ہوگا اور شہیدوں کا سا معاملہ ثواب اور اعزاز واکرام کا ان کے ساتھ ہوگا؛ لیکن دنیا میں ان پر شہید کے ظاہری احکام جاری نہیں ہوں گے؛ یعنی غسل وکفن کے معاملہ میں، اس قسم میں چالیس سے زیادہ طبقہ کے افراد کا ذکر مختلف احادیث میں آیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے احادیث کی روشنی میں ان کی تفصیل دی ہے، جسے ایک فہرست کی صورت میں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱) وہ بے گناہ مقتول جو شہید کی قسم اول میں کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے داخل نہیں ہے، جیسے وہ مقتول جو نابالغ، یا مجنون، یا جنبی ہو، یا حیض ونفاس والی عورت ہو اور وہ مقتول جس کے قتل کے عوض میں قصاص واجب نہیں؛ بلکہ مالی عوض یعنی دیت (خون بہا) واجب ہوتا ہے اور وہ مقتول جو باغیوں، ڈاکہ زنوں، یا حربی کافروں کے ہاتھوں مارا جائے؛ مگر زخم لگنے کے بعد کوئی امر راحت اور تمتع زندگی کا اسے حاصل ہوا ہو، ان سب صورتوں میں گرچہ مقتول شہید کی قسم اول میں داخل نہیں؛ مگر قسم دوم میں داخل ہے؛ یعنی آخرت میں اسے درجہ شہادت ہوگا۔

(۲) جس نے کسی کافر، باغی یا ڈاکو پر حملہ کیا؛ مگر وار خطا ہو کر خود کو لگ گیا، جس سے موت واقع ہوگئی۔

(۳) مسلم ممالک کی سرحد کا پہرہ دینے والا، جو وہاں طبعی موت مر جائے۔ ==

==

(۴) جوظالموں سے اپنی، یا اپنے گھر والوں کی جان بچانے کے لیےلڑتا ہوامارا جائے۔
(۵) جواپنا مال ظالموں سے بچانے، یا چھڑانے کے لیےلڑتا ہوامارا جائے۔
(۶) حکومت کا مظلوم قیدی جو قید کی وجہ سے مر جائے۔
(۷) جوظلم سے بچنے کے لیے روپوش ہوا اور اسی حالت میں مر جائے۔
(۸) جس نے صدق دلی سے اللہ کی راہ میں جان دینے کے لیے دعا کی ہو پھر طبعی موت مر جائے۔
(۹) طاعون سے یا طاعون والی بستی میں رہنے والا اس زمانہ میں وفات پا جائے۔
(۱۰) پیٹ کی بیماری میں وفات پانے والا۔
(۱۱) نمونیہ کے مرض میں وفات پانے والا۔
(۱۲) سِل کے مرض میں وفات پانے والا۔
(۱۳) مرگی کے مرض سے یا کسی سواری سے گر کر ہلاک ہونے والا۔
(۱۴) بخار میں مرنے والا۔
(۱۵) جس کی موت سمندر میں قئے ہونے سے ہو جائے۔
(۱۶) جس کی موت اَچھُّو لگنے سے ہوئی ہو۔
(۱۷) جس کی موت زہریلے جانور کے ڈسنے سے ہوئی ہو۔
(۱۸) جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو۔
(۱۹) آگ میں جل کر مرنے والا۔
(۲۰) پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔
(۲۱) عمارت، یا دیوار گرنے سے مرنے والا۔
(۲۲) جس عورت کی موت حالتِ حمل میں ہو۔
(۲۳) جس عورت کی موت ولادت کی وجہ سے ہو یا نفاس کی مدت میں ہو۔
(۲۴) جوعورت کنواری ہی وفات پائے۔
(۲۵) جوعورت اپنے شوہر کی غلط روش (غلط تعلق) پر صبر کرے اور اسی حالت میں مر جائے۔
(۲۶) جسے غریب الوطنی میں موت آجائے۔
(۲۷) دین کا علم دینے اور علم حاصل کرنے والا، یا تصنیف وتالیف کا مشغلہ رکھنے والا۔
(۲۹) وہ مؤذن جو محض ثواب کے لیے اذان دیتا ہو، تنخواہ، یا اجرت مقصود نہ ہو۔
(۳۰) اپنی بیوی بچوں کی خبر گیری کرنے والا جوان کے متعلق اللہ کے احکام بجالائے اور ان کو حلال رزق کھلائے۔
(۳۱) سچا دیانت دار تاجر۔
(۳۲) جوتاجر مسلمانوں کے کسی شہر میں کھانے کی چیز پہونچائے۔

==

شہادت اور دَین:

سوال: شہید کے سارے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں، کیا شہید کا قرضہ بھی معاف ہوجاتا ہے، یا پھر ورثہ کے ذمہ واجب الأداء ہوتا ہے؟ (قاری ایم ایس خان، اکبر باغ)

الجواب

شہادت کی وجہ سے امید ہے کہ حقوق اللہ سے متعلق گناہ معاف ہوجائیں گے؛ لیکن بندوں سے متعلق جو حقوق ہیں وہ شہادت، یا کسی اور نیکی کی وجہ سے معاف نہیں ہوتے، دَین بھی ایسے ہی حقوق میں سے ہے، چناں چہ حدیث سے یہ بات صراحتاً معلوم ہوتی ہے کہ شہادت کے باوجود انسان دَین کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"**يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين**". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲۴۲/۳-۲۴۳)

شہدا پر سوگ:

سوال: قرآن مجید میں شہدا کے بارے میں آیا ہے کہ ہم نے مومنین کی جان ومال جنت کے عوض خرید لی ہے، اس سودے پر خوشی مناؤ، پھر کیا ان کی موت پر غم منانے کا جواز ہے؟ (مقصود یمانی، حیدرآباد)

== (۳۳) جس نے اپنی زندگی مدارات (اچھے سلوک) میں گذراری ہو؛ یعنی برے لوگوں کے ساتھ بھی شرعی حکم کے بغیر بُرا سلوک نہ کرتا ہو۔

(۳۴) امت کے بگاڑ کے وقت سنت پر قائم رہنے والا۔

(۳۵) رات کو باوضو سوئے اور اسی حالت میں انتقال ہوجائے۔

(۳۶) جمعہ کے دن وفات پانے والا۔

(۳۷) جو شخص روزانہ پچیس بار یہ دعا کرے: "اللّٰهم بارک لی فی الموت وفيما بعدالموت".

(۳۸) جو شخص اپنی بیماری میں چالیس مرتبہ "لااله إلّاانت سبحانک إنی کنت من الظلمين".

(۳۹) جو چاشت کی نماز پڑھے اور ہر مہینہ تین روزے رکھے اور وتر نہ سفر میں چھوڑے اور نہ اقامت میں۔

(۴۰) جو شخص ہر رات سورہ یٰسین پڑھے اور وفات کر جائے۔

(۴۱) جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روزانہ سو مرتبہ درود شریف پڑھے۔

اس قسم میں شامل تمام افراد آخرت کے اعتبار سے شہیدوں میں شامل ہوں گے اور دنیا میں ان کو موت کے بعد غسل وکفن دیا جائے گا۔ (ردالمحتار: ۶۱۱/۱) (ماخوذ از طہارت کے احکام ومسائل)

(۱) عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين. (الصحيح لمسلم، كتاب الامارة، باب من قتل فى سبيل اللّٰه كفرت خطاياه إلا الدين: ۱۳۵/۲، قديمى، انيس)

الجواب

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ نہ صرف شہدا؛ بلکہ تمام ہی مسلمانوں کی جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلہ خرید لیا ہے،(۱) ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر نفع کا سودا کیا ہوسکتا ہے کہ فانی جان و مال کا سودا جنت کی لافانی نعمتوں سے ہو؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس سودے پر خوش ہوجاؤ:

﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ﴾(۲)

اس لیے یہ صحیح ہے کہ انجام کے اعتبار سے ایمان واسلام پر موت اور بالخصوص شہادت کی موت ایک مومن کے لیے مژدۂ جاں فزا ہے؛ لیکن چونکہ پسماندگان کو فطری طور پر اپنے عزیز واقارب کی جدائی کا رنج ہوتا ہے اور اس فطری رنج و تکلیف سے انبیا بھی مستثنیٰ نہیں؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عام رشتہ داروں کی موت پر تین دنوں تک اور شوہر کی موت پر اس کی بیوہ کو چار مہینہ دس دنوں تک سوگ کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ شرعی حدود کے اندر ہو، سینہ کوبی، بال نوچنا، اپنے رخساروں پر مارنا وغیرہ اس مدت کے اندر بھی روا نہیں اور حدیث میں صراحتاً ان باتوں سے منع کیا گیا ہے،(۳) خود حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اظہارِ رنج نہیں فرمایا، حالاں کہ دشمنان اسلام کے ہاتھوں بہت ہی بے دردی کے ساتھ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا،(۴) اس لیے شہدا کا حکم بھی اس مسئلہ میں دوسرے وفات پانے والے مسلمانوں کا سا ہے کہ شہادت کے بعد تین دنوں سے زیادہ سوگ جائز نہیں۔(۵) (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۴۳-۲۴۴)

کیا سزائے موت کا مجرم شہید ہے:

سوال: کیا کوئی شخص جس کے بارے میں عدالت پھانسی، یا سزائے موت کا فیصلہ صادر کرے۔ پھانسی پانے کے بعد شہید کہلائے گا؟

---

(۱) ﴿ان اللّٰه اشترىٰ من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة﴾(سورة التوبة: ۱۱۱،انيس)

(۲) سورة التوبة:۱۱۱

(۳) عن عبد اللّٰه قال قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوىٰ الجاهلية.(صحيح البخاري، كتاب الجنائز،باب ليس منا من لطم الخدور وشق الجيوب: ۱۷۲/۱،قديمى،انيس)

(۴) سیرت حلبیہ اردو:۴/۱۹۸

(۵) التعزية لصاحب المصيبة حسن ... ووقتها من حين يموت إلىٰ ثلاثة أيامٍ وفى خزانة الفتاوىٰ والجلوس للمصيبة ثلاثة أيام رخصة وتركه أحسن.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،قبيل الفصل السابع فى الشهيد: ۱۶۷/۱،قديمى،انيس)

الجواب

ایسا مجرم شہید نہیں کہلاتا۔(۱)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۳۳۳-۳۳۴)

پانی میں ڈوبنے والا اور علم دین حاصل کرنے کے دوران مرنے والا معنوی شہید ہوگا:

سوال: کیا پانی ڈوب کر انتقال کر جانے والا شہید ہے؟

الجواب

جی ہاں! لیکن اس پر شہید کے دنیوی احکام جاری نہ ہوں گے، معنوی شہید ہے۔(۲)

سوال: کیا حصول علم جس میں کالج میں دی جانے والی این سی سی کی فوجی ٹریننگ بھی شامل ہے، کے لیے جانے والا اگر حصولِ علم کے دوران انتقال کر جائے تو کیا وہ شہید ہے؟

الجواب

دینی علم، یا دین کے لیے علم کے حصول کے دوران انتقال کرنے والا معنوی شہید ہے۔(۳)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۳۳۴)

کیا محرم میں مرنے والا شہید کہلائے گا:

سوال: اکثر سنا ہے کہ محرم الحرام کے مہینے میں مرنے والوں کا درجہ شہید کے درجے کے برابر ہوتا ہے، خاص طور پر محرم کی ۹/اور۱۰/تاریخ کو مرنے والوں کا، کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب

محرم میں مرنے والا شہید جب ہوگا، جب کہ اس کی موت شہادت کی ہو، محض اس مہینے میں مرنا شہادت نہیں۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۳۳۴)

---

(۱) (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) أى بما يوجب القصاص. وفي الشرح: و بقوله ظلما لما يأتي من أنه لو قتل بحد أو قصا ص مثلا لا يكون شهيدا. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/٢٤٨)

أيضاً: و كل من صار مقتولاً بمعنى غير مضاف إلى العدو لايكون شهيداً كذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية: ١/١٦٩، كتاب الصلاة، الباب الحادى و العشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد)

(٢) لو... حرق أوغرق أوهدم لم يكن شهيداً في حكم الدنيا وإن كان شهيد الآخرة. (رد المحتار، باب الشهيد: ٢/٢٤٨)/وأيضاً في البدائع الصنائع: ١/٣٢٠)

(٣) ومن مات وهو يطلب العلم ... الخ. وفي الشرح: بأن كان له اشتغالا به تاليفاً أوتدريساً أوحضوراً فيما يظهر، لو كل يوم درسا وليس المراد الانهماك. (رد المتحرا مع الدر المختار، باب الشهيد، مطلب في تعداد الشهداء: ٢/٢٥٢، طبع إيج إيم سعيد)

ڈیوٹی کی ادائیگی میں مسلمان مقتول شہید ہوگا:

سوال: کیا پولیس کا کوئی فرد اگر جرائم پیشہ افراد کا مقابلہ کرتے ہوئے، یا حکومت کے باغی لوگ جو سرکاری، یا نجی املاک کو نقصان پہنچارہے ہوں، یا حکومت کے افسران بالا، مثلاً: سربراہِ مملکت، یا وزرا وغیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے اور اپنی ڈیوٹی کو فرض سمجھتے ہوئے حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے تو کیا وہ شہید ہوگا؟ اگر شہید تصور کیا جاتا ہے تو کیسے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کریں۔

الجواب

اصول یہ ہے کہ جو مسلمان ظلماً قتل کردیا جائے، وہ شہید ہے، اس اصول کے مطابق پولیس کا سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرتا ہوا مارا جائے (بشرطیکہ مسلمان ہو) تو یقیناً شہید ہوگا۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۳۴/۴-۳۳۵)

اگر عورت اپنی آبرو بچانے کے لیے ماری جائے تو شہید ہوگی:

سوال: اگر کوئی عورت اپنی عزت بچانے کے لیے اپنی جان قربان کردے تو کیا یہ خودکشی ہوگی؟ اور اسے اس بات کی آخرت میں سزا ملے گی، یا نہیں؟

الجواب

اگر اپنی آبرو بچانے کے لیے ماری جائے تو وہ شہید ہوگی۔ (۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۳۵/۴)

بیماری میں مرنے والا شہید ہے، یا نہیں:

سوال: خورشید خاں پسر رحمان خان، قوم پٹھان، معمولی بیماری میں فوت ہوا، رحمان خان پدر اس کا بعمر تخمیناً قریب ایک سوسولہ تھا، زوجہ نامہ بطور وقف اراضی باغ موقع نور پور پرگنہ دیوبند اس مضمون کا تحریر کرالیا کہ یہ باغ مذکور جس میں اقرار خورشید خان کا ہے، اس کا خرچ روشنی کے واسطے وقف کردیا، اس کی آمدنی سے خرچ روشنی وغیرہ ہوا کرے گی اور متولی اپنے بعد پوتی کو کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ معمولی اس کی بیماری میں فوت ہونے والے کو شہید کہتے ہیں، یا نہیں؟ اور خورشید خاں پر بحالت موجودہ اطلاق لفظ شہادت ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور قبر پر روشنی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) قال في الدر: باب الشهيد (هو كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) بغير حق (بخارجة) أي بما يوجب القصاص. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۴۷-۲۴۸، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ومن ماتت صابرة على الغيرة لها أجر شهيد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في تعداد الشهداء: ۲/۲۵۲، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب

معمولی بیماری میں مرنے کو شہید نہیں کہتے ہیں اور اس پر حکم شہادت کا نہیں لگایا جاتا،(۱) اور قبر شہید کی ہو، یا غیر شہید کی، ولی کی ہو، یا عاصی کی، روشنی مروجہ کرنا ایسی قبر پر درست نہیں ہے،(۲) اور وقف کے اندر چوں کہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر مصارف اس کے فقرا ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ وقف صحیح ہوگیا اور متولی جس کو رحمان خان نے اپنے بعد بنایا، وہ متولی ہوگیا اور رہے گا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۰/۵-۴۷۱)

وبا میں شہید ہونے والے کے حکم کی تحقیق:

سوال: یہاں سال گزشتہ میں جو وبا ہوئی تھی، جو کہ دنیا میں وبا ہوئی تھی، اس میں ایک لڑکا جس کی عمر اکیس سال کی تھی مرگیا اور متوفی وصیت کر مرا کہ میری قبر پکی بنوانا، اس کے والد نے بعد مرنے دو ماہ اور دو دن کے اس قبر کو پکی بنوایا، جب واسطے پکی کرنے کے وہ قبر کھودی گئی تو اس کے اندر مردہ بدستور صحیح اور سالم دیکھا گیا؛ بلکہ یہاں قصبہ کے اکثر مرد اور عورتیں بھی واسطے دیکھنے کے قبرستان گئے اور جا کر دیکھا۔ اب یہاں اکثر کا یہ خیال ہوگیا ہے کہ وہ لڑکا چوں کہ وبا میں مرا تھا اور کفن بھی میلا نہیں ہوا اور بدن کے بھی ٹکڑے نہیں ہوئے، شہید ہوا اور شہید کے ہی بدن کے ٹکڑے نہیں ہوتے ہیں، حالاں کہ متوفی کچھ نمازی، یا پرہیزگار نہ تھا، اس کا خیال کرنا چاہیے، یا ایسا عقیدہ جو کہ تحریر کیا گیا، رکھنا درست ہے، یا نادرست؟

الجواب

ممکن ہے کہ یہی سبب ہو، بخار کا بھی شہادت ہونا وارد ہوا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بدن میں رطوبات مرنے سے پہلے فنا ہوگئی ہوں، ایسا مردہ بھی نہیں گلتا۔ باقی رہا پہلے احتمال پر اس وصیت غیر مشروع کے منافی شہادت ہونے کا شبہ، سو شہادت سے اس کا بھی کفارہ ہوگیا ہو اور وہ ناواقف ہو اور اس کی ناواقفی معاف فرمادی ہو۔

۲۴ رشوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۷۸۲/۱)

شہید کے بعض احکام میں غلطی کا دفعیہ:

سوال: یہاں فی الحال ایک واقعہ پیش آیا ہے، ایک شخص مذہب حنفی جو کہ ریلوے لائن پر سے جا رہا تھا، پیچھے سے گاڑی نے آکر ٹھوکر ماری، جس سے اس کے ہر دو پا تا زانو ناکام ہوگئے، اسے اٹھا کر قریب کی مسجد کے سامنے لے گئے، وہاں کے پیش

---

(۱) ثم الأحسن فی تعریف الشهید الحکمی علیٰ قول أبی حنیفة أنه مسلم مکلف طاهر علم أنه قتل ظلماً لم یجب به مال ولم یرتث. (غنیة المستملی، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز فی بحث السابع فی الشهید، ص: ۵۹۹، انیس)

(۲) وما یؤخذ من الدراهم والشمع والذیت ونحوها إلیٰ ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم فهو بالاجماع باطل وحرام. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب فی النذر الذی یقع للأموات: ۴۳۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

امام صاحب (حنفی) کی تحریک سے مجروح نے پانچوں کلمے بخوبی ادا کئے اور اپنے کہے سنے کی معافی کا خواستگار ہوا، اس کے بعد اسے ہسپتال لے گئے، وہیں کچھ مرہم پٹی وغیرہ کی گئی، قصہ مختصر قریبا ۹ر بجے کے گھائل ہوا تھا اور ساڑھے گیارہ کو جاں بحق تسلیم ہوا، جب اس کے غسل وکفن کی تیاری کرنے لگے تو پیش امام صاحب مذکور نے یہ فتویٰ دے دیا کہ چوں کہ مرحوم دولوہوں کے درمیان دب کر راہی عدم ہوا ہے؛ اس لیے وہ شہید کا درجہ رکھتا ہے اور غسل وکفن کی ضرورت نہیں، چناں چہ اسی طرح میت پر جنازہ کی نماز پڑھ کر بے غسل وکفن دفن کی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا شرع محمدی ومطابق مذہب حنفی کا یہی حکم ہے، جو کہ اوپر بیان ہوا، یا عکس؟ اس کے غرض جو حکم ہو، اس کا فتویٰ درکار ہے۔ حوالۂ کتاب بھی ضرور ہو؛ تاکہ حجت کی گنجائش نہ رہے۔ ازراہ عنایت اسی سوالنامہ کی پشت پر تحریر فرما کر ارسال فرماویں، خدا آپ کو اجر عظیم دے گا، جواب کے لیے ٹکٹ چسپاں ہیں۔ والسلام

الجواب

شہید کی یہ تعریف کسی نے نہیں کی کہ جو لوہے سے ہلاک ہو جاوے؛ بلکہ تعریف اس کی کتب فقہ میں یہ ہے:

(وهو كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) ... (بجارحة) أى بما يوجب القصاص (ولم يجب بنفس القتل مال) ... (وكذا) ... (لوقتله باغ أوحربى أوقاطع طريق ولو) تسبيباً (أوبغير آلة جارحة) ... (أووجد جريحا ميتافى معركتهم). (كذا فى الدرالمختار)(۱)

اور یہ تعریف اس مجروح پر صادق نہیں آئی، پس امام صاحب نے اس فتوے میں سخت غلطی کی۔ واللہ اعلم

۲۰ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس، ص:۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۷۴۹/۱-۷۵۰)

شہادت حکمیہ:

سوال: زید مسلمان سید پابند صوم وصلوٰۃ دیندار؛ مگر غریب مرد تھا، جو چنگی میں ماہوار ملازم محرر پونڈ تھا، وہ بمریض نمونیہ چھ روز بحالت سفر وتنہائی بیمار رہ کر فوت ہو گیا، ایسی موت کو غریب کی موت کہا جائے گا اور زید شہید مرا، یا نہیں؟ ''**موت الغربيه شهادة**''. (ابن ماجہ)

الجواب

اس صورت میں مصداق حدیث شریف ''**موت الغربية شهادة**'' کا ان شاء اللہ تعالیٰ ہے اور شہادت حکمیہ زید کو حاصل ہے۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۶/۵)

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۲۴۷/۲-۲۴۹، باب الشهيد

(۲) عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم موت الغربية شهادة. (ابن ماجة، أبواب ماجاء فى الجنائز، باب ماجاء من مات غريباً: ۱۱۶/۱، قديمى، انيس)

(۳) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الشهيد: ۸۵۲/۱

پانی میں ڈوب کر مر جائے، یا جہاد میں، یا مرض ہیضہ وطاعون میں، کیا حکم ہے:

سوال: شہید؛ یعنی جو پانی میں ڈوب کر مرے، یا جہاد میں، یا مرض ہیضہ وطاعون میں مرجاوے تو اس کو غسل وکفن دیا جاوے، یا نہیں؟

الجواب

جو شخص پانی میں ڈوب کر مرے، یا ہیضہ وطاعون میں مرے، وہ حکمی شہید ہے، اس کو غسل وکفن ہونا چاہیے اور شہید فی سبیل اللہ جو کہ حقیقی شہید ہے، اس کو حسب شرائط فقہا غسل وکفن نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۷۲/۵-۴۷۳)

ایک پاگل نے ایک عورت کو کڑھائی سے مار کر شہید کر دیا، اس کو غسل دیا جائے، یا نہیں:

سوال: ایک مجنون نے اپنی عورت کے سر میں کڑھائی مار کر سر پھاڑ دیا، عورت مرگئی، عورت کو غسل دینا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

وہ عورت شہید ہے، اس کو غسل نہ دیا جاوے، بلا غسل کے نماز اس پر پڑھ کر دفن کر دیا جاوے، **لحدیث: "زملوهم بكلومهم ودمائهم"**. (رواه أحمد) (۲) (شامی) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۷۳/۵)

جو دیوار کے نیچے دب کر مر جائیں، انہیں غسل دیا جائے گا:

سوال: ایک مسلمہ عورت حیض ونفاس سے پاک غسل کردہ آتش بازی کا سامان چکی میں پیس رہی تھی، اس میں آگ لگ گئی مکان گر گیا۔ اس حادثہ سے چند منٹ پہلے چار شخص خدام خلافت نہر سے غسل کر کے اس مکان میں آئے تھے، یہ پانچویں آدمی دب کر مر گئے۔ بغیر غسل کے ان کو دفن کیا گیا؛ مگر دعائے مغفرت جنازہ پڑھا گیا؟

الجواب

حریق وغریق اور جس پر دیوار وغیرہ گر جائے اور وہ مر جائے، یہ سب شہید آخرت ہیں، ان کو غسل دینا لازم ہے اور اگر ممکن نہ ہو تو تیمّم کرانا چاہیے تھا اور بلا غسل دفن کر دینے کی حالت میں ان کے لیے حکم یہ تھا کہ بعد دفن کر دینے کے دوبارہ نماز جنازہ قبر پر پڑھی جاتی؛ کیوں کہ جو نماز بلا غسل ہوئی، وہ نماز معتبر نہیں ہوتی، بعد دفن کر دینے کے چوں کہ

---

(۱) وكل ذلك في الشهيد لكامل وإلا فالمرتب شهيد الآخرة وكذا الجنب ونحوه وفي قصد العدو فأصاب نفسه والغريق والحريق والمهدوم عليه و المبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو لطلب العلم. (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الشهيد: ۲۵۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) أن النبي صلى الله عليه وسلم أشرف على قتلى أحد، فقال: إني أشهد علىٰ هؤلاء، زملوهم بكلومهم ودمائهم. (مسند أحمد حديث عبد الله بن ثعلبة: ۴۳۱/۵، انيس)

غسل متعذر ہو گیا؛ اس لیے غسل ساقط ہو گیا، لہٰذا نماز دوبارہ ان کی قبور پر پڑھنی چاہیے تھی؛ مگر یہ حکم صلوٰۃ علی القبر کا تفسخ میت سے پہلے پہلے تھا، جس کی تقدیر عند البعض تین دن ہے اور اصح عدم تقدیر ہے، بوجہ اختلاف وقت تفسخ کے امکنہ واز منہ وغیرہ کی وجہ سے۔ درمختار میں ہے:

(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحساناً (ما لم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير وهو الأصح.

(وفي الرد تحته) لأنه يختلف باختلاف الأوقات حراً وبرداً والميت سمناً وهزالاً والأمكنة، بحر، وقيل: يقدر بثلاثة أيام، الخ. (شامی)(۱)

وفي باب الشهيد من الدر المختار: وكل ذلك في الشهيد الكامل.

وفي الرد تحت (قوله: في الشهيد الكامل) وهو شهيد الدنيا والآخرة، وشهادة الدنيا بعدم الغسل الا لنجاسة أصابته غير دمه وشهادة الآخرة بنيل الثواب الموعود للشهيد. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ شہید آخرت کے لیے ثواب موعود آخرت میں حاصل ہوگا اور دنیا میں اس کا حکم شہادت کا دربارہ عدم غسل وغیرہ نہ دیا جاوے گا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۵/۵-۳۷۴)

جو مردہ زخمی ہو، اس کو غسل دینا کیسا ہے:

سوال: جس مردہ کے جسم مین بوجہ قتل کے زخم ہوں، اس کو غسل دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر اس کو ظلماً قتل کیا گیا ہے تو وہ شہید ہے، اس کو غسل نہ دیا جاوے گا اور نماز پڑھنی چاہیے۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۴/۵)

چوروں نے قتل کر دیا شہید ہوا، یا نہیں:

سوال: جو آدمی خانگی کام کو گاؤں میں جاتا ہے، چوروں نے راستہ میں اس کو قتل کر دیا، یہ مسلمان ہے، شہید کہلاوے گا، یا نہیں؟ اور غسل ونماز کی نسبت کیا حکم ہے؟

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۲٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، الشهيد: ۲۵۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) ويصلى عليه بلا غسل ويدفن بدمه وثيابه. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۵۰/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

وہ شخص شہید ہے، اس کو غسل نہ دیا جاوے اور نماز پڑھی جاوے۔

"ویصلی علیه بلاغسل ویدفن بدمه وثیابه،الخ". (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۵/۵)

منکر نکیر کن لوگوں سے سوال نہیں کریں گے:

سوال: شہادت صغریٰ پانے والے شہدا سے سوالات منکر نکیر ہوں گے، یا نہیں؟

شہادت اخروی پانے ولاے اک جسم گلتا سڑتا ہے، یا نہیں:

سوال: شہادت صغرا پانے والے شہدا کے جسم قبر میں گلیں سڑیں اور ریزہ ریزہ ہوں گے، یا نہیں؟

حقیقی شہید کے جسم کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

سوال: شہادت کبریٰ پانے والوں کے اجسام کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

شامی میں منقول ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال منکر نکیر نہ ہوگا، ایک ان میں سے شہید ہے اور طاعون میں مرنے والا اور مرابط وغیرہ۔ (۲)

(۲-۳) انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے۔ (۳) باقی سوائے انبیاء علیہم السلام کے دوسروں کے بارے میں ایسا وارد نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۵/۵)

کافروں کی شرارت روکنے میں جو مسلمان کام آئیں، وہ شہید ہیں، یا نہیں:

سوال: اس وقت کافر ہندوستان میں مسلمان کو ذلیل کرنا اور اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے امور مذہبی میں مداخلت کرتے ہیں، اگر مسلمان ان کی شرارت روکنے میں کام آجاویں تو وہ شہید ہوں گے، یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۵۰/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) ردالمحتار باب صلاة الجنائز مطلب ثمانية لايسئلون فی قبورهم: ۷۹۷/۱-۷۹۸

(۳) عن أبی درداء قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أكثروا الصلاة علىّ يوم الجمعة فإنه مشهود يشهده الملائكة وإن أحداً لم يصل علىّ الا عرضت علی صلا ته حتیٰ يفرغ منها، قال: قلت: وبعد الموت إن اللّٰه حرم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبی اللّٰه حی يرزق. (مشکوة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثالث، ص: ۱۲۱، قدیمی، انیس)

محرم وعرس میں ہندو کے حملہ سے مسلمان مریں، ان کا کیا حکم ہے:

سوال: محرم اور عرس اور میلہ وغیرہ میں اگر ہندو حملہ آور ہوں اور مسلمان ضائع ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

ہندو خفیہ طور پر مسلمانوں کو مار ڈالیں تو وہ شہید ہیں، یا نہیں:

سوال: اگر ہندو خفیہ طور سے حملہ کریں، یا کوٹھوں پر چڑھ کر نقصان پہنچائیں اور مسلمان مارے جائیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱-۳) ان سب صورتوں میں جو مسلمان مارے جاویں گے، وہ شہید ہوں گے؛ کیوں کہ جو مسلمان ظلماً کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے، وہ شہید ہوتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۷۶/۵)

ضیق النفس میں وفات پانے والا شخص شہید کہلائے گا، یا نہیں؟ شہید کامل، یا ناقص:

سوال: کسی شخص کو مرض ربو ہو، جس کو ہندی میں دما کہتے ہیں، اس مرض میں اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ آدمی لیٹ نہیں سکتا اور کھڑا بھی نہیں ہو سکتا کہ سانس کی بیماری بھی کہتے ہیں اس بیماری میں سوائے بیٹھنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا، اس مرض کی بابت کسی ماہر حکیم سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری کس قدر تکلیف دہ ہے۔ اس کی بابت یہ دریافت کرنا ہے کہ جو شخص اس مرض میں مر جائے تو آیا شہید مرتا ہے، یا نہیں؟ شہید ناقص ہے، یا کہ شہید اصلی ہے، یا کہ شہید نہیں ہے؟ کیوں کہ ایک کتاب رسالہ رکن الدین مولوی رکن الدین صاحب کا ہے، اس رسالہ میں بہت سی ناقص شہید کی قسمیں بیان کی ہیں، یہ قسم نہیں ہے؛ اس لیے دریافت کرتا ہوں کہ شاید اس مرض والا بوجہ زیادہ تکلیف ہونے کے ناقص شہید کی قسم میں نکل آوے۔ اس کا جواب بہت غور سے مطلع فرمائیں، آیا کوئی مستند حدیث ہے، یا کوئی ضعیف حدیث ہے، یا کسی حدیث سے ثابت بھی ہوتا ہے، یا کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا، اس کی بابت کوئی کتاب دیکھ کر پوری پوری طرح سے تحقیق فرماویں؟

الجواب

علامہ سیوطیؒ نے احادیث مختلفہ کو جمع کر کے جو شہدا آخرت کو شمار کیا ہے تو ان میں ’’من مات بالسل أو بالصرع أو بالحمی‘‘ اور اس کے بعد ’’من مات بالشرق‘‘ کو بھی لیا ہے۔(کذا فی الطحطاوی علی المراقی، ص: ۳٦٧)(۲)

---

(۱) الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب الشهيد: ۸٤۸/۱

(۲) (قوله: وهو شهيد في حكم الآخرة) عد السيوطي في التثبيت شهداء الآخرة فقال: من مات بالبطن ... أو بالشرق، الخ. (حاشية الطحطاوی، باب أحكام الشهيد، ص: ٦۲۸، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

تو مریض دمہ کی کیفیت موت شرق کے مشابہ ہے؛ بلکہ اشد ہے؛ اس لیے وہ بھی شہدائے آخرت ہے۔ (ان شاء اللہ تعالی) ''**ولا یصح الجزم فی مثلہ إلا بنص صریح ولم یوجد**'' اور''**سواء مقتول فی سبیل اللہ فی المعرکة**'' اور ست اموات امراض شدیدہ شہدا ناقص ہے، شہید کامل صرف مقتول فی معرکۃ القتال ہے، وہ شہید دنیا وآخرت ہے اور باقی شہدا صرف شہدا آخرت ہے، احکام دنیا میں شہید نہیں۔

۲۲؍رمضان شریف ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/۴۵۵)

حکم حریق فی النار:

سوال: عالمگیری (جلد اول، ص: ۱۶۸ مطبع میمنیہ): **ولو کان المسلمون فی سفینة فرماھم العدو بالنار فاحترقوا من ذلک وتعدیٰ إلیٰ سفینة أخریٰ فیھا المسلمون، فاحترقوا کلھم شھداء، کذا فی الخلاصة، وحکمه (أی الشھید) أن لایغسل ویصلی علیه، کذا فی المحیط السرخسی، ویدفن بدمه وبثیابه، کذا فی الکافی.** (۱)

اس عبارت سے حریق فی النار کا حکم مثل شہید فی الدنیا والاخرۃ کے ثابت ہوتا ہے، حالاں کہ حریق فی النار فقہا نے قرار دے کر حکم غسل کا ثابت کیا ہے۔ یہ حکم صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ حکم بالکل صحیح ہے؛ کیوں کہ ''**رماھم العدو بالنار**'' کی قید ہے اور دشمن خواہ کسی چیز سے مار ڈالیں، ہر حال میں شہید ہوتا ہے اور وہ حریق جس پر حکم شہید جاری نہیں ہوتا، اس سے وہ مراد ہے، جو بدون حملہ دشمنان ویسے ہی جل کر مرگیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

عبد الکریم عفی عنہ، از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ، مورخہ ۱۷؍ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ (امداد الاحکام: ۲/۴۵۵)

زلزلہ میں دب کر مرنے والا شہید ہے:

سوال: شدید زلزلہ جو کہ بتاریخ ۱۵؍جنوری ۱۹۳۴ء، مطابق ۲۷؍رمضان ۱۳۵۲ھ کو ہوا اور قصبہ مونگیر تباہ ہوا اور بہت سی جانیں مسلمانوں کی تلف ہوئیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسلمانوں کو درجہ شہادت ملا، یا نہیں؟ اس میں بہت سے مسلمان خدا کے اچھے بندے تھے اور بہت سے ان میں برے بندے تھے، ان سب کو درجہ شہادت ملے گا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۲۳، محمد فخر الدین صاحب ۱۶؍ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، مطابق ۳ مارچ ۱۹۳۴ء)

---

(۱) الفتاویٰ الھندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشھید، ص: ۱۶۸، انیس

الجواب

زلزلہ میں جو مسلمان دب کر، یا غرق ہو کر، یا اسی سلسلے میں کسی دوسری صورت سے وفات پا گئے ہیں، یا شہید ہو گئے ہیں، اگر وہ صالح تھے تو شہادت ان کے لیے رفع درجات کا باعث ہوگی اور اگر وہ گناہگار تھے تو اللہ تعالی کی رحمت سے امید ہے کہ ان کے سیئات کا کفارہ ہو جائے۔ ہاں! جن لوگوں پر یہ مصیبت انتقام ذنوب کے طور پر ڈالی گئی ہے اور ان کو اس ذریعہ سے عذاب دیا گیا ہے، ان کی حالت جدا ہے؛ مگر ان کی تعیین ہمارے علم سے باہر ہے، یہ علام الغیوب ہی جانتا ہے کہ کون معذب ہوا اور کس کے لیے یہ موت شہادت ہوئی، ہم تو ظاہر کے لحاظ سے ہر مسلمان کو جو اس سلسلے میں مرا ہے شہید ہی کہیں گے۔(۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی:۴/۱۹۷)

منکرات کو روکنے پر مارا جانے والا شہید ہے:

سوال: مشرکین عین نماز کے وقت شرارۃً گھنٹہ، باجا، ناقوس اور تھالی بجاتے ہیں اور ان کی عورتیں گاتی بجاتی ہیں اور بڑے زور سے جے کارے وغیرہ لگاتے ہیں، جس سے ہماری نماز کا جو اصلی راز ہے؛ یعنی خشوع وخضوع جاتا رہتا ہے، ایسی صورت میں ہماری نماز ہوگی، یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی موجودہ حکومت سے استغاثہ غیر مفید ثابت ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کے انسداد کے لیے کیا کرنا چاہیے اور اس کی روک تھام میں اگر کوئی مسلمان مارا جائے تو وہ شہید ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی:۳۹۳، نذر محمد (آگرہ) ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ، مطابق ۴/ ستمبر ۱۹۳۴ء)

الجواب

ہندوؤں کا یہ فعل سخت مذموم اور اشتعال انگیزی اور بنیاد فساد ہے، مسلمانوں کو آئینی طریقوں سے کام لینا چاہیے اور باہمی سمجھوتے سے اس فتنہ کو رفع کرنے کی کوشش کریں، اپنی طرف سے امن شکنی کی کوئی کارروائی نہ کریں، باوجود اس کے کہ اگر ہندو فساد کی ابتدا کر کے ان پر مظالم توڑیں تو پھر مظلوم کو امکانی مدافعت کا حق ہے اور اس میں وہ معذور ہے اور اگر کسی ظالم کی خون آشامی کا شکار ہو کر مارا جائے تو یقیناً شہید ہوگا؛(۲) مگر یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنا چا

---

(۱) فالمرتث شهيد الآخرة، وكذا الجنب ... والغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو يطلب العلم وقد عد السيوطي نحو الثلاثين. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۵۲، ط: سعيد)

(۲) هو كل مكلف، مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۴۸، ط: سعيد)

ہئے کہ خود اپنی طرف سے جھگڑا کھڑا نہ کیا جائے، مسجدوں میں اذان ونماز ترک نہ کی جائے، اگر اثنائے نماز میں ہندوؤں کے باجوں اور شور وشغب کی وجہ سے نماز خراب ہو جائے تو گھروں پر جا کر نماز کا اعادہ کرلیں؛ لیکن مسجدوں کو ہرگز بند نہ کریں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۱۹۷-۱۹۸)

مظلوم مقتول شہید ہے:

سوال: ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے کچھ روپے لیے تھے اور بوجہ عدم ادائیگی روپوں کے اس نے دوسرے مسلمان کو چاقو سے قتل کر دیا، چاقو مارنے کے بعد مقتول چند منٹ کے بعد مر گیا، نہ کچھ وصیت کی، نہ کوئی دوائی وغیرہ کی گئی، ایسے مقتول کو غسل دینا چاہیے، یا بغیر غسل کے دفن کیا جائے؟

(المستفتی: ۵۸۷، شیر محمد خاں (دہلی) ۲/ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق یکم ستمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

ہاں اس صورت میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے اور اس کو شہدا کی طرح بغیر غسل کے دفن کیا جائے گا؟(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۱۹۸)

پانی میں ڈوب کر مرنے والا شہید ہے:

سوال: ایک مسلمان عاقل بالغ کی ایک ہندو عاقل بالغ کے ساتھ دوستی تھی اور دونوں ہم نوالہ وہم پیالہ تھے، ایک دن اتفاق سے وہ دونوں چند دیگر ہندوؤں کے ساتھ دریا کی سیر کو گئے اور دریا میں نہانے لگے، مسلمان کا وہ ہندو دوست ڈوبنے لگا اور اس نے آواز دی کہ مجھ کو بچاؤ، مسلمان فوراً اس کو بچانے کے لیے پانی میں کود پڑا؛ لیکن اس کو بچا نہ سکا اور دونوں ڈوب گئے، کیا یہ مسلمان شہید ہے؟

(المستفتی: ۸۶۴، شیر احمد کیمبل پور، ۲۲/محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۳۶ء)

---

(۱) گھروں میں جا کر اعادہ کرنے کا حکم اس وقت ہے، جب بالکل نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو، ورنہ صرف خشوع برقرار نہ رہنے سے اعادہ لازم نہیں آتا۔

(۲) (الشهيد كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) ... (ولم يجب بالنفس القتل مال) بل قصاص، حتى لو وجب المال بعارض كالصلح، أو قتل الأب ابنه لاتسقط الشهادة، ولم يرتث) فلو ارتث غسل كما سيجئ (وكذا) يكون شهيد (لو قتله باغ، أو حربي، أو قطاع الطريق، ولو) تسبباً، أو (بغير آلة جارحة) فان مقتولهم شهيد بأى الة قتلوه (ويصلى عليه بلاغسل). (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲٤۷-۲۵۰، ط: سعيد)

الجواب

ہاں امید ہے کہ مسلمان کوشہاعت کا ثواب ملے گا؛(۱) کیوں کہ اس کی نیت ایک ڈوبتے ہوئے کو بچانے کی تھی، اگر چہ وہ ہندو تھا؛ مگر ایسی امداد اور ہمدردی کرنا غیر مسلم کے ساتھ بھی اسلامی اصول کے موافق جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۹۸/۴)

جو شخص پھانسی پر لٹکایا جائے:

سوال: ہمارے ملک پاکستان میں جو آدمی پھانسی پر لٹکایا جائے، اس کو شہادت کا حکم دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ بات تو اس کے اس فعل پر موقوف ہے، جس کی وجہ سے پھانسی دیا گیا، اگر وہ فعل پھانسی کی سزا کے قابل نہ تھا تو پھانسی پانے والا شہید کے حکم میں ہوگا، ورنہ نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۹۹/۴)

سڑک حادثہ میں مرنے والا شہید ہے:

سوال: زید مع چند رفقا کے اپنی موٹر میں سوار ہو کر مسافری کر رہا تھا، اثناء راہ میں پیچھے سے دوسری موٹر آئی، جس نے زید کی موٹر سے نکل کر آگے بڑھنا چاہا تو زید نے اس گھمنڈ میں کہ اسے آگے نہ نکلنے دوں، اپنی موٹر نہایت تیزی سے چلائی، ایسے میں موٹر کے پہیے میں پنچر ہو گیا اور موٹر الٹ گئی، جس سے ایک رفیق کی موت واقع ہوئی تو اب سوال یہ ہے کہ بہ ایں صورت مذکورہ بالا موت واقع ہونے سے مردے کی موت شہادت کی قسموں میں سے کسی ایک میں شمار ہوگی، یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس قسم میں؟

(المستفتی:۱۵۸۷، موسیٰ یعقوب مایت (جو مانسبرگ)، ۳۰/ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ، مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

یہ شخص شہدا کی ان قسموں میں داخل ہے، جو اتفاقی اچانک واقعات سے وفات پاتے ہیں، جیسے دریا میں ڈوب کر

(۱) فالمرتث شهيد الآخرة وكذا الجنب ... والغريق، والحريق والغريب والمهدوم عليه ... وقد عد السيوطي نحو الثلاثين. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۵۲/۲، ط: سعيد)

(۲) کیوں کہ سزائے غیر مستحق دینے کی وجہ سے مظلوم ہے اور ظلماً قتل کیا ہوا شہید کہلاتا ہے۔

"(هو كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) الخ (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۴۷/۲، ط: سعيد)

مرنے والا ہے، یا کسی منہدم ہونے والی عمارت کے نیچے دب کر مرجانے والا۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۱۹۹/۴)

مذہبی بات پر قتل ہونے والا شہید ہے:

سوال: متعلقہ مقتول بامور مذہبی؟

الجواب

اگر کوئی مسلمان کسی مذہبی بات پر قتل کر دیا گیا ہو اور وہ اسی جگہ مر گیا ہو تو وہ شہید ہے، اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کے لباس میں خواہ خون آلود ہو، دفن کر دیا جائے، نماز جنازہ پڑھی جائے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۱۹۹/۴)

چور اور ظالم کے ہاتھ سے مارے جانے والے کی شہادت:

سوال: چور و دیگر ظالم وغیرہ اگر کسی کو مار ڈالیں تو مظلوم شہید ہوگا، یا نہیں؟ اور اگر مظلوم کے ہاتھ سے چور وغیرہ مارے گئے تو یہ گناہ گار تو نہ ہوگا؟

الجواب

چور اور ظالم اگر مظلوم کے ہاتھ سے مر گئے تو شہید نہیں ہوتے؛ بلکہ فاسق مرتے ہیں اور مظلوم مارا گیا تو شہید ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۵۹)

حادثہ میں مرنے والے کا حکم:

سوال: ریل، یا موٹر سے گر کر ما جائے، یا ان میں کٹ کر ما جائے، یا کسی چیز سے اکسیڈنٹ ہو جائے تو ایسا شخص شہیدِ اصغر شمار ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

شہادت صغریٰ ہے، شہدا کے احکام دنیویہ کا جریان اس پر نہ ہوگا؛ لیکن آخرت میں فی الجملہ شہدا میں محسوب ہوگا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ (احسن الفتاویٰ: ۲۵۴/۴)

---

(۱) فالمرتث شهيد الآخرة وكذا الجنب، ونحوه... والغريق والحريق، والغريب، والمهدوم عليه. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۵۲/۲، ط: سعيد)

(۲) ويصلى عليه، بلاغسل، ويدفن بدمه، وثيابه لحديث، زملوهم بكلومهم (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۵۰/۲، ط: سعيد)

شیعہ شہید نہیں ہوسکتا:

سوال: اس عشرۂ محرم میں جو مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں سے مارے گئے، یہ لوگ شہید ہیں، یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ شہادت کبریٰ نہیں تو صغریٰ تو ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

شہادت کی شرط اول اسلام ہے، شیعہ مسلمان نہیں؛ اس لیے ان کی موت نہ شہادتِ کبریٰ ہے، نہ صغریٰ؛ بلکہ نار جہنم ہے، شیعہ مذہب کی تفصیل میرے رسالہ ''حقیقت شیعہ'' میں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ر محرم ۱۳۸۷ھ (احسن الفتاویٰ:۴ر۲۵۴)

بمباری سے شہید ہونے والے کا حکم:

سوال: جنگ میں ہوائی حملوں کے دوران جو مسلمان شہید ہوجائیں، ان کو غسل دینا ضروری ہے، یا نہیں؟ شہید حقیقی کس کو کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

شہری آبادیوں پر ہوائی حملہ سے شہید ہونے والوں پر شہادت کے دنیوی احکام جاری ہوں گے، انہیں غسل نہیں دیا جائے گا، شہادت کے دنیوی احکام جن لوگون پر جاری ہوتے ہیں، ان کی تفصیل بہشتی گوہر میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ر ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ:۴ر۲۵۴-۲۵۵)

مسلمانوں کے باہم قتال میں مرنے والے کا حکم:

سوال: دو مسلمان جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی، نہ ان میں سے کوئی جماعت باغی تھی اور نہ قطاع الطریق تھی، اور نہ حربی تھی، بلکہ سب مسلمان تھے اور مسلمانون کے ایک گاؤں میں رہتے تھے؛ لیکن ایک جماعت بالکل ظالم تھی، دوسری جماعت مظلوم تھی، مظلوم جماعت سے دو آدمیوں کو آلۂ غیر جارحہ سے قتل کیا گیا اور دونوں وہیں معرکہ میں ہلاک ہوگئے نہ کوئی کلام کیا اور نہ کچھ کیا، البتہ ایک آدمی کا قاتل بھی معلوم ہوا اور دوسرے کا قتل معلوم نہیں ہوا، بلکہ جماعت کے ہر فرد پر شبہۂ قتل کیا جاسکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ان ہلاک شدگان میں سے کس کو غسل دیا جائے اور کس کو غسل نہ دیا جائے؟ سب سے زیادہ وجاحت شامی میں ہے؛ مگر بعض عبارات میں مجھ سے تطبیق نہیں ہوسکی۔ شامی کی عبارت کی بھی وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) یہ رسالہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں شائع ہوچکا ہے۔ مرتب

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

دونوں کو غسل نہ دیا جائے، غسل سے متعلق شامیہ کی عبارت اس صورت میں ہے، جب کہ ظلم متیقن نہ ہو۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: ومفاده أنه لو كانت احدىٰ الفرقتين ظالمة للخرىٰ بأن علموا احالهم لايغسل من قتل من الأخرىٰ وان جهل قاتله عيناً لكونه مدافعاً عن نفسه وجماعته تأمل. (۱)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

۲۰؍شعبان ۱۳۹۹ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۵۵)

''دق'' کی بیماری میں انتقال کرنے والے کو شہادت کا درجہ ملے گا، یا نہیں:

سوال: میری والدہ کا انتقال چھ ماہ دق کی بیماری میں مبتلا رہ کر ہوگیا، کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مرحومہ اب کیسی حالت میں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

ان شاء اللہ ان کو شہادت کا درجہ ملے گا۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۳۰۰)

مسلمان اگر مسلمان کو مار ڈالے تو وہ شہید ہے، یا نہیں:

سوال: یہاں دو مسلمان بھائی آپس میں تکرار کررہے ہیں، وہ یہ کہ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ مسلمان اگر مسلمان کو مار ڈالے، وہ شہید نہیں ہے، دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ وہ شہید ہے، اس کو غسل اور کفن نہ دیا جائے، پہلے صاحب کا کہنا صحیح ہے، یا دوسرے صاحب کا کہنا صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

دونوں فریق میں سے کسی کا کلیہ صحیح نہیں ہے، نہ ہر حال میں شہید ہوگا، نہ ہر حال میں غیر شہید ہوگا؛ بلکہ بعض

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲٤۹، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) عن جابر بن عتيک ... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم: "الشهادة سبع سوىٰ القتل فى سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد والذى يموت تحت الهدم شهيد، و المرأة تموت بجمع شهيد. (سن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، ط: سعيد)

(هو من قتله أهل الحرب والبغى ...) قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيدًا؛ أى فى حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء. (البحر الرائق: ۲/۳٤۳، باب الشهيد، رشيدية)

صورتوں میں شہید ہوگا اور بعض میں نہیں، جیسے مسلمان ڈاکو مسلمان پر ڈاکہ ڈالیں تو جن مسلمانوں پر ڈاکہ پڑا ہے، اگر ان میں سے کوئی قتل ہو جاوے تو وہ شہید ہوگا اور اگر خود ڈاکوں میں سے اس ڈاکہ میں کوئی قتل ہوگا تو وہ شہید نہ ہوگا؛ اس لیے کہ شہادت ایک فضیلت کا درجہ ہے اور یہ تو ایسی خراب موت ہے کہ اس پر نماز جنازہ بھی نہیں۔

’’کما تدل علیه هٰذه العبارات: هو (أی الشهید) فی الشرع من قتله أهل الحرب والبغی وقطاع الطریق‘‘. (۱)

’’ویصلی علٰی کل مسلم مات بعد الولادة صغیراً کان أو کبیراً ... الا البغاة وقطاع الطریق و من بمثل حالهم‘‘. (۲)

اسی طرح یہ حکم بھی صحیح نہیں کہ جو بھی شہید ہو، اس کو غسل اور کفن نہ دیا جائے؛ بلکہ بعض شہید کو غسل وکفن دیا جائے گا اور بعض کو نہیں دیا جائے گا، جیسے جس شہید نے ارتثاث کرلیا یا جنابت کی حالت میں شہید ہوا اور اس کے جنبی ہونے کا علم ہو۔

کما تدل علیه هٰذه العبارات: ’’ویغسل ان قتل جنباً‘‘ الخ. (۳)

’’ویغسل من ارتثّ وهو صار خلقاً فی حکم الشهادة لنیل مرافق الحیاة‘‘. (۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔

(منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۶۲/۱-۳۶۳)

غسل کے بعد میت کی ناک سے خون بہنے سے شہید نہیں شمار ہوگا:

سوال: غسل کے بعد قبرستان تک جاتے وقت ناک سے اتنا خون بہے کہ ڈولی سے بہتا ہوا زمین تک آجائے تو کیا یہ اس کے شہید ہونے کی نشانی ہے؟ نیز شہید کہلانے کی کیا نشانی اسلام میں ہے؟

الجواب

شہید تو وہ کہلاتا ہے، جس کو کافروں نے قتل کیا ہو، یا کسی مسلمان نے ظلماً قتل کیا ہو، (۵) ناک سے خون بہنے سے شہید نہیں بنتا۔ (۶) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۳۵/۴)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ١٦٧/١، انیس

(۲) الفتاویٰ الهندیة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ١٦٣/١، انیس

(۳-۵) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ١٦٨/١، انیس

(۶) (قوله: کخروج الدم) أی ان کان الدم یخرج من مخارقه ینظر ان کان موضعاً یخرج من الدم من غیر آفة فی الباطن کالأنف ... لم یکن شهیداً ولأن المرء قد یبتلی بالرعاف، الخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ٢٤٩/٢) / وأیضاً فی الهندیة: ١٦٩/١، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون، الفصل السابع فی الشهید)

اگر عورت اپنی آبرو بچانے کے لیے ماری جائے تو شہید ہوگی:

سوال: اگر کوئی عورت اپنی عزت بچانے کے لیے اپنی جان قربان کردے تو کیا یہ خودکشی ہوگی؟ اور اسے اس بات کی آخرت میں سزا ملے گی، یا نہیں؟

الجواب

اگر اپنی آبرو بچانے کے لیے ماری جائے تو وہ شہید ہوگی۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۳۵/۴)

کفار کی فوج میں شریک مسلمان مرجائے تو وہ شہید ہوگا، یا نہیں:

سوال: اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو اور ہندوستان کی فوج میں کچھ مسلمان بھی موجود ہوں اور وہ اپنے ملک کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے جائیں تو کیا ہم انہیں بھی شہید کہیں گے، یا کوئی اور حکم لگائیں گے؟ جب کہ ان مسلمانوں فوجیوں کو جبراً جنگ میں لایا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں جان کا خطرہ ہے۔ آپ سے عرض ہے کہ مسئلہ کا جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب

اگر کافروں کی فوج میں مسلمان ہیں اور ان کو جبراً مسلمانوں کے سامنے لایا جائے تو مسلمان فوج کافروں کو مارنے کی نیت سے گولی چلائے اور قتال وجہاد کریں، ان کی گولی سے اگر کوئی مسلمان مرجائے تو مسلمان فوج نہ تو عنداللہ مجرم ہے اور نہ ہی قتلِ مسلم کے احکامِ دنیاوی مرتب ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے:

ولابأس یرمیھم وإن کان فیھم مسلم أسیراً أوتاجراً وأن تترسوا الصبیان المسلمین أو بالأساریٰ لم یکفوا عن رمیھم ویقصدون بالرمی الکفار وما أصابوہ منھم لا دیة علیھم ولا کفارة. (۲)

کفار کی طرف سے جو مسلمان مرگیا وہ آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے، حکم دنیاوی کے اعتبار سے (مثلاً عدم غسل وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شہید نہ ہوگا، البتہ امام ابویوسفؒ شہید قرار دیتے ہیں ۔ ہندیہ میں ہے:

"رمیٰ مسلم إلی المشرکین فأصاب مسلماً (إلیٰ أن قال) وماتو یغسلون خلافاً لأبی یوسف رحمه اللّٰه". (۳) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۹/۳/۱۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۹۱/۳)

(۱) ومن ماتت صابرة علی الغیرة لها أجر شهید. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲۵۲/۲، مطلب فی تعداد الشهداء)

(۲) الفتاویٰ الهندیة، کتاب السیر، الباب الثانی فی کیفیة القتال: ۱۹٤/۲، انیس

(۳) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ۱٦۸/۱، انیس

شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اسے غسل نہ دیا جائے:

سوال: ڈیرہ اسماعیل خان سے علماءِ کرام کا وفد حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے گیا، اس وقت مظلوم حضرت شہیدؒ کی میت ہسپتال میں تھی، وہاں سننے میں آیا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مولانا کو غسل نہ دیا جائے، کیا یہ صحیح ہے؟ نیز دورِ حاضر میں اگر کوئی مسلمان کسی باطل فرقے کے ہاتھوں، مثلاً: شیعہ، قادیانی، مودودی، خارجی، وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہوجائے تو کیا اسے غسل دیا جائے، یا نہیں؟ مدلل جواب دیں۔

(مولا بخش، مدرس وناظم دار العلوم عثمانیہ، مرمالی)

الجواب

تنویر الابصار میں شہید دنیوی واخروی کی تعریف درج ذیل ہے:

(هو كل مكلف مسلم طاهر) ...(قتل ظلماً) ... (بجارحة) ... (ولم يجب بنفس القتل مال) ... (ولم يرتث) ... (وكذا) ... (لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو) تسبباً أو (بغير آلة جارحة)، إلخ". (۱)

مذکورہ دونوں شقوں کے لحاظ سے حضرت جھنگویؒ شہید ہیں، جس شخص میں بھی مذکورہ اوصاف موجود ہوں تو وہ شہید کہلائے گا، خواہ قاتل کا تعلق کسی فریق سے ہی کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

(ف) واقعات کے مطابق مولانا مظلوم شہیدؒ زخمی ہوتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑے اور اسی حالتِ بے ہوشی میں انہیں اسپتال لے جایا گیا اور ہسپتال سے قبل ہی روح پرواز کرگئی، لہٰذا ارتثاث بھی نہیں پایا گیا؛ اس لیے غسل نہیں دینا چاہیے تھا۔

ففي الشامية: فلو لم يعقل لا يغسل وان زاد علىٰ يوم وليلة. (۲)

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار، ۱۹/۸/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۹۲/۳)

زنا کرتے ہوئے قتل ہوجانے والا شہید نہیں:

سوال: ایک شخص زنا میں مبتلا ہے، اس کو دوسرا شخص اسی وقت عورت کے اوپر اس کو جان سے مار ڈالتا ہے۔ مرنے والا شہید ہے، یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۴۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۵۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب

ایسا مقتول شہید نہیں، جب کہ قاتل کی بیوی وغیرہ سے فعل بد کی صورت میں مقتول ہوا ہو۔

كما تدل عليه هٰذه الجزئية: لو كان مع امرأته وهويزني بها أومع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعا. (۱)**فقط والله أعلم**

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۱۴/۲/۱۳۸۶ھ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۲۹۳)

شہید کو غسل نہ دیا جائے:

سوال: ایک بے گناہ لڑکی قتل ہوئی ہے، اس کے باپ نے اس کو چھری سے قتل کیا ہے، وہ اس سے فعل بد کرنا چاہتا تھا تو اب اسے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے، یا نہ؟ محلّہ کے لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں کہ لڑکی حق بجانب تھی۔

الجواب

وهوفي الشرع من قتله أهل الحرب والبغي، إلخ، أوقتله مسلم ظلماً ولم تجب بقتله دية، كذا في الكافي ... ولووجبت الدية بصلح أوبقتل الأب ابنه لاتسقط الشهادة، آه. (۲)

وحكمه أن لايغسل ويصلى عليه ويدفن بدمه وثيابه، آه. (كذا في الهندية)(۲)

جزئیات بالا کی بنا پر یہ مظلومہ لڑکی شہید ہے، لہٰذا اسے غسل نہ دیا جائے؛ بلکہ انہی خون آلود کپڑوں میں کفن دے کر نماز جنازہ پڑھا کر دفن کردیا جائے، اگر یہ کپڑے کفن سنت سے کم ہوں تو مزید کپڑا کفن میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۵/۹/۱۳۸۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۲۹۳)

نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہوگا، یا نہیں:

سوال: نیم پاگل کنویں میں گر کر مر جائے تو اس کو شہادت صغریٰ کا درجہ ملے گا، یا نہیں؟

الجواب

اگر کچھ دین ایمان کو سمجھتا ہے تو امید ہے کہ یہ موت ضرور رفع درجات کا سبب بنے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۷/۲/۱۴۰۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۲۹۴)

---

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعذير: ٦٣/٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۲،۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد: ٨٦/١، انيس

ہجوم میں دب کر مرنے والا حکماً شہید ہے:

سوال: ایک شخص اسلامی کانفرنس پر گیا، اس غرض سے کہ شاہی مسجد میں شاہ فیصل کے پیچھے نمازِ جمعہ بھی ادا کریں گے تو نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد ہجوم کے اندر دب کر فوت ہوگیا۔ کیا یہ متوفی شہید ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ شخص حکماً شہید ہے؛ لیکن اسے غسل وغیرہ دیا جائے گا۔ فقط

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ، ۹/۴/۱۳۹۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۹۴)

جلسے جلوسوں میں مرنے والا شہید ہوگا، یا نہیں:

سوال (۱) ایک شخص موجودہ جلسے اور جلوسوں میں شمولیت کرتا ہے؛ یعنی قومی اتحاد کے جلسے اور جلوسوں میں اور ان میں تشدد کا نشانہ بن جائے، یا قتل ہوجائے۔ کیا یہ شخص شہید ہے، یا نہیں؟

(۲) ان جلسوں اور جلوسوں میں بغیر اذنِ والدین کے شرکت کر سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگر اس پر شہید کی تعریف صادق آتی ہو تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، البتہ انجام کا دار ومدار نیت پر ہے، **لقوله عليه السلام: "إنما الأعمال بالنيات"**. (۱)

(۲) جہاد بھی جب تک فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، خیر المدارس، ملتان، ۴/۷/۱۳۹۸ھ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۹۵)

جو دب کر مر جائے، وہ شہید ہے:

سوال: شاہد مشہور پہلوان تھا جو کہ اپنی طاقت سے فرعون کو شکست دینے کی گھات میں رہتا تھا، ناگاہ وہ ٹرک جس میں شاہد کام کرتا تھا، درخت سے ٹکرایا اور پہلوان نے چوٹ کھائی؛ لیکن وہ جبر نہ ہوسکا۔ آپ تحریر فرمادیں گے، پہلوان کو مقام شہادت ملا، یا نہیں؟ شاہد ہمدرد ملت تھا؛ لیکن مزاج کا گرم تھا، اکھڑ ہندو اور کچھ متعصب مسلمان اس سے ڈرتے تھے؛ اس لیے موت کے بعد ان لوگوں نے طعنہ دیا کہ وہ بد خلق تھا؛ اس لیے جلدی مر گیا۔ آپ فرمادیں کہ انسان کی عمر کسی وجہ سے گھٹ سکتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) صحيح البخاری، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جو شخص گر کر، ادب کر مر جائے، وہ بھی شہادت کا ثواب پائے گا، (۱) اب اس پر طعن نہیں کرنا چاہیے، بہت غلط طریقہ ہے، (۲) عمر میں حقیقۃً کمی وزیادتی نہیں ہوتی، جتنی لکھ دی گئی ہے، بس اتنی ہی رہتی ہے، (۳) البتہ بعض آدمیوں کی عمر میں برکت ہوتی ہے، اس طرح کہ وہ تھوڑی عمر میں بھی بہت کام کر لیتے ہیں کہ دوسرے زیادہ عمر میں بھی نہیں کر پاتے (جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، علامہ جلال الدین سیوطی اور ہمارے اکابرین میں سے شاہ عبدالغنی، حضرت مولانا الحیٔ لکھنوی، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ان حضرت نے مختصر عمر میں علم دین کی بہت بڑی خدمت کی)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۳۰۰-۳۰۲)

---

(۱) عن جابر بن عتيك ... قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، و صاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد والذى يموت تحت الهدم شهيد، و المرأة تموت بجمع شهيد". (سن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، ط: سعيد)

هو من قتله أهل الحرب أو البغى ... قيد بكونه مقتولا؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أو تردى من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم، أو غرق، لا يكون شهيدًا؛ أى فى حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء. (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد، ط: رشيدية)

(۲) عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: أن رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تسبوا الأموات، فإنهم قد أفضوا إلىٰ ما قدموا". (سنن النسائى، كتاب الجنائز، باب النهى عن سبب الأموات: ۱/۲۷٤، قديمى)

عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذى". هٰذا حديث حسن غريب. (جامع الترمذى، أبواب البر والصلة، باب ماجاء فى اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ ﴿ولن يؤخر الله نفساً إذا جاء أجلها، والله خبير بما تعملون﴾ (سورة المنافقون: ۱۱)

عن زيد بن وهب "قال: حدثنا عبد الله قال: حدثنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو الصادق المصدوق: "إن أحدكم يجمع خلقه فى بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذلك، ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات: فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقى أو سعيد، ثم ينفخ فيه الروح، فإن الرجل ليعمل بعمل أهل النار، حتىٰ ما يكون بينه وبينها إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة، فيدخل الجنة، و إن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة حتىٰ ما يكونبينه وبينها إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار، فيدخل النار". (صحيح البخارى، كتاب الأنبياء، باب خلق آدم وذريته: ۱/٤٦۹، قديمى)

ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے:

سوال: مسماۃ فاطمہ کا انتقال ہوگیا جس کو آج ۲۳/ یوم ہوتے ہیں، اس درمیان میں مرحومہ مختلف رشتہ داروں کے خواب میں آئی، جس میں یہ مطالبہ ضرور ہے کہ میں زندہ ہوں، مجھے نکال لیا جائے، وفات ولادت کے سلسلہ میں ہوئی تھی، شوہر کا مطالبہ قبر کھودنے کا ہو رہا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے اور یہ موت شہادت کے حکم میں ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

بچہ پیدا ہونے میں جس کا انتقال ہو جائے، وہ بھی شہید ہے، (۱) ایسے خواب کی بنا پر قبر کھودنا درست نہیں، (۲) قبر میں رکھنے کے بعد برزخ کے امور شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ احوال اچھے نہیں ہوتے تو میت کے متعلق بدگمانی اور بدگوئی ہوتی ہے، بعض دفعہ ہیبت ناک احوال دیکھ کر قبر کھودنے والے پر وبال آ جاتا ہے، وہ پاگل، یا بے چین ہو جاتا ہے؛ اس لیے ہرگز قبر نہ کھودی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۹/ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۲/۹-۳۰۳)

---

(۱) عن يعلى بن شداد، قال: سمعت عبادة بن الصامت رضي الله عنه، يقول: عادني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في نفر من أصحابه فقال: "هل تدرون من الشهداء من أمتي"؟ مرتين أو ثلاثاً فسكتوا فقال عبادة رضي الله تعالىٰ عنه: أخبرنا يارسول الله! فقال: "القتيل في سبيل الله شهيد و المبطون شهيد، والمطعون شهيد، والنفساء شهيد يجرها ولدها بسرره إلى الجنة". (مسند الإمام أحمد، أحاديث عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۲۲۲۷۸): ٤٤١/٦، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ولأحمد من حديث عبادة بن الصامت نحو حديث جابر بن عتيك رضي الله تعالىٰ عنه، ولفظه: "وفي النفساء يقتلها ولدها جمعا شهادة" ... هٰذه كلها ميتات فيها شدة، تفضل الله علىٰ أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم وزيادة في أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء". (فتح الباري، كتاب الجهاد والسير، باب الشهادة سبع سوى القتل: ٥٤/٦-٥٥، قديمي)

(۲) اس لیے کہ خواب حجت شرعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے، بعض مرتبہ نہیں۔

عن عبد الرحمن أن أباقتادة الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه وكان من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان فاذا حلم أحدكم الحكم تكرهه فليبصق عن يساره وليستعذ بالله منه فلن يفره". (الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان: ۱۰۳۷/۲، قديمي)

"الصحيح ما عليه أهل السنة أن الله يخلق في قلب النائم اعتقادات كما يخلقها في قلب يقظان، فإذا خلقها، فكأنه جعلها علماً علىٰ أمور أخرىٰ يخلقها في ثاني الحال، ومهما وقع منها علىٰ خلاف المعتقد، فهو كما يقع ليقظان، ونظيره أن الله خلق الغيم علامة على المطر، وقد يتخلف وتلك الاعتقادات تقع تارة بحضرة الملك، فيقع بعدهاما يسر، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضر، والعلم عندالله تعالىٰ"، (كتاب المنامات للشيخ عبدالسلام، الفصل الثالث في حقيقة الرؤيا، ص: ٥٩، دار المعرفة، بيروت)

==

ایکسیڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت:

سوال: اگر کوئی شخص ایکسیڈنٹ سے مرجائے، یا کسی موذی جانور نے کاٹ لیا، یا کسی صورت سے اچانک موت ہوگئی تو وہ شہید ہے، نہیں؟ فقط

الجواب

اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا؛ مگر اس کو غسل وکفن دیا جائے گا۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم ربیع الاول ۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۳۰۴/۹)

جنازہ شہید پر نماز:

سوال: شہید کے اوپر بحسب الفتویٰ نماز جنازہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہوگا جن میں یہ ہے کہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور حدیثیں شرح نقایہ میں، صفحہ:۱۴۱، "ولنا" سے لے کر "فإن قیل" تک ہیں۔(۲) اگر کسی حدیث سے عدم صلوۃ بھی ثابت ہو تو ساتھ اس کے راواۃ پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے بھی بحث ہے، مع حوالہ مفصل جواب دیں؟

== مزید تفصّل کے لیے دیکھئے: فتح الباری، کتاب التعبیر، باب أول ما بدیء به رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم إلخ، (رقم الباب: ۹۱): ۴۳۷/۱۲، قدیمی

(ولایخرج منه) بعد إهالة التراب) (إلا) لحق آدمي، الخ. (الدر المختار)

(قوله: إلا لحق آدمی) إحترازعن حق اللّٰه تعالیٰ کما إذا دفن بلاغسل أو صلاة أووضع علیٰ غیر یمینه أوإلیٰ غیر القبلة، فإنه لاینبش علیه بعد إهالة التراب. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۸/۲، سعید)

(۱) هو (أی الشهید) من قتله أهل الحرب أوالبغی ... قید بکونه مقتولًا؛ لأنه لو مات حتف أنفه أوتردی من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق، لایکون شهیدًا: أی فی حکم الدنیا، وإلا فقد شهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم للغریق و الحریق والمبطون والغریب بأنهم شهداء، فینالون ثواب الشهداء. (البحر الرائق: ۳۴۳/۲، باب الشهید، رشید)

عن جابر بن عتیک ... قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: الشهادة سبع سوی القتل فی سبیل اللّٰه: المطعون شهید، والغرق شهید، وصاحب ذات الجنب شهید، والمبطون شهید، وصاحب الحریق شهید، والذی یموت تحت الهدم شهید، والمرأة تموت بجمع شهید. (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعید)

(۲) لما روی البخاری وأصحاب السنن الأربعة ... عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یجمع بین الرجلین من قتلیٰ أحد، وقال: "أیهما أکثر قرآناً" فإذا أشیر إلیٰ أحد هما، قدمه فی اللحد، فقال: "أنا شهید علیٰ هؤلاء یوم القیامة". (وأمر بد فنهم فی دمائهم، ولم یغسلهم". زاد البخاری والترمذی: "و لم یصل علیهم" قال الترمذی: حدیث حسن صحیح. وقال النسائی: لا أعلم أحدًا تابع اللیث من أصحاب الزهری علیٰ هٰذا الأسناد، واختلف علیه فیه. انتهیٰ". (فتح باب العنایة بشرح النقایة، للملا علی القاری رحمه اللّٰه تعالیٰ، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۴۶۱/۱، دار الأرقم بن أبی أبی الأرقم، بیروت، لبنان)

الجواب

حنفیہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

”ودليله ماروى ابن عباس وابن زبير رضى الله تعالٰى عنهم أنه عليه الصلاة والسلام صلٰى علٰى شهداء أحد مع حمزة،وكان يؤتى بتسعة وحمزة عاشرهم،فيصلى عليهم“. (الحديث) وقد صلٰى عليه الصلاة والسلام علٰى غيرهم،كما روى أنه عليه الصلاة والسلام أعطٰى أعرابياً نصيبه، وقال:”قسمته لک“ قال:ما علٰى هٰذا اتبعتک،ولكن اتبعتک علٰى أرمى هٰهُنا وأشارإلٰى حلقه فأموت وأدخل الجنة،ثم أتى بالرجل،فأصابه سهم حيث أشار،وكفن فى جبة النبى صلى الله عليه وسلم،فصلٰى عليه“. (الحديث)وقال عقبة بن عامررضى الله عنه:أن النبى صلى الله عليه وسلم خرج يوماً،فصلٰى علٰى أهل أحد صلاته على الميت،ثم انصرف إلى الميت“.(متفق عليه)(۱)

جس روایت میں نفی مذکور ہے،اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نفی اور مثبت میں جب تعارض ہوتو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے،حدیث مثبت متفق علیہ ہے۔(۲) جواب ان کے ذمہ ہے،جو منکر ہیں،ان منقولہ احادیث کا بھی اور شرح نقایہ کی روایت کا بھی۔آثارالسنن:۱۲۱/۲ میں نسائی،طحاوی،ابن ماجہ،طبرانی اورابوداؤد(۳) سے بھی روایات نقل کی ہیں،جن میں بعض کی اسانید محدثین کے نزدیک صحیح ہیں،بعض کی اس سے کم درجہ کی ہیں۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳۸۷/۱/۲۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۰۵/۹-۳۰۷)

---

(۱) تبيين الحقائق،كتاب الصلاة،باب الشهيد:۵۹۲/۱،دارالكتب العلمية،بيروت

(۲) عن عقبة بن عامر رضى الله تعالٰى عنه أن النبى صلى الله تعالٰى عليه و سلم خرج يوماً،فصلٰى علٰى أهل أحد صلاته على الميت،ثم انصرف إلى المنبرفقال انى فرط لكم وأنا شهيد عليكم و انى والله لأتطرد الٰى حوضى الآن وانى أعطيت مفاتيح خزائن الأرض أومفاتيح الأرض وانى والله ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدى ولكن أخاف عليكم أن تنافسوا فيها.(صحيح البخارى،كتاب الجنائز،باب الصلٰوة على الشهيد:۱۷۹/۱،قديمى)

(۳) آثار السنن،أبواب الجنائز،باب فى الصلاة على الشهداء، ص:۳۳۲،۳۳۳،مكتبه إمدادية

عن شداد بن الهاد رضى الله تعالٰى عنه أن رجلاً من الأعراب جاء إلى النبى صلى الله عليه وسلم فأمن به واتبعه“.ثم أهاجر معک فأوصىٰ به النبى صلى الله عليه وسلم بعض اصحابه فلما كانت غزوة غنم النبى صلى الله صلى الله عليه وسلم سبياً تقسم وقسم له فأعطٰى أصحابه ما قسم له وكان يرعٰى ظهرهم فلما جاء دفعوه اليه فقال ما هٰذا قال قسمته لک قاما علٰى هٰذا اتبعتک ولكنى اتبعتک علٰى أن أرمى الٰى هٰهنا وأشارالٰى حلقه بسهم فأموت فأدخل الجنة فقال ان لصدق الله لصدقک فلبثوا قليلاً،ثم نهضوا فى قتال العدو فأوتى به النبى صلى الله عليه وسلم يحمل قد أصابه سهم حيث أشار فقال النبى صلى الله عليه وسلم أهو هو قالوا:نعم قال صدق الله فصدقه ثم كفنه النبى صلى الله عليه وسلم فى جبة النبى صلى الله عليه وسلم ثم قدمه فصلٰى عليه فكان مما ظهر من صلاته اللهم هٰذا عبدک خرج مهاجراً فى سبيلک فقتل شهيداً وأنا شهيد علٰى ذلک“رواه النسائى والطحاوى وإسناده صحيح.(سنن النسائى،كتاب الجنائز ،الصلاة على الشهداء:۲۷۷/۱،قديمى)==

احادیث میں جن باتوں پر شہادت کا وعدہ ہے وہ اگر فاسق میں ہوں تو:

سوال (۱) بہت سی احادیث میں ہے کہ اس (مندرجہ ذیل) بیماری سے، یا فعل کا کرنے والا شہید کا اجر پاتا ہے؟

(۲) وضو کی حالت میں مرنے والا۔

ان گروہوں میں مرنے والا اگر فاسق ہے، یعنی کہ نماز، روزہ اور گناہ کبیرہ کو کرنے والا تو وہ قبر کے عذاب سے رہا پائے گا اور جنت کے شہیدوں کی جگہ پائے گا، آیا اگر وہ گروہوں میں مرنے والا صالح اور نیک ہے تو محض اسی کو یہ تین سعادتیں ملیں گی؟ یا فاسق کو بھی تین سعادتیں نصیب ہوں گی؟ اول گروہ میں مرنے والا یہ سعادتیں پائے گا، دوسرے گروہی والا اس سے محروم رہے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اللہ تعالیٰ جس بندہ پر اپنی رحمت نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے وہ کسی قانون کا پابند نہیں، (۱) وہ چاہے تو بڑے سے بڑے فاسق کے سارے گناہ معاف کر دے، بے تردد جنت میں بھیج دے اور چاہے تو بہت چھوٹے سے عمل پر بہت بڑا اجر دے دے اور چاہے تو چھوٹی سی بات پر بھی گرفت کرے، اس کے یہاں دو قسم کی کچہری ہے ایک عدل کی، ایک فضل کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۳/۹-۲۹۴)

شہید کے درجے:

سوال: شہید کے کتنے درجے ہیں؟ عالم ربانی فقیہ لاثانی حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب محدث

== الطحاوی فی شرح معانی الآثار فی کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشهداء: ۳۳۹/۱، سعید

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: أتی بهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم أحد، فجعل یصلی علیٰ عشرة عشرة، وحمزة هو کما هو، یرفعون، و هو کما هو موضوع". (سنن ابن ماجة کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلوٰة علی الشهداء ودفنهم: ۱۰۹/۱، قدیمی)

السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الجنائز، باب من زعم أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلیٰ علیٰ شهداء أحد: ۱۲/٤، إدارة تأ لیفات أشرفیة

وعن أبی مالک أمر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم أحد بحمزه فوضع وجیئ بتسعة فصلیٰ علیهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فرفعوا وترک حمزة ثم جیئ بتسعة فوضعوا وصلیٰ علیهم سبع صلوات حتیٰ صلیٰ علیٰ سبعین وفیهم حمزة فی کل صلاة صلاها. (مراسیل أبی داؤد، فی ما جاء فی الجنائز، فی الصلوٰة علی الشهداء، ص: ۱۸، سعید)

(۱) أمره وحکمه من العفو والعقاب مفوض إلیه، فلا یجب علیه سبحانه عقاب عاص کما لایجب علیه ثواب مطیع علی المذهب الحق. (مرقاة المفاتیح، کتاب الایمان، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۱۸): ۱۷۵/۱، رشیدیة)

دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہ نے چہل حدیث، ص:۳۵ میں ۱۷؍قسم کی شہادتیں صغریٰ لکھی ہیں۔اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید ٹرک حادثہ میں شہید ہوگیا، اس کو غسل دیا گیا ہے تو وہ جائز ہے، یا نہیں؟ غسل دینے والے گناہگار ہوئے، یا نہیں؟ اس کے حق میں شہادت ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

کس شہید کو کیا درجہ ملے گا، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، زید کو غسل دینے والے گناہگار نہیں، اس کو غسل دینے ہی کا حکم ہے؛ کیوں کہ وہ احکام آخرت (ثواب) کے اعتبار سے شہید ہے، احکام دنیا (غسل وکفن) کے اعتبار سے شہید نہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۵/۱۲/۱۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۹۶/۹)

کافر کی لڑائی کی وجہ سے جو مسلمان قتل ہوں، ان کا حکم:

سوال: دونوں جانب سے کافر لڑرہے ہیں، درمیان میں مسلمانوں کی آبادی ہے، دونوں جانب کی گولی سے وہاں کے لوگ مرجاتے ہیں، یا شبہ کی بنا پر قتل کردیتے ہیں، ان لوگوں کو شہید کہیں گے یا نہیں؟ فقط

الجواب

جو لوگ بلاقصور ایسی حالت میں مرے ہیں، وہ بھی حکماً شہید ہیں۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۴/۳/۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۹۵/۹-۲۹۶)

---

(۱) عن جابر بن عتيک ... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: الشهادة سبع سوى القتل في سبيل اللّٰه: المطعون شهيد والغرق شهيد وصاحب ذات الجنب شهيد والمبطون شهيد وصاحب الحريق شهيد والذي يموت تحت الهدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد. (سن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲، سعيد)

هو من قتله أهل الحرب أو البغي ... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه، أو تردىٰ من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم، أو غرق، لايكون شهيدًا، أي في حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء. (البحر الرائق، باب الشهيد: ۳٤۳/۲، رشيدية)

(۲) عن ابن عباس رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد" (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس (رقم الحديث: ۲۷۷۵) ۵۰۱/۱، دار الإحياء التراث العربي، بيروت)

(هو كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة)، إلخ". (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲٤۷/۲-۲٤۸، سعيد)

(هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق، أو وجد في المعركة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية) (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوٰة الشهيد: ۲٤۳/۲، رشيدية)

دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں:

سوال: کیا دو مسلم ممالک کے باہمی جنگ میں مارے جانے والے مسلمان کو شہید کہا جائے گا، یا نہیں؟

الجواب

ان دونوں مسلم ممالک میں اہل علم حضرات ہوں گے، جو دونوں جگہ کے حالات سے واقف ہوں گے کہ ان میں کون ظالم ہے؟ کون مظلوم؟ ان سے ہی اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے۔ امید ہے کہ وہ مظلوم کو شہید بتلائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۶/۹)

دو قومی فسادات میں مرنے والے کا حکم:

ہمارے یہاں ہندو مسلم فسادات ہو رہے ہیں، ان کی ابتدائی بنا خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس وقت تو جنگ صرف مسلمان سے ہے خواہ کسی جماعت اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، بہت سے مسلمانوں کو سندھی (۱) بھی کر لیا ہے اور ان کے سروں پر چوٹیاں رکھوادی ہیں۔ بیس بیس، تیس تیس ہزار کی دھاڑیں بنا کر مسلمانوں کی بستیوں پر چڑھ کر آتے ہیں، پہلے آگ لگا دیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو شہید کر ڈالتے ہیں، مال چھین لیتے ہیں، ہر قسم کے ہتھیار ان کے پاس ہیں، ریاستوں میں ریاست کی دھاڑ کے آگے آگے ریاست کی ملٹری ہوتی ہے، اگر مقابلہ میں کوئی آوے تو فائر کرتی ہے اور دھاڑ ان کو لوٹ لیتی ہے، قتل کر ڈالتی ہے جو مسلمان مکان ۔۔۔ خالی کر دیتے ہیں تو یہ لوگ تمام مال لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں۔ اس قسم کے جانکاہ واقعات سامنے ہیں: اس لیے مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

(۱) اگر کافر بستی پر چڑھ کر آجائیں تو ان سے لڑنا فرض ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ اور "**فركب خالد بن العاص إلٰى عبد الله بن عمرو فوعظه خالد فقال عبد الله بن عمرو: أما علمت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قتل دون ماله**". (۲) میں داخل ہو کر شہید ہوگا، یا نہیں؟

(۲) جو دو چند سے زائد آئیں اور کوئی چھپتا ہوا، بھاگتا ہوا مارا جائے تو شہید ہوگا، یا نہیں؟

(۳) اگر یہ کافر فرسی، یا بہالوں سے آلۂ دھاردار سے شہید کر دیں تو غسل وکفن دیا جائے گا، یا نہیں؟ بندوق

---

(۱) سندھی: وہ تحریک جو شردھانند ایک ہندو نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لیے چلائی تھی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) **الصحيح للإمام مسلم رحمه الله تعالٰى، كتاب الإيمان، باب الدليل علٰى من قصدًا أخذ مال غيره بغير حق ... وأن من قتل دون ماله فهو شهيد: ۸۱/۱، قديمي**

وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ لڑائی کی ابتدا بھی مسلمانوں کی طرف سے نہیں؛ بلکہ ظلماً مارے جاتے ہیں۔

(۴)　اسی طرح کسیرا کیر مسلمان کو موقع بموقع قتل کررہے ہیں، ان کو بھی غسل وکفن دیا جائے، یا نہیں؟ تمام مسلمان حکام پاکستان چلے گئے ہیں، ان کی جگہ ہندو، یا سکھ تمام آگئے ہیں۔

الجواب ــ

(۱)　اگر مقابلہ کی قوت ہوتو ان سے لڑنا اور جان، مال، آبرو کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس ذیل میں جو مسلمان قتل ہوگا، وہ شہید ہوگا۔(۱)

(۲)　وہ بھی شہید ہے۔(۲)

(۳)　عین لڑائی میں مسلمان ماردیا جائے، خواہ کسی آلہ سے ہو، وہ شہید ہے، اس کے لیے غسل کفن نہیں۔(۳)

(۴)　اس کا بھی یہی حکم ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/شوال/۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۹۸-۲۹۹)

کیا فرقہ وارانہ فسادات میں مرنے والا مسلمان شہید ہے:

سوال:　موجودہ حالات کے پیش نظر جو ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی ترقی پر ہے اور غیر مسلم مسلمانوں پر حملہ کرکے موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں، جیسا کہ فی الحال بجنور، مظفرنگر وشاملی وغیرہ میں حادثے ہوئے ہیں۔ شرعی ضابطہ سے نوازیں کہ ان مسلم مرنے والوں کو شہید کا درجہ ملتا ہے، یا اور درجہ ان کے لیے شرعی ضابطہ سے نافذ ہے، مرنے والوں میں تبلیغی جماعت بھی ہوسکتی ہے اور مسافر بھی، شہر میں اکثر دیہاتی بھی ہوتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ ایسے بھی اشخاص ہوتے ہیں جو پرانی عداوت کا بدلہ لیتے ہیں ان تمام وجوہات کے پیش نظر شرعی ضابطہ سے مسائل سے نوازیں کہ کس پر کیا حکم ہے؟

(۱-۴)　عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما عن النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم قال:"من أرید ماله بغیر حق، فقاتل، فقتل،فهو شهید". (سنن أبی داؤد، کتاب السنة،باب فی قتال اللصوص: ۲/۳۰۹،مکتبة حقانیة،ملتان،انیس)

"عن سعید بن زید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه،عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:"من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون أهله أودون دمه أودون دینه فهو شهید". (سنن أبی داؤد، کتاب السنة،باب فی قتال اللصوص: ۲/۳۰۹، إمدادیة)

(هو (أی الشهید) كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً) ... (بجارحة) ... (وكذا) ... (لو قتله باغ أو حربی أو قاطع طریق و لو) ... (بغیر آلة جارحة) ... (ویصلی علیه بلاغسل، ویدفن بدمه وثیابه)(الدر المختار علی هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الشهید: ۲/۲۴۷-۲۵۰،سعید)

"وهو فی الشرع من قتله أهل الحرب والبغی وقطاع الطریق أو وجد فی معركة وبه جرح ... أو قتله مسلم ظلماً،ولم تجب به دیة ... وحکمه:أن لایغسل،ویصلی علیه، ویدفن بدمه و ثیابه". (الفتاوی الهندیة ،کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجائز،الفصل السابع فی الشهید: ۱/۱۶۷-۱۶۸،رشیدیة)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس فرقہ وارانہ کشیدگی میں جو مسلمان کسی بھی غیر مسلم کے ہاتھ سے مارا جائے، وہ بلاشبہ شہید ہوتا ہے، البتہ سب پر لازم ہے کہ حسب استطاعت اپنی پوری حفاظت اور پوری مدافعت کرتے ہوئے مریں، یا بچیں، بزدلی کے ساتھ، یا اپاہجوں کی طرح جان نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۷/۵/۱۴۱۱ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۶۲/۱)

غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھنا:

سوال: اکثر اخبار والے غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھتے ہیں، کیا غیر مسلم کو شرعاً شہید مرحوم لکھنا درست ہے؟ جواب مسئلہ بالتشریح وبحوالہ کتب عنایت فرمائیں؟ (سائل: عبدالکمال عبدالمجید مظفر پوری)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

''شہید'' ایک شرعی اصطلاح ہے؛ اس کے لیے مسلم ہونا شرط ہے۔

''الشهيد (هو كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلماً)، إلخ''.(۱)

''أما الأول فمبنى علىٰ شرائط الشهادة وهى أنواع ... ومنها كون المقتول مسلماً، إلخ''.(۲)

''ولو أريد تصويره علىٰ رأى أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، قيل: كل مسلم مكلف لاغسل عليه قتل ظلماً من أهل الحرب، أو البغى أو قطاع الطريق بأى آلة كانت وبخارج من غيرهم''.(۳)

جس میں یہ شرط نہ ہو، وہ شریعت کے اعتبار سے شہید نہیں ہوسکتا، اس شہید کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۰۸/۹)

ایکسیڈنٹ میں فوت شدہ شہید ہے:

سوال: زید کسی ایکسیڈنٹ میں اچانک مرگیا تو یہ شہید ہے، یا نہیں؟ اگر شہادت میں شامل ہے تو کون سی شہادت ملے گی؟ ایسے شہید کو غسل اور کفن دیا جائے گا؟ اور اس سے امتحان اور عذابِ قبر معاف ہے، یا نہیں؟ زید بلاقصور مقدمۂ قتل میں ملوث ہوگیا، اس کو پھانسی ہوگئی تو مظلومیت کی بنا پر شہید ہے، یا نہیں؟ اور شہید والے احکام اس پر مرتب ہوں گے، یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۴۷/۲، سعيد

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى بيان من يكون شهيدًا فى الحكم ومن لايكون: ۶۶/۲-۶۸، رشيدية

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱۵۲/۲، دار الفكر بيروت، لبنان

الجواب

ایکسیڈنٹ کی صورت میں موت واقع ہونے اور مقدمۂ قتل میں بلاتصور ملوث کو پھانسی ہوجانے سے جوموت واقع ہوجائے، دونوں کو بعدالموت غسل دیاجائے گا اور کفن دیاجائے گا اور نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی، یہ شہید ہیں؛ مگر احکامِ آخرت کے اعتبار سے، نہ کہ احکامِ دینا کے اعتبار سے؛ کیوں کہ جس شہید کے لیے احکام دنیا بدلتے ہیں، اس کی تعریف ان پر صادق آتی۔ وہ تعریف یہ ہے:

(هو كل مكلف مسلم طاهر) ... (قتل ظلمًا) ... (بجارحة) ... أى بما يوجب القصاص (ولم يجب بنفس القتل مال) ... (وكذا) ... (لوقتله باغ أوحربى أوقاطع طريق ولو) تسبباً أو (لغير آلة جارحة) أووجدجريحاً ميتاً فى معركتهم. (كذا فى الدرالمختار)(۱)

منکر نکیر کے سوال کے بارے میں ردالمحتار میں ہے کہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے: **ثم ذكر إن من لا يسأل ثمانية الشهيد والمرابط والمطعون والميت زمن الطاعون.** (۶۳۸/۱)(۲)**فقط والله أعلم**

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیرالفتاویٰ:۲۹۰/۳)

شہید اور اس کا اجر:

سوال: کس طرح کی موت مرنے والے شخص کو شریعت میں شہید کہا جاتا ہے، کیا شہید واقعی جنتی ہوگا؟

(محمد ادریس مرزا، ٹولی چوکی)

الجواب

شہید کے جنتی ہونے کا ذکر متعدد آیتوں اور حدیثوں میں موجود ہے،(۳) شہید کی دوقسمیں ہیں، ایک حقیقی شہید، جو دنیا کے حکم اور آخرت کے اجروثواب دونوں پہلوؤں سے شہید ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو دین کی سربلندی وحفاظت یا جان ومال اور عزت وآبرو کے بچاؤ میں مارڈالے جائیں اوران کی موت برسرموقع واقع ہوجائے، زخمی کئے جانے اور وفات پانے کے درمیان انہیں اسباب دنیا سے نفع اندوز ہونے کا موقع نہ ملا ہو،(۴) چناں چہ حضرت سعید بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۴۷/۲-۲۴۹، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب صلاة المريض، مطلب ثمانية لايسألون فى قبورهم: ۱۹۲/۲، دارالفكربيروت، انيس

(۳) عن حسناء بنت معاوية الصريمية قالت: حدثنا عمى قال: قلت للنبى صلى الله عليه وسلم: من فى الجنة؟ قال: النبى فى الجنة والشهيد فى الجنة والمولود فى الجنة والوئيد فى الجنة. (سنن أبى داؤد، باب فى فضل الشهادة: ۳۴۸/۱، مكتبة حقانية، ملتان، انيس)

(۴) ردالمحتار: ۶۷۲/۱، مكتبة رشيدية كوئتة

''جواپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جواپنے اہل وعیال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جواپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے، وہ شہید ہےاور جواپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے، وہ بھی شہید ہے''۔(۱)

ایسے شخص کواس کے خون کے ساتھ بغیر غسل کے دفن کردیا جائے گا، جوشخص انہیں اسباب کی وجہ سے مارا جائے؛ لیکن اس کی موت برسرموقع نہ ہوئی، یا وہ پیٹ کی بیماری، پلیگ وغیرہ سے مرجائے، اس کوبھی حدیث میں شہید کہا گیا ہے، وہ حکم دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں ہے، عام مردوں ہی کی طرح اسے غسل وکفن دیا جائے گا؛(۲) لیکن ان شاءاللہ آخرت میں اسے شہیدوں کی طرح اجروثواب حاصل ہوگا، ایسے شہدا میں آپ صلی اللہ وسلم نے اور بھی کئی لوگوں کوشمار فرمایا ہے۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۴۱-۲۴۲)

شہدا کی انواع:

سوال: پلیگ، چیچک، یا اچانک حادثہ، آتش زدگی، غرقابی، دیوار وغیرہ سے دب کر مرجانے والوں کوبھی حدیث شریف میں شہید کہا گیا ہے۔سوال یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ جومیدان کارزار میں کافروں، مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے جن کے متعلق ﴿أحیاء عند ربهم یرزقون ﴾قرآن میں فرمایا گیا، جن کے گناہوں کوان کے خون گرنے سے قبل محوکردیا، جن کی ارواح سبز پرندوں کے خول میں جنت میں سیر کرتی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی آؤ بھگت ہے۔۔۔کیا یہی سلوک، اعزاز واکرام ان وبائی امراض میں مرنے والے شہدا کے ساتھ کیا جاتا ہے، یافرق ہے؟ آخرت کے درجہ ومقام وحکم میں دونوں شہدا میں جوفرق ہے، پوری وضاحت کریں کہ دونوں میں امتیاز بےغبار ہوکرسامنے آجائے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

جوشخص جہاد میں قتل ہوا، وہ حقیقی شہید ہے۔اس کے شرائط اور تفصیلات کتب فقہ میں مشہور ہیں،(۴) اوران کے

---

(۱) عن سعید بن زید عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من قتل دون ماله فهو شهید من قتل دون أهله أودون دمه أودون دینه فهو شهید. (أبوداؤد، قبیل کتاب السنة: ۲/۳۰۹، مکتبة حقانیة، ملتان)

(۲،۳) عن أبی هریرة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: الشهداء خمسة: المبطون والغریق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل اللّٰه. (جامع الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الشهید من هم: ۱/۲۰۴، قدیمی، انیس)

(۳) عن أبی هریرة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال:''الشهداء خمسة: المطعون والمبطون والغریق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل اللّٰه''. (صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب: الشهادة سبع سوی القتل: ۱/۳۹۷، قدیمی)

عن جابر بن عتیک ... قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:''الشهادة سبع سوی القتل فی سبیل اللّٰه: المطعون شهید، والغرق شهید، وصاحب ذات الجنب شهید، والمبطون شهید، وصاحب الحریق شهید والذی یموت تحت الهدم شهید، والمرأة تموت بجمع شهید''. (سنن أبی داؤد، باب فی فصل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعید)==

انعامات حدیث شریف میں ہیں،(۱)اور جوشخص غرق ہوکر، ہیضہ، یا طاعون میں مرے، یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت ہوکہ اس پر شہید ہونے کا حکم لگایا جائے، وہ حکم دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں، لہٰذا اس کو غسل وکفن عام مومنین کی طرح دیا جائے گا، البتہ آخرت کے اعتبار سے اس کو شہید جیسا اجر ملے گا؛() لیکن وہاں بھی فرق مراتب ظاہر ہے۔اس کو ایک مثال سے سمجھئے ایک شخص وہ جس نے حج وعمرہ کیا، ایک وہ جس نے فجر نماز جماعت سے پڑھی پھر اسی جبہ بیٹھا کرذکر میں مشغول رہا، یہاں تک کہ اشراق کی نماز پڑھی تو اس کو بھی حاجی، اس طرح حج وعمرہ کا ثواب ملا؛ مگر دونوں ایک درجہ میں نہیں ہوں گے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۱۳۸۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۹۱/۹-۲۹۳)

== (وكـل مـكـلف مسـلـم طـاهـر) ... (قتل ظلماً) ... (ولم يجب بنفس القتل مال) ... بغير آلة جارحة ... و يـصـلـى عـليه بلاغسل،ويدفن بدمه وثيابه ... فالمرتث شهيد الاخرة،وكذا ... الغريق والحريق والغريب و المهدوم عـليـه و الـمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو يطلب العلم. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الشهيد: ۲۴۷/۲-۲۵۲،سعيد)

(۱) ''حسـنـاء بنت معاوية الصريمية قالت: حدثنا عمى قال: قلت للنبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: من فى الجنة قـال: ''الـنـبـى فى الجنه، والشهيد فى الجنة، والمولود فى الجنة، الوئيد فى الجنة''.(سنن أبى داؤد، كتاب الجهاد، باب فى فضل الشهادة: ۳۴۸/۱،إمدادية)

''قـال الوليد بن رباح الذمارى: قال: حدثنى عمى نمران بن عتبة الذمارى،قال: دخلنا علىٰ أم الدرداء ونحن أيتـام، فـقـالـت: أبشـروا، فـإنـى سمعت أبا الدرداء يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: يشفع الشهيد فى سبعين من أهل بيته''.(أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب فى الشهيد يشفع: ۳۴۹/۱،إمدادية)

(۲) عن أبى هريرة أن رسـول الـلّٰـه صـلـى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: ''الشهداء خمسة: المطعون و المبطون والغرق وصاحب الهدم والشهيد فى سبيل اللّٰه.(صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب: الشهادة سبع سوى القتل: ۳۹۷/۱،قديمى)

عـن جـابر بن عتيـك ... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ''الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل اللّٰه: الـمـطـعـون شهيـد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد''.(سن أبى داؤد، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۸۷/۲،سعيد)

''(وكـل مـكـلف مسـلـم طاهر) ... (قتل ظلما) ... (ولم يجب بنفس القتل مال) ... بغير آلة جارحة ... و يـصـلـى عليه بلا غسل،ويدفن بدمه وثيابه ... فالمرتث شهيد الآخرة، وكذا ... الغريق والحريق والغريب و المهدوم عـلـيـه و الـمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو يطلب العلم''. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲۴۷/۲-۲۵۲،سعيد)

(۳) هٰذه كـلـهـا ميتـات، فيهـا شـدة، تـفضل اللّٰه عليه أمة محمد صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، بأن جعلها تمحيصا لـذنـوبهـم، وزيـادة فـى أجـورهـم، يـبلغهم بها مراتب الشهداء ...(أن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم سئل: أى الجهاد أفـضـل؟ قـال: مـن عـقـر جـواده وأهـريـق دمـه) '' ... كـل مـوتة يـمـوت بها المسلم فهوشهيد غير أن الشهادة تتفاضل ...ويتـحـصـل مـمـا ذكـرفى هٰذه الأحاديث أن الشهداء قسمان: شهيد الدنيا، وشهيد الآخرة. وهومن يقتل فى حرب الـكـفـار مـقبلاً غيـر مـدبـر مـخلصاً، وشهيد الآخرة: وهومن ذكر، بمعنى أنهم يعطون من جنس أجرالشهداء ولاتجرى عليهم أحكامهم فى الدنيا''.(فتح البارى، كتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوى التقل: ۵۵/۶،قديمى)

شہید کی نماز جنازہ:

سوال: مسجد کے بارے میں ہندو مسلمانوں کی لڑائی کے اندر کوئی شخص شہید ہو جائے تو اس کے جنازے کی نماز ادا کرنی چاہیے، یا نہیں؟ (المستفتی:۱۳۷۸، شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب، ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ، ۱۱/مارچ ۱۹۳۷ء)

الجواب

ہاں اس مسلمان کے جنازے کی نماز ادا کرنی چاہیے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴/۱۹۹)

شہدا سے حقوق العباد ساقط ہو جاتے ہیں، یا نہیں:

سوال: شہدا سے حقوق العباد ساقط ہو جاتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیاً

قانون تو یہ ہے کہ حقوق العباد بغیر ادا کئے، یا بغیر صاحب حق کے معاف کئے ذمہ ساقط نہیں ہوتے،(۲) البتہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہو کر اپنے خزانہ سے عطا فرما کر صاحب حق کو خوش کردیں،(۳) اور وہ شخص جس کے ذمہ حق ہے عذاب سے بچ جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۱۳۵۹ھ۔الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم الحرام/۱۳۵۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۹۰-۲۹۱)

---

(۱) کیوں کہ احناف کے نزدیک شہید کی بھی جنازہ ضروری ہے:(و یصلی علیہ بلاغسل).(الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد:۲/۲۵۰،ط: سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يغفر الله للشهيد كل ذنب إلا الدين". ففيه تنبيه علىٰ جميع حقوق الآدميين وأن الجهاد والشهادة وغيرهما من أعمال البر لا تكفر حقوق الآدميين، و إنما تكفر حقوق الله تعالىٰ.(شرح النووی للمسلم،باب من قتل فی سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين:۲/۱۳۵،قديمی)

(يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين) أراد حقوق الآدميين من الأموال والدماء والأعراض،فإنها لا تعفى بالشهادة، كذا ذكره بعض الشراح.(مرقاة المفاتيح،باب الإفلاس الإنظار،الفصل الأول:۶/۱۰۳،المكتبة الأشرفية،ديوبند،انيس)

(۳) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدواوين ثلاثة: ديوان لا يغفر الله: الإشراك بالله، يقول الله عزوجل ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به﴾ وديوان لا يتركه الله؛ ظلم العباد فيما بينهم حتىٰ يقتص بعضهم من بعض، وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم وبين الله، فذاك إلى الله إن شاء عذبه، وإن شاء تجاوز عنه".(مشكوٰة المصابيح،باب الظلم، الفصل الثالث:ص:۴۳۵،مكتبة فيصل ديوبند،انيس)

قال الملا علی القاری: "وفی الثانية لا يترك، فيؤذن بأن حق الغير لا يهمل قطعاً، إما بأن يقتص من خصمه أو يرضيه الله تعالىٰ.(مرقاه المفاتيح، كتاب الأدب، باب الظلم الفصل الثالث:۹/۳۲۶،المكتبة الأشرفية، ديوبند)

لا عفو ولا شفاعة فی حقوق العباد، إلا أن يشاء الله فيرضى خصمه بما أراد.(مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الظلم الفصل الأول:۹/۳۲۱،المكتبة الأشرفية،ديوبند،انيس)

ایصال ثواب کا بیان

ایصال ثواب کا فائدہ:

سوال: ایصال ثواب سے مرنے والے کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات میں ترقی ہوتی ہے، حزن میں کمی ہوتی ہے، سرور میں زیادتی ہوتی ہے۔(۱)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۲۱/۴/۱۳۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ:۲۰۵/۹)

---

(۱) عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أن رسول صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم قال:"من دخل المقابرفقرأ سورة یٰس،خفف اللّٰہ عنهم،وکان له بعدد من فیها حسنات".(شرح الصدورللسیوطی رحمه اللّٰہ تعالٰی،باب فی قراءة القرآن للمیت أو علی القبر،رقم الحدیث:۷،ص:۳۰٤،دارالمعرفة،بیروت)

"وأخرج الطبرانی فی الأوسط بسند رواه عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه مرفوعاً:"أمتی أمة مرحومة تدخل قبورهابذنوبها،وتخرج من قبورها لاذنوب علیها،یمحص عنها باستغفارالمؤمنین لها".(الطبرانی فی الأوسط-السیوطی،فصل فی نبذ من أخبارمن رأی الموتٰی فی منامه:۲۹۸/۱،مکتبة شاملة،انیس)

"وأخرج ابن النجارفی تاریخه عن مالک بن دینار قال:دخلت المقبرة لیلة الجمعة،فإذا أنا بنورمشرق فیها،فقلت:لاإله إلا اللّٰه نریٰ أن اللّٰه عزوجل قد غفرلأهل المقابرفإذا أنا بهاتف یهتف من البعد وهویقول یا مالک بن دینارهٰذه هدیة المؤمنین إلٰی إخوانهم من أهل المقابر،قلت:بالذی انطقک إلا أخبرتنی ما هو؟ قال:رجل من المؤمنین:قام فی هٰذه اللیلة فأسبغ الوضوء وصلٰی رکعتین ... وقال:اللهم إنی قد وهبت ثوابها لأهل المقابرمن المؤمنین،فأدخل اللّٰه علینا الضیاء و النور والفسحة والسرورفی المشرق والمغرب".(شرح الصدورللسیوطی رحمه اللّٰه تعالٰی،باب ما ینفع المیت فی قبره،فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه،ص:۲۹۸-۲۹۹،دارالمعرفة، بیروت)

"ودعاء النبی صلٰی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم للأموات فعلاً وتعلیماً،دعاء الصحابة والتابعین والمسلمین عصرًا بعد عصر أکثر من أن یذکر،و أشهرمن أن ینکر،وقدجاء:"أن اللّٰه یرفع درجة العبد فی الجنة فیقول: أنی لی هٰذا؟فیقال:بدعاء ولدک لک".(کتاب الروح لإبن قیم الجوزیة ورحمه اللّٰه تعالٰی،المسألة السادسة عشرة:وهی هل تنتفع أرواح الموتٰی بشئ من سعی الأحیاء أم لا؟فصل:والدلیل علٰی انتفاعه بغیرما تسبب فیه القراءة والسنة والاجماع،ص:۱۵۷،مکتبه فاروقیه بیشاور)

ایصال ثواب کا کیا حکم ہے:

سوال (۱) ''اجلاس القاری علی القبور وھو المختار'' صاحب فتح القدیر (ص:۳۰۱)، فتاویٰ قاضی خان (ص:۸۷)، فتاویٰ عالمگیری (۱/۱۳۳)، مجمع الانہر (ص:۱۸۸)، درر الحکام (ص:۱۶۸)، خلاصۃ القاری (ص۲۴۴)، فتاویٰ عثمانیہ (ص:۴۵)، فوئد سمیہ (ص:۱۴۴)، کبیری (ص:۵۶۴)، صغیری، روح البیان، فتاویٰ مصریہ، الدرالمختار وغیرہ کتب فقہ میں بہ علامت فتویٰ مذکور ہے۔ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے، یا غلط؟

بعض روایتوں کے متعلق سوال:

(۲) ''تصدقوا لموتاکم قبل الدفن الکتفد والموتاکم بعد الدفن،الخ. شرح برزخ وزاد الآخرہ وغیرہ کتب فقہ میں ہے، دستور یہاں ہر یہ ہے کہ ورثہ میت حسب مقدور حفاظ، قرا، علما، اطبا، طلبہ، دیگر فقرا و مساکین کو دعوت دے کر جمع کر کے خیرات، کبھی تو بعد الدفن اور کبھی قبل الدفن اور کبھی بعد جنازہ اور کبھی قبل جنازہ واسطے آسانی اور فائدہ مردے کے دے دیا کرتے ہیں اور طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں ہے: والسنة أن یتصدق ولی المیت قبل مضی الیل الأولٰی بما تیسر،الخ. کیا یہ روایتیں صحیح ہیں اور یہ صورت مسئولہ جائز ہے، یا کیا؟

مظاہر حق کے حوالہ سے ایک مسئلہ کی تصدیق:

سوال: مظاہر حق، جلد دوم، باب النذور میں ہے: فاتحہ بزرگان دین اور نذر و نیاز ان کی درست اور جائز لکھی ہے اور کھانا اس کا روا ہے، کیا یہ مسئلہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

(۱) لوجہ اللہ کو قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا عمدہ ہے اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے؛ لیکن استیجار علی التلاوۃ جیسا کہ مروج ہے، یہ درست نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

فی الولوالجیة ما نصه: ولو زار قبر صدیق أو قریب له وقرأ عنده وشیئاً من القرآن فهو حسن أما الوصیة بذلک فلامعنٰی لها و لامعنی أیضاً لصلة القاری؛ لأن ذلک یشبه استیجاره علی قراءة القرآن وذلک باطل ولم یفعله أحد من الخلفاء،الخ،والتفصیل فی باب الاجارة الفاسد.(۱)

پس یہ وجوہ ہیں جس کی وجہ سے اس زمانہ میں اجلاس القاری کو منع کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ روایات بے اصل ہیں اور وہ خرابی استیجاء علی التلاوۃ یہاں بھی ہے اور یہاں المعروف کالمشروط مسئلہ

(۱) ردالمحتار، کتاب الاجارة، مطلب فی الاستیجار علی الطاعات: ٦/ ٤٧، دار الفکر بیروت، انیس

ہے اور ایسے پڑھنے سے ثواب نہیں ہوتا، **كما حققه في الشامي بمالامزيد عليه.**

(۳) ایصال ثواب برائے اموات کے استحباب میں کچھ تامل نہیں ہے، بلا قیود رسوم مخترعہ کے ایصال ثواب الی الاموات جائز ہے۔(۱) یہی مطلب عبارت مظاہر حق کا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۴/۵-۴۲۵)

ایصال ثواب کے خلاف استدلال:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) مذہب اسلام نے ایصال ثواب کو جائز رکھا ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے اور ایک سورت کو پڑھ کر بہت سے مردوں کو بخشے، اس سورت کا ثواب تمام مردوں کو برابر ایک سورت کا ملے گا، یا بقدر حصہ؟

(۲) ایک شخص ایصال ثواب کو بدعت کہتا ہے اور استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث وآیات پیش کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے؟

(۱) کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آیت کا بھی ثواب کسی کو نہیں بخشا۔

(۲) کسی صحابی نے کبھی بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

(۳) کبھی کسی پیغمبر نے بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثوب نہیں بخشا۔

(۴) تمام پیغمبروں نے ہمیشہ گناہگاروں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

(۵) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

(۶) قرآن میں بہت سے مقامات پر صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو نہیں مل سکتا، مثلاً:

﴿**وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ**﴾(سورة النجم:۳۹)

﴿**وإن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم**﴾(سورة بني إسرائيل:۷)

﴿**من اهتدى فإنما يهتدى لنفسه**﴾(سورة بني إسرائيل:۱۵)

﴿**ولاتزروازرة وزر أخرىٰ**﴾(سورة الفاطر:۱۸)

(محمد عبدالحکیم قاسمی سنسار پور، ضلع لکھیم پور کھیری، یوپی)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

"إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أوغيرها عند أهل السنة

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراء ة للميت: ۸٤٤/۱

والجماعة،آه".(الهداية: ۲۷٦/۱)(۱)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرة أوغيرذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة".(۲)

"ويصح إهداء نصف الثواب أوربعه كما نص عليه أحمد،ولامانع منه،ويوضحه أنه لوأهدیٰ الكل إلٰی أربعة يحصل لكل منهم ربعه،فكذا لوأهدیٰ الربع لواحد وأبقی الباقی لنفسه،قلت: لٰكن سئل ابن حجرالمكی:أما لوقرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ثواب ذلک كاملاً؟فأجاب بأنه أفتیٰ جمع بالثانی،وهواللائق بسعة الفضل،آه". (۳)

عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب جائز ہے اور ایک سورت کا ثواب چند مردوں کو بخشا جائے تو اس میں دونوں قول ہیں۔ باری تعالیٰ کے فضل کے لائق یہ ہے کہ سب کو پوری پوری سورت کا ثواب پہونچے، ایصال ثواب بدعت نہیں؛ بلکہ خیر القرون سے اس پر عمل جاری ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، نیز بعد کے حضرات نے اپنے اعزہ کے لیے ایصال ثواب کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اتنی وسعت سے روایات ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کی طرف سے قربانی کی۔ صوم، صلوۃ، صدقہ، حج، قرأت، اضحیہ سب کا احادیث میں ثواب پہونچانا ثابت ہے۔ (۴)

---

(۱) الهداية،كتاب الحج،باب الحج عن الغير: ۲۹٦/۱،مكتبة شركة علمية

(۲) البحرالرائق، كتاب الحج،باب الحج عن الغير:۱۰۵/۳،رشيدية

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلوٰة الجنازة،مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲-۲۴۴، دار الفكربيروت،انيس)

وكذا فی كتاب الروح لإبن القيم،المسئلة السادسية عشر:وهی هل تنتفع أرواح الموتیٰ،إلخ،فصل:وأما قولكم: لوساغ إهداء نصف،الخ،ص:۱۷٤،مكتبه فاروقية،بيشاور)

(۴) عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهماقال:جاء رجل إلی النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فقال:يا رسول الله إن أمی ماتت وعليها صوم شهرأفأقضيه عنها؟ قال:"نعم فدين الله أحق أن يقضی".(صحيح البخاری،كتاب الصوم،باب من مات وعليه صوم: ۲٦۲/۱، قديمی)

إن رجلاً سأله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فقال: كان لی أبوان أبرهما حال حياتهما،فكيف لی ببرهما بعد موتهما؟فقال له صلی الله تعالیٰ عليه وسلم:"إن من البربعد الموت أن تصلی لهما مع صلاتک، وتصوم لهما مع صيامک".(فتح القدير،باب الحج عن الغير:۱٤۳/۳،مصطفی البابی الحلبی،مصر)

إن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهوغائب عنها،فقال:يا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه و سلم إن أمی توفيت وأنا غائب عنها ، أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟قال:"نعم"قال:فإنی أشهدک إن حائطی المخراف صدقة عليها.(صحيح البخاری، كتاب الوصايا،باب:إذا قال:أرضی وبستانی صدقة لله عن أمی: ۳۸٦/۱، قديمی)==

ہدایہ میں ہے:

"لماروی عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أنه ضحی بکبشین أملحین أحدهما عن نفسه والأخرعن أمته ممن أقر بوحدانیة اللّٰه تعالیٰ وشهد له بالبلاغ،آه". (۱)

اس حدیث کی تخریج زیلعی میں سات صحابہ سے کی گئی ہے۔(۲) شیخ ابن ہمام نے اس کو حدیث مشہور قرار دے کر فرمایا ہے: **"یجوز تقیید الکتاب به".** (۳)

نیز دارقطنی کی روایت ہے:

"إن رجلا سأله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فقال: کان لی أبوان أبرهما حال حیاتهما، فکیف لی ببرهما بعد موتهما؟فقال له صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "إن من البربعد الموت أن تصلی لهما مع صلاتک،وتصوم لهما مع صیامک". (۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

"من مرعلی المقابر وقرأ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾إحدیٰ عشرة مرة،ثم وهب أجره للأموات، أعطی من الأجربعدد الأموات". (۵)

== عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أتی رجل النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فقال له:إن أختی نذرت أن تحج وأنها ماتت،فقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم:"لوکان علیها دین أکنت قاضیه"؟قال: نعم، قال:"فاقض اللّٰه فهوأحق بالقضاء"(صحیح البخاری،کتاب الأیمان والنذور،باب من مات وعلیه نذر:۹۹۱/۲،قدیمی)

عن أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم قال:"من دخل المقابر فقرأ سورة یس،خفف اللّٰه عنهم،وکان له بعدد من فیها حسنات.(شرح الصدور للسیوطی،باب فی قراءة القرآن للمیت، ص:۳۰۲،دارالمعرفة،بیروت)

عن أبی طلحة الأنصاری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وإسمه زید بن سهل أن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ضحی بکبشین أملحین،فقال عند الأول:عن محمد وآل محمد"وقال عندالثانی:"عمن آمن بی وصدقنی من أمتی.(نصب الرأیة، کتاب الحج،باب الحج عن الغیر،(رقم الحدیث:۴۷۲۳):۱۵۳/۳،المکتبة المکیة

(۱) الهدایة،کتاب الحج،باب الحج عن الغیر: ۲۹۶/۱،مکتبة شرکة علمیة،ملتان

(۲) أخرجه الزیعلی فی کتاب الحج عن الغیر،رقم الحدیث:۴۷۱۵،وقال:قلت:روی من حدیث عائشة،وأبی هریرة، ومن حدیث جابرومن حدیث أبی رافع،ومن حدیث حذیفة ابن أسید الغفاری، و من حدیث أبی طلحة الأنصاری، ومن حدیث أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم.(نصب الرأیة:۱۵۱/۳،المکتبة المکیة)

(۴،۳) فتح القدیر،کتاب الحج،باب الحج عن الغیر:۱۴۳/۳، مصطفی البابی الحلبی، مصر

(۵) أخرجه السیوطی فی شرح الصدور،باب فی قراءة القرآن للمیت،فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتیٰ فی منامه،ص:۳۰۳،دارالمعرفة،بیروت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا:

”یارسول اللّٰہ! إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم و ندعولهم، فهل يصل ذلك إليهم؟ قال: ”نعم، إنه ليصل إليهم، وإنهم ليفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدیٰ إليه، آه“. (۱)

ان سب کو نیز دیگر احادیث وآثار کو نقل کر کے فتح القدیر، باب الحج عن الغير: ۲/ ۳۰۹، میں لکھا ہے:

”فهٰذه الآثار وما قبلها وما فی السنة أيضاً من نحوها عن كثير قد تركناه لحال الطول يبلغ القدر المشترك بين الكل وهو أن من جعل شيئا من الصالحات لغيره، نفعه اللّٰه تعالیٰ به مبلغ التواتر، وكذا ما فی كتاب اللّٰه تعالیٰ من الأمر با لدعاء للوالدين فی قوله تعالیٰ: ﴿وقل رب ارحمهما كما ربيانی صغيرًا﴾ ومن الاخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين، قال تعالیٰ: ﴿والملائكة يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون لمن فی الأرض﴾ وقال تعالیٰ فی آية أخرى: ﴿الذين يحملون العرش ... وقهم السيات﴾ قطعی فی حصول الانتفاع بعمل الغير، فيخالف ظاهر الآية التی استدلوا بها: أی المعتزلة، و هی: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعیٰ﴾ إذا ظاهرها أنه لا ينفع استغفار أحد لأحد بوجه من الوجوه؛ لأنه ليس من سعيه، فلا يكون له منه شئ، فقطعنا بانتفاء إرادة ظاهرها علیٰ صرافته فتتقيد بما لم يهبه العامل“. (۲)

آیت مذکورہ سے استدلال کا جواب بھی واضح ہوگیا۔ حافظ عینی نے شرح ہدایہ (۳) میں اور زیلعی نے شرح کنز میں (۴)

---

(۱) فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۳۳/۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۴۳/۳، مصطفى البابى الحلبى، مصر

(۳) وأما الجواب عن الآية فبثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة بقوله تعالیٰ: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الآية، الثانی: خاصة بقوم إبراهيم و قوم موسیٰ عليهما الصلاة والسلام يعنی فی صحف إبراهيم وموسیٰ ... الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا ، وأما المؤمن فله ماسعیٰ ... الخامس: أن معنیٰ ما سعیٰ: ”مانویٰ“ قاله أبوبكر الوراق، السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله فی الدنيا، فيثاب عليه فی الدنيا حتیٰ لايبقیٰ له فی الآخرة خير البتة، السابع: اللام بمعنی ”علی“ أی ليس علی الإنسان إلا ما سعیٰ ... الثامن: ليس إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة فتارةً يكون سعيه فی تحصيل الشئ بنفسه وتارةً لتحصيل سببه. (البناية فی شرح الهداية للعلامة العينی، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۴/ ۴۲۴-۲۵، دار الفكر، بيروت، انيس)

(۴) وأما قوله تعالیٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعیٰ﴾ (سورة النجم: ۳۹) فقد قال ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما: إنها منسوخة بقوله تعالیٰ: ﴿والذين آمنو واتبعتهم ذريتهم بإيمان﴾ (سورة الطو: ۲۱) ”قيل: هی خاصة بقوم موسیٰ وإبراهيم لأنه وقع حكاية عما فی صحفهما عليهما، بقوله تعالیٰ: ﴿أم لم ينبأبما فی صحف موسى وإبراهيم الذی وفی﴾ (سورة النجم: ۳۷) ... وقيل: ”اللام“ فی للإنسان بمعنی ”علیٰ“ كقوله تعالیٰ: ﴿وإن أسأتم فلها﴾ (سورة الإسراء: ۷): أی فعليها أو كقوله تعالیٰ: ﴿لهم اللعنة﴾ (سورة الرعد: ۲۵): أی عليهم. وقيل: ليس له إلا سعيه، لكن سعيه قد يكون بمباشرة أسبابه بتكثير الإخوان وتحصيل الإيمان حتیٰ صار ممن تنفعه شفاعة الشافعين“. (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۴۲۱-۴۲۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

اورطحطاوی نے شرح مراقی الفلاح (۱) میں معتزلہ کی اس دلیل کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔ ابن قیم نے تو کتاب الروح گویا کہ اس قسم کے مسائل کے لیے ہی تصنیف کی ہے اور ہر عنوان پر سیر حاصل بحث کی ہے، (۲) آثار السنن میں مستقل "باب قراء ۃ القرآن للمیت" منعقد کیا گیا ہے۔ (۳) دوسری اور تیسری اور چوتھی آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے، وہ بالکل بے محل ہے، ان آیات کو مسئلہ مذکورہ سے کوئی علاقہ نہیں، **کما لایخفٰی علٰی من له ممارسة بالتفسير**. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۷/۱۳۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/رجب/۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۰۷-۲۱۳)

ایصال ثواب کے طریقے:

سوال: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہو گیا، جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنے۔ ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا۔ اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں؟ مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں؛

---

(۱) وقالت المعتزلة: ليس للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره لقوله تعالٰى: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعٰى﴾ (النجم: ۵۳) الجواب عنه من ثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة الحكم بقوله تعالٰى: ﴿والذين آمنوا وتبعتهم﴾ (الطور: ۲۱) الآية ... الثاني: أنها خاصة بقوم إبراهيم وموسٰى ... الثالث: المراد بالإنسان الكافر ... الرابع: ﴿ليس للإنسان إلا ما سعٰى﴾ من طريق العدل ... الخامس: أن معنى ما سعٰى نوٰى قاله أبوبكر الوراق، السادس أن اللام بمعنى علٰى كمام في قوله تعالٰى ﴿ولهم العنة﴾ السابع: أنه ليس له إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارة يكون سعية في تحصيل الخير بنفسه، وتارة يكون في تحصيل سببه مثل سعيه في تحصيل قرابة، وولد يترحم عليه وصديق يستغفرله، وقد يسعى في خدمة الدين ... الثامن: أن الحصر قد يكون في معظم المقصود بالحصر لا في كله" (حاشية الطحطاوي علٰى مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمي)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الروح لابن قيم الجوزية، المسالة السادسة عشرة هل تنتفع أرواح الموتٰى بشيء من سعٰى الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقية بيشاور

(۳) آثار السنن، أبواب الجنائز، باب في قراء ة القرآن للميت، ص: ۳۳۸، مكتبه إمدادية، ملتان

تاہم جو کچھ ثواب پہونچایا جائے گا، وہ رفع درجات کا سبب بنے گا۔قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔صبر میں بڑا اجر ہے۔میت کو ثواب پہونچانے کے لیے غربا کو کھانا کھلانا بھی درست ہے۔کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے؛مگر جو کچھ ہو،اخلاص کے ساتھ ہو، ریا وفخر کے طور پر نہ ہو۔قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں، یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے،اس سے ثواب نہیں ہوگا، کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی گنجائش ہے؛ تا کہ زیارت کے لیے جو لوگ دور دور سے آتے ہیں،ان کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں۔ بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں۔ بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں،قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو انس ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳۸۹/۲/۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۲۰۴/۹)

ایصال ثواب مستحب ہے؛لیکن اس کی مروجہ صورتیں اکثر بدعت ہیں:

سوال: بعد فوت ہونے مسلمان کے اس کے ورثاء برائے ایصال ثواب ہمراہ شخص متوفی کے کچھ گندم ونمک ونان پختہ واسطے تقسیم فقرا ومساکین کے لے جاتے ہیں اور قبرستان میں ہی تقسیم کرتے ہیں اور فاتحہ تیسرے روز کرتے ہیں اور دسواں، بیسواں، چالیسواں،میت کے ثواب کے لیے ایک سال تک اس کی اس کی فاتحہ حسب رواج قدیمانہ جیسا کہ قدیم سے بزرگان دین اور مفتیان قدیم کرتے ہیں اور اس کا ثواب متوفی کو بخشتے ہیں،آیا اس صورت میں ثواب میت کو پہنچے گا، یا نہیں؟اور نیز کھانے کے آگے ہاتھ اٹھانا جائز ہے، یا نہیں؟اور ماسوا متوفی کے انتظام کرنے والے کو بھی قیامت میں حصہ ملے گا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اموات کو ثواب پہنچانا مستحسن ہے،عبادات مالیہ وعبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے؛(۱) لیکن ایصال ثواب کے لیے شریعت مقدسہ نے جو صورتیں مقرر نہیں کیں،ان کو مقرر کرنا اور ایصال ثواب کی شرط سمجھنا یا مفید جاننا بدعت ہے،شرعی صورت اس قدر ہے کہ اگر کسی میت کو ثواب پہنچانا ہے تو کوئی بدنی عبادت کرو، مثلاً نماز پڑھو، روزہ رکھو،قرآن مجید کی تلاوت کرو، درود شریف پڑھو وغیرہ اور اس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو،اس کو اس طرح پہنچاؤ کہ یا اللہ! میں نے

(۱) تنبیہ:صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ أو صومًا، أو صدقۃ،أوغیرھا ... و فی البحر:من صام،أو صلیٰ،أو تصدق،وجعل ثواب عملہ لغیرہ من الأموات، والأحیاء،جاز ویصل ثوابھا الیھم عند أھل السنۃ،والجماعۃ (ردالمحتار،باب صلاۃ الجنائز،مطلب فی القرأۃ للمیت،وأھداء ثوابھا لہ:۲۴۳/۲،ط:سعید)

جو نماز پڑھی ہے، یا روزہ رکھا ہے، یا تلاوت کی ہے، یا درود شریف پڑھا ہے، اس کا ثواب اپنے فضل ورحمت سے فلاں میت کو پہنچا دے، (۱) اسی طرح اگر عبادت مالیہ کا ثواب پہنچانا ہے تو جو میسر ہو، اس کو خدا تعالی کی راہ میں صدقہ کرو، یا مسجد بنواؤ، کنواں بنواؤ، سرائے مسافر خانہ تعمیر کرو، دینی مدرسہ قائم کرو وغیرہ اور مذکورۂ بالا طریقے پر خدا تعالی سے دعا کرو کہ وہ ان چیزوں کا ثواب اس میت کو پہنچا دے، جسے تم پہنچانا چاہتے ہو، یہ تو ایصال ثواب کا شرعی طریقہ ہے۔ اب اس کے لیے کوئی خاص تاریخ، یا دین معین کرنا اور اس تعیین کو وصول وثواب کی شرط، یا زیادت ثواب کے لیے بغیر شرعی دلیل کے مفید سمجھنا، یا خاص چیزیں مقرر کرنا، یا خاص مقام مثلا خاص قبر پر صدقہ کرنے کی تعیین، یا مردے کے جنازے کے ساتھ لے جانے کو ضروری، یا مفید سمجھنا اور بھی اکثر امور جو رسم ورواج کے طور پر قائم ہو گئے ہیں، یہ سب خلاف شریعت اور بدعت ہیں، کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی بے اصل ہے، اگر کھانے کا صدقہ کرنا مقصود ہے تو صدقہ کر دو، کسی مستحق کو دے دو، اگر تلاوت قرآن مجید، یا درود شریف کا ثواب پہنچانا ہے، وہ بھی کرو؛ مگر دونوں کا ثواب پہنچنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہی پڑھا جائے، یہ اشتراط نہ شریعت سے ثابت ہے اور نہ معقول؛ کیوں کہ کھانے پر فاتحہ دینے والے بھی کپڑے، یا پیسے کا ثواب پہنچانا چاہتے ہیں تو اس پر وہ بھی فاتحہ نہیں پڑھتے۔ الغرض ایصال ثواب فی حد ذاتہ جائز اور مستحسن ہے؛ لیکن اس کی اکثر مروج صورتیں ناجائز اور بدعت ہیں۔ (۲) فقط

(کفایت المفتی: ۴/ ۱۲۷)

مردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے:

سوال: ایصال ثواب کس کیفیت سے ہمارے موتیٰ تک پہونچتا ہے (نفس ایصال ثواب کو دریافت نہیں کرتا) کیا موتی کو ایصال ثواب کے لئے آخرت میں بھی محکمۂ ڈاک، ٹیلی گراف، وائرلیس وغیرہ (خبر رسائی) کا محکمہ ہے؟

الجواب ______________ حامدًا ومصليًا

ایصال ثواب کے لیے یہاں جو کچھ عمل کیا جائے، (نماز، روزہ، صدقہ، حج تلاوت، ذکر، خدمت خلق وغیرہ) اور

---

(۱) ولهٰذا إختاروا في الدعاء، اللّٰهم أوصل مثل ثوب ماقرأ ته إلٰى فلان (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۴۳، ط: سعيد)

(۲) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، و الثالث، و بعد الأسبوع، ونقل الطعام إلٰى القبر في الموسم، واتخاذ الدعوة لقراة القرآن، وجمع الصلحاء، و القراء للختم، أو لقرأة سورة الأنعام، أو الإخلاص، والحاصل، إن اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن؛ لأجل الأكل يكره، وفيها من كتاب الإستحسان، وان اتخذ طعامًا للفقراء كان حسنًا آه وأطال في ذالك المعراج، وقال وهٰذه الأفعال كلها للسمعة و الرياء فيحترز عنها، لأنهم لايريدون بها وجه اللّٰه تعالٰى (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ط: سعيد)

دعا کرلی جائے کہ یا اللہ! اس کا ثواب کو پہونچا دے۔(۱) یہ دعا اللہ پاک سے کی جاتی ہے، اس کے لیے کسی فون ٹیلی گرام وغیرہ مادی آلات کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ اللہ پاک کی شان یہ ہے:

﴿**یعلم ما یسرون ومایعلنون،إنه علم بذات الصدور**﴾ (سورة الهود: ٥)، ﴿**لایعلم من فی السمٰوات والأرض الغیب إلا اللّٰه**﴾(سورة النمل: ٢٥)، ﴿**لایعزب عنه مثقال ذرة**﴾(سورة السبا: ٣)، ﴿**یعلم ما فی السمٰوات والأرض**﴾(سورة النغابن: ٤)

جب یہاں سے کسی کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں ترقی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، وہاں کی تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے، جو چیز ایصال ثواب کے لیے صدقہ کی گئی ہے، وہ بعینہ نہیں پہونچتی، میت پر جب انعامات ہوتے ہیں تو ان کو بتلا دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے تمہارے لیے ایصال ثواب کیا ہے، اس کا ثمرہ ہے۔ کتاب الروح، شرح الصدور، (۲) **الورقة الفاخرة** وغیرہ میں تفصیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۲/۲۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۱۷-۲۱۸)

---

(۱) صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة أوصوماً أوصدقة أو غیرها کذا فی الهدایة الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛لأنها تصل إلیهم،ولاینقص من أجره شئ.(ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فی القراء ة للمیت وإهداء ثوابها له: ٢/٢٤٣، سعید)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء فی حدیث واحد،بل أطلق الفعل عن الغیر کالصوم و الحج والصدقة،و لم یقل لفاعل ذلک:وقل اللّٰهم هٰذا عن فلان،واللّٰه سبحانه یعلم نیة العبدوقصده بعلمه،فإن ذکره جاز،وإن ترک ذکره واکتفٰی بالنیة والقصد،وصل إلیه، ولا یحتاج أن یقول اللّٰهم انی صائم غدا عن فلان"(کتاب الروح لإبن قیم الجوزیة رحمه اللّٰه تعالٰی،المسألة السادسة عشر:هل تنفع أرواح الموتٰی بشئ من سعی الأحیاء أم لا؟فصل:فإن قیل: فهل تشترطون فی وصول،إلخ،ص: ١٨٤،مکتبة فاروقیة بیشاور)

(۲) ودعاء النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم للأموات فعلاً و تعلیماً،ودعاء الصحابة والتابعین والمسلمین عصرًا بعد عصر أکثرمن أن یذکر،و أشهر من أن ینکر،وقد جاء أن اللّٰه یرفع درجة العبد فی الجنة فیقول:أنی لی هٰذا فیقال:بدعاء ولدک لک".(کتاب الروح لإبن قیم الجوریة رحمه اللّٰه تعالٰی المسألة السادسة عشر:هل تنتفع أرواح الموتٰی بشئ من یسعی الأحیاء أم لا، فصل :والدلیل علٰی انتفاعه بغیرما تسبب،ص: ١٥٧،مکتبة فاروقیة، بیشاور)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:"یتبع الرجل یوم القیامة من الحسنات أمثال الجبال،فیقول:أنی هٰذا؟فیقال بإستغفار ولدک لک.(شرح الصدور للسیوطی،فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه: ١/٢٩٦،رقم الحدیث: ٢٠،انیس)

وأخرج إبن أبی الدنیا عن بشاربن غالب قال:رأیت رابعة فی النوم وکنت کثیرالدعاء لها فقالت لی:یا بشار! هدایاک تأتینا علٰی اطباق من نورمخمرة بمنادیل الحریر،قلت:وکیف ذک؟قالت:هٰکذا دعاء المؤمنین الأحیاء إذا دعوا للموتی،فاستجیب لهم،جعل ذلک الدعاء علٰی اطباق النور،ثم خمربمنادیل الحریرثم أتی به الذی دعی له من الموتٰی،فقیل له:هٰذه هدیة فلان إلیک.(شرح الصدور للسیوطی،باب ما ینفع المیت فی قبره، (فصل فی نبذ من أخبار ومن رأی الموتٰی فی منامه (رقم الحدیث : ٢٩). ص: ٢٩٦-٢٩٨،دارالمعرفة)

ایصال ثواب اور موجودہ تخصیصات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ تاریخ کے بعد تعین کے بغیر میت کے لیے دعا، استغفار اور صدقہ خیرات کا ایصال ثواب مباح ہے، یا نہیں؟ جب کہ تقریب کی کیفیت نہ ہوتی ہو اور ایصال ثواب کے لیے کوئی خاص طریقہ بھی مقرر نہ کیا جاتا ہو۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایصال ثواب کرتے وقت مرحومین کے نسب نامہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ ''رسائل ہفت مسائل'' حاجی صاحبؒ کی تصنیف ہے، یا نہیں؟ اور ''ایصال ثواب ایک علمی مقالہ'' کے ص: ۴۴ میں ایصال ثواب کے لیے تعیین ایام کے بارے میں جو لکھا ہے، وہ صحیح ہے، یا نہیں؟ (سائلہ بیگم قریش، ۵۶ پی، سی ایچ سوسائٹی، کراچی)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسمه تعالیٰ

میت کے لیے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ خیرات دینا اور بلا اجرت قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا، اسی طرح نفلی نماز و روزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے؛ لیکن ایصال ثواب کے لیے شریعت حقہ نے دونوں اور تاریخوں اور وقت کی کوئی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے۔

شریعت نے جن طاعت و عبادات کو مطلق چھوڑا ہے، ان میں اپنی طرف سے قیود لگانا، یا اس کی کیفیت بدل دینا، یا اپنی طرف سے ان کو اوقات کے ساتھ متعین کر دینا، شریعت کی اصطلاح میں بدعت اور ناجائز ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي و لا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام إلا أن يكون في صوم يصوم أحدكم. (۱)

(آپ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو، وہاں اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت نماز جمعہ کی وجہ سے ہے، محض ص فضیلت کے سب جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کے لیے اور دن کو روزے کے لیے خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابو اسحاق شاطبیؒ بدعات کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحدٍ ... ومنها التزسام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة". (۲)

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب كراهة أفراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته: ۳۶۱/۱، ط: قديمي

(۲) الاعتصام للإمام الشاطبي، الباب الأول في تعريف البدع وبيان معناها، إلخ: ۶۹/۱، ط: مكتب الرياض الحديثية

(اورانہیں بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے، جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز ذکر کرنا (پھر آگے فرمایا) اورانہیں بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عبادت معینہ کا التزام کر لینا بھی ہے، جن کے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کئے ہیں۔)

الاعتصام کی دوسری جگہ پر ہے:

فالتقييد في المطلقات التي لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأي في التشريع.(۱)

(ان مطلقات کو مقید کرنا کہ جن کی تقیید شریعت میں نہیں ہے، دراصل شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔)

دلائل شرعیہ کی موجودگی میں اپنی رائے سے قیاس کرنے والے اللہ کے نزدیک سب سے بڑے مجرم ہیں، خصوصاً جب کہ ان میں اجتہاد اور تفقہ کی صحیح معنوں میں اہلیت بھی موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هٰذا حلال وهٰذا حرام لتفتروا على الله الكذب﴾(۲)

(اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا دعویٰ ہے، ان کی نسبت یوں مت کہہ دینا فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جھوٹی تہمت میں لگاؤ گے۔)

حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ويدخل في هٰذا كل من ابتداع ليس له فيها مستند شرعي أو حلل شيئاً مما حرم الله أو حرم شيئاً مما أباح الله بمجرد رأيه وتشهيه.(۳)

(اس میں ہر وہ شخص داخل ہے، جس نے بلا دلیل شرعی کے کوئی بدعت گھڑی، یا محض اپنی رائے اور خواہش سے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز حلال، یا حرام کی ہوئی کو حلال کر دیا۔)

روح المعانی اس آیت کی تفسیر میں ہے:

لأن مدار الحل والحرمة ليس إلا حكمه سبحانه.(۴)

(کیوں کہ حلت اور حرمت کا مدار صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔)

مذکورہ تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ایصال ثواب کے لیے دن وقت اور تاریخ کا متعین کرنا کہ

---

(۱) الاعتصام، الباب الخامس في أحكام البدع الحقيقة والاضافة والفرق بينهما، إلخ، فصل قد يكون أصل العمل مشروعاً، إلخ: ۱/۳۴۵-۳۴۶، ط: مكتبة الرياض الحديثية

(۲) سورة النحل: ۱۱۶

(۳) تفسري القرآن العظيم لابن كثير: ۲/ص۶۰۸، ط: قديمي كتب خانة

(۴) روح المعاني للسيد محمود الآلوسي، الجزء الرابع عشر: ۵/۲۴۸، ط: دار الفكر، بيروت

دوسرے ایام میں غلط، یا کم ثواب سمجھتا ہو، قرآن وسنت شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، باقی منسلکہ کتاب میں جو یہ لکھا ہوا ہے کہ:

''بعض حضرات ایصال ثواب کے قائل تو ہیں؛ لیکن تعین ایام کے سخت مخالف ہیں، اس مخالف کی وجہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، نہ تو قرآن مجید میں تعین امام کی ممانعت ہے اور نہ حدیث وآثار صحابہ سے حرمت کا ثبوت ملتا ہے، تعین ایام کے خلاف کسی شرعی ممانعت کا نہ ہونا تعین ایام کے جواز کے لیے کافی ہے''۔ (ص:۴۴، ایصال ثواب)

قرآن وسنت اور اقوال اسلاف سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جن عبادات وطاعات کے لیے شریعت نے خود وقت، ایام وتاریخ مقرر نہیں کی ہے تو ان طاعات وعبادات کے لیے وقت، ایام اور تاریخ کا مقرر کرنا بدعت اور ناجائز ہے؛ بلکہ یہ شریعت میں دخل اندازی ہے، جو سراسر ناجائز اور حرام ہے۔

شریعت کا اصول یہ ہے کہ کسی حکم کے اثبات کے لیے قرآن سنت اور اجماع امت سے دلیل پیش کی جائے، اگر ان میں دلیل موجود ہے تو وہ حکم ثابت ہوگا اور اگر ان میں دلیل نہیں ہے تو وہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔

لہٰذا کتاب ''ایصال ثواب'' کے مصنف پر لازم تھا کہ وہ قرآن وسنت سے کوئی ایسی معتبر دلیل پیش کرتے کہ اس سے ایصال ثواب کے لیے تاریخ دن وغیرہ متعین کرنا ثابت ہوتا، تاریخ متعین کرنا صحیح ہوتا۔

حالاں کہ مذکورہ مصنف نے قرآن وسنت سے کوئی بھی ایسی معتبر دلیل پیش کی کہ اس سے ایصال ثواب کے لیے تاریخ متعین کرنے کا ثبوت ملتا ہو اور جو بھی بات بلا دلیل ہو، اس کا اعتبار کرنا، یا اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، حالاں کہ عمل کے ثبوت کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ احکام الاحکام میں ہے:

إن هٰذا الخصوصيات بالوقت أوبالحال والهيئة والفعل المخصوص يحتاج إلٰى دليل خاص يقتضي استحبابه بخصوصه وهٰذا أقرب. (۱)

(یعنی یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت وفعل مخصوص کے ساتھ کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہی چیز اقرب الی الصواب ہے۔)

پھر آگے لکھتے ہیں:

لأن الحكم باستحبابه علٰى تلك الهيئة الخاصة يحتاج دليلاً شرعياً ولا بد. (۲)

(کیوں کہ کسی چیز کے کسی خاص ہیئت کے ساتھ مستحب ہونے پر لازم اور ضروری ہے کہ اس پر دلیل شرعی موجود ہو۔)

الغرض ''ایصال ثواب کرتے وقت نسب سے آگاہی کرنا (یعنی برادری میں ہے، جو حضرات انتقال کر چکے ہیں،

(۱،۲) أحكام الأحكام شرع عمدة الأحكام، بيان الرواتب التى قبل الفرائض و بعده، تخصيص العبادات فى وقت يحتاج إلٰى دليل شرعى: ۱/۱۷۱، ط: دارالكتب العلمية

ان کا تذکرہ اور تعارف کرانا اور ان کے لیے مغفرت کے لیے دعا کی درخواست کرنا) نہ ضروری ہے، نہ آ گاہی کرنے میں کرنے میں کوئی قباحت ہے، البتہ ذکر نسب ضروری سمجھنا صحیح نہیں ہے ہوگا۔

رسالہ ُہفت مسائل'' حضرت حاجی صاحبؒ کے قلم سے لکھا ہوانہیں ہے۔ یہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ کا لکھا ہوا ہے، نفس مضمون حاجی صاحب کا ہے اور عبارت حضرت تھانویؒ کی ہے، جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حاشیہ میں ہے۔(۱)

اور حضرت تھانویؒ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں اس کے جواز کے قائل تھے، پھر رجوع کر لیا تھا۔(ملاحظہ ہو: ''راہ سنت''،ص:۱۶۶)(۲)

اس لیے جب ''رسالہ ہفت مسائل'' لکھنے والے مصنف حضرت تھانوی نے اپنی کتاب سے رجوع کرلیا تو اس کتاب سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

کتبہ: محمد انعام الحق قاسمی (فتاویٰ بینات:۴۸۵/۲-۴۸۹)

طریق ایصال ثواب اعمال:

سوال: ایصال ثواب دختر متوفیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک کیا جاوے، یا بلاشرکت صرف متوفیہ کا نام لیا جاوے اور درود شریف اول وآخر پڑھا جاوے، جونسا طریقہ افضل ہو، اس سے حضرت مطلع فرماویں، مثلا (۱) یسین شریف پڑھ کر یہ کہا جاوے کہ اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کو پہنچے اور متوفاہ کو پہونچے، (۲) ایصال ثواب بالاشتراک، یا بالافراد، (۳) اور مردہ کو جو ثواب پہنچتا ہے، بلاشرکت صلی اللہ علیہ وسلم وہ مردہ اس ثواب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہے، جیسا کہ ہمرشتہ مکتوب ملفوف میں لکھا ہے، یہ حدیث سے ثابت ہے، یا حضرت مجدد کا محض کشف ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مکتوبات کے متعلق جو تحقیق ذیل میں آتی ہے، اس سے سب سوالوں کا جواب ہو جاوے گا۔

نقل مکتوب:

از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ دفتر سوم (مکتوب:۲۸) اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے۔

(۱) فتاویٰ رشیدیہ، از: مولانا رشید احمد گنگوہی، ص:۱۱۴، کتاب البدعات
(۲) راہ سنت یعنی المہاج الواضح، مولانا سرفراز خان، باب ہفتم مجلس میلاد کی تاریخ، ص:۱۶۶، ط: مکتبہ صفدریہ

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ!

ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے لیے صدقہ کیا جائے، اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش وخرم نظر آئی جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا، پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس صدقہ کی نیت کی جیسی کہ عادت تھی، بعدازاں اس میت کی روحانیت کے واسطے نیت کر کے دے دیا، اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت وکدورت ظاہر ہوئی، اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی، حالاں کہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہونچی ہیں؛ لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا، اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کی اور نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی بنایا، اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ورضامندی معلوم نہ ہوئی، اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا، اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیا پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ظاہر نہ ہوتی، حالاں کہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لیے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے، کچھ کم نہیں ہوتا، ﴿إن ربک واسع المغفرة﴾ (بے شک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے۔) اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے، مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی، آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مردہ کے نام پر دیا جائے تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلہ سے برکات وفیوض حاصل کرے گا اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہوگا، شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول کر ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض وبرکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا، اسی طرح ہر شخص کے لیے کہ جس کو شریک کریں یہی نیت موجود ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مردہ اپنی طرف سے اس کو پیش کر سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ وتحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے بغیر کسی شراکت کے اگر چہ طفیلی ہو تو اس کا تحفہ خود پیش کرنا بہتر ہے، یا شرکت کے ساتھ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دے دے تو اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے اور آل واصحاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں، ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے، پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ہاں متعارف ہے کہ ہدیات مرسولہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو اس کے ادب ورضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے؛ کیوں کہ خادموں کی عزت اس کی عزت ہے، پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے، نہ صدقہ کے اشتراک میں؛ لیکن چاہیے کہ جب میت کے لیے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت پر ہدیہ جدا کرلیں ،بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں؛ کیوں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں،اس صورت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے، یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لیے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت پر مقرر کردے اور اس نیت کو ان کا طفیلی بنائے ،امید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہوجائے گا۔علمانے فرمایا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود اگر ریا وسمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ جاتا ہے، اگر چہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے؛ کیوں کہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کے لیے جو مقبول ومحبوب ہیں، بہانہ ہی کافی ہے،آیت کریمہ:﴿وكان فضل الله عليك عظيما﴾ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہے،عليه وعلى آله الصلاة وعلى جميع أعوانه الكرام من الأنبياء والعلماء العظام الى يوم القيام.

تحقیق متعلق مکتوب:

اس مکتوب کے مضمون کی بنا کوئی منقول نہیں، غایت مافی الباب ایک کشف ہوسکتا ہے اور وہ بھی صرف اول کا حصہ: یعنی شرکت میں سرور نہ ہونا ،باقی آخر کا حصہ یعنی ناخوشی کی وجہ یہ محض ذوق معلوم ہوتا ہے، جو اصطلاحی کشف نہیں اور اگر اس میں داخل بھی ہو، ایسے واقعات میں بالکل ادنیٰ درجہ کا کشف ہے اور کشف کسی درجہ کا بھی حجت نہیں خصوص غیر صاحب کشف کے لیے اس کی رعایت واتباع کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں، خصوص جب ذوق بھی ذوق کو نہ لگے؛ کیوں کہ ہدیہ پیش کرنا شرکت میں بھی ممکن ہے، اپنا حصہ پیش کرسکتے ہیں، اگر عدم سرور کے انکشاف کو صحیح بھی مان لیا جاوے تو اس کی بنا غالباً دوسری ہے اور وہ موقوف ہے، ایک مقدمہ پر وہ یہ کہ بعض امور طبعیہ بعد وفات بھی باقی رہتے ہیں، چناں چہ حدیث عروج روح اور دوسری ارواح کا استقبال اور ان کا اس سے متخلفین کا حال پوچھنا اور پھر کسی روح کا یہ کہنا کہ ذرا اس کو دم لینے دو یہ سب دلیل ہے،اس دعوی کی ، جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو سمجھئے کہ یہ امر طبعی ہے کہ کوئی چیز بڑے اور چھوٹے کو شرکت میں دی جائے تو چھوٹا آدمی اس کی تقسیم میں شرماتا ہے،اسی طرح وہاں ممکن

ہے، اسی طرح بڑا شخص اگر دوسرے شرکا کا احترام بڑوں کا سا کرتا ہو، وہ بھی ان کا اپنا طفیلی بناتا ہوا شرماتا ہے اور جن کے ساتھ تعلق خادمیت ومخدومیت جیسا ہے، جیسے اپنے اتباع ان کے طفیلی بنانے سے بھی نہیں شرماتا؛ مگر ہنوز اس امر طبعی کا وقوع برزخ میں خود ثابت نہیں؛ اس لیے میرے نزدیک ایسے امور کسی درجہ میں بھی لحاظ کے قابل نہیں، پس جس طرح دل چاہے ایصال کرے، خواہ کسی عزیز کو ایصال ثواب کرنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرے، یا نہ کرے اور درود شریف دعا کے آداب سے ہے، تلاوت کے آداب سے نہیں اور ایصال ثواب کی کسی صورت کی ترجیح دوسری صورت پر کسی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ یہ کہیں ثابت ہے کہ مردہ اپنا ثواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کرتا ہے، اس سے سب سوالات کا جواب ہوگیا۔

۲۵/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ (النور، ص:۷، ربیع الاول ۱۳۵۵ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۰/۱۔۷۳۱)

طریق ایصال ثواب اعمال:

سوال: کوئی عمل خیر کرے اس کا ثواب مردوں کو بخشنا، جس کو عرف عام میں ایصال ثواب کہا جاتا ہے، اس کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے، یا نہیں؟ اور اس کا کوئی دستور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں، یا عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں تھا، یا نہیں؟ اگر تھا تو کیا تھا؟

الجواب

کہیں نظر سے نہیں گزرا، البتہ فقہانے اس سے تعرض فرمایا ہے، چناں چہ علامہ شامی نے درمختار کی بحث ''زیارۃ القبور قول ویقرأ یسین شرح اللباب'' سے نقل کیا ہے:

''**ویقرأ یٰسین وفی الحدیث من قرأ الاخلاص أحد عشر مرۃ وھب أجرھا للأموات أعطی من الأجر بعد والأموات**''.

وفی الرد: ''لأن محل القراءۃ تنزل الرحمۃ والبرکۃ والدعاء عقبھا أرجٰی للقبول ... لھٰذا اختاروا والدعاء اللّٰھم أوصل ثواب ما رأتہ لفلان''. (۱)

اس کی ایسی نظیر ہے، جیسے نماز کی لفظی نیت سلف سے منقول نہیں؛ مگر فقہانے اس کو مستحسن کہا ہے، اسی طرح اس کا حکم بھی ہے، بس یہ صیغہ نہ ضروری ہے، نہ بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۲/شعبان ۱۳۵۴ھ (النور، ص:۷، شوال ۱۳۵۵ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۷۷۔۷۷۴)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ: ۲/۲۴۲-۲۴۳، دار الفکر، بیروت، انیس

مردوں کو تقسیم ہوکر ثواب پہنچے گا، یا سب کو پورا پہنچے گا:

سوال: اگر کوئی شخص پورا کلام مجید پڑھ کر اپنی والدہ کی روح کو پہنچاوے تو پہنچے گا، یا نہیں؟ کیوں کہ زید کہتا ہے کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واہل بیت صحابہ کی اروارح کو بخش کر بعدہ اپنی والدہ کی روح کو پہنچانا چاہیے۔ بکر کہتا ہے کہ اس طرح ثواب بخشنے سے تقسیم ہوکر ثواب پہنچے گا، اس بارے میں صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب

ثواب پہنچانے والا اگر پورے کلام مجید کا ثواب صرف اپنی والدہ کو بخشے گا تو اس کو پورے قرآن شریف کا ثواب ملے گا اور اگر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ثواب کرلے گا تو سب کو تقسیم ہوکر پہنچے گا، موافق قاعدہ کے اور وسعت رحمت باری تعالیٰ سے سب کو پورا ثواب پہنچاوے۔

شامی میں ہے:

سئل ابن حجر المکی عما لوقرأ لأهل المقبر ة الفاتحة هل یقسم یکسب الثواب بینهم أویصل لکل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً فأجاب بأنه أفتٰی جمع بالثانی وهو اللا ئق یسعة الفضل. (۱)

اور بہتر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ثواب رسانی میں شریک کرلیا جائے تا کہ آپ کے طفیل اور برکت سے دیگر اموات کو بھی ثواب پہنچ جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ مسعود احمد (امداد المفتین: ۲/ ۳۷۰-۳۷۱)

دو چند ثواب ہونے کی بنیاد پر رمضان میں ایصال ثواب کو متعین کرنا:

سوال: رمضان المبارک میں ہمیشہ اضعاف ثواب کی غرض سے اگر ایصال ثواب ہونے کی غرض سے مساکین کو کھانا وغیرہ دیا جائے تو تعینات میں داخل نہ ہوگا؟

الجواب

عن ابن عباس قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أجود الناس بالخیر وکان أجود ما یکون فی رمضان کان جبرئیل یلقاه کل لیلة فی رمضان یعرض علیه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم القرآن فاذا لقیه جبرئیل کان أجود بالخیر من الریح المرسلة. الحدیث متفق علیه. (کذا فی المشکوة باب الاعتکاف) (۲)

(۱) رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب القراء ة للمیت واهداء وثوابها له: ۲/ ۲۴۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) مشکوة المصابیح، باب الاعتکاف: ۱/ ۱۸۳، قدیمی، انیس

وعن سلمان قال: خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وفى آخر يوم من شعبان فقال: يأيها الناس قد أظلكم شهر عظيم شهر مبارک شهر فيه ليلة خير من ألف شهر جعل اللّٰه صيانة وقيام ليلة تطوعاً من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدىٰ فريضة فيما سواه ومن أدىٰ فريضة فيه كان كمن أدىٰ سبعين فريضةً فيما سواه وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة المواساة وشهر يزادفيه رزق المؤمن من فطر نيه صائماً كان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وكان له مثل أجره من غيره أن ينتقص من أجره شئ. قلنا: يا رسول اللّٰه ليس كلنا نجد ما يفطر به الصائم فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يعطى اللّٰه هٰذا الثواب من فطر صائماً علىٰ مذفة لبن أوثمره أوشربة من ماء ومن أشبع صائماً سقاه اللّٰه من حوضى شربه لا يظمأ حتىٰ يدخل الجنة.

وعن ابن عباس قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دخل شهر رمضان أطلق كل أسيروأعطىٰ كل سائل رواهما البيهقى فى شعب الإيمان. (كذا فى المشكاة: ۱۷۴/۱۔۱۷۵، آخر كتاب الصوم)

چوں کہ منشا ان تعینات کا اعتقاد تضاعف ثواب ہے اور یہ تضاعف خود ان روایات میں منصوص ہے؛ اس لیے یہ ان تعینات کے مشابہ نہیں ہیں، جن کا منشا محض رسم اور رائے ہے، پس یہ عمل بلا کراہت جائز ومطلوب ہے۔ واللہ اعلم

۱۳ر شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۸۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۷۵۷/۱)

کسی بزرگ کی قبر کو تعظیماً بوسہ دینا اور وقتاً فوقتاً جا کر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے:

سوال: کیا کسی بزرگ کی قبر کو تعظیما بوسہ دینا وقتاً فوقتاً جا کر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے؟

(المستفتی: ۱۵۶۴، جناب سید عبد المعبود صاحب، ضلع بدایوں، ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ، ۴ر جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب

زیارت قبور کے لیے جانا اور ان کو سلام مسنون ''السلام عليكم يا أهل القبور، الخ'' کرنا جائز اور مستحب ہے؛ مگر قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فساد عقیدہ عوام کا خوف ہے۔ (۱) (کفایت المفتی: ۱۹۲/۴)

---

(۱) قبر کسی کی بھی ہو، اسے بوسہ دینا جائز نہیں۔

''ولا يمس القبر، ولا يقبله، فإنه من عادة أهل الكتاب (طحطاوى على المراقى أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۳۷۵، ط: مصطفى مصر)

وكره تحريماً ... وكذا كل مالم يعهد من غير فعل السنة كالمس، والتقبيل. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۳۷۸، ط: مصطفى مصر)

ورثا میت سے اسٹامپ لکھانا کہ فاتحہ کی اجازت نہ ہوگی اور قبر کی علامت رہے گی، کیسا ہے:

سوال: ایک قبر کسی مقام پر جو کہ جدید اور چند روز کی ہے، جو لوگوں نے ورثاء میت سے جبراً ایک اسٹامپ لکھا لیا او راس شرط پر دفن کی اجازت دی کی ورثا کو کسی قسم کی اجازت فاتحہ وغیرہ کی نہ دی جائے گی اور قبر کا نشان بھی اس طرح سے قصداً مٹا دیا جاوے گا کہ کوئی علامت قبر کی باقی نہ رہے گی؛ تاکہ لوگ اس پر نماز بھی پڑھ سکیں اور لوگوں کی آمدورفت میں بھی وہ قبر مانع نہ ہو اور نہ نماز میں حارج ہو، لہٰذا کسی قبر کی علامت مٹانا بوجہ عذر مذکور اور ورثا سے جبراً ایسا اسٹامپ لکھوانا ازروئے شرع شریف جائز ہے، یا نہیں؟ اور جدید قبر کی علامت مٹانے والے ازروئے شرع خاطی ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

قبر کو مسنم؛ یعنی شکل سنام ابل (کوہان اونٹ) کرنا مسنون اور مستحب ہے اور بعض نے اس کو لازم و واجب کہا ہے۔

(ویسنم) ندباً،وفی الظهیریة:وجوباً قدرشبر أی أکثر شئاً قلیلاً ،بدائع.(الدرالمختار)

(قوله:ویسنم):أی یجعل ترابه مرتفعاً علیه کسنام الجمل،لما روی البخاری عن سفیا ن النمارأنه رأی قبرالنبی صلی الله علیه وسلم مسنما وبه قال الثوری واللیث ومالک وأحمد والجمهور.(۱)

اور یہ بھی درمختار میں ہے:

ویخیرالمالک بین اخراجه ومساواته بالأرض.(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی مملوکہ زمین میں اگر بلا اجازت اس کے مالک کے میت کو دفن کر دیا جاوے تو مالک کو اختیار ہے کہ اس میت کو وہاں سے نکلوا دے، یا زمین برابر کرا دے، صورت قبر نہ رکھے۔ پس کسی کی مملوکہ زمین میں اگر کسی میت کو دفن کرنے کا ارادہ ہو تو اور مالک اس قسم کی شرائط لگا دے تو ہوسکتا ہے اور قبرستان موقوفہ میں کوئی ایسا نہیں کر سکتا اور شرط مذکور نہیں لکھوا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۳/۵-۳۷۴)

میت کو قرآن خوانی کا ثواب پہنچانے کا صحیح طریقہ:

سوال: کسی کے انتقال کرنے کے بعد مرحوم کو ثواب پہنچانے کی خاطر قرآن خوانی کرانا درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

حافظ سیوطی شرح الصدور، میں لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۲۳۷/۲ ،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز: ۲۳۸/۲ ،دار الفکربیروت،انیس

''جمہور سلف اور ائمہ ثلثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک میت کو تلاوتِ قرآن کریم کا ثواب پہنچتا ہے؛ لیکن اس مسئلے میں ہمارے امام شافعیؒ کا اختلاف ہے''۔(۱)

نیز انہوں نے امام قرطبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''شیخ عزالدین بن عبدالسلام فتوی دیا کرتے تھے کہ میت کو تلاوتِ قرآن کریم کا ثواب نہیں پہنچتا، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا، اب کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے کہ میں دنیا میں یہ فتوی دیا کرتا تھا؛ لیکن یہاں آکر جو اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ کیا تو اس فتوی سے رجوع کرلیا، میت کو قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے''۔(۲)

امام محی الدین نووی شافعی ''شرح المہذب'' (۳۱۱/۵) میں لکھتے ہیں کہ:

''قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہل قبور کے لیے دعا کرے، امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں''۔(۳)

فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی کتابوں میں بھی ایصال ثواب کی تصریحات موجود ہیں؛ اس لیے میت کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی تو بلاشبہ درست ہے، لیکن اس میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

اول: یہ کہ جو لوگ بھی قرآن خوانی میں شریک ہوں، ان کا مطمحِ نظر محض رضائے الٰہی ہو، اہل میت کی شرم اور دکھاوے کی وجہ سے مجبور نہ ہوں اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی نکیر نہ کی جائے؛ بلکہ انفرادی تلاوت کو اجتماعی قرآن خوانی پر ترجیح دی جائے کہ اس میں اخلاص زیادہ ہے۔

دوم: یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت صحیح کی جائے، غلط سلط نہ پڑھا جائے، ورنہ اس حدیث کا مصداق ہوگا کہ: ''بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے''۔

سوم: یہ کہ قرآن خوانی کسی معاوضہ پر نہ ہو، ورنہ قرآن پڑھنے والوں ہی کو ثواب نہیں ہوگا، میت کو کیا ثواب

---

(۱) فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول وخالف في ذلك إمامنا الشافعي.(شرح الصدور، ص: ۳۱۰،طبع دار الكتب العلمية بيروت،باب في قراءة القرآن للميت أوعلى القبر)

(۲) قال القرطبي: وقد كان الشيخ عزالدين بن عبد السلام يفتي بأنه لايصل الى الميت ثواب ما يقرأ له فلما توفي رآه بعض أصحابه فقال له: إنك كنت تقول أنه لايصل إلى الميت ثواب ما يقرأ ويهدى إليه،فكيف الأمر؟ قال:له كنت أقول ذلك في دارالدنيا والآن فقد رجعت عنه لمارأيت من كرم الله في ذلك.(شرح الصدور، ص: ۳۱۱،طبع دار الكتب العلمية بيروت، باب في قراءة القرآن للميت أوعلى القبر)

(۳) ويستحب للزائر أن يسلم على المقابر ويستحب أن يقرأ من القرآن ما تيسر ويدعولهم عقبها نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب.(شرح المهذب،باب التعزية و البكاء على الميت: ۳۱۱/۵،دار الفكر،بيروت،انيس)

پہنچائیں گے؟ ہمارے فقہا نے تصریح کی ہے کہ قرآن خوانی کے لیے دعوت کرنا اور صلحا قرا کو ختم کے لیے، یا سورۂ انعام، یا سورۂ خلاص کی قرأت کے لیے جمع کرنا مکروہ ہے۔ (فتاوی بزازیہ)(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۹-۴۳۰)

کفن دفن اور فاتحہ خوانی کے متعلق چند سوالات:

سوال (۱) مرنے کے بعد کفن پر کلمہ شریف لکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) دفن کے بعد قبر پر اذان دینی جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) دفن کے بعد قبرستان میں فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

(۴) دفن کے بعد میت کے گھر واپس آ کر شرکائے جنازہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت ہاتھ اٹھا کر پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۵) مرحوم کے مکان پر چند اشخاص موجود ہوں اور کچھ ایسے اشخاص اور آویں، جو اتفاق سے جنازے میں شریک نہ ہو سکے ہوں، ان کے آنے پر سب حاضرین دست بدعا ہو کر فاتحہ پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں

(۶) چنے اور الائچی دانوں پر قل خوانی ہونی چاہیے، کب کتنے عرصے کے بعد اور کس طریقے سے؟

(۷) اگر کوئی شخص کلام مجید پڑھا ہوا نہ ہو تو وہ کسی حافظ کو یومیہ مقرر کر کے قبر پر کلام مجید پڑھوا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) کفن پر کسی ایسی چیز سے کلمہ شریف لکھنا جس سے نقش ظاہر ہو جائیں، جائز نہیں، صرف انگلی سے لکھ دینا مباح ہے کہ نقش ظاہر نہ ہوں۔ (۲)

(۲) دفن کے بعد قبر پر اذان کہنی ثابت نہیں؛ اس لیے اسے چھوڑنا لازم ہے۔ (۳)

(۳) دفن کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کرنی جائز ہے؛ مگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی لازم نہیں، خواہ ہاتھ اٹھائے، یا نہ اٹھائے، دونوں جائز ہیں۔ (۴)

---

(۱) ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول و الثالث وبعد الأسبوع واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أولقراءة سورة الأنعام أو الاخلاص. (فتاوی بزازیة علٰی هامش الهندیة: ٤/٨١)

(۲) نعم نقل المحشین عن فوائد الشرجی أن مما یکتب علٰی جبهة المیت بغیرمداد بالأصبع المسبحة بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم، وعلٰی الصدر لا إله إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه، وذلک بعد الغسل قبل التکفین. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فیما یکتب علٰی کفن المیت: ٢/٢٤٧، ط: سعید)

(۳) لایسن الأذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن- وقد صرح ابن حجر فی فتاویه بأنه بدعة. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ٢/٢٣٥، ط: سعید)

(۴) البتہ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ فی حدیث ابن مسعود رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی قبرعبد اللّٰه ذی النجادین الحدیث وفیه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة، رافعًا یدیه. (فتح الباری، باب الدعا مستقبل القبلة: ١١/١٢٢، ط: مصر)

(۴) یہ رسم کہ قبرستان سے میت کے گھر واپس آ کر دعا کو لازم سمجھا جاتا ہے، صحیح نہیں، دفن کے بعد غیر لوگوں کو اپنے گھر اور اپنے کام کو جانا جائز ہے، میت کے گھر والے اور اعزا میت کے گھر واپس آ جائیں اور لوگ چلے جائیں۔ (۱)

(۵) ہاں جو لوگ کہ جنازے میں شریک نہ ہوں، وہ میت کے مکان پر تعزیت کے لیے آئیں تو جائز ہے اور تعزیت کے الفاظ مسنونہ میں ''غفر اللّٰہ لمیتکم'' (۲) دعا کے الفاظ بھی شامل ہیں اور اگر ان کے ساتھ دوسرے حاضرین بھی دعا میں شریک ہو جائیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں؛ لیکن ان میں سے کسی کو لازم قرار دینا درست نہیں۔

(۶) یہ رسم قابل ترک ہے؛ کیوں کہ اس نے ایک مستقل صورت اختیار کر لی ہے اور التزام مالا یلزم ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (۳)

(۷) حافظ کو اجرت دے کر قبر پر قرآن مجید پڑھوانا ناجائز ہے۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۶۰-۶۱)

قبرستان میں قرآن شریف پڑھنا:

سوال: قبرستان میں قرآن شریف پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبرستان میں، یا دقبر پر قرآن شریف پڑھنا جائز ہے، (۵) اور وہاں کوئی جگہ علاحدہ نماز پڑھنے رہنے سہنے کے لیے بنی ہو تو اس میں بیٹھ کر قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان للہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴/۱۹۶)

---

(۱) وإذا رجع الناس من الدفن فليتفرقوا، ويشتغلوا بأمورهم، وصاحب المبيت بأمره. (مراقی الفلاح: باب أحكام الجنائز، ص: ۳۷۳، ط: مصطفىٰ البابی الحلبی، مصر)

(۲) يقول أعظم اللّٰه أجرك وأحسن جزائك وغفر لميتك. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل مطلب الثواب على المصيبة: ۲/۲۴۱، ط: سعيد)

(۳) اور خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں۔ ''من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد (صحيح البخاری، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، ط: قديمی)

(۴) وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن وغير ذلك مما هو مشاهد في هٰذا الزمان وما كان كذلك فلاشك في حرمته. (رد المختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۵) قوله: ويقرأ يٰس لما ورد'' من دخل المقابر، فقرأ سورة يس خفف اللّٰه عنهم يومئذٍ، وكان له بعدد من فيها حسنات''، بحر، و في شرح اللباب' و يقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة، وأول البقرة الى المفلحون (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، قبيل مطلب في القراءة للميت و اهداء وثوابها له: ۲/۲۴۲-۲۴۳، ط: سعيد)

سورۂ ملک کی تلاوت اور ایصالِ ثواب:

سوال: مجھے معلوم ہوا کہ روزانہ سورۂ ملک پڑھنے سے عذابِ قبر نہیں ہوتا؛ اس لیے میں اسے پڑھنے کا اہتمام کرتی ہوں؛ لیکن کیا اس کا ثواب مرحوم کے لیے ایصال کر دیا جائے؛ تاکہ اسے عذاب قبر نہ ہو تو کیا مجھے دوبارہ اتنی بار پڑھنا پڑے گا؟ (ثناء فاطمہ، گلبرگہ)

الجواب

اگر آپ قرآن شریف پڑھیں اور ایصالِ ثواب کریں تو جتنا ثواب سے پہنچے گا، کوئی کمی کئے بغیر ان شاء اللہ آپ کو بھی پہنچے گا، جو شخص سورۂ ملک پڑھنے کا اہتمام کرتا ہو، حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شاء اللہ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔(۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۰۲)

مُردوں کے لیے قرآن سے ایصالِ ثواب:

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو ایصال کیا جائے تو درست ہے، جب کہ بعض حضرات اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حق بات کیا ہے؟ (حفیظ اللہ، نظام آباد)

الجواب

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کا ثواب مردوں کو ایصال کیا جا سکتا ہے، حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور مردوں کو اس کا ثواب ایصال کر دے تو قبرستان کے تمام مردوں کے برابر خود اس کو بھی ثواب پہنچے گا''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں یہ اور اس کے علاوہ اور بھی احادیث ذکر کی ہیں، جن سے مردوں کو تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچانے کا ثواب ملتا ہے،(۲) چناں چہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد قرآن سے ایصالِ ثواب کے قائل ہیں اور یہی رائے امام غزالی اور بہت سے فقہاء شوافع کی بھی ہے؛(۳) اِس لیے صحیح یہی ہے کہ قرآن پڑھ کر مردوں کو اِیصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۰۲-۲۰۳) ☆

---

(۱) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر: ۲۹۵/٤

(۲) دیکھئے: تفسیر ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ (سورۃ النجم: ۳۹)

(۳) شیخ زادہ علی بیضاوی: ۴/۴۱٦

==

قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کی دلیل:

سوال: مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے کیا قرآن شریف پڑھا جا سکتا ہے، براہ کرم حدیث کے ذریعہ جواب دیں؟ (حافظ محمد عبدالقدیر، یاقوت پورہ)

الجواب

انسان کو اصل اجر تو اپنے اعمال کا پہونچتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انسان کو دوسروں کے اعمال کا اجر بھی پہنچاتے ہیں، دعا اور صدقہ دوسرے کے حق میں نافع ہونے اور اس کا ثواب پہنچنے پر تو اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے ہی، جمہور اہل سنت کے نزدیک قرأت قرآن اور دوسری بدنی عبادتوں کا ثواب بھی پہنچتا ہے، یہی بات حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سورہ یٰسین قرآن کا قلب ہے، جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے لئے پڑھے گا اس کی مغفرت ہوگی، نیز تم اس سورت کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو''۔(۱)

''ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے والدین زندہ تھے تو میں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتا تھا،

== **قرآن مجید سے ایصالِ ثواب اور حدیث:**

سوال: سنا ہے کہ رمضان المبارک میں کلام پاک پڑھ کر مرحوم کو بخشنا چاہیے؛ لیکن بعض حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں، صحیح بات کیا ہے؟ اس کی رہنمائی کیجئے؟ (سید ضیاء الرحمان، نرساپور)

الجواب

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کا ثواب مُردوں کو ایصال کیا جا سکتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور مُردوں کو اس کا ثواب ایصال کردے تو قبرستان کے تمام مُردوں کے برابر خود اس کو بھی اس کا ثواب پہنچ گا''۔(کشف الخفاء: ۳۸۲/۲. ط: دار الإحیاء التراث العربي) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''قبرستان میں سورۂ یسین پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ مُردوں سے عذاب کو ہلکا کر دیں گے''۔(التفسیر المظھري: ۱۲۹/۹، ط: مکتبہ رشیدیہ) یہ اور اس طرح کے روایات ہیں، جن سے مُردوں کو تلاوتِ قرآن کے ذریعہ ثواب پہونچانے کا ثبوت ملتا ہے، (دیکھئے: تفسیر: ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ (النجم: ۳۹) چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ قرآن سے ایصالِ ثواب کے قائل ہیں، اور یہی رائے امام غزالیؒ اور بہت سے فقہاء شوافع کی بھی ہے۔ (شیخ زادہ علی بیضاوی: ۴۱۶/۴) اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرآن پڑھ کر مُردوں کو ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ (راقم سطور نے اپنی تالیف قاموس الفقہ جلد اول کے اخیر میں اس پر ایک گونہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔) (کتاب الفتاویٰ: ۲۰۹/۳-۲۱۰)

(۱) عن معقل بن یسار أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال البرة سنام القرآن وذروته نزل مع کل آیة منها ثمانون ملکاً واستخرجت (لا اله الا هو الحی القیوم) من تحت العرش فوصلت بها أو فوصلت بسورة البقرة ویٰسین قلب القرآن لا یقرؤها رجل یرید اللّٰـه تبارک وتعالٰی والدار الآخرة الا غفر لـه واقرؤها علٰی موتاکم. (مسند أحمد، حدیث مغفل بن یسار: ۲۵/۵، انیس)

اب ان کی وفات ہوگئی تو اب میں ان کے ساتھ کس طرح سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھو''۔(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قبرستان میں داخل ہو، وہ ''سورۂ فاتحہ''، ''قل هو الله أحد'' اور ''الهٰكم التكاثر'' پڑھے اور کہے کہ میں نے اس پڑھے ہوئے کلام کا ثواب اہل قبرستان مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے کردیا تو وہ لوگ اس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفارشی ہوں گے''۔(۲)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قبرستان میں داخل ہو اور سورہ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ ان سب یعنی قبرستان میں مدفون لوگوں سے عذاب کو ہلکا کردیتے ہیں اور اس کے لیے ان تمام لوگوں کے برابر نیکیاں ہوتی ہیں''۔(۳)

''ابن الجلاجؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے صاحب زادگان سے فرمایا: جب تم لوگ مجھے میری قبر میں داخل کرو تو قبر میں رکھتے ہوئے کہو: ''بسم الله وعلىٰ سنة رسول الله''، پھر مٹی ڈال دو اور میرے سرہانے سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھو؛ کیوں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے کہ وہ اس عمل کو پسند فرماتے تھے''۔(۴)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور احمدؒ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں، البتہ پیشہ ورانہ طریقہ پر پیسے لے کر قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں اور اس کا ثواب نہیں پہنچتا، کیوں کہ ثواب تو ایسے عمل پر ہوتا ہے جس میں اخلاص ہو، جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ خود لائق ثواب نہیں، اور جو عمل خود ہی لائق ثواب نہ ہو اس کا ثواب دوسروں کو کیوں کر ایصال کیا جاسکتا ہے؟ یہی بات مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے لکھی ہے۔(۵) (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۱۰-۲۱۲)

---

(۱) عن الحجاج بن دينار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من البر بعد البر أن تصلي عليهما مع صلاتك، وأن تصوم عنهما مع صيامك وأن تصدق عنهما مع صدقتك. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب ما يتبع الميت بعد موته: ۳/۳۸۷، انيس)

(۲) ''من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله أحد والهٰكم التكاثر، ثم قال إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله''. (تفسير مظهري، من تفسير سورة التحريم: ۹/۱۲۹)

(۳) عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من دخل المقبر فقرأ سورة يٰسين خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات. (تفسير مظهري، من تفسير سورة النجم: ۹/۱۲۹)

(۴) ''واقرؤا عند رأسي أول البقرة وخاتمها، فإني رأيت ابن عمر رضي الله عنهما يستحب ذلك''. محدثین نے اس کی سند کو معتبر و مقبول مانا ہے''۔ (دیکھئے: الفتح الرباني: ۸/۱۰۱)

(۵) ردالمحتار: ۹/۷۷

ہائے! یہ قرآن فروشی:

سوال: بعض حفاظ کئی قرآن مجید مکمل پڑھ کر ذخیرہ کے طور پر رکھ لیتے ہیں، جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو ورثا ان سے رجوع ہوتے ہیں اور مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن پاک پڑھ کر بخشنے کی درخواست کرتے ہیں، تب یہ حفاظ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کئی قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں، آپ پانچ سو روپے، ہزار روپے دے کر ایک قرآن مجید بخشوا لیجئے۔ کیا یہ عمل جائز ہے؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

الجواب

قرآن مجید سے ایصال ثواب درست ہے، حدیثوں سے ثابت ہے، (۱) اور اس لیے اکثر فقہا اس کے قائل ہیں، (۲) لیکن آپ نے جو صورت ذکر کی ہے، یہ نعوذ باللہ قرآن فروشی ہے، نہ کہ ایصال ثواب، جب قرآن کی تلاوت کا معاوضہ لے لیا گیا، تو اس میں اخلاص باقی نہیں رہا اور جو عمل اخلاص سے خالی ہو، وہ باعث ثواب نہیں، پھر جب قرآن کی تلاوت کرنے والوں کا عمل بجائے خود باعث ثواب نہیں ہے تو وہ دوسروں کو کس طرح ثواب کا ایصال کر سکتے ہیں؟ جب کوئی عمل بجائے خود اجر و ثواب کا باعث ہو، جب ہی دوسروں کو اس کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے؛ اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے، وہ قطعاً نادرست ہے، اس سے مردہ کو ثواب بھی نہیں پہنچے گا اور یہ رقم قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لئے بھی حرام ہوگی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۲۱)

قرآن مجید کی بعض سورتوں سے ایصال ثواب:

سوال: خصوصاً ہر روز میرا معمول ہے کہ فجر سے قبل سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، سورہ مزمل اور منزل پڑھ کر ان کا ثواب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کو پہلے بخش کر اپنے والدین، مرحوم رشتہ داروں اور دوستوں کو بخشتا ہوں اور شروع میں درود شریف بھی پڑھتا ہوں۔ کیا شرعاً میرا یہ عمل درست ہے؟ (محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

الجواب

اکثر ائمہ اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے، وہ درست ہے۔

---

(۱) عن أنس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة "یٰسین" خفف اللہ عنهم، وكان له بعد من دفن فیها حسنات". (إعلاء السنن، رقم الحدیث: ۲۳۲۲، باب استحباب زیارة القبور عمومًا وزیارة قبر النبي صلی اللہ علیہ وسلم خصوصًا وما یقرأ فیها: ۸/ ۳۴۳، ادارة القرآن، کراتشی، انیس)

(۲) ردالمحتار: ۳/۱۵۲

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''جب قبرستان میں داخل ہوتو سورۂ یٰسین پڑھے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۂ یٰسین پڑھے، اللہ تعالیٰ ان سے اس دن عذاب کو ہلکا کر دیتے ہیں اور جتنے لوگ قبرستان میں مدفون ہیں، پڑھنے والے کے لیے ان کے برابر نیکیاں ہوتی ہیں، نیز شرح لباب میں ہے کہ قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھ لے، سورۂ فاتحہ، مفلحون تک سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ، آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخری رکوع، سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک... پھر کہے: اے اللہ! ہم نے جو کچھ پڑھا، اس کا ثواب فلان شخص، یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا دیجئے''۔(۱)

لہٰذا آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں اور اہل تعلق کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور یہ خود آپ کے لیے بھی باعثِ ثواب ہے، البتہ اسے ضروری اور لازم نہ سمجھ لیں کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب نہ قرار دیا ہو، اسے واجب کا درجہ دینا درست نہیں۔(کتاب الفتاویٰ:۲۳۲/۳-۲۲۴)

قبرستان میں قرآن کریم کی تلاوت آہستہ جائز ہے، آواز سے مکروہ ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب فرمارہے تھے کہ قرآن مجید قبرستان میں نہیں پڑھنا چاہیے؛ کیوں کہ عذاب والی آیات پر مردے پر عذاب نازل ہوتا ہے؛ بلکہ مخصوص دعاؤں بشمول آیات جو کہ سنت نبوی سے ثابت ہیں، پڑھنی چاہئیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

قبر پر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، آہستہ پڑھ سکتے ہیں۔(۲)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴۰۵/۴)

ایصال ثواب کا روپیہ مدرسہ کی تنخواہ میں دینا:

سوال: ایصال ثواب کا روپیہ مدرس کی تنخواہ میں بھی دیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر ایصال ثواب کا روپیہ منت کا ہے؛ یعنی اس کے ایصال کی منت مان چکا ہے تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، اس

---

(۱) قوله(ويقرأ يٰسين) لما ورد من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسين خفف اللّٰه عنهم يومئذٍ وكان له بعدد من فيها حسنات وفى شرح اللباب ويقرأ من القرآن ما يسر له من الفاتحة وأول القبرة الى المفلحون مرة أوعشراً أو سبعاً أو ثلاثاً ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه الٰى فلان أو اليهم .(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب فى القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲۴۲/۲-۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) إنما يكره قراءة القرآن فى المبقرة جهراً أما المخافتة فلا بأس بها.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهة، الباب السادس عشر فى زيارة القبور: ۳۵۰/۵، انيس)

کے مستحق صرف غریب اور نادار طلبا ہیں، مدرس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے اور منت کا نہیں ہے تو تنخواہ مدرس میں بھی دے سکتے ہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۶/۱۰/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۵۹)

ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کا حکم شرعی:

سوال: انگلستان کی اکثر مساجد میں عام رواج ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کا رشتہ دار مساجد کمیٹی کے سکریٹری رصدر کے ذریعہ یہ اعلان کرانے کی خواہش کرتا ہے کہ فلاں دن فلاں وقت برائے ایصال ثواب ختم قرآن شریف ہوگا، آپ سب حضرات مسجد میں تشریف لائیں۔

ابھی دو ماہ ہوئے اس مسجد میں جب کسی نے ایسی درخواست کی تو اپنے امام صاحب نے (جو مفتی ہیں) کہا یہ جائز نہیں، ایک بزرگ اور تھے، انہوں نے بھی کہا کہ نہیں۔اپنے گھروں میں قرآن خوانی کرالیں اور مسجد میں دعائے مغفرت ہو جائے گی۔

کافی بھائیوں کو تعجب ہوا کہ یہ رواج ہم اپنے بچپن سے ہندوستان اور پاکستان میں دیکھتے آئے ہیں اور اب یہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے، چناں چہ مسجد میں پھر قرآن خوانی نہیں ہوئی۔

ابھی دس دن کا واقعہ ہے کہ ایک بھائی کی لڑکی فوت ہوگئی، اس نے قرآن خوانی کی خواہش کی، آخر اس کے کہنے پر یہ فیصلہ ہوا کہ سورۂ یسین پڑھ کر دعائے مغفرت کر دی جائے۔

مفتی صاحب نے (زادالمعاد: ۱/۱۵۰، مصری) کا حوالہ دیا، جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ تعزیت کے لیے لوگ جمع ہوں اور قرآن خوانی ہو، نہ قبر کے پاس نہ کسی اور جگہ یہ سب باتیں بدعت ہیں، ایجاد کردہ ہیں، مکروہ ہیں۔

اب جو بھائی قرآن خوانی کے حق میں ہیں، ان کا جواب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے؛ اس لیے کہ ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف ابھی مکمل کتاب کی صورت میں تیار نہیں ہوا تھا (وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مکتوب ہوا)؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف ختم کرانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ''نہ کسی اور جگہ'' میں صرف مسجد ہی نہیں آتی؛ بلکہ گھر وغیرہ بھی شامل ہیں تو پھر قرآن خوانی کیسے ہو؟ اور مرحوم کو ایصال ثواب کی صورت کیا ہو؟ یہ ہوسکتا ہے کہ مرحوم کے دوست احباب کو کہہ دیا جائے کہ تم منفرداً ختم کرالو؛ یعنی اکٹھے ہو کر نہیں اور پھر یہاں مسجد میں آکر سب مل کر دعاء مغفرت کرلیں گے۔

میں اور میری یہاں کی کمیٹی آپ کی بے حد مشکور ہوگی، اگر آپ اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈال کر ہماری اصلاح فرمائیں گے؟ (محمد عبدالحمید، چیرمین: ومیلڈن مسجد کمیٹی، لندن)

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تعزیت کے لیے لوگوں کا آنا، یا جمع ہو جانا دوسری چیز ہے اور اهداء ثواب للمیت اور ایصال ثواب کے لیے قرآن پاک پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرنا دوسری چیز ہے، دونوں کے الگ الگ حکم ہیں، دونوں میں خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہے۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مذہب ہے کہ اہداء ثواب للمیت جائز ہے، صرف معتزلہ اس کے منکر ہیں۔(۱)

تعزیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ صاحب میت؛ یعنی جس کے یہاں میت ہوگئی ہو، اس کے یہاں جا کر صبر وتحمل کی تلقین کی جائے، تسلی وتشفی کے کلمات کہے جائیں اور اس سلسلہ میں اگر وہ کلمات کہہ دیئے جائیں، جو ماثور ومنقول ہیں، جیسے: "**للّٰه ما أعطى وللّٰه ما أخذ وإليه النشور**" وغیرہ تو یہ درست ہوگا۔ باقی اس وقت تلاوتِ قرآن پاک قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت ومنقول نہیں ہے۔ یہی مذہب مختار حضرات شوافع کا بھی ہے، **کما في رد المحتار: "والذي حرره المتأخرون من الشافعية وصول القراءة للميت إذا كانت بحضرته أو دعى له عقبها ولو غائباً؛ لأن محل القراءة تنزل الرحمة والبركة، والدعا عقبها أرجى للقبول، الخ".** (۲) اور ابن قیم حنبلی نے جن کی زاد المعاد ہے انہوں نے بھی اپنی مشہور ومسلم کتاب (کتاب الروح) میں لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: "**اختلف في اهداء الثوب إلى الحي فقيل يصح لاطلاق قول أحمد بفعل الخير ويجعل نصفه لأبيه أو أمه".** (۳)

جب زندہ کے لیے ایصال ثواب کے جواز کو نقل فرمایا ہے تو میت کے لیے بدرجہ اولیٰ جائز ودرست ہوگا۔ پس "زاد المعاذ" کا وہ مفہوم لینا درست نہ ہوگا اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو وہ ان کی اپنی تحقیق وذاتی رائے ہوگی، جو دوسروں کے لیے حجت نہ ہوگی، بالخصوص جب کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے وہ خود ایسی بات نقل کرتے ہیں، جو ان سے موافقت نہیں کرتی، البتہ اجتماعی قرآن خوانی اگر کرنی ہو تو سب کو آہستہ وسراً پڑھنا ضروری ہوگا، جہراً پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **ويكره للقوم أن يقرؤا القرآن جملة جهراً لتضمنها ترك الاستماع والانصات المأمور بهما، كذا في القنية.** (۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، ۱۹/۴/۱۴۰۳ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۶۰-۳۶۱)

---

(۱) صرح علماؤنا في باب الهج عن الغير بأن للانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أوغيرها ... هو مذهب أهل السنة والجماعة ... وخالف المعتزلة. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲،۳) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، دارالكتب العلمية بيروت

(۴) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهة، الباب الرابع في الصلاة و التسبيح: ۱/۳۱۷، انيس

میت کو غسل دینے سے پہلے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا کیسا ہے:

سوال: کسی کے انتقال کے فوراً بعد غسل دیئے بغیر ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھوانا جائز ہے، یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی دور جگہ سے انتقال کی خبر بذریعۂ ٹیلیفون پہنچی اور یہ یقین ہو کہ اتنی دیر میں میت کو غسل نہیں دیا گیا ہوگا، پھر بھی قرآن پڑھوانا کیسا ہے؟ سوال کا خلاصہ یہ کہ قرآن پڑھوانے کے لیے غسل کی شرط صرف اسی وقت ہے، جب کہ جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو، یا ہر وقت؟ چاہے جنازہ پاس ہو، یا دور ہو، غسل کے بغیر قرآن نہیں پڑھ سکتے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر میت قرآن پڑھنے والوں کے سامنے موجود نہیں ہے، اس صورت میں تو بغیر غسل دیئے بھی بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر میت سامنے موجود ہے؛ لیکن اس پر اس طرح کپڑا ڈال دیا گیا کہ پوری میت مستور ہے، کوئی عضو کھلا ہوا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی کراہت نہیں ہے اور اگر وہ پورے طور پر مستور نہیں ہے؛ لیکن تلاوت سراً کی جارہی ہے؛ تب بھی کراہت نہیں ہے، البتہ اس آخری صورت میں جہراً تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(محمود الفتاویٰ: ۵۴۲/۱)

اولیاء اللہ کے ایصال ثواب کے لیے مسجد میں ختم پڑھانا:

سوال: مسجد میں اولیاء اللہ کے لیے ختم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جو ختم بزرگوں سے ثابت ہے، اس کو پڑھنا، یا ختم پڑھ کر بزرگوں کو ثواب پہونچانا درست ہے؛ لیکن کسی کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے، جس کا دل چاہے، شریک ہو جس کا دل نہ چاہے، نہ شریک ہو، نیز اپنی طرف سے کوئی چیز ایسی نہ ملائی جائے، جو ثابت نہ ہو۔ (۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۳۸۸/۲/۲۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۹/۹)

---

(۱) الحاصل أن الموت ان كان حدثاً فلا كراهة فى القراءة عنده وان كان نجساً كرهت ... أن محل الكراهة اذا كان قريباً منه أما اذا بعد عنه بالقراءة فلا كراهة،قلت والظاهر أن هٰذا أيضاً اذ لم يكن الميت مسجى بثوب جميع بدنه لأنه لو صلىٰ فوق نجاسة علىٰ حائل من ثوب أوحصير لا يكره فيما يظهر فكذا اذا قرأ عند نجاسة ستورة وكذا ينبغى تقييد الكراهة بما اذا قرأ جهراً.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فى القراءة عند الميت: ۱۹۴/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أوصوماً أوصدقة أو قراءةً قرآن أوذكرًا أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغيره ذٰلک عند أصحابنا بالكتاب و السنة.(البحر الرائق،باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳،رشدية)

ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم دینا:

سوال: کسی میت کی طرف سے ایک قرآن اس نیت سے اسقاط کرنا کہ اس میت کہ ہر آیت قرآنی کے عوض ایک گناہ معاف ہوجاتا ہے، کیسا ہے؟ اور کیا واقعی گناہ معاف ہوجاتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

قرآن شریف اسقاط کرنے کیا مطلب ہے، اگر یہ مطلب ہے کہ پڑھ کر ایصال ثواب کردیا جائے تو بلا اجرت پڑھ کر ثواب پہنچانے سے یقیناً ثواب ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں؛(۱) لیکن حقوق العباد اس سے معاف نہیں ہوتے۔(۲) اسی طرح نمازیں روزے وغیرہ جو میت کے ذمہ ہیں، جن کا کفارہ دینا ضروری ہے، وہ بھی معاف نہیں ہوتے، بشرط وصیت ایک ثلث میں سے کفارہ کرنا لازم ہے،(۳) اگر ترکہ میں کچھ نہیں چھوڑا تو تلاوت وغیرہ کا ثواب پہونچایا جائے، کیا عجب ہے (کہ) اللہ پاک معاف فرمادیں۔

---

(۱) عن أنس رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال: ''من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس، خفف اللّٰه عنهم، و کان له بعدد من فیها حسنات'' (شرح الصدور للسیوطی رحمه اللّٰه تعالٰی، باب فی قراء ة القرآن للمیت أو علی القبر، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه، ص: ۳۰٤، دار المعرفة، بیروت)

عن أنس رضی اللّٰه تعالٰی عنه مرفوعاً: ''أمتی أمة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب علیها، یمحص عنها باستغفار المؤمنین لها''. (شرح الصدور للسیوطی رحمه اللّٰه تعالٰی، باب ما ینفع المیت فی قبره، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه، ص: ۲۹۸، دار العرفة، بیروت)

''صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر: بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة أو صوماً أو صدقةً أو غیرها کذا فی الهدایة الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین و المؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجره شئ''. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراء ة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲٤۳/۲، سعید)

(۲) فإن کانت المعصیة لحق آدمی، فلها رکن رابع و هو التحلل من صاحب ذلک الحق''. (شرح النووی علی مسلم، کتاب التوبة: ۳٥٤/۲، قدیمی)

''إن کانت المعصیة فی خالص حق اللّٰه فقد یکفی الندم ... وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم و العزم إیصال حق العبد أو بدله إلیه الخ''. (روح المعانی، تحت الآیة: ﴿یاأیها الذین آمنوا توبوا إلی اللّٰه﴾ إلخ: ۱٥۸/۲۸، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۳) ولو مات وعلیه صلوات فائتة وأوصٰی بالکفارة، یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة (وکذا حکم الوتر) والصوم وإنما یعطی (من ثلث ماله)''. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲-۷۳، دار الفکر بیروت، انیس)

''(قوله: وإنما یعطی (من ثلث ماله): أی فلو زادت الوصیة علی الثلث، لا یلزم الولی إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلاة عن المیت: ۷۳/۲، سعید) ==

اگر یہ مطلب ہے کہ ایک قرآن شریف کسی کو بہ نیت ثواب صدقہ دے دیں تو اس سے بھی ثواب ہوتا ہے؛ لیکن ترکۂ میت سے دینا بلا وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں نافذ کرنا واجب ہے، زائد میں ورثہ بالغین کی اجازت پر موقوف ہے اور جب نابالغ ہوں تو ان کی اجازت معتبر نہیں۔(۱) ہر آیت کے عوض ایک گناہ کی معافی کی تصریح کسی جگہ نہیں دیکھی، جیسا کہ اور صدقہ دینے کا حال ہے، ایسا ہی قرآن شریف کا حال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۱۳۵۸/۵/۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۲۳۰-۲۳۲)

قران خوانی کے دوران غلط اموراوران کا وبال:

سوال: قرآن خوانی میں چند لوگ ایسے ہوتے ہیں، جنہیں پڑھنا نہیں آتا، وہ شرما شرمی میں پارہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب لوگ پڑھ کر رکھتے ہیں تو اور لوگوں کے ساتھ وہ بھی پڑھے ہوئے پاروں میں رکھ دیتے ہیں، یا کچھ لوگ صحیح نہیں پڑھتے اور جلدی میں تلفظ صحیح ادا نہیں کرتے، یا کچھ پڑھتے ہیں، کچھ چھوڑ دیتے ہیں تو اس کا گناہ قرآن خوانی کروانے والے پر ہوگا، یا پڑھنے والے پر، یا دونوں پر ہوگا؟

الجواب

جو نہ پڑھنے کے باوجود یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہوں نے پڑھ لیا، گناہ گار ہیں، اسی طرح جو غلط سلط پڑھتے ہیں، وہ بھی اور قرآن خوانی کرانے والے اس گناہ کا سبب بنا ہے؛ اس لیے وہ بھی گناہ میں شریک ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/ ۴۳۰)

قرآن خوانی میں بغیر پڑھے پاروں کو پڑھے ہوئے پاروں میں رکھنے کا کفارہ:

سوال: ایک خاتون اکثر محلے میں سورۂ یٰسین وغیرہ کے ختم اور قرآن خوانی میں جاتی ہیں، ان کی قرآن پڑھنے کی

== ''إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصٰى بأن تعطٰى كفارة صلواته، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر، و للوتر نصف صاع، ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله''. (الفتاوٰى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت، مسائل متفرقة: ۱/ ۱۲۵، رشيدية)

(۱) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع فى السرور لافى الشرور، وهى بدعة مستقبحة ... وهٰذه الأفعال كلها للسمعه والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالٰى ... ولاسيما إذا كان فى الورثة صغار أوغائب إلخ''. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى كراهية الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱، سعيد)

''ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار''. (الفتاوٰى الهندية، كتاب الوصايا، الباب الأول فى تفسيرها وشرط جوازها وحكمها ومن تجوز له الوصية ومن لا تجوز: ۶/ ۹۰، رشيدية)

رفتار انتہائی سست ہے؛ یعنی بہت دیر سے وہ سپارے ختم کرتی ہیں، جب کہ اور خواتین دو تین سپارے ختم کر لیتی ہیں تو ان کا ایک سپارہ ختم ہوتا ہے، لہٰذا انہوں نے محفل میں اپنا یہ عیب چھپانے کے لیے بغیر پڑھے ہوئے ایک دو سپارے پڑھے ہوئے سپاروں میں رکھ دیے۔ اسی طرح ایک دفعہ یسین شریف پڑھتیں اور دو تین پڑھی ہوئی سورتوں میں ڈال دیتیں۔ اب ان خاتون کو اپنی اس غلطی اور گناہ کا احساس ہو گیا ہے اور وہ شرمندہ ہیں، وہ اپنی اس غلطی اور گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں اس گناہ کا کفارہ اور تلافی کس طرح ممکن ہے؟

الجواب

بس اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور جتنا قرآن مجید پڑھنا ہوا، اپنے گھر پر پڑھ لیا کریں، لوگوں کے گھروں میں جا کر قرآن مجید نہ پڑھا کریں۔ یہ عورتوں میں جو قرآن خوانی کا رواج ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ قرآن غلط پڑھتی ہیں، بہتر ہوگا کہ اپنے اپنے گھر میں قرآن کریم پڑھا کریں اور اس کا ثواب مرحومین کو بخش دیا کریں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۳۲)

نیا پڑھا ہو، یا پہلے کا پڑھا ہو، سب کا ثواب پہنچا سکتے ہیں:

سوال: اکثر محفلِ قرآن میں بعض مرد، یا خواتین کہتے ہیں کہ انہوں نے اب تک گھر پر مثلاً: ۱۰، ۵ پارے پہلے پڑھے ہیں، وہ اس میں شامل کر لیں، یا پھر اکثر قلتِ قارئین کی وجہ سے سپارے گھر گھر بھیج دیے جاتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

الجواب

یہاں چند مسائل ہیں:

(۱) مل کر قرآن خوانی کو فقہا نے مکروہ کہا ہے، اگر کی جائے تو سب آہستہ پڑھیں؛ تاکہ آوازیں نہ ٹکرائیں۔(۱)

(۲) آدمی نے جو کچھ پڑھا ہو، اس کا ثواب پہنچا سکتا ہے، خواہ نیا پڑھا ہو، یا پرانا پڑھا ہو۔(۲)

(۳) ایصال ثواب کے لیے پورا قرآن پڑھنا ضروری نہیں، جتنا پڑھا جائے، اس کا ثواب بخش دینا صحیح ہے۔(۳)

(۴) کسی دوسرے کو پڑھنے کے لیے کہنا صحیح ہے، بشرطیکہ اس کو گرانی نہ ہو، ورنہ درست نہیں۔(۴)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۳۳-۴۳۴)

---

(۱) یکره للقوم أن یقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والانصات المأمور بها، کذا فی القنیة. (الفتاویٰ الهندیة: ۳۱۷/۵، کتاب الکراهیة)

(۲) والظاهر أن لا فرق بین أن ینوی به عند الفعل للغیر أو یفعله لنفسه ثم بعد ذلک یجعل ثوابه لغیره لا طلاق کلامهم وأنه لا فرق بین الفرض و النفل. (ردالمحتار، مطلب فی القراء ة للمیت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، انیس)

(۳) ویصح اهداء نصف الثواب أو ربعه کما نص علیه أحمد ولا مانع منه. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۳/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: رد المحتار: ۲۴۳/۲، مطلب فی القراء ة للمیت

پہلے کے پڑھے ہوئے کا ایصال ثواب کرنا:

سوال: بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا فلاں عزیز کا انتقال ہوگیا ہے، آپ نے جو قرآن پاک ختم کر رکھے ہیں، ان میں سے کچھ سپارے ہمیں دے دیں۔ اس طرح مختلف لوگوں سے مختلف سپارے لے کر وہ قرآن پاک کا ثواب اکٹھا کرتے ہیں اور اپنے عزیز کی روح کو پہنچاتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے۔

الجواب

ہر شخص نے جو پڑھا ہو، وہ ایصال ثواب کر سکتا ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۳۴)

ایک چیز کا ثواب متعدد وقت متعدد آدمیوں کو پہنچانا کیا ہے:

سوال: اگر ثواب کلام مجید، یا طعام، یا کسوف ایک وقت میں ایک شخص کو پہنچا دے، پھر دوسرے وقت دوسری میت کو اور تیسرے وقت تیسری میت کو پہنچا دے تو یہ ثواب تینوں میتوں کو پہنچے گا، یا میت اول کو پہنچ کر منقطع ہو جاوے گا، ثانی اور ثالث کو کچھ نہ ملے گا؟

الجواب

ایک وقت میں اگر چند اموات کو ثواب پہنچا دے تو سب کو پہنچتا ہے؛ لیکن اگر اول ثواب ایک میت کو پہنچا دیا تو پھر دوسرے وقت میں اسی صدقہ و کلام مجید کا ثواب دوسری میت کو نہیں پہنچا سکتا؛ کیوں کہ وہ ثواب اول میت کو پہنچ گیا۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۴۱۹)

تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر بخش دے تو کیا ختم قرآن کا ثواب ملے گا:

سوال: ایک مولوی صاحب وعظ میں فرمارہے تھے کہ اگر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جملہ مومنین کو ثواب بخش دے گا تو ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ ایک کلام مجید کا ثواب پہنچے گا۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس میں فقہا کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ ہر ایک میت کو پورا پورا ثواب پہنچتا ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ تقسیم ہو کر پہنچتا ہے اور اس دوسرے قول کو موافق قیاس کے لکھا ہے اور اللہ کے فضل سے بعید نہیں ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا

---

(۱) ویقرأ من القرآن ما تیسر من الفاتحة ... ثم یقول اللٰهم أوصل ثواب ما قرأناه الٰی فلان أو الیهم. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، مطلب فی القراءة للمیت)

(۲) أن للانسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیرها. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، دار الفکر بیروت، انیس)

ثواب پہونچے،(۱) اور یہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سورہ قل ھو اللہ کے ایک دفعہ پڑھنے سے ایک تہائی قرآن کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۹/۵-۴۵۰)

اجرت اور دن کی تخصیص کے بغیر میت کے لیے قرآن خوانی جائز ہے:

سوال: اگر کوئی شخص انتقال کرے اور بغرض ایصال ثواب ایک روز واسطے قرآن خوانی کے مقرر کریں اور بستی کے مسلمانوں کو جمع کریں تو شرعا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۸۲۴، حبیب اللہ (ضلع غازی پور) ۸/محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب

قرآن خوانی کے لیے بستی کے مسلمانوں کو بلا تخصیص یوم کے احیانا جمع کر لینا مباح ہے، بشرطیکہ ان کو اجرت نہ دی جائے؛ بلکہ پڑھنے والے لوجہ اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۱/۴)

ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے؛ مگر اجرت دے کر پڑھوانا جائز نہیں:

سوال: زید قبرستان پر کسی کی طرف سے متعین ہو کر جاتا ہے کہ فلاں شخص کی قبر پر ایک پارہ، یا سارا قرآن مجید ایک دن، یا چند روز میں پڑھے اور اس کی اجرت بھی متعین کر دی جاتی ہے۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟ اور بغیر اجرت کے قبر پر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(از: مولوی مظفر احمد صاحب)

ھو الموفق: دونوں صورتوں میں قرآن پاک کا پڑھنا جائز ہے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

محمد مظفر احمد غفرلہ، نائب امام مسجد فتح پوری، دہلی

---

(۱) سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً فأجاب بأنه أفتیٰ جمع بالثانی وهو اللائق لسبعة الفضل. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراء ة للمیت: ۲۴۴/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) مشکاة المصابیح، کتاب فضائل القرآن، ص: ۱۸۸

(۳) ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة، وأول البقره إلى المفلحون، وآية الكرسى ... ثم يقول: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلٰى فلان أو إليهم (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی زيارة القبور: ۲۴۳/۲، ط، سعيد)

(۴) بغیر اجرت تو کوئی کلام نہیں؛ لیکن دوسری صورت میں شاید مولانا مظفر احمد صاحب نے آنے جانے کی اجرت مراد لی ہو۔ بہر حال صحیح تر جواب وہی ہے، جو حضرت مفتی اعظمؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

الجواب ــ

(از: مولانا مظہر اللہ صاحب)

بلا اجرت قبر پر جا کر قرآن پڑھنے کے جواز میں تو کلام نہیں؛ لیکن با جرت قبر پر قرآن پڑھنا خلاف احتیاط ہے۔ فقط
محمد مظہر اللہ غفرلہ امام مسجد فتح پوری، دہلی

الجواب ــ

(از حضرت مفتی اعظمؒ)

ھو الموفق: بلا اجرت بہ نیت ایصال ثواب قرآن مجید پڑھنا خواہ قبر پر ہو، یا کہیں اور، جائز ہے اور ایصال ثواب کے لیے اجرت دے کر پڑھوانا اور اجرت لے کر پڑھنا ناجائز ہے۔

ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی اثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراء ۃ الأجزاء بالأجرۃ لایجوز. (۱)

وفی موضع اخر ولا ضرورۃ فی الاستیجار علی القراء ۃ علی القبر. (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

جواب ــ دیگر

ایصال ثواب کی غرض سے قرآن مجید کی تلاوت، یا کلمہ شریفہ کے ختم، یا اور کسی ذکر وقرأت پر اجرت لینا اور دینا ناجائز ہے، فقہا نے اس کی تصریح فرمائی ہے، چناں نچہ شامی کے باب الاجارہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۱۳۹/۴-۱۴۰)

نابالغ کی قبر پر فاتحہ، بقرہ پڑھنے کا حکم:

سوال: نابالغ لڑکا، یا لڑکی فوت ہوجائے تو تدفین کے بعد، اس کی قبر پر اول وآخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے، یا نہیں؟

---

(۱) باب الإجارۃ الفاسدۃ، کتاب الاجارۃ، مطلب فی عدم جواز الإستئجار علی التلاوۃ: ۵۶/۶، ط: سعید

(۲) ردالمحتار، کتاب الاجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب فی عدم جواز الإستئجار علی التلاوۃ: ۵۶/۶، ط: سعید

(۳) وقد قال العلماء، أن القاری إذا قرأ لأجل المال فلا ثواب لہ فأی شیء یھدیہ الی المیت ... ومنھا الوصیۃ من المیت باتخاذ الطعام، والضیافۃ یوم موتہ، أو بعدہ، وباعطاء دراھم لمن یتلو القرآن لروحہ، أو یسبح، أو یھلل لہ، وکلھا بدع منکرات باطلۃ الخ (ردالمحتار، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسدۃ، مطلب فی الاستئجار علی المعاصی: ۵۷/۶، ط: سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

كان ابن عمر رضى الله عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمها. (۱)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا مات أحدكم فلا تحسبوه واسرعوا به إلىٰ قبره ويقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة. (رواه البيهقى فى شعب الإيمان وقال: والصحيح أنه موقوف عليه: ۱٤۹/۱)

حدیث پاک میں چوں کہ کسی میت بالغ کی شرط نہیں لگائی، اس سے بظاہر حکم میں تعمیم معلوم ہوتی ہے، لہٰذا نابالغ کی قبر پر بھی اول وآخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۲۹۹/۳)

میت کے اردگرد میں قرآنِ کریم پڑھنا:

سوال: اگر کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے دفن کرنے سے پہلے اس آدمی کو رکھ کر اس کے ادھر ادھر اور روبرو قرآن پاک کو پڑھا جاتا ہے، جس آدمی نے ساری عمر دین کا کوئی کام نہ کیا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس قرآن کے دور کی وجہ سے میری معافی ہوجائے گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

یہ عقیدہ اور طریقہ غلط ہے اور بے دلیل ہے؛ بلکہ خلافِ اصول ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۴/۸)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت: ۲۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) اصول جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب میت کی نزع کی حالت شروع ہوجائے تو اس وقت اس کے قریب بیٹھ کر آرام سے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی جائے، اس سے اس کی نزع روح میں آسانی ہوتی ہے۔

"أخرج ابن أبى الدنيا والديلمى عن أبى الدرداء رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ما من ميت يقرأ عند رأسه سورة "يٰس" إلاهون الله عليه".

وفى رواية صحيحة أيضاً: "يٰسين قلب القرآن، لايقرأها عبد يريد الدار الآخرة إلا غفر الله له ما تقدم من ذنبه، فاقرؤوها علىٰ موتاكم".

قال ابن حبان: المراد به من حضره الموت، ويؤيده ما أخرجه ابن أبى الدينا و ابن مردوية: "مامن ميت يقرأ عنده يٰس، إلاهون الله عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثانى: ۹۰/٤، رقم الحديث: ۱٦۲۲، رشيدية)

ایک قرآن پاک صدقہ میں دے کر ثواب پورے مجمع کو بخشنا:

سوال (۱) کسی نے ایک قرآن شریف خرید کر کسی پڑھنے والے ہدیہ کر دیا اور نیت یہ کی کہ یا اللہ! اس کا ثواب مجھے بھی ملے اور ماں باپ دادا دادی کو بھی ملی تو کیا اس طرح سب کو ثواب ملے گا؟ اور یہ صورت درست ہے؟

قرآن شریف ہبہ کیا، موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا:

(۲) اگر کوئی شخص اپنے پیسے سے کلام پاک لے کر دوسرے شخص کو بنیت ثواب بالکل ہبہ کر دے، پھر دوسرا شخص تیسرے کو اور تیسرا چھوتھے کو دیتا چلا جائے تو عطیہ کے اعتبار سے ثواب کا کون شخص مستحق ہے؟ آیا پہلا شخص یا ہر ایک شخص؟ نیز اگر چوری کر کے کلام پاک اٹھالیا جائے تو شخص اول کو ثواب ملے گا، یا نہیں؟ اور جو چرا کر لے گیا ہے، اس کو پڑھنے پر ثواب ملے گا، یا نہیں؟ نیز غریب آدمی اور امیر آدمی دونوں کے دینے میں ثواب برابر ہے، یا کمی زیادتی ہوگی؟ اگر کوشش اپنی طرف سے نہیں؛ بلکہ اپنے ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کی طرف سے دے تو جس کی طرف سے دیا ہے، یہ عطیہ اس کے لیے صدقۂ جاریہ بنے گا، یا نہیں؟ اور اس کو پورا ثواب ملے گا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

(۱) یہ بھی درست ہے، سب کو ثواب ملے گا۔(۱)

(۲) قرآن پاک ہدیہ کرنے میں تو سب کا ثواب برابر ہے؛ مگر اس اعتبار سے کہ پہلے شخص نے خرید کر (پیسے خرچ کر کے) دیا ہے، اس کا ثوب زیادہ ہے، دوسرے لوگوں نے جن کے پاس مفت آیا تھا، وہی دے دیا۔ نیز پہلا شخص دوسروں کے دینے کا سبب بنا، اس لیے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں جس میں جس قدر اخلاص زیادہ

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن ممايلحق المؤمن من عمله حسناته بعد موته علما علمه و نشره، أو ولدًا صالحاً تركه، أومصحفاً ورثه أومسجد بناه، أوبيتاً لابن السبيل بناه أونهرًا أجراه، أوصدقة أخرجها من مالهٖ في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور للسيوطي، باب ما ينفع الميت في قبره، فصل في نبذ من أخبار من رأى الموتىٰ في منامه، ص: ۲۹٦، دارالمعرفة، بيروت)

صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أوصوماً أوصدقة أوغيرها، كذا في الهداية، الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شئ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شئ. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدىٰ: ۳۱۹/۲، إدارة القرآن والشؤون الإسلامية، كراتشي)

ہوگا، اسی قدر وہ زیادہ ثوب کا مستحق ہوگا۔(۱) چوری کرنا سخت معصیت اور کبیرہ گناہ ہے، جوشخص چوری کر کے قرآن پاک لائے گا اور تلاوت کرے گا، اس کو نفس تلاوت کا بھی ثواب ملے گا اور چوری کا بھی گناہ ہوگا اور جس کی چوری کی ہے، اس کو بھی ثواب ملے گا۔(۲) محتاج غریب کو دینے میں زیادہ ثواب ہے کہ وہ صدقہ ہے اور مالدار کو جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ ہدیہ، یا ہبہ ہے۔(۳) ماں باپ وغیرہ کی طرف سے اگر دے دے تو ان کو بھی ثواب ہوگا اور دینے والے کو بھی ہوگا۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۶/۹-۲۲۸)

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿والسابقون السابقون، أولٰئک المقربون، فی جنٰت النعیم﴾ (سورۃ الواقعۃ: ۱۱-۱۲)

فإن المراد بالسابقین هم المبادرون إلی فعل الخیرات کما أمروا، إلخ. (تفسیر ابن کثیر، من تفسیر سورۃ البقرۃ: ۵۱۷/۷، سهیل أکادمی لاهور)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ثم أورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا، فمنهم ظالم لنفسه، ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخیرات بإذن اللّٰہ، ذلک هو الفضل الکبیر﴾ (سورۃ الفاطر: ۳۲)

(۲) عن أبی هریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "لایزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن، ولایشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن، ولا یسرق السارق حین یسرق و هو مؤمن ولا ینتهب نهبة یرفع الناس الیه أبصارهم حین ینتهبها وهو مؤمن. (سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهی عن النهبة، ص: ۲۸۲، قدیمی)

قال المحشی عبد الغنی المجددی رحمه اللّٰہ تعالیٰ تحت هٰذا الحدیث: "إجماع أهل الحق علیٰ أن الزانی و السارق والقاتل وغیرهم من أصحاب الکبائر غیر الشرک لایکفرون بذلک". (إنجاه الحاجة حاشیة سنن ابن ماجة أبواب الفتن، باب النهی عن النهبة، ص: ۲۸۲، قدیمی)

"والکبیرۃ قد اختلف الروایات فیها، فروی ابن عمر أنها تسعة الشرک باللّٰہ ... وزاد علیٰ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه السرقة" (شرح العقائد، ذکر قوله: الکبیرۃ لاتخرج العبد من الإیمان إلخ، ص: ۸۲، مکتبه یوسفی)

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: "من قرأ حرفاً من کتاب اللّٰہ، فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: "آلم" حرف، و لکن "ألف" حرف و "لام" حرف و "میم" حرف". هٰذا حدیث حسن صحیح غریب. (جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر: ۱۱۹/۲، سعید)

(۳) قال اللّٰہ تعالیٰ؛ ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین﴾ الآیة (سورۃ التوبة: ۶۰)

"الصدقة علی الغنی هبة". (ردالمحتار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیره: ۶۹۸/۶، سعید)

(۴) وأخرج أیضاً عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: إذا تصدق أحدکم بصدقه تطوعاً، فلیجعلها عن أبویه فیکون لهما أجرها، ولاینتقص من أجره شیئاً. (شرح الصدور، باب ما ینفع المیت فی قبره، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتیٰ فی منامه، رقم الحدیث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة لاهور) ==

میت کے ایصال ثواب سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے:

سوال: قرآن پڑھ کر ثواب مردہ کو بخشا جائے تو عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

قرآن پڑھ کر بخشنے سے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔

قال الخطابی: فيه دليل علٰى استحباب تلاوة الكتاب العزيزعلى القبور؛لأنه إذا كا ن يرجى عن الميت التخفيف بتسبيح الشجرفتلاوة القرآن العظيم أعظم رجاء وبركة. (۱)فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم

۲۷؍صفر ۱۳۷۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴؍۲۰۵)

مردہ کو صدقات کا ثواب ملتا ہے:

سوال: مردہ کو صدقات وخیرات کا ثواب بخشا تو اسے ثواب پہنچتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ثواب پہنچتا ہے۔

كما فی شرح الصدوربتخريج الطبرانی عن أبی عمروقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق أحدكم صدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولاينقص من أجره شيئاً. (۲)فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم

۸؍صفر ۱۳۷۵ھ (احسن الفتاویٰ: ۴؍۲۰۶)

== الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛لأنها تصل إليهم،ولاينقص من أجره شئ . (الفتاویٰ التاتارخانية،الفصل السادس فی ايجاب الصدقة ومايتصل به من الهدى: ٢٦٨/٣،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

وأخرج أبومحمد السمرقندی فی فضائل﴿قل هو اللّٰه أحد﴾عن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر و قرأ:﴿قل هو اللّٰه أحد﴾إحدٰى عشرة مرة،ثم وهب أجره للأموات،أعطى من الأجر بعدد الأموات.(شرح الصدر، باب فی قراءة القرآن للميت أوعلى القبر، فصل فی نبذ من أخبار من رأى الموتٰى فی منامه،رقم الحديث: ٤/ ص: ٣٠٣،دارالمعرفة، بيروت)

(۱) عمدة القاری،كتاب الوضوء،باب بعد الوضوء من غير حدث: ٨٧٥/١

وأيضاً عن أنس رضی اللّٰه عنه يرفعه من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفف اللّٰه عنهم يومئذٍ ... ومن زار قبر والديه أو أحدهما فقرأ عندهأ وعندهما يٰسٓ غفرله.(عمدة القاری،كتاب الوضوء،باب بعد باب الوضوء من غير حدث: ٨٧٥/١)

(۲) شرح الصدوربشرح حال الموتٰى والقبور،فصل فی نبذ من أخبار فن رأى الموتٰى فی منامه: ٣٠٠/٢،انيس

وان شئت الاطلاع علٰى مزيد الروايات الواردة فی هٰذا الباب فعليك بعمدة القاری: ٨٧٥/١-٨٧٦

فرض کا ایصال ثواب:

سوال: فرض کا ایصال ثواب جائز ہے، یا نہیں؟ یعنی فرض بھی ادا ہو اور میت کو بھی ثواب ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس میں اختلاف ہے۔

والراجح الجواز، نقل في الشامية عن البحر: أنه لا فرق بين الفرض والنفل، وعن جامع الفتاوىٰ، قيل: لايجوز في الفرائض. (۱) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۱۷/ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۵۳)

نابالغ کو ایصال ثواب:

سوال: نابالغ کو ثواب پہنچانے میں نابالغ کے درجات بلند ہوں گے، یا نہیں؟ جب کہ نابالغ غیر مکلّف ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

نابالغ کو اپنی حسنات کا ثواب ملتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس کو غیر بھی اپنی حسنات کا ایصال ثواب کرسکتا ہے، نیز اس پر نماز جنازہ کی دعا بھی اس کے لیے مفید ہے، اس سے بھی ایصال ثواب کا افادہ ثابت ہوا۔

قال العلاء في دعاء جنازة الصبي: "وهو دعاء له أيضاً بتقدمه في الخير لاسيما، وقد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التليم. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/رجب ۱۳۸۸ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۱۴)

صدقہ نہیں، صلۂ رحمی ہے:

سوال: آپ نے سوال کے دوسرے اور تیسرے حصہ کا جواب نہیں دیا، آپ نے فرمایا: "نیک کام غربا کو کھلانا ہے"۔ بندے کے خیال میں ہر ایک کھلانا نیک کام ہے، "**اطعموا الطعام**" میں غربا کی تخصیص کہاں ہے؟ ﴿**واتى المال علىٰ حبه ذوى القربىٰ**﴾ میں غریب کی تخصیص کہاں ہے، غنی فقیر ہر رشتہ دار اس میں آتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

غربا کو کھلانا صدقہ ہے، ذوی القربیٰ کو دینا صلہ رحمی ہے اور عام لوگوں، واردین وصادرین کو کھانا دینا مکارمِ اخلاق

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت و اهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۵، دار الفكر بيروت، انيس

ہے، بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے کھانا دینا صدق ہے اور ﴿علی حبه﴾ کی شرط سب میں ملحوظ ہے، البتہ بزرگوں کی طرف سے کھلانا ضیافت ہے۔

تعزیت میت کے گھر جا کر کریں اور فاتحہ ایصالِ ثواب اپنے گھر پر:

سوال: ہمارے گاؤں میں بعض لوگ کسی کے گھر میت ہو جانے کی صورت میں وہاں فاتحہ پڑھنے کی غرض سے نہیں جاتے کہ وہاں فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔ ہم نے امام صاحب سے معلوم کیا تو فرمایا کہ جس گھر میں میت ہو جائے، وہاں صرف تین دن افسوس کے لیے جانا چاہیے؛ لیکن ہمارے ہاں اکثر پورا ہفتہ کی غرض سے بیٹھے رہتے ہیں۔ آپ بتلائیں کہ یہ بدعت ہے، یا کارِ ثواب؟ تا کہ دونوں فریق راہِ راست پر آ جائیں۔

الجواب

تعزیت سنت ہے، جس کا مطلب ہے اہلِ میت کو تسلی دینا، فاتحہ پڑھنے کے لیے میت کے گھر جانے کی ضرورت نہیں، تعزیت کے لیے جانا چاہیے، فاتحہ اور ایصالِ ثواب اپنے گھر پر بھی کر سکتے ہیں، جو شخص ایک دفعہ تعزیت کر لے، اس کا دوبارہ تعزیت کے لیے جانا سنت نہیں، تین دن تک افسوس کا حکم ہے، دور کے لوگ اس کے بعد بھی اظہار افسوس کر سکتے ہیں، فاتحہ کی غرض سے بیٹھنا خلافِ سنت ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۲۴-۳۲۵)

ایصالِ ثواب تملیک کر کے کرنا:

سوال: چند احباب قبرستان میں جمع ہو کر کچھ سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں، پھر اس کا ثواب ایک آدمی کی ملک کر دیتے ہیں، وہ میت کو بخش دیتا ہے۔ یہ بہتر ہے، یا ہر کوئی اپنا پڑھا ہوا بخشے؟

الجواب

تملیک کا طریقہ بھی درست ہے؛ لیکن بہتر یہ کہ ہر شخص اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب خود بخشے، فقہا نے خود بخشا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۱۴۰۳/۶/۲۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۱۳)

---

(۱) التعزية لصاحب المصيبة حسن، كذا في الظهيرية، وروى الحسن بن زياد إذا عزى أهل الميت مرة، فلا ينبغي أن يعزيه مرة أخرى، كذا في المضمرات، ووقتها من حين يموت الى ثلاثة أيام ويكره بعدها الا أن يكون المعزى أو المعزى اليه غائباً فلا بأس بها، الخ. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، قبيل الفصل السابع فى الشهيد: ١/ ١٦٧، طبع رشيدية)

ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اس کی ایک صورت:

سوال: ایک نابالغ لڑکا جس کا والد فوت ہو چکا ہے، اس کی والدہ اور دو بالغ بھائی اور ایک بہن موجود ہیں، والد وراثت تقسیم کر کے نہیں گئے، اس کے ماں وغیرہ سے معاملات دنیوی وغیرہ کرتے ہیں، خیرات بھی کرتے ہیں، اس کی والدہ اگر کچھ خیرات کر دے تو طلبا کے لیے کھانا درست ہے، یا نہیں؟ یا بغیر مدرسہ کے کسی کو مشترکہ مال میں سے خیرات کر دے؟

الجواب

قبل از تقسیم مشترکہ ترکہ سے صدقہ کرنا درست نہیں، اگر صدقہ کرنا ہی ہو تو مثلاً ترکہ میں سے ایک ہزار روپیہ حسب شرع تقسیم کر لیں، اس میں سے بالغ اپنے حصہ کو صدقہ کر دیں، نابالغ کا حصہ محفوظ رکھا جاوے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۴/۳۱۹)

ایصال ثواب کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرع کیا جائے:

سوال: میں ذکر کرنے سے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ، تین بار قل ہو اللہ شریف، اول آخر درود شریف پڑھ کر اس طرح دعا کرتا ہوں: ''یا اللہ! اس کا ثواب میرے مخدوم ومکرم حضرت.......دامت برکاتہم سے لے کر میرے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک میرے سلسلے کے تمام مشائخ کرام تک پہنچا دے اور ان کے فیوض وبرکات سے ہمیں بھی حصہ نصیب فرما دے؟

الجواب

حضرتِ شیخ نور اللہ مرقدہ کے سلسلے کے بہت مطابق گیارہ بار درود شریف اور تیرہ بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر (۱) ایصالِ ثواب کیا جائے اور ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک سے کی جائے، باقی ٹھیک ہے۔ (۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۱۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نوافل سے ایصالِ ثواب کرنا:

سوال: میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لیے روزانہ سورۂ یسین کی تلاوت کرا تھا، اب کچھ عرصے سے یہ عمل دو رکعت نفل کے ذریعے ادا کرتا ہوں، کیا اس طرح کرنے میں ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کوئی کوتاہی تو نہیں؟

---

(۱) اور اس کے ساتھ اگر سورۂ فاتحہ بھی پڑھ لی جائے تو بہ اچھا ہے۔

(۲) قلت: وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فانه أحق بذلک حيث أنقذنا من الضلالة ففی ذلک نوع شكر. (رد المحتار، مطلب فی اهداء ثواب القراء ة للنبی صلی اللّٰه عليه وسلم: ۲/۲۴۴، انيس)

الجواب

کوئی حرج نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بدنی اور مالی عبادات کے ذریعے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرنا محبت کی بات ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۱۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایصالِ ثواب، اشکال جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلے کے متعلق کہ مسلمان حضرات بخدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصالِ ثواب کرتے ہیں، ہمارے ایصالِ ثواب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فائدہ پہنچتا ہے؟ جب کہ آپ دو جہانوں کے سردار ہیں اور جنت کے اعلیٰ ترین مقام آپ کے لیے یقینی ہیں؟

الجواب

درود وسلام تو اللہ کے حکم سے بھیجتے ہیں، کما فی النص، اپنے کسی عزیز کو ایصالِ ثواب کرنے کی وجہ معقول ہے، اس کی بخشش کے لیے اور رفع درجات کے لیے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایصال ثواب کرنے کی حقیقت پر روشنی ڈالیے اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا صحیح جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب

امت کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایصال ثواب نصوص سے ثابت ہے، چناں چہ ایصال ثواب کی ایک صورت آپ کے لیے ترقیٔ درجات کی دعا اور مقامِ وسیلہ کی درخواست ہے۔صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص أنه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلوا علیّ فإنه من یصلی علیه صلاة صلی اللّٰہ علیه وسلم بها عشراً،ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة لا تنبغی إلا لعبد من عباد اللّٰہ وأرجوا أن أکون أنا هو،فمن سال لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة".(۲)

(ترجمہ: جب تم مؤذن کو سنو تو اس کی اذان کا اسی کی مثل الفاظ سے جواب دو، پھر مجھ پر درود پڑھو؛ کیوں کہ جو شخص مجھ پر ایک

---

(۱) وفی البحر:من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة کذا فی البدائع.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له:۲/۲۴۳،دار الفکر بیروت،انیس)

(۲) الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب استحباب القول مثل قول المؤذن:۱/۱۶۶،قدیمی،انیس

بار درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے ''وسیلہ'' کی درخواست کرو، یہ ایک مرتبہ ہے جنت میں، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے شایانِ شان ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، پس جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کی درخواست کی، اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔)

اور صحیح بخاری میں ہے:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلممن قال: حین سمع النداء اللّٰھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامة والصلوٰۃ القائمة آت محمدن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمودن الذی وعدته، حلت له شفاعتی یوم القیامة''. (۱)

(ترجمہ: جو شخص اذان سن کو یہ دعا پڑھے: اے اللہ! جو مالک ہے، اس کامل دعوت کا اور قائم ہونے والی نماز کا، عطا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور فضیلت اور کھڑا کر آپ کو مقامِ محمود میں، جس کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے، قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسے اجازت طلبی کے لیے حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

''**لا تنسنا یا أخی من دعائک. وفی روایة: أشرکنا یا أخی فی دعائک**''. (أبو داؤد: ۱/ ۲۱۰)

(ترجمہ: بھائی جان! ہمیں اپنی دعا میں نہ بھولنا اور ایک روایت میں ہے کہ بھائی جان! اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا۔)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا مطلوب تھی، اسی طرح وصال شریف کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا مطلوب ہے۔

ایصالِ ثواب ہی ایک صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی جائے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم فرمایا تھا:

''**عن حنش قال: رأیت علیاً رضی اللہ عنه یضحی بکبشین، فقلت له: ما ھٰذا؟ فقال: أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أوصانی أن أضحی عنه، فأنا أضحی عنه**''. (۲)

(ترجمہ: حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مینڈھوں کی قربانی کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یہ کیا؟ فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کروں، سو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔)

---

(۱) رواہ البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله عسیٰ أن یبعثک ربک مقاماً محمودا: ۲/ ۶۸۶، قدیمی، انیس

(۲) أبو دائود، باب الأضحیة عن المیت: ۲/ ۲۹، مکتبة حقانیة، ملتان، انیس

عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحى عنه فأنا أضحى عنه أبداً. (مسند الإمام أحمد: ۱/ ۱۰۷)

عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحى عنه بكبشين فأنا أحب أن أفعله وقال محمد بن عبيد المحاربي في حديثه: ضحى عنه بكبشين واحد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم والآخر عنه فقيل له فقال أنه أمرني فلا ادعه أبداً. (مسند أحمد: ۱/ ۱۴۹)

(ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، سو میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑتا۔)

علاوہ ازیں زندوں کی طرف سے مرحومین کو ہدیہ پیش کرنے کی صورت ایصال ثواب ہے اور کسی محبوب و معظم شخصیت کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اس ہدیہ سے اس کی ناداری کی مکافات ہوگی، کسی بہت بڑے امیر کبیر کو اس کے احباب کی طرف سے ہدیہ پیش کیا جانا عام معمول ہے اور کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں کہ ہمارے اس حقیر ہدیہ سے اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو جائے گا؛ بلکہ صرف ازیاد محبت کے لیے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں گناہگار امتیوں کی طرف سے ایصال ثواب کے ذریعہ ہدیہ پیش کرنا اس وجہ سے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حقیر ہدایا کی احتیاج ہے؛ بلکہ ہدیہ پیش کرنے والوں کی طرف سے اظہارِ تعلق و محبت کا ایک ذریعہ ہے، جس سے جانبین کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا نفع خود ایصال ثواب کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجاتِ قرب میں بھی اس سے اضافہ ہوتا ہے۔

علامہ ابن عابد شامی نے ردالمحتار میں باب الشہید سے قبل اس مسئلے پر مختصر سا کلام کیا ہے، تمامِ فائدہ کے لیے اسے نقل کرتا ہوں:

"ذكر ابن حجر في الفتاوىٰ الفقهية أن الحافظ ابن تيمية زعم منع اهداء ثواب الصلاة عليه وسوال الوسيلة له". قال: وبالغ السبكي وغيره في الرد عليه بأن مثل ذلك لايحتاج لاذن خاص، ألا ترىٰ إن ابن عمر كان يعتمر عنه صلى الله عليه وسلم عمر بعد موته من غير وصية، وحج ابن الموفق وهو في طبقة الجنيد عنه سبعين حجة، وختم ابن السراج عنه صلى اللّٰه عليه وسلم أكثر من عشرة آلاف ختمة وضحىٰ عنه مثل ذلك. اه. قلت: رأيت نحو ذلك بخط مفتي الحنفية الشهاب احمد بن الشلبي شيخ صاحب البحر نقلاً عن شرح الطيبة للنويري ومن جملة ما نقله إن ابن عقيل من الحنابلة قال: يستحب اهدائها له صلى الله عليه وسلم. قلت: وقول علماء نا له أن يجعل ثواب عمله لغيره، يدخل فيه النبي صلى الله عليه وسلم فإنهأحق بذلك

حیث أنقذنا من الضلالة ففی ذلک نوع شکر واسداء جمیل له والکامل قابل لزیادة الکمال وما استدل به بعض المانعین من أنه تحصیل الحاصل؛لأن جمیع أعمال أمته فی میزانه یجاب عنه بأنه لامانع من ذلک فان اللّٰه تعالیٰ أخبرنا بأنه صلی اللّٰه علیه ثم أمرنا بالصلوٰة علیه بأن نقول اللّٰه صل علیٰ محمد،واللّٰه أعلم".(۱)

(ترجمہ: علامہ ابن حجر (مکی شافعی) نے فتاویٰ فقہیہ میں ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کے ثواب کا ہدیہ کرنا ممنوع ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں صرف اسی کی جرأت کی جاسکتی ہے، جس کا اذان ہوا اور وہ آپ پر صلوۃ وسلام بھیجنا اور آپ کے لیے دعائے وسیلہ کرنا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ امام سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ پر خوب خوب رد کیا ہے کہ ایسی چیز اذن خاص کی محتاج نہیں ہوتی، دیکھتے نہیں ہو کہ ابن عمر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرے کیا کرتے تھے، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی وصیت بھی نہیں فرمائی تھی۔ ابن الموفق نے جو جنید کے ہم طبقہ ہیں، آپ کی طرف سے ستر حج کیے، ابن السراج نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دس ہزار ختم کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتنی ہی قربانیاں کیں۔)

میں کہتا ہوں کہ میں نے اسی قسم کی بات مفتی حنفیہ شیخ شہاب الدین احمد بن الشلبی، جو صاحبِ البحر الرائق کے استاذ ہیں کی تحریر میں بھی دیکھی ہے، جو موصوف نے علامہ نیویریؒ کی ''شرح الطیبہ'' سے نقل کی ہے، اس میں موصوف نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حنابلہ میں سے ابنِ عقیل کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۂ ثواب مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علما کا قول کہ ''آدمی کو چاہیے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسروں کو بخش دے''۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ہمیں گمراہی سے نجات دلائی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثواب کا ہدیہ کرنے میں ایک طرح کا تشکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا اعتراف ہے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ ہر اعتبار سے کامل ہیں؛ مگر) کامل زیادتِ کمال کے قابل ہوتا ہے۔ اور بعض مانعین نے جو استدلال کیا ہے کہ یہ تحصیل حاصل ہے؛ کیوں کہ امت کے تمام عمل خود ہی آپ کے نامۂ عمل میں درج ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ چیز ایصال ثواب سے مانع نہیں، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اس کے باوجود ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لیے رحمت طلب کرنے کے لیے **اللّٰھم صل علیٰ محمد** کہا کریں۔

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهداء ثواب القراء ة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم :۲/۲۴۴،دار الفکر بیروت،انیس

سوال: میں قرآن مجید کی تلاوت اور صدقہ وخیرات کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے اکابر علمائے دین کو ایصال ثواب کرتا ہوں؛ لیکن چند روز سے ایک خیال ذہن میں آتا ہے، جس کی وجہ سے بے حد پریشان ہوں، خیال یہ ہے کہ ہم لوگ ان ہستیوں کو ثواب پہنچا رہے ہیں، جن پر خدا درود وسلام پیش کرتا ہے؛ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو توبہ توبہ! معاذ اللہ! ہم اتنے بڑے ہیں کہ چند آیات پڑھ کر اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچا رہے ہیں، یہ تو نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے؟

الجواب

ایصالِ ثواب کی ایک صورت تو یہ ہے کہ دوسرے کو محتاج کر ثواب پہنچایا جائے، یہ صورت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقبولان الٰہی کے حق میں نہیں پائی جاتی اور یہی منشا ہے کہ آپ کے شبہ کا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان اکابر کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں اور احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا کریں، ظاہر ہے کہ ان اکابر کی خدمت میں ایصالِ ثواب اور دعائے ترقی درجات کے سوا اور کیا ہدیہ پیش کیا جا سکتا ہے؟ پس ہمارا ایصال ثواب اس بنا پر نہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرات ہمارے ایصال ثواب کے محتاج ہیں؛ بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی ہم پر عنایت ہے کہ ایصال ثواب کے ذریعے ہمارے لیے ان اکابر کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے کا دروازہ کھول دیا، جس کی بدولت ہمارا حق احسان شناسی بھی ادا ہو جاتا ہے اور ان اکابر کے ساتھ ہمارے تعلق ومحبت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اس سے ان اکابر کے درجات میں بھی مزید ترقی ہوتی ہے، اس کی برکت سے ہماری سیئات کا کفارہ بھی ہوتا ہے اور ہمیں حق تعالیٰ شانہ کی عنایت سے بے پایاں حصہ ملتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ کسی غریب مزدور پر بادشاہ کے بہت سے احسانات ہوں اور وہ اپنے تقاضائے محبت کی بنا پر کوئی ہدیہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے اور بادشاہ از راہ مراحم خسروانہ اس کے ہدیہ قبول فرما کر اسے اپنے مزید انعامات کا مورد بنائے، یہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہوگا کہ اس فقیر درویش کا ہدیہ پیش کرنا بادشاہ کی ضرورت کی بنا پر ہے، نہیں بلکہ یہ خود اس مسکین کی ضرورت ہے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۱۱-۴۱۶)

ایصالِ ثواب کا مرحوم کو بھی پتہ چلتا ہے اور اس کو بطور تحفے کے ملتا ہے:

سوال: ایصال ثواب کے لیے فاتحہ پڑھی جائے، قرآن خوانی کی جائے، یا صدقۂ جاریہ میں پیسے دیے جائیں تو کیا مرحوم کی روح کو اس کا علم ہوتا ہے؟

---

(۱) قلت: قول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغير يدخل فيه النبي صلى الله عليه وسلم فأنه أحق بذالك حيث أنقذنا من الضلالة ففي ذلك نوع شكر وأسداء جميل له والكامل قابل لزيادة الكمال. (رد المحتار، كتاب صلاة الجنازة، مطلب في اهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم: ٢٤٤/٢، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب

جی ہاں! ہوتا ہے، ایصالِ ثواب کے لیے جو صدقہ خیرات آپ کریں گے، یا نماز، روزہ، دعا، تسبیح، تلاوت کا ثواب کا آپ بخشیں گے تو اس کا اجر وثواب میت کو آپ کے تحفے کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس پر احادیث کا لکھنا طوالت کا موجب ہوگا۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۱۸/۴)

مسلمان خواہ کتنا ہی گناہگار رہو، اس کو خیرات کا نفع پہنچتا ہے:

سوال: بعض علما سے سنا ہے کہ کسی آدمی کے فوت ہونے کے بعد اگر وہ آدمی خود نیک نہیں گزرا ہو، یا نیک عمل نہیں تو خیرات، ختم قرآن شریف، یا اس کی اولاد کی دعا، کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب

مسلمان خواہ کتنا ہی گناہگار رہو، اس کو نفع پہنچتا ہے، کافر کو نہیں پہنچتا۔ (۲) آپ نے جو سنا ہے (بشرطیکہ آپ کو صحیح یاد

---

(۱) وفی البحر من صام أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند أهل السنة و الجماعة کذا فی البدائع. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهداء ثواب القراء ة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم: ۲۴۳/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

أیضاً: عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ما المیت فی قبره الأشبه الغریق والمتغوث ینتظر دعوة تلحقه من أب أو أم أو ولد أو صدیق ثقة، فاذا لحقته کانت أحب الیه من الدنیا وما فیها، وان اللّٰه لیدخل علیٰ أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال، وان هدیة الأحیاء الی الأموات الاستغفار لهم ... وأخرج عن عمرو بن جریر قال: اذا دعا العبد لأخیه المیت أتاه بها الیٰ قبره ملک، فقال: یا صاحب القبر الغریب! هٰذه هدیة من أخ علیک شفیق. (شرح الصدور ص: ۳۰۵، باب ما ینفع المیت فی قبره)

أیضاً: وعن أنس رضی اللّٰه عنه أن سعداً أتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یا رسول اللّٰه ! ان أمی توفیت، ولم توص، فهل ینفعها أن تصدق عنها؟ قال: نعم! وعلیک بالماء، وأخرج الطبرانی والبزار بسند حسن عن انس رضی اللّٰه عنه قال: جاء رجل الی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم، فقال: ان أبی قدمات ولم یحج حجة الاسلام، فقال: أرأیت لو کان علیٰ أبیک دین أکنت تقضیه عنه؟ قال: نعم! قال: فانه دین اللّٰه فاقضه عنه. (شرح الصدور ص: ۳۰۷-۳۰۸)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شرح الصدور: ۳۱۵/۳۰۱، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) الثالث المراد بالانسان الکافر فله ما سعی فقط ... فلایبقیٰ له فی الآخرة شیء قاله الربیع بن أنس والثعلبی. (حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی زیادة القبور، ص: ۶۲۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

أیضاً: وأن لیس للانسان الا ماسعیٰ ... الثالث: أن المراد بالانسان هُنا الکافر، فأما المؤمن فله ما سعیٰ، وما سعٰی له، قاله الربیع بن أنس. (شرح الصدور، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه وسألهم عن حالهم أخبروه، ص: ۳۱۰، طبع دار الکتب العلمیة)

ہو) اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کو نیکی کا خود اہتمام کرنا چاہیے، جس شخص نے عمر بھر نماز، روزہ کیا، حج وزکوٰۃ کی پروا کی، نہ کبھی قرآنِ کریم کی تلاوت کی اسے توفیق ہوئی؛ بلکہ کلمہ صحیح سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، ایسے شخص کے مرنے پر لوگوں کی قرآن خوانی، یا تیجا، چالیسواں کرنے کی جو رسم ہے، اس سے اس کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ لوگ فرائض وواجبات کا ایسا اہتمام نہیں کرتے، جیسا ان رسوم کا اہتمام کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۱۸)

لاپتہ شخص کے لیے ایصالِ ثواب جائز ہے:

سوال: میرے شوہر بارہ سال سے لاپتہ ہیں، گمشدگی کے وقت ان کی عمر کم وبیش ۴۲؍سال تھی، ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہیں، یا ان کا انتقال ہوگیا ہے، ہم لوگوں نے فالناموں اور دوسرے متعدد طریقوں سے معلوم کیا تو یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ زندہ ہیں، آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اگر ان کا انتقال ہوگیا ہو تو ان کی روح کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی وغیرہ کرائی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ ہم لوگ سب پریشان ہیں کہ اگر ان کا انتقال ہوگیا ہے تو ان کے لیے ہم لوگوں نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا ہے، آپ بتائیں کہ اس مسئلے کا شریعت میں کیا حل ہے؟ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب

جب تک خاص شرائط کے ساتھ عدالت ان کی وفات کا فیصلہ نہ کرے، اس وقت تک ان کی وفات کا حکم تو جاری نہیں ہوگا؛ (۱) تاہم ایصالِ ثواب میں کوئی مضائقہ نہیں، ایصال ثواب تو زندہ کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ (۲)

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حیلہ ناجزہ، ص: ۵۹، مفقود کے احکام

(۲) وفی البحر من صام أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات و الأحياء جاز و يصل ثوابها اليهم عند أهل السنة والجماعة كذا فى البدائع. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى اهداء ثواب القراءة للميت: ۲/۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما الميت فى قبره الأشبه الغريق والمتغوث ينتظر دعوة تلحقه من أب أو أم أو ولد أو صديق ثقة، فاذا لحقته كانت أحب اليه من الدنيا وما فيها، وان الله ليدخل علىٰ أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال، وان هدية الأحياء الى الأموات الاستغفار لهم ... وأخرج عن عمرو بن جرير قال: اذا دعا العبد لأخيه الميت أتاه بها الىٰ قبره ملك، فقال: يا صاحب القبر الغريب! هٰذه هدية من أخ عليك شفيق. (شرح الصدور ص: ۳۰۵، باب ما ينفع الميت فى قبره)

وعن أنس رضى الله عنه أن سعداً أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! ان أمي توفيت، ولم توص، فهل ينفعها أن أتصدق عنها؟ قال: نعم! وعليك بالماء ... وأخرج الطبرانى والبزار بسند حسن عن أنس رضى الله عنه قال: جاء رجل الى النبى صلى الله عليه و سلم، فقال: ان أبى قدمات ولم يحج حجة الاسلام، فقال: أرأيت لو كان علىٰ أبيك دين أكنت تقضيه عنه؟ قال: نعم! قال: فانه دين الله فاقضه عنه. (شرح الصدور، فى نبذ من أخبار من رأى الموتىٰ فى منامه: ۱/۲۹۹-۳۰۰)؍ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شرح الصدور ص: ۳۰۱-۳۱۵، دار الكتب العلمية بيروت

اور یہ فالناموں کے ذریعہ پتا چلانا غلط ہے، ان پر یقین کرنا بھی جائز نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۱۹)

کیا ایصال ثواب باقی رہنے کے بعد اس کے پاس کچھ باقی رہتا ہے:

سوال: میں قرآن شریف ختم کر کے اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خاندان کے مرحومین اور امت مسلمہ کو بخش دیتا ہوں تو کیا اس میرے لیے ثواب کا حصہ نہیں ہے؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تم نے جو کچھ پڑھا، وہ دوسروں کو دے دیا، اب تمہارے لیے اس میں کیا ہے؟

الجواب

ضابطے کے معاملہ تو وہی ہونا چاہیے، جو ان صاحب نے کہا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف ضابطہ کا معاملہ نہیں ہوتا؛ بلکہ فضل وکرم اور انعام واحسان کا معاملہ ہوتا ہے؛ اس لیے ایصالِ ثواب کرنے والوں کو بھی پورا اجر عطا فرمایا جاتا ہے؛ بلکہ کچھ مزید۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۲)

پوری امت کو ایصال ثواب کا طریقہ:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایصال ثواب کے الفاظ آپ نے تحسین فرمائی ہے، دیگر حضرات کو ایصال ثواب کرنے کے مناسب الفاظ تحریر فرمائیں؟

الجواب

''یا اللہ! اس کا ثواب میرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے طفیل میرے والدین کو، اساتذہ ومشائخ کو، اہل وعیال کو، اعزہ واقربا کو، دوست واحباب کو، میرے تمام محسنین اور متعلقین کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت کو عطا فرما''۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۴)

---

(۱) عن صفية عن بعض أزواج النبی صلی اللہ علیه وسلم قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من أتیٰ عرافا فسأله عن شیء لم تقبل له صلاة أربعین لیلة. (الصحیح لمسلم،باب تحریم الکهانة واتیان الکهان: ۲/۲۲۳، قدیمی،انیس)

(۲) الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛لأنها تصل إلیهم ولاینقص من أجره شیء هومذهب أهل السنة والجماعة. (رد المحتار،مطلب فی القراء ة للمیت و اهداء ثوابها له: ۲/۲۴۴،دارالفکر،انیس)

أیضاً: وأخرج أیضا عن ابن عمر وقال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً فلیجعلها عن أبویه،فیکون لها أجرها ولاینتقص من أجره شیئاً.

أیضاً:وأخرج فی الأوسط عن أبی هریرة رضی اللہ عنه قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم:من حج عن میت فللذی حج عنه مثل أجره. (شرح الصدوربشرح حال الموتیٰ والقبور،ص: ۳۰۸-۳۰۹)

(۳) ولهٰذا اختاروا فی الدعاء اللّٰهم أوصل مثل ثواب ما قرأته الیٰ فلان ... الخ. (رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فی القراء ة للمیت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳،دار الفکر بیروت،انیس)==

اپنی زندگی میں مردہ سمجھ کر ایصال ثواب کرنا:

سوال (۱) قبر پر خواہ صلحا کی ہو، یا عام قبر ہو، بغیر ہاتھ اٹھاے دعا مانگنا کیسا ہے، جیسا کہ رسم رواج ہے کہ فاتحہ پڑھو؟

(۲) بعض لوگ اپنی حیات میں تیجہ، چالیسواں، برسی، ختم قرآن، صدقہ اپنی روح کو کراتے ہیں اور اپنے آپ کو پھر وہ مردہ سمجھتے ہیں اور کسی کے یہاں وہ موت وزندگی میں شریک نہیں ہوتے اور نہ میت کا کھانا کھاتے ہیں، اسی خیال سے اپنی فاتحہ اپنی زندگی میں کرواڈالتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی فاتحہ کرے، یا نہ کرے؟ کیا حیات میں بھی دوسروں سے اپنی روح کو ایصال ثواب پہنچوانے کے لیے اپنے نام قرآن پڑھوا کر بخشنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۲) نفس ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ، یوم وہیئت وغیرہ کے زندہ کے لیے بھی درست ہے اور مردہ کے لیے بھی درست ہے؛(۱) مگر تیجہ، چالیسوان، برسی، فاتحہ مروجہ وغیرہ یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل، بدعت اور ناجائز ہیں، ان سے اجتناب واجب ہے۔(۲) ایصال ثواب کے لیے جو کھانا دیا جاتا ہے، وہ غربا ومساکین کو دینا چاہیے،

== أیضاً وقول علمائنا له أن یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فانه أحق بذلک حیث أنقذنا من الضلالة ففی ذلک نوع شکر.(رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهداء ثواب القراءة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم: ۲/۲۴۴، دار الفکر بیروت، انیس)

(۱) إن سعد بن عبادة رضی اللّٰه تعالٰی عنه توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال: یارسول اللّٰه! صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم إن أمی توفیت و أناغائب عنها، أینفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها.(صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة للّٰه عن أمی: ۱/۳۸۶، قدیمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة أو صوماً أو صدقة أوغیرها کذا فی الهدایة الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المومنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجره شئ" (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعید)

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: قال النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علٰی صلح جور: ۱/۳۷۱، قدیمی)

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم والأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام، أو الاخلاص ... وهٰذه الأفعال کلها للسمعة و الریاء، فیحترز عنها؛ لأنهم لایریدون بها وجه اللّٰه تعالٰی. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰-۲۴۱، سعید)

مالدار کو نہیں۔(۱) کسی کے یہاں موت اور زندگی میں بلا وجہ شریک نہ ہونا اور سب سے قطع تعلق کر دینا، رہبانیت، قطع رحمی، اضاعت حقوق ہے، شرع نے اس سے منع کیا ہے۔(۲)

(۱) نفس دعا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ہوسکتی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر مانگنا ہو تو قبلہ رو ہو کر مانگنا چاہیے؛ تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ صاحب قبر سے کچھ مانگا جا رہا ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ رجمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۲۱۳-۲۱۵)

اپنی زندگی میں ایصال ثواب:

سوال: ایک صاحب چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں کلام پاک ہدیہ ادا کر کے دس پانچ کلام پاک پڑھوا کر اپنی عاقبت کے لیے محفوظ کر لیں، کیا ایسا عمل احکام شرعی فقہ وحدیث سے درست ہے؟

---

(۱) صدقہ کا مال فقیر کو دیا جاتا ہے، جب کہ مالدار کو دینے سے ہبہ بن جاتا ہے، صدقہ نہیں رہتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (سورة التوبة: ٦)

"إن الصدقة على الغنى هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل فى وصايا الذمى وغيره: ٦٩٨/٦، سعيد)

(٢) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا فى الأرض، وتقطعوا أرحامكم، أولٰئك الذين لعنهم اللّٰه، فأصمهم وأعمىٰ أبصارهم﴾ (سورة محمد: ٢٣)

"والآية ظاهرة فى حرمة قطع الرحم وحكى القرطبى فى تفسيره: اتفاق الأمة علىٰ حرمة قطعها ووجوب صلتها، ولا ينبغى التوقف فى كون القطع كبيرة". (روح المعانى: ٧٠/٢٦، دارإحياء التراث العربى)

عن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: الرحم شجنة من الرحمن فقال اللّٰه: "من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته". (صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب من وصل وصله اللّٰه: ٨٨٥/٢، قديمى)

(٣) وفى حديث ابن مسعود رضى اللّٰه تعالىٰ عنه: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فى قبر عبد اللّٰه ذى النجادين، الحديث، وفيه: "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعًا يديه. أخرجه أبو عوانة فى صحيحة. (فتح البارى، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، رقم الحديث: ٦٣٤٣، رقم الباب: ٢٥، ١١، ١٧٣، قديمى)

عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عنى وعن أمي؟ قال فظننا أنه يريد أمه التى ولدته، قال: قالت عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها: ألا أحدثكم عنى وعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و سلم قلنا: بلىٰ، قال: قالت: لما كانت ليلتى التى كان النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم فيها عندى، انقلب ... حتىٰ جاء البقيع فقام، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات. (الحديث) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فى التسليم علىٰ أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم: ٣١٣/١، قديمى)

نوٹ: حضرت مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سوال کا جواب آخری میں لکھا ہے، تخریج اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ہدیہ اجرت دے کر قرآن کریم پڑھوانا جائز نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا؛ بلکہ گناہ ہوتا ہے،(۱) بلا ہدیہ لیے کوئی پڑھے تو درست ہے۔قرآن کریم کے مدرسہ میں کچھ قرآن شریف دے دیں، بچے جب تک ان کو پڑھیں گے، ثواب ہوتا رہے گا۔اسی طرح حدیث شریف کی کتابیں کسی بڑے عربی مدرسہ میں دے دیں، مسجدوں کو صفیں دے دیں، جب تک ان پر نماز پڑھی جائے گی، ثواب ہوتا رہے گا، کنواں بنوادیں، مسافر خانہ بنوادیں، غرض اپنی زندگی میں ثواب کے انتظام کی بہت سی صورتیں ہیں اور جس قدر ہو سکے، خود ہی صدقہ جاریہ کی صورتیں کی جائیں تو اچھا ہے، بعد میں کوئی ثواب پہونچائے، یا نہ پہونچائے، اپنے بس میں پھر کچھ نہیں رہتا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۳۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۷/۲/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۱۶)

میت کو بعینہ صدقہ نہیں؛ بلکہ ثواب پہونچتا ہے:

سوال: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعظ ”طریق القلندر“ میں فرمایا: ”جو حضرات پھول مالا چڑھاتے ہیں، دو حال سے خالی نہیں: میت کو پہونچتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں پہونچتا ہے تو فعل عبث ہوگا

---

(۱) قال عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”اقرؤا القرآن، ولا تغلوا فیہ، ولا تجفوا عنہ، ولا تأکلوا بہ، ولا تستکثروا بہ“. (مسند الإمام أحمد، (رقم الحدیث: ۱۵۵۶۸) : ۴/۴۴۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

”إن القرآن بالأجرة لا یستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری ... ویمنع القاری للدنیا، والأخذ والمعطی آثمان“. (ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار علی المعاصی: ۶/۵۶، سعید)

(۲) عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه و سلم: ”إن مما یلحق المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علمه ونشره، أو ولدًا صالحًا ترکه، أو مصحفاً ورثه، أو مسجدًا بناه، أو بیتا لإبن السبیل بناه، أو نهر أجراه، أو صدقة أخرجها من ماله فی صحته وحیاته یلحقه من بعد موته“. (شرح الصدور، باب ما ینفع المیت فی قبره، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتیٰ فی منامه، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بیروت)

فالدلیل علیٰ انتفاعه بما تسبب إلیه فی حیاته ما رواه فی صحیحه من حدیث أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: ”إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جاریة أو علم ینتفع به، أو ولد صالح یدعوله“. [الصحیح لمسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد موته: ۲/۴۱، قدیمی] فاستثناء هٰذه الثلاث من عمله یدل علیٰ أنها منه فإنه هو الذی تسبب إلیها. (کتاب الروح لإبن قیم الجوزیة، المسألة السادسة عشرة: وهی هل تنتفع أرواح الموتیٰ بشئ من سعی الأحیاء أم لا، ص: ۱۵۳، مکتبة، فاروقیة بیشاور)

اور اگر پہو نچتا ہے تو ظاہر ہے، جنت کے پھول کے مقابلہ میں جو شیخ کو حاصل ہے، تمہارے یہ دنیا کے پھول سو روپیہ تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا مہکتا ہوا عطر ہے تو قبر پر پھول چڑھانا ایسا ہوا جیسا کہ سو روپیہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ والا عطر لگا دینا تو پھول چڑھا کر حضرت کی روح کو تکلیف دی''۔ اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بطور معاوضہ صدقہ طعام اور لباس وغیرہ پر قیاس کرے، جس کو ہم لوگ بھی کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جواب ظاہر ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں کہ یہ صدقہ بعینہ ان کے پاس پہو نچتا ہے؛ بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس کا ثواب نعمائے جنت کی شکل میں ان کے پاس پہنچتا ہے۔(۱) ہاں جو وہاں جا کر بھی اردگی، پھریری، دال، سوڈا واٹر وغیرہ طلب کریں اور اپنی طبعی مرغوبہ چیزوں پر فاتحہ کی وصیت کر جائیں، ان پر ضرور یہ اشکال وارد ہے کہ شاید ان کے نزدیک یہ چیزیں پہو نچتی ہیں اور اس دنیا کی طبیعت و مزاج وخواہش کو لے کر دنیا سے گئے ہیں؛ اس لیے یہیں کی چیزوں کی طلب ہے، جیسے مسافر اپنی طبیعت کے موافق ناشتہ ساتھ لے کر جاتا ہے اور اسی کا طلب گار رہتا ہے۔

شاید یاد ہو کہ گاندھی جی جب ولایت گئے تھے تو بکری اور چھوارے ساتھ لے گئے تھے، چھوارے کھاتے تھے اور بکری کا دودھ پیتے تھے، غیر ملکی غذا ان کو ناپسند تھی تو برزخ بھی دوسرا ملک ہے، منعم علیہم شہداء وغیرہ کے لیے ان کو جنت سے غذا ملتی ہے، برزخ کا دوسرا رخ ان کے لیے جنت کی طرف ہے، جو لوگ اپنے کو جنتی تصور کرتے ہیں اور پھر برزخ میں جا کر برزخ میں جا کر دنیا ہی کے ناشتے طلب کرتے ہیں، وہ دو حال سے خالی نہیں: ایک تو ان کو جنت کے ناشتوں

(۱) ودعاء النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم للأموات فعلاً وتعلیماً، و دعاء الصحابة والتابعین والمسلمین عصرًا بعد عصر أکثرمن أن یذکر، وأشهر من أن ینکر، وقد جاء: أن اللّٰه ترفع درجة العبد فی الجنة، فیقول: أنی لی هٰذا فیقال: بدعاء ولدک لک''. (کتاب الروح لإبن قیم الجوزیة رحمه اللّٰه تعالٰی، المسألة السادسة عشرة: وهی هل تنتفع أرواح الموتٰی بشیئ من سعی الأحیاء أم لا؟ ، فصل: والدلیل علی انتقاعه بغیرما تسبب فیه القرآن والنسة، ص: ۱۵۷، مکتبة فاروقیة، پشاور)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه و سلم: ''یتبع الرجل یوم القیامة من الحسنات أمثال الجبال، فیقول: أنی هٰذا؟ فیقال: باستغفارولد لک''. (شرح الصدو، رقم الحدیث، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه: ۲۹۶/۱، انیس)

''وأخرج ابن أبی الدنیا عن بشاربن غالب قال: رأیت رابعة فی النوم وکنت کثیرالدعاء لها، فقالت لی: یابشار! ... دعاء المؤمنین الأحیاء إذا دعوا للموتٰی، فاستجیب لهم، جعل ذلک الدعاء علٰی اطباق النور، ثم خمر بمنادیل الحریر، ثم أتی به الذی دعی له من الموتی، فقیل له: هٰذه هدیة فلان إلیک'' (شرح الصدور للسیوطی رحمه اللّٰه تعالٰی، باب ما ینفع المیت فی قبره (رقم الحدیث: ۲۹) ص: ۲۹۶-۲۹۸، دارالمعرفة، بیروت)

کے مقابلے میں دنیا ہی کے ناشتے پسند اور مرغوب ہیں، یا پھر ان کو جنت کا ناشتہ نہیں ملتا؛ بلکہ ان کی قبر کا رخ کسی اور طرف ہے۔ (أعاذنا اللہ منہ) دونوں باتیں کس قدر خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۹/۹-۲۲۰)

ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہو کر پہونچتا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص ایصال ثواب کرنا چاہے تو کس طرح کرے اور کیا کہے اور کسی چیز کا ثواب ایک شخص کو پہونچ سکتا ہے، یا کئی نفوس کو؟ مثلاً کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے گھر، یا مسجد، یا قبرستان میں ایک سورہ، یا ایک پارہ پڑھا اور یہ کہا: اے اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور تلاوت کیا اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکل انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و مسلمین و مسلمات اور ہمارے ماں باپ دادا دادی وغیرہ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پہونچادے تو کیا ہر شخص کو جتنا ایک پارہ وسورت پر ثواب مقرر ہے ملے گا، یا سب اسی میں شریک ہوں گے؟ نیز اس طرح کے الفاظ ودعا میں کہنا درست ہے، یا نہیں؟ نیز اول وآخر درود شریف پڑھنا بہتر ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

اس طرح کہنا اور ثواب پہونچانا درست ہے، (۱) جس قدر خدا کو منظور ہے سب کو پہونچ جائے گا، ظاہر تو یہ ہے کہ سب کو تقسیم ہو کر پہونچے گا، پورا پورا سب کو پہونچے کا تذکرہ کسی نص میں نہیں دیکھا، (۲) بعض شافعیہ اس کے قائل

---

(۱) الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين و المؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شئ. (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل السادس عشر في ايجاب الصدقة وما يتصل به من الهدایٰ: ۲٦٨/٣، مكتبة زكريا ديوبند)

(۲) ويوضحه أنه لو أهدیٰ الكل إلیٰ أربعة يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدیٰ الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ٢٤٣/٢، سعيد)

نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحي الكحال، ووجه هٰذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهديه جميعه وله أن يهدیٰ بعضه يوضحه أنه لو اهداه إلیٰ أربعة مثلا، يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدیٰ الربع و أبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو اهداه إلیٰ غيره. (كتاب الروح، المسألة السادسة عشرة: وهي هل تنتفع أرواح الموتیٰ بشئ من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الثواب وربعه الى الميت، ص: ١٧٤، مكتبة فاروقية، بيشاور)

وأخرالقاضي أبوبكر بن عبدالباقي الأنصاري في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكي: خرجت ليلة إلیٰ مقابر مكة، فوضعت رأسي علیٰ قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقة فقلت: قامت القيامة؟ قالوا لا، ولٰكن رجل من إخواننا قرأ ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ وجعل ثوابها لنا، فنحن نقتسمه منذ سنة". (شرح الصدر للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، فصل في نبذ من رأى الموتیٰ في منامه ص: ٣٠٤، دار المعرفة، بيروت)

ہیں کہ سب کو بلا تقسیم کے پورا پورا پہونچے گا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے،(۱) نفس تلاوت کے لئے تو اول وآخر درود شریف پڑھنے کی تاکید وتخصیص کہیں نہیں دیکھی، البتہ دعا کرتے وقت اول وآخر درود شریف پڑھنا حصن حصین میں موجود ہے۔(۲) ویسے بھی درود شریف کے فضائل وفوائد بے شمار ہیں۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۲/۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۲۳-۲۲۵)

ختم قرآن پاک کا ثواب مردے کو پہونچانا:

سوال: ختم قرآن پاک کا ثواب اگر ہم مردے کو پہونچائیں تو وہ پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

پہونچتا ہے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۳۲)

---

(۱) قلت: لٰكن سئل ابن حجر المكی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة،هل يقسم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ثواب ذلک كاملاً؟فأجاب بأنه أفتٰى جمع بالثانی،وهو اللائق بسعة الفضل.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة مطلب فی القراء ة للميت وإهداء ثوابهاله: ۲/۲٤٤،سعيد)

(۲) منها ما يبلغ أن يكون ركناً وأن يكون شرطاً ... والثناء على الله تعالٰی أولا وآخرا،والصلوٰة على النبی صلى الله تعالٰی عليه وسلم كذلک.(الحصن الحصين للإمام محمد الجزری،آداب الدعاء،ص: ٥٢، دارالإشاعت، كراچی)

عن فضالة بن عبيد رضی الله تعالٰی عنه قال:بينا رسول الله صلى الله تعالٰی عليه وسلم قاعد إذدخل رجل فصلٰی ،فقال:اللهم اغفرلی وارحمنی،فقال رسول اللّٰه صلى الله تعالٰی عليه وسلم:"عجلت أيها المصلی! إذا صليت فقعدت،فأحمد الله بما هو أهله،وصل علی،ثم ادعه"قال:ثم صلٰی رجل آخربعد ذلک، فحمد الله وصلى على النبی صلى اللّٰه تعالٰی عليه وسلم،فقال له النبی صلى الله تعالٰی عليه وسلم:"أيها المصلی!ادع تجب".هٰذا حديث حسن.(جامع الترمذی،أبواب الدعوات،باب بلا ترجمة: ۲/۱۸٥،سعيد)

(۳) عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن رسول الله صلى الله تعالٰی عليه وسلم قال:"أولى الناس بی يوم القيامة أكثرهم علٰی صلوٰة"وروی عن النبی صلى الله تعالٰی عليه وسلم أنه قال:"من صلى علٰی صلوٰة صلى الله عليه عشرًا و كتب له عشر حسنات".(جامع الترمذی،أبواب صلاة الجمعة،باب ما جاء فی فضل الصلوٰة على النبی صلى الله تعالٰی عليه وسلم: ۱/۱۱۰،سعيد)

(۴) الأصل فی هٰذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقة أوغيرها عند أهل السنة والجماعة.(البداية مع الهداية،كتاب الحج،باب الحج عن الغير: ۱/۲۷٦،مكتبه ثاقب ديوبند) ==

فرض نماز کا ثواب کسی کو دے سکتے ہیں:

سوال: میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے، کافی پہلے میں تقریبا دو، یا ڈھائی سال سے چار وقت کا نمازی ہوں؛ لیکن فجر کی نماز کبھی کبھی پڑھ لیتا تھا، اب ڈیڑھ مہینے سے فجر بھی جماعت کے ساتھ مل رہی ہے، اللہ کے کرم سے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب میں امی کو نماز کے لیے اٹھاتا ہوں تو وہ اٹھ جاتی ہیں؛ لیکن پھر نیند آجاتی ہے، جس کی وجہ سے کبھی نماز ان کی قضا ہوجاتی ہے اور میں جماعت سے نماز پڑھ لیتا ہوں، جب گھر آتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ امی تو سو رہی ہیں، ایسی کبھی کبھی ہوتا ہے؛ لیکن ہوتا ہے۔ کیا میں اپنا ثواب امی اور باقی سب گھر والوں کو دے سکتاوں ہو؟ اور ان کا نماز نہ پڑھنے کا گناہ اپنے اوپر لے سکتا ہوں؟ اگر ایسا ممکن ہے تو کیا کرنا ہوگا؟ باقی ہمارے گھر میں سب چار وقت کے نمازی ہیں۔

الجواب

فرض نماز کا ثواب کسی کو نہیں دے سکتے، (۱) اور نہ کسی کا گناہ اپنے ذمے لے سکتے ہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۳)

عبادات کا ایصال ثواب:

سوال: قرآن پاک، یا نعتیں وغیرہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب میت کے لیے کرنا احادیث سے ثابت ہے؟

الجواب

عباداتِ مالیہ اور دعا واستغفار کے ساتھ ایصال ثواب تو متفق علیہ ہے۔ تلاوت قرآن کے بارے میں امام شافعی کا اختلاف منقول ہے۔ حافظ سیوطی کی ''شرح صدور'' سے نقل کیا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی راجح یہ ہے کہ تلاوت کا ثواب پہنچتا ہے، نیز اسی پر امام نووی کی شرح مہذب (جلد: ۵، صفحہ: ۳۱۱) سے نقل کیا ہے کہ:

''قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد

== عن علي رضي اللّٰه تعالیٰ عنه مرفوعاً: ''من مرعلی المقابر وقرأ ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ أحدیٰ عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطی من الأجر بعدد الأموات''. (شرح الصدور، باب في القراء ة للميت أو علیٰ قبره، فصل في نبذ من أخبار ومن رأی الموتیٰ في منامه، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوماً أو صدقة أو قراء ة قرآن أو ذكرًا أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلک عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيدية)

(۱) وعلی القول الأول لا يصح اهداء الواجبات؛ لأن العامل ينوي القربة بها عن نفسه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاه الجنازة، مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ﴿ولا تزر وازرة وزر اخری﴾ (سورة الأنعام: ۱٦٤)

اہل قبور کے لیے دعا کرے، امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں''۔(۱)

مذاہب اربعہ کے اتفاق کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ابوداؤد (ص:۵۹۲)، **باب فی ذکر البصرة**'' کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''تم میں سے کون ہے، جو مجھے اس کی ضمانت دے کہ وہ میرے لیے مسجد عشار میں دو، یا چار رکعتیں پڑھ کر یہ کہے کہ یہ ابوہریرہ کے لیے ہیں''۔(۲)

اس سے نوافل کے ایصال ثواب پر استدلال کیا جاسکتا ہے، ویسے جمہور ائمہ اس کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۴۳۱) ☆

اپنے فرض وواجب عمل کا ثواب میت کو پہونچانا:

سوال: کوئی غریب آدمی کہ اپنے مردہ کی فاتحہ کا کھانا اپنے ہی چھوٹے بچہ کو کھلا کر ایصال ثواب کردے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اس بچہ کو نان ونفقہ اس کے ذمہ فرض وواجب نہیں، تب تو اس کو کھلا کر کسی کو ثواب بخش دینا جائز ہے اور اگر فرض وواجب ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

---

(۱) اختلف فی وصول ثواب القراءة للمیت، فجمهور السلف والأئمة الثلاثة علی الوصول، وخالف فی ذلک إمامنا الشافعی ... و أما القراءة علی القبر، فجزم بمشروعیتها أصحابنا وغیرهم، وقال الزعفرانی سالت الشافعی رحمه اللّٰه عن القراءة عند القبر فقال لا بأس به وقال النووی فی شرح المهذب یستحب لزائر القبور أن یقرأ ما تیسر من القرآن ویدعو لهم عقبها نص علیه الشافعی، واتفق علیه الأصحاب. (شرح الصدور فصل نبذ من أخبار رأی الموتٰی فی منامه ص:۳۱۰-۳۱۱)

(۲) محمد بن المثنی ... قال سمعت أبی یقول: انطلقنا حاجین ... قال: من یضمن لی منکم أن یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین أو أربعاً ویقول: هٰذا لأبی هریرة. (أبو داؤد، کتاب الملاحم، باب فی ذکر البصرة: ۲/۲۳۶)

☆ **طریقہ ایصال ثواب بدنیہ کیا ہے:**

سوال: طریقہ ایصال ثواب بدنیہ چیست وثواب عبادات بدنیہ بمیت برسد، یا نہ؟

الجواب

نزد حنفیہ ثواب طاعات مثل تلاوت قرآن شریف وتسبیح وتہلیل از احیاء، باموات می رسد، پس صورت ایصال ثواب ایں است کہ ولی میت از قائم ان وغیرہم بگوید کہ ثمال اللہ بفلاں میت بہ بخشید، یا اوشان خود بالا امر ولی ثواب تالوت قرآن شریف وغیرہ باموات بہ بخشند؛ مگر باید کہ غرض قاریان کہ ایصال ثواب باموات می کنند اخذ معاوضہ واجرت از ولی میت بنا شد وگرنہ ثواب نیست۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۵/۴۳۸)

کما فی ردالمحتار: وأنه لافرق بین الفرض والنفل، آہ، وفی جامع الفتاویٰ: وقیل: لا یجوز فی الفرائض، آہ. (۱)

اور میرے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ فرض کا ثواب کسی کو نہ بخشے۔

۳ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث، ص:۲۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۵۷)

سوال: علامہ ابن کثیر نے زیر آیت ﴿أن لیس للإنسان إلا ما سعی﴾ (النجم: ۳۹) ذکر کیا ہے کہ اس سے امام شافعی علیہ الرحمہ اور ان کے متبعین نے استدلال کیا ہے کہ قرآن شریف کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا؛ کیوں کہ یہ خود میت کی سعی سے نہیں ہے، اسی واسطے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب کسی کو دعوت کی اور نہ صحابہ میں سے کسی سے یہ ایصال ثواب تلاوت قرآن منقول ہوا، گو علامہ ابن تیمیہ نے عموماً اس پر زور سے استدلال کیا ہے کہ میت کو دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے؛ مگر اس جزئی خاص اہداء ثواب تلاوت قرآن کو ذکر نہیں کیا۔ اس کے متعلق تحریر فرمایئے کہ تلاوت قرآن شریف کا ثواب پہنچتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس باب میں تین مذہب ہیں: ایک معتزلہ کا کہ وہ کسی قسم کی عبارت کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل نہیں۔ دوسرے شافعیہ و مالکیہ کا کہ وہ عبادت مالی کے ثواب پہونچنے کے قائل ہیں اور عبادت بدنیہ کے منکر ہیں، جس میں نماز، روزہ وتلاوت سب داخل ہیں۔ تیسرا حنفیہ کا کہ وہ ہر قسم کی عبادت کا ثواب پہنچنے کے قائل ہیں۔ (کذا فی ردالمحتار) (۲) معتزلہ نے آیت مذکورہ فی السوال سے استدلال کیا ہے، جس کا جواب قائلین بوصول ثواب العبادات المالیہ؛ یعنی شافعیہ وغیرہم کے ذمہ بھی ہے، پس جب معتزلہ کے جواب میں انہوں نے آیت کو عام نہ رکھا تو پھر نفی وصول ثواب عبادت بدنیہ میں اس سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں، پس استدلال کا ضعف اسی سے ظاہر ہے۔ اب آیت کے معنی سمجھئے: درمنثور میں بروایت ابن جریر کے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا، کسی نے اس کو ملامت کی، اس نے کہا: میں عذاب سے ڈرتا ہوں، وہ بولا تو مجھ کو کچھ دے، میں تیری طرف سے عذاب اپنے سر رکھ لوں گا، چناں چہ کچھ دیا اس نے اور مانگا نہایت کشاکشی سے اور بھی کچھ دیا اور بقیہ کی دستاویز مع گواہیوں کے لکھ دی، آہ۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (ایسے طور سے) نہیں لے سکتا (کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے، پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سارا گناہ یہ ملامت گر اپنے سر رکھ لے گا) اور انسان کو (ایمان

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی القراءۃ للمیت: ۲/۲۴۳

(۲) ردالمحتار: ۲/۲۴۳، مطلب فی القراءۃ للمیت

کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی، (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا، پس اگر اس ملامت گر کے پاس ایمان ہوتا بھی، تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا، چہ جائیکہ وہاں بھی ندارد) الخ۔ اس تفسیر پر جو کہ شان نزول سے چسپاں بھی ہے، اضلال سے گناہ ہونا اور ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچنا جو بظاہر آیت ﴿لا تــزر﴾ اور ﴿لیس للانسان﴾ کے معارض معلوم ہوتا ہے، یہ تعارض دفع ہوگیا اور اگر عموم الفاظ آیت سے شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس عموم میں یہ شرط ہے کہ مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو، جیسے "لیس من البر الصیام فی السفر" میں سب ائمہ کے نزدیک یہ قید ہے، علاوہ اس کے "إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" مسئلہ مسلمہ ہے۔ یہ تو استدلال کا جواب ہے۔ اب مسئلہ کی دلیل سنئے:

فی شرح الصدور عن ابن أبی شیبة بروایة الحجاج بن دینار قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن من البر (أی بالوالدین) أن تصلی عنهما مع صلاتک وتصوم عنهما مع صیامک، وأیضاً فیه عن علیٰ مرفوعاً: من مر علی المقابر وقرأ: قل هو اللّٰه أحد، أحد عشر مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطی من الأجر بعدد الأموات، أخرجه أبو محمد السمرقندی فی فضائل قل هو اللّٰه أحد، وفیه عن أبی هریرة قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ: فاتحة الکتاب وقل هو اللّٰه أحد وألهاکم التکاثر، ثم قال: اللّٰهم إنی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لأهل المقابر من المؤمنین والمومنات کانوا شفعاء له إلی اللّٰه تعالیٰ، أخرجه أبو القاسم بن علی الزنجانی فی فوائده، قال السیوطی: وهی وإن کانت ضعیفة مجموعها یدل علیٰ أن لذلک أصلاً ویؤیده بظاهره ما فی جمع الفوائد عن الشیخین وأبی داؤد عن عائشة مرفوعاً: من مات وعلیه صوم صام عنه ولیه، آه، وأقرب محامله إهداء ثواب الصوم إلیه، وما ورد عن ابن عمر وقد سئل هل یصوم أحد عن أحد؟ وهل یصلی أحد عن أحد؟ فیقول: لا، رواه مالک، محمول علیٰ عدم أجزاء القضاء عنه، وفی جمع الفوائد عن أبی داؤد عن صالح بن درهم قال لنا أبو هریرة: إلیٰ جنبکم قریة یقال لها الأیلة، قلنا: نعم، قال: من یضمن لی منکم أن یصلی فی مسجد العشار رکعتین أو أربع رکعات ویقول هٰذه لأبی هریرة. (الحدیث)

اخیر کی حدیث اس پر دال ہے کہ عبارت بدنیہ کا ثواب زندہ کو بھی پہنچتا ہے، باوجودیکہ وہ خود عمل پر قادر ہے، پس میت جو کہ عاجز ہے، بدرجۂ اولیٰ اس کا مستحق ہے، چناں چہ ردالمحتار میں ابن القیم سے بعض علما کا قول یہ بھی نقل کیا ہے:

"اختلف فی إهداء الثواب إلی الحی، فقیل: یصح لاطلاق قول أحمد: یفعل الخیر ویجعل نصفه لأبیه وأمه، آه. (۱)

(۱) ردالمحتار: ۲۴۳/۲، مطلب فی القراءة للمیت

روایت مذکورہ میں سے بعض میں تو تلاوت کی تصریح ہے اور جن میں تصریح نہیں، وہ بھی اس طرح اس کی مثبت ہیں کہ عبادات بدنیہ میں اجماعا تماثل ہے۔ واللہ اعلم

۲۵/ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ (النور، ص: ۷، ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۵۱-۷۵۳)

دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کے لیے مسجد میں اعلان کرنا:

سوال: بعض لوگ بعد نماز جمعہ سب مصلیوں سے کہتے ہیں کہ سب مصلی حضرات سے گزارش ہے کہ دو دو رکعت میرے عزیز مرحوم کے لیے پڑھئے گا، یا کسی اور مقصد کے لیے لوگ مع امام دو دو رکعت پڑھ کر دعا کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

نماز پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا اور دوسروں سے اس کی درخواست کرنا جائز ہے، حدیث شریف اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ قال فی الفتاویٰ الهندية، فی الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير: ''الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً كان أو صوماً أو صدقةً أو غيرها''. (۱)

اسی طرح نماز کے بعد مقاصد حسنہ کے لیے دعا اور اس کے اقرب إلی الاجابۃ ہونے کی تصریح روایات حدیث سے ثابت ہے۔ (کما فی عمل الیوم واللیلۃ) (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور، ۱۹۶۸ء۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۶-۲۳۷)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير: ۲۵۷/۱، رشيدية

وأخرج ابن النجار فی تاريخه عن مالك بن دينار... قال: رجل من المؤمنين قام فی هٰذه الليلة فأسبغ الوضوء و صلّٰى ركعتين وقرأ فيهما فاتحة الكتاب وقل يا أيها الكافرون، وقل هو اللّٰه أحد وقال: اللّٰهم إنی قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل اللّٰه علينا الضياء والنور والفسحة والسرور فی المشرق و المغرب. (شرح الصدور، باب ما ينفع الميت فی قبره، فصل فی نبذ من أخبار من رأى الموتٰى فی منامه، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

''الأصل أن كل من أتٰى بعبادةٍ ماله جعل ثوابها لغيره'' (الدر المختار)

''أی سواء كانت صلاة أو صدقة أو صوماً أو صدقة أو قراء ة أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو غيره أو غير ذلك''. (ردالمحتار: ۵۹۵/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فی إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

''والأصل فيه: أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلٰوة أو صوماً أو صدقةً إلخ''. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيدية)

(۲) عن أنس بن مالك رضی اللّٰه عنه، عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم أنه قال: ''ما من عبد بسط كفيه فی دبر كل صلاة ثم يقول: اللّٰهم إلٰهی ... كان حقاً على اللّٰه عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين''. (۲۶۲/۱، رقم الحديث: ۱۳۷، انيس)

''عن فضالة بن عبيد رضی اللّٰه تعالٰی عنه، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه و سلم: ''إذا صلّٰى أحدكم، فليبدأ بتحميد اللّٰه والثناء عليه، ثم يصلی على النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء''. (عمل اليوم الليلة، باب ما يقول فی دبر صلٰوة الصبح، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، (رقم الحديث: ۱۱۳) مكتبة الشيخ، كراتشی)

نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہونچانا:

سوال: اگر کوئی نیک عمل کرے تو کیا اس عمل کا ثواب بغیر اس کے پہونچائے، اس کے ہمسایہ کو بھی مل سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر کسی درجہ میں اس کا تعاون حاصل ہے تو وہ بھی شریک ہے، ورنہ شریک نہیں؛ لیکن اچھے پڑوسی سے نفع فی الجملہ پہونچتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۳/۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۸/۹)

حمیت صغیر کے لیے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب:

سوال: نماز جنازہ میں جب کہ میت چھوٹی (بچہ، یا بچی) ہو تو "اللّٰهم اجعله لنا شافعاً و مشفعاً" جو دعا پڑھی جاتی ہے، آیا یہ دعا پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ شبہ اس لیے ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شافع ہیں، کوئی بچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کیسے شافع ہو سکے گا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

"ذخرو فرط" کی دعا پڑھنا حدیث شریف میں مذکور ہے،(۲) اذان کے بعد "آت محمدا الوسيلة" پڑھنے کا امر بھی حدیث شریف میں ہے،(۳) "الوسيلة" کی ایک شرح "مقام شفاعت" بھی ہے۔(۴) تعلیم امت کے لیے بھی دعائیں منقول ہیں، شبہ دفعہ کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۲/۳/۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۰/۹-۲۴۱)

---

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ:﴿تعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات وهو البر، وترك المنكر وهو التقوى ... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و سلم: "الدال على الخير كفاعله" ... قلت: وله شاهد في الصحيح: "من دعا إلىٰ هُدىٰ، كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه إلىٰ يوم القيامة، لاينقص ذلك من أجورهم شيئاً، ومن دعا إلىٰ ضلا لة، كان عليه من الإثم مثل آثام من اتبعه إلىٰ يوم القيامة، لاينقص ذلك من آثامهم شيئاً. (تفسير ابن كثر (سورة المائدة: ٢): ١٠/٢-١١، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

(۲) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه: أنه كان يصلي على المنفوس الذى لم يعمل خطيئة قط، ويقول: اللهم اجعله لنا فرطاً وسلفاً وذخراً". (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب السقط يغسل ويكفن ويصلى عليه إن استهل أوعرفت له حياة: ٩/٤)

(۳) عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: من قال حين يسمع النداء: اللّٰهم رب هٰذه الدعوة التامة، والصلوٰة القائمة! آت محمدا ن الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محمودا الذى و عدته، إلا حلت له الشفاعة يوم القيامة. (سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب منه أى ما يقول إذا أذن المؤذن إلخ: ٥١/١، سعيد)

(۴) والوسيلة المذكورة فى الدعاء المروى عنه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم بعد فقيل: هى الشفاعة يشهد له فى آخر الدعاء حلت له شفاعتي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب فصل الأذان وإجابة المؤذن، الفصل الأول، (رقم الحديث: ٦٥٧): ١٦١/٢، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

نفل نماز وروزہ کا زندہ آدمی کو ثواب ہبہ کرنا:

سوال: نفل نماز اور روزہ کا ثواب زندہ آدمی کو ہبہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بر تقدیر اول موہوب لہ سے اس ثواب کے عوض میں، دنیا کا مال لینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ تو ظاہر ہے کہ فرض نماز روزہ میں نیابت درست نہیں؛ لیکن ادائے فرض سے دو فائدہ ہیں: سقوط عذاب اور حصول ثواب، سو اگر کوئی شخص فرائض کا فقط ثواب دوسرے شخص کو ہبہ کرے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور نفل عبادت کا ثواب فاسق، یا مبتدع کو ہبہ کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ثواب نوافل کا زندہ کو بھی دینا درست ہے، جیسا مردہ کو دینا درست ہے۔ فقط اور فرض کا ثواب دے سکتے ہیں،(۱) اور فاسق کو ثواب دے سکتے ہیں۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص: ۱۰-۱۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۷)

بچوں کا ایصال ثواب کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ہمارے یہاں میت کے ایصال ثواب کے واسطے بچوں سے قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، قرآن شریف ختم ہونے

(۱) فی الشامی وبهٰذا علم أنه لافرق بين أن يكون المجعول له ميتا أوحياً والظاهرأنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغيرأويفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لاطلاق كلامهم وأنه لافرق بين الفرض والنفل،آه.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة: ۱/ ۶۰۵، مطلب فى القرأة للميت واهداء ثوابها له)

وفى منحة الخالق على البحرالرائق للعلامة الشامى:وسنذكر هناك أن الحج يقع عن الفاعل فيسقط به فرضه و هوصريح فى المراد،(البحرالرائق: ۳/ ۱۰۷)

وفيه أيضاً فى مقام آخر؛وتعليل المسئلة بأنه متبرع بجعل ثواب عمله لأحدهما يفيد وقوع الحج عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه وان جعل ثوابه لغيره.(البحرالرائق: ۳/ ۱۲۲)

وفى سكب الأنهرعلٰى ملتقى الأبحر:(ومن أهل بحجة عن أبويه) بغيرأمر(تم عين أحمدهما جاز؛لأنه متبرع (و للانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره فى جميع العبادات)فرضاً أونفلاً.(مجمع الانهر: ۱/ ۳۰۹)

وفى رد المحتارعلى الدرالمختار تحت قوله:الأصل ان كل من أتٰى بعبادةٍ مَّا، له جعل ثوابها لغيره: وفى البحر بحثا ان اطلاقهم شامل للفريضة لكن لا يعود الفرض فى ذمته لان عدم الثواب لايستلزم عدم السقوط عن ذمته اه علٰى أن الثواب لاينعدم كما علمت وسنذكرفيما لوأهل بحج عن أبويه أنه قيل أنه يجزيه عن حج الفرض وهٰذا يؤيد ما بحثه فى البحرويؤيده أيضاً قوله فى جامع الفتاوىٰ.(الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الحج،مطلب فى اهداء ثواب الأعمال للغير: ۲/ ۵۹۵-۵۹۶،دارالفكر بيروت،انيس)

کے بعد استاد بچوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنا سارا ثواب ہمیں دے دو؛ تاکہ ہم میت کو پہنچا دیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بچے عدم بلوغ کی بنا پر ہبہ کے مستحق نہیں اور ایصال ثواب ہبہ ہی ہے تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہ طریقہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر نابالغ بچوں کا قرآن شریف پڑھ کر بخشنا ہبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو معلمین کی خدمت میں پیش کرنا ہبہ کیوں نہیں ہوا اور اس کا جواز کیسے تجویز کیا گیا۔ نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں: ایک نفع محض، دوم ضرر محض، سوم دائر بین النفع والضرر۔

قسم اول کے تصرفات بغیر اذن ولی بھی درست ہے۔ قسم دوم اذن ولی سے بھی درست نہیں۔ قسم سوم اذن ولی سے درست ہیں، بغیر اذن ولی کے درست نہیں،(۱) ہبہ قسم دوم میں داخل ہے۔

ہبہ کی تعریف ہے:

"تملیک العین بلاعوض". (۲)

"ھی تملیک العین بلاعوض". (۳)

جو ثواب پہنچایا جاتا ہے وہ عین نہیں، نیز اعیان کا حال یہ ہے کہ وہ بصورت ہبہ ملک واہب سے خارج ہو جاتی ہے، واہب ان سے خالی رہ جاتا ہے اور یہ چیز حق صبی میں ضرر محض ہے، ایصال ثواب میں واہب خالی نہیں رہتا، اس کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اس لئے ضرر محض نہیں بلکہ نفع محض ہے:

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر، بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غیرها، کذا فی الهدایة، بل فی زکاة التاتارخانیة عن المحیط: الأفضل لمن

---

(۱) (وتصرف الصبی والمعتوه) الذی یعقل البیع والشراء (إن کان نافعاً) محضاً (کالإسلام والاتهاب، صح بلا إذن، وإن ضارا کالطلاق والعتاق) والصدقة والقرض (لا، وإن أذن به ولیهما، وما تردد) من العقود (بین نفع وضرر کالبیع والشراء توقف علی الاذن) حتیٰ لوبلغ فأجازه، نفذ". (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب المأذون: ۱۷۳/٦، دار الفکر بیروت، انیس)

التصرفات ثلاثة أنواع ضار محض (قوله: کالطلاق والعتاق والهبة والصدقه، فلا یملکه الصبی وإن أذن له الولی، ونافع ومحض کقبول الهبة والصدقة، فیملکه بغیر إذنه، ودائر بین النفع والضرر کالبیع والشراء والإجارة والنکاح، فیملکه بالإذن ولا یملکه بدونه. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب المأذون، الباب الثانی عشر فی الصبی أو العتوه یأذن له أبوه أو وصیه: ۱۱۰/٥، رشیدیة)

(۲) الدر المختار، کتاب الهبة: ٦٨٧/٥، سعید

(۳) البحر الرائق، کتاب الهبة: ٤٨٣/٧، رشیدیة

يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمومنات؛لأنهاتصل إليهم،ولا ينقص من أجره بشئ،آه،وهومذهب أهل السنة والجماعة،آه". (۱)

لہٰذا عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، سمجھدار بچے بھی ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۴۱-۲۴۳)

بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے:

سوال: بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بد کام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے، یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامدًاومصلياً

بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں، ثواب کے وہ مستحق ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملے گا۔ (۲) بچوں پر گناہ نہیں، البتہ والدین تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۴۴)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة،مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳،سعيد

وأخرج أيضاً عن ابن عمررضى الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً،فليجعلها عن أبويه،فيكون لهما أجرها،ولا ينتقص من أجره شيًا. (شرح الصدور،باب ما ينفع الميت فى قبره،فصل فى نبذ من أخبار من رأى الموتىٰ فى منامه،رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دارالمعرفة،بيروت)

الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛لأنها تصل إليهم،ولاينقص من أجره شئ. (الفتاوىٰ التاتارخانية،الفصل السادس عشرفى إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدىٰ: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراتشى)

"وفى الحديث:"من قرأ الإخلاص أحد عشرمرةً،ثم وهب أجرها للأموات،أعطى من الأجر بعدد الأموات، اهـ". (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب الجنائز،قبيل باب الشهيد،آه: ۴/۲۴۲-۲۴۳،سعيد)

وأخرج أبومحمد السمرقندى فى فضائل:﴿قل هوالله أحد﴾عن على رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعا:" من مر على المقابر وقرأ﴿قل هوالله أحد﴾إحدىٰ عشرة مرة،ثم وهب أجره للأموات،أعطى من الأجربعدد الأموات. (شرح الصدور،باب فى قراءة القرآن للميت أوعلى القبر،فصل فى نبذ من أخبار من رأى الموتىٰ فى منامه،رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳،دارالمعرفة بيروت)

(۲) تصح عباداته (أى الصبى) وإن لم تجب عليه،واختلفوا فى ثوابها،والمعتمد أنه له،وللمعلم ثواب التعليم: وكذا فى جميع حسناته. (الأشباه والنظائر،الفن الثالث أحكام الصبيان،ص: ۳۰۸،دارالكتب العلمية،بيروت،انيس)

وقد قال:حسنات الصبى له،لا لأبويه،بل لهما ثواب التعليم. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلوٰة الجنائز: ۱/۱۲۲،مكتبة سعيد)

ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب میت کے لیے:

سوال: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں، مسجد کے مصلیوں سے، اخیر میں تمام کھانا کھلایا جاتا ہے، چاہے غریب ہو، یا غنی تو یہ کھانا کیسا ہے؟ اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

کلمہ طیبہ کا ثواب پہونچا اور غریبوں کو صدقہ دے کر ثواب پہونچانا بہت مفید اور باعث خیر ہے؛(۱) لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا، یہ اجرت کے مشابہ ہے۔ اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو، نیز جب کہ اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے، **المعروف کالمشروط** کے تحت اس پڑھنے کی اجرت گویا کہ لازم ہوگئی۔ علاوہ ازیں میت کے ورثا میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں، ان کے مال میں تصرف کرنا اور ان کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں، پھر یہ کھانا کھلانا شرعاً واجب نہیں، اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے، جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔ (۲) علاوہ ازیں ایصال ثواب کے لیے جو صدقہ دیا جاتا ہے، اس کے مستحق غربا ہیں، مالدار نہیں، یہاں غریب و غنی سب کو دیا جاتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، (۳) اور اس میں عامۃً شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے، جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے؛ (۴) اس لیے اس طریقہ کو بند کرنا چاہیے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں رہتی۔

(۱) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقةً أو قراءةً قرآن أوذكرًا أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵۰/۳، رشيدية)

"أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أوغيرها عند أهل السنة و الجماعة"، (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۹٦/۱، شركة علمية، ملتان)

(۲) من أصر علىٰ أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعة أومنكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، الفصل الأول: ۳۵۳/۲، تحت رقم الحديث: ۹٤٦)مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (سورة التوبة: ٦)

"إن الصدقة على الغنى هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل فى وصايا الذمى وغيره: ٦۹۸/٦، سعيد

(۴) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فى السرور لا فى الشرور هى بدعة مستقبحة ... وفى البزازية: ... يكره اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم .... هٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲٤۰-۲٤۱، سعيد)

==

فتاویٰ بزازیہ، کبیری، شامی (۱) وغیرہ کتب فقہ میں ایصال ثواب کے لیے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۱/۳۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۴۴-۲۴۶)

نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لیے ایصال ثواب:

سوال: باپ کی موت سے پہلے جب کہ وہ اپنے ہوش میں ہے، بیٹا اپنی نافرمانیوں کی معافی مانگتا ہے اور باپ معاف کردیتا ہے، اس وقت کی معافی معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان شاء اللہ معافی ہوجائے گی، باپ کے لیے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرتا رہے اور نافرمانی کی مکافات جس قدر بھی ہو، کرتا رہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۹/۸/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۴۷)

کلمہ پڑھ کر خودکشی کرنے والے کے لیے ایصال ثواب:

سوال: ایک لڑکی جو کہ غیر مسلم تھی اور میں اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بہت مائل تھی اور میرے ساتھ مسلمان ہونے کو تیار تھی، جس نے اپنی زندگی میں میرے ساتھ اور مجھ سے یاد کرکے بارہا کلمہ پڑھا، اس کو نماز بھی یاد

== ”عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نهٰی عن طعام المتبارئین أن یؤکل“. (مشکاة المصابیح، باب الولمیة، الفصل الثانی، ص: ۲۷۹، قدیمی)

(۱) یکره اتخاذ الطعام واتخاذ الدعوة بقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم“. (الفتاوی البزاریة علٰی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب الصلٰوة، قبیل السادس والعشرون فی أحکام المسجد: ۸۱/٤، رشیدیة)

الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، قبیل فصل فی أحکام المسجد، ص: ٦٠٩، سهیل اکیڈمی، لاهور

ردالمحتار، باب صلٰوة الجنازه، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲۴۰/۲-۲۴۱، سعید

(۲) عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: ”یتبع الرجل یوم القیامة من الحسنات أمثال الجبال، فقول: أنی هٰذا؟ فیقال بإستغفار ولدک لک“ (شرح الصدور، باب ما ینفع المیت فی قبره، فصل فی نبذ من أخبار من رأی الموتٰی فی منامه، ص: ۲۹٦، دارالمعرفة، بیروت)

”صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلٰوة أو صوماً أو صدقة أو غیرها، کذا فی الهدایة الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجره شئ“. (ردالمحتار، باب الجنازة، مطلب فی القراء ة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

تھی اوراس کے گھر والے یہ نہ چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے، ان لوگوں نے اس کو بہت تنگ کیا، پھراس نے ایک دن غم سے گھبرا کر خودکشی کرلی۔ اب میں اس کے لیے ایصال ثواب قرآن خوانی کراسکتا ہوں، یا کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگراس اسلام قبول کرنے کے لیے کلمہ پڑھا ہے تو اس کو ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۱۳۹۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۸/۹)

غیر مسلم کو ایصال ثواب:

سوال: غیر مسلم کو قرآن پاک وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ناجائز ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۸/۹)

---

(۱) إن سعد بن عبادة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال: یا رسول اللّٰہ! صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم إن أمی توفیت وأنا غائب عنها، أینفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال فإنی أشهدک إن حائطی المخراف صدقة علیها". (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة للّٰه عن أمی: ۳۸۶/۱، قدیمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة أو صوماً أو صدقة أوغیرها ... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولاینقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی القراء ة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿استغفرلهم أولا تستغفرلهم، إن تستغفر لهم سبعین مرة فلن یغفراللّٰه لهم، ذلک بأنهم کفروا باللّٰه ورسوله، واللّٰه لایهدی القوم الفاسقین﴾. (التوبة: ۸۰)

عن سعید بن المسیب عن أبیه: قال: لما حضرت أباطالب الوفاة، دخل علیه النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم وعنده أبوجهل وعبد اللّٰه بن أبی أمیة" فقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "أی عم! قل: لا إلٰه إلا اللّٰه، أحاج لک بهاعند اللّٰه". فقال أبوجهل وعبد اللّٰه بن أبی امیة: یا أباطالب! أترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم: "لأستغفرن لک ما لم أنه عنک، فنزلت: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین، ولو کانوا أولی قربیٰ﴾ الآیة. (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا﴾: ۶۷۴/۲-۶۷۵، قدیمی)

"والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للکافر". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۵۲۳/۱، سعید)

شیعہ کے لیے ایصال ثواب:

سوال: زید حافظ قرآن اور ایک مسجد میں امام ہے اور زید کو ایک شیعہ نے اپنے قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے، زید روز صبح کو شیعہ قبروں پر ایک پارہ، یا کم وبیش پڑھ کر ایصال ثواب کرتا ہے، چند مسلمانون نے زید پر اعتراض کیا بوجۂ مندرجہ بالا۔ زید کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق یہودی کے لیے ایصال ثواب کیا اور شیعہ مذہب پر علمائے حنفیہ نے متفقہ فتویٰ کفریہ نہیں دیا۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ مسلمان ہے، یقیناً اس کی مذہب رکاوٹ نہیں کرتا، اس تنازعہ چند مسلمانوں نے زید کے پیچھے نماز جمعہ ادا نہیں کی؛ بلکہ جس مسجد میں آج تک ادا نہیں کی؛ بلکہ جس مسجد میں آج تک جمعہ نہیں ہوتا تھا، اس مسجد میں جدید طریقہ پر جمعہ کرایا، حالاں کہ شہر میں اور چند مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، اس مسجد کو بھی چھوڑ کر کسی دوسری جامع مسجد میں ادا کر سکتے تھے۔

اندریں حالت دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیعہ پر ایصال ثواب بصورت مندرجہ بالا جائز ہے، یا نہیں؟ نیا جمعہ کرانا جب کہ اور مسجدیں موجود تھیں کیسا ہے؟ اگر شیعہ کی قبور پر ایصال ثواب جائز ہے تو اس قسم کا نزاع بین المسلمین پیدا کرنے والے اشخاص کس حکم میں ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ان کے عقائد دریافت کر لیے جائیں، اگر وہ شیعہ عقیدہ کفریہ رکھتے تھے تو ان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرنا حرام ہے۔(۱) اس صورت میں اگر باز نہ آئے اور اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا شخص موجود ہو تو اس کو امام بنانا چاہیے، زید کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور عبداللہ بن ابی کے واقعہ سے زید کا استدلال کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی اور جنازہ کی نماز پڑھی تو ممانعت کی آیت نازل ہوئی، تفسیر مظہری میں پورا واقعہ نقل کر کے لکھا ہے:

”فصلٰی علیه فأنزل اللّٰه تعالیٰ ﴿لاتصل﴾ المراد بالصلاة الدعاء والاستغار للمیت، فیشتمل صلٰوة الجنازة أیضاً، لأنها مشتملة علی الدعاء والاستغفار ﴿علیٰ أحد منهم مات أبدًا﴾ (التفسیر المظهری، سورة التوبة، ص: ۷۱) (۲)

اگر وہ شیعہ عقائد کفریہ نہیں رکھتے تو ان کے لیے ایصال ثواب کرنا درست ہے، اس صورت میں زید کو امام بنانا جائز ہے

---

(۱) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ما کان للنبی والذین آمنوأن یستغفروا للمشرکین﴾ (سورة التوبة: ۱۱۳)

(۲) التفسیر المظهری: ۲۷۶/۴، حافظ کتب خانة

اور جھگڑا کرنا منع ہے اور موجب فتنہ ہے، جس اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اجرت لے کر ایصال ثواب کرنا گناہ ہے۔(۱) اس سے بھی رکنا ضروری ہے۔ اگر زید اس کو ترک نہ کرے، تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے۔(۲)

ایک شہر میں جمعہ اگر چہ متعدد جگہ جائز ہے؛ لیکن تقلیل جمعہ شرعاً مطلوب ہے؛(۳) اس لیے زید کا علاحدہ کرنا دشوار ہو تو کسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا ہو پڑھ لیا جائے، مستقل جمعہ قائم کرنا مصالح جمعہ کو فوت کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۹۶۸ء۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۹/۹-۲۵۱)

گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصال ثواب:

سوال (۱) گاندھی جی ہندو مذہب اختیار کرتے تھے، ساتھ ساتھ قرآن کی سورۂ اخلاص اور فاتحہ اکثر پڑھتے تھے اور اپنی عبادت کی مجلس میں قرآن پڑھوا کر سنتے تھے اور مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے، تعزیت کرنے کے بعد اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کی جماعت میں ان کے لیے قرآن پڑھے، یا دعا کرے تو کیا وہ مسلمان گنہ گار ہوگا، یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی ثواب بخشے نہیں؛ بلکہ غیر مذہب والوں کے لیے ہمدردی دکھانے کے لیے قرآن پڑھے تو کیسا ہے؟ کیا گاندھی کافر ہے؟

---

(۱) قال عبد الرحمن بن شبل رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم یقول: ”اقرؤا القرآن، ولا تغلوا فیہ، ولا تجفوا عنہ، ولا تأکلوا بہ، ولا تستکثروا بہ“. (مسند الإمام أحمد: ٤/٤٤٥، (رقم الحدیث: ١٥١٠٣) دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

”قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة: إن القرآن بالأجرة لا یستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری، وقال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القاری للدنیا، والآخذ والمعطی آثمان ... والإجارة فی ذلک باطلة، وهی بدعة لم یفعلها أحد من الخلفاء ... وممن صرح بذلک أیضاً الإمام البرکوی قدس سره فی آخر الطریقة المحمدیه، فقال: الفصل الثالث فی أمور مبتدعة باطلة أکب الناس علیها علیٰ ظن أنها قرب مقصودة ... ومنها الوصیة من المیت باتخاذ الطعام و الضیافة یوم موته أو بعده بإعطاء دراهم لمن یتلو القرآن لروحه أو یسبح أو یهلل له، وکلها بدع منکرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ، وهو عاص بالتلاوة والذکر لأجل الدنیا، آه ملخصا“. (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة مطلب: الإستیجار علی المعاصی، آه: ٥٦/٦-٥٧، سعید)

(۲) ویکره تنزیها إمامة عبد ... وفاسق ... و مبتدع. (الدر المختار)

وفی رد المحتار ”بل مشٰی فی شرح المنیة علیٰ أن کراهة تحریم، لما ذکرنا، قال: ولذا لم تجز الصلٰوة خلفه أصلاً عند ما لک، وروایة عن أحمد“. (رد المحتار، باب الإمامة، قبیل مطلب: البدعه خمسة أقسام: ٥٦٠/١، سعید)

(۳) تقلیل جمعہ شرعاً مطلوب ہے؛ یعنی شہر میں کم سے کم جگہوں پر ادا کیا جائے۔

”وتؤدی (أی الجمعة) فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً“ (علی المذهب وعلیه الفتوٰی). (الدر المختار)

”سواء کان المصر کبیراً أو لا ... وسواء کان التعدد فی مسجدین أو أکثر، آه. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، قبیل فی نیة آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ١٤٤/٢-١٤٥، سعید)

(۲) اگر سرکاری ملازم مسلمان کو بے دین جماعت میں رہنا پڑے اور بے دین مردہ کے لیے دعائے خیر کرتے وقت دل، یا منہ سے ﴿فی نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ کہے، کیا وہ گنہ گار ہوگا؟ مع دلیل جواب ارشاد مادیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جس لیے کفر کا یقین ہو، اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا، یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا جائز نہیں۔

"والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". (۱)

گاندھی کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ کب اسلام قبول کیا، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھنا بھی جب ہی مفید ہے کہ پڑھنے والا مسلم ہو، ورنہ بہت سے غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں، خواہ پڑھنے کی نیت کچھ ہی ہو، البتہ اگر کوئی مسلم قرآن کریم پڑھ کر اس کا مطلب غیر مسلم کو سمجھائے، یا وعظ کہے تو شرعاً جائز اور درست ہے، بعض غیر مسلم بھی نرم طبیعت اور دوسروں کے ہمدرد ہوتے ہیں، وہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے؛ بلکہ دوسروں کی راحت کے لیے خود تکلیف اٹھاتے ہیں، مسلم کو بھی چاہیے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے اور بلا وجہ تکلیف پہونچانا تو کسی کو بھی جائز نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں نہایت اعلیٰ اخلاق کا خزانہ موجود ہے؛ اس لیے سمجھ دار غیر مسلم اس کا مطالبہ کرکے اکثر اچھی باتیں حاصل کر لیتے ہیں؛ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

(۲) اس نفاق کی کیا ضرورت ہے کہ زبان سے دعا کرے اور دل میں بددعا؛ بلکہ جس کے مرنے پر ضرورت سمجھے، مشروع تعزیب کردے۔

"جار يهودي أو مجوسي مات ابن له أو قريب، ينبغي أن يعزيه ويقول: أخلف الله عليك خيرًا منه وأصلحك، وكان معناه: أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام ورزقك ولدا مسلماً، كفاية، آه". (ردالمحتار: ۲۴۸/۵، مطبوعة جديد) (۲) **فقط والله سبحانه تعالىٰ اعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ربیع الاول ۱۳۶۷ھ۔

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا اراد الشروع في الصلاة كبر: ۵۲۳/۱، سعيد

قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرة، فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله ورسوله، والله لا يهدى القوم الفسقين﴾. (سورة التوبة: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما حضرت أباطالب الوفاة، دخل عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعنده أبوجهل وعبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عم! قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله". فقال أبوجهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أباطالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأسغفرن لك مالم أنه عنك". فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربىٰ﴾ الآية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ماكان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ۶۷۴/۲-۶۷۵، قديمي)

(۲) ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۸/۶، سعيد　==

اسلام نے جوتعزیت کا طریقہ غیر مسلموں کے لیے بتایا ہے، اس پر عمل کرنا چاہیے، گاندھی جی نے نہ صرف مسلمانوں کی خیر خواہی پر جان دی ہے؛ بلکہ سارے ہندوستان کو امن واتحاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ اس مشن پر قربان ہو گئے؛ اس لیے ہر شخص ان کے دردناک قتل پر رنجیدہ ہے؛ مگر ان کو مسلمان اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا، جب تک کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، تعزیت اور یادگار منانے میں فرقہ وارانہ طریقوں پر عمل کرنا خود گاندھی جی کے مشن کے خلاف ہے؛ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ فقط

سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۲۵۲-۲۵۴)

ایصال ثواب کرنے کا طریقہ، نیز درود شریف لیٹے لیٹے بھی پڑھنا جائز ہے:

سوال: میرے روزانہ کے معمول میں قرآن پاک کی تلاوت میں سورۂ یٰسین بھی شامل ہے، اگر میں روزانہ سورۂ یٰسین پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشوں تو یہ فعل درست ہوگا؟ کیوں کہ مجھے یہ بات نہیں، معلوم کہ کیا چیزیں (عمل) ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے؟ نیز درود شریف پڑھ کر ایسے ہی چھوڑ دیا جائے، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشنا ضروری ہے؟ اور لیٹ کر درود شریف پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ ایصالِ ثواب کے متعلق ہی ایک سوال یہ ہے کہ نفل نماز اور روزے، حج وغیرہ کس طرح ایصال ثواب کیے جاتے ہیں؟ میں نے کسی سے سنا ہے کہ نماز کی نیت کر کے نماز نفل پڑھی اور بعد میں کہہ دیا کہ اس نفل نماز کا ثواب فلاں کو پہنچے؛ لیکن طریقہ آپ بتا دیں تو میں آپ کی بہت زیادہ مشکور ہوں گی؟

الجواب

ایصالِ ثواب نماز اور نفلی عبادتوں کا جائز ہے، (۱) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، ایصال ثواب کا طریقہ آپ نے صحیح لکھا ہے، یعنی نیک عمل کے بعد دعا کر لی جائے کہ یا اللہ! میرے اس عمل کو قبول فرما کر اس کا ثواب فلاں کو عطا فرما۔ (۳) درود شریف ادب واحترام کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اگر کوئی شخص لیٹا ہوا ہو اور

== ”وإذا مات الكافر، قال لوالده أو قريبه في تعزيته: أخلف الله عليك خيرًا منه وأصلحك: أي أصلحك بالإسلام، ورزقك ولدًا مسلماً؛ لأن الخيرية به تظهر، كذا في التبيين“. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ۵/ ۳۴۸، رشيدية)

(۱) صرح علمائنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) صرح علمائنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

اس وقت سے فائدہ اٹھا کر لیٹے لیٹے درود شریف پڑھتا ہے تو یہ جائز ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۲۵)

تدفین سے پہلے ایصالِ ثواب درست ہے:

سوال: ایک آدمی جو کہ ہمارا عزیز تھا، مدینہ شریف میں اس کی موت ہوگئی، اس کی لاش ہسپتال میں حکومت نے اسٹور کردی کہ اس آدمی کا وارث آئے گا تو دیں گے، اس آدمی کا وارث یہاں سعودیہ میں کوئی نہیں ہے، کفیل کے ذریعہ بھی اگر لاش کو پاکستان بھیجیں تو تقریباً ایک ماہ لگ جائے گا، اس کی موت سے تقریباً ۵/دن بعد ہم لوگوں نے اس کی فاتحہ پڑھی؛ مگر ہمارے ایک مسجد امام ہیں، حافظ قرآن بھی ہیں، انہوں نے کہا کہ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ جب تک جنازہ دفن نہ ہو جائے، فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے، اس بارے میں آگاہ کریں کہ کیا یہ درست ہے؟

الجواب

ایصال ثواب تو مرنے کے بعد جب بھی کیا جائے، درست ہے۔ ایسی لاشوں کو پاکستان بھیجنے کا کیوں تکلف کیا جاتا ہے؟ غسل وکفن اور نماز جنازہ کے بعد وہیں دفن کر دینا چاہیے۔(۲) آپ کے حافظ صاحب نے جو کہا کہ جب تک میت کو دفن نہ کیا جائے، اس کے لیے ایصالِ ثواب نہ کیا جائے، غلط ہے۔(۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۲۵-۴۲۶)

ایصال ثواب کے لیے کسی خاص چیز کا صدقہ ضروری نہیں:

سوال: آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ میرے شوہر وفات پا چکے ہیں، آج کل عام طور پر کھانے کے علاوہ مرحوم کے لیے کپڑے، بستر، جانماز، لوٹا وغیرہ تمام ضرورت کی چیزیں کسی ضرورت مند کو دی جاتی ہیں۔ آپ بتائیں کہ آیا یہ سب درست ہے؟ اور کیا واقعی ان سب اشیاء کا ثواب ان کو پہنچے گا یا پہنچتا ہے؟ علاوہ ازیں کوئی اور بھی طریقہ عنایت فرمائیں کہ میرے شوہر کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہنچے، اور اگر ان سب چیزوں کے بجائے اتنی ہی قیمت کے پیسے دے دیے جائیں تو کیا جب بھی اجر ملے گا؟ اور کیا کسی مرد کے بجائے عورت کو دیا جا سکتا ہے؟ جواب سے جلد نوازیں؟

(۱) صرح علمائنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أوغيرها. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

ولابأس بالتسبيح والتهليل مضطجعاً وكذا بالصلاة على النبي عليه الصلاة والسلام. (قاضي خان علىٰ هامش الهندية: ۱۶۲/۱، مسائل كيفية القراءة وما يكره فيها ويستحب، طبع رشيدية)

(۲) قوله ولابأس بنقله قبل دفنه قبل مطلقاً وقيل الىٰ مادون مدة السفر وقيده محمد بقدر ميل أوميلين ... فيكره فيما زاد، الخ. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۴۳/۲، دار الفكر بيروت)

(۳) وفي البحر: من صام أوصلىٰ أوتصدق و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند أهل السنة والجماعة، كذا في البدائع، ثم قال: وبهٰذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أوحيا، الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲)

الجواب

ایصالِ ثواب کے لیے کسی خاص چیز (کپڑے، بستر، جانماز، لوٹا وغیرہ) کا صدقہ ہی کوئی ضروری نہیں؛ بلکہ اگر ان چیزوں کی مالیت صدقہ کردی جائے، تب بھی ثواب اتنا ہی پہنچے گا، اسی طرح مرد، عورت کی بھی کوئی تخصیص نہیں؛ بلکہ جس محتاج کو بھی دے دیا جائے، ثواب میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی۔ (۱) ہاں! نیک اور دین دار کو دینے کا زیادہ ثواب ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۶)

دنیا کو دکھانے کے لیے برادری کو کھانا کھلانے سے میت کو ثواب نہیں ملتا:

سوال: ضلع مانسہرا اور صوبہ سرحد کے دیہاتی علاقوں میں جب کوئی آدمی وصال پاتا ہے تو اس وصال والے دن تقریباً دس یا بارہ ہزار روپے خیرات اس طرح کی جاتی ہے کہ چاول، خالص گھی اور چینی، گوشت خرید کر عام لوگ کھاتے ہیں، کچھ لوگ یہ رقم اپنی جائیداد رہن رکھ کر اس خیرات کا اہتمام کرتے ہیں اور وہاں کے علمائے کرام بھی باقاعدہ کھاتے ہیں، منع کرنے والوں کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے؟

الجواب

کسی مرحوم کے لیے ایصال ثواب تو بڑی اچھی بات ہے؛ لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی رقم ایصال ثواب کے لیے خرچ کرنی ہو، وہ چپکے سے کسی محتاج کو دے دی جائے گی، یا کسی دینی مدرسہ میں دے دی جائے۔ (۳) برادری کو کھلانا اکثر بطور رسم دنیا کو دکھانے کے لیے ہوتا ہے، اس لیے ثواب نہیں ملتا۔ (۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۶-۴۲۷)

قربانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب:

سوال: اپنی طرف سے نفلی قربانی کر کے ایصالِ ثواب کیا جائے، یا میت کی طرف سے قربانی کر کے کیا جائے؟

(۱) وفي البحر: من صام أو صلىٰ أو تصدق و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند أهل السنة والجماعة، كذا في البدائع، ثم قال: وبهٰذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتاً أو حياً، الخ. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل، كذا في الزاهدى. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۷)

(۳) وفي التطوعات الأفضل هو الاخفاء والاسرار كذا في قاضي خان (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها و صفتها: ۱/۱۷۱)

(۴) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل البيت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة ... وبعد أسطر ... وهٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بها وجه الله تعالىٰ ... الخ. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰-۲۴۱، طبع ايچ ايم سعيد)

الجواب

اگر خود پر قربانی واجب ہوتو اس کو تو ہر حال میں کرے، مزید گنجائش ہوتو میت کی طرف سے کردے۔(۱) واللہ عالم

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۲۷)

کئی آدمیوں کے نام ایصال ثواب کرنے سے ثواب تقسیم ہوکر پہونچتا ہے، یا برابر:

سوال: وصول ثواب الی ارواح الموتی میں تقسیم ہے، یا مسوات، مثلا: ایک ختم کلام مجید کا پڑھ کر تین شخصوں کی روحوں کو ایصال ثواب کیا، آیا ہر ایک کو علی السویۃ پورے پورے ختم کلام مجید کا ثواب ملے گا، یا منقسم ہوکر ایک ختم کے ثواب میں تینوں آدمیوں کو ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شامی میں دونوں قول نقل کئے ہیں۔ قیاس کے موافق تقسیم ہونا چاہیے۔

كما قال في رد المحتار: ويوضحه أنه اهدٰى الكل إلٰى أربعة يحصل لكل منها ربعة فكذا لو اهدٰى الربع لواحد وأبقٰى الباقي لنفسه، الخ.(۲)

پھر ابن حجر مکی سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک جماعت نے اس پر فتوی دیا ہے کہ ایک کو پورا ثواب پہنچتا ہے اور اس کو وسعت فضل کے لائق کہا ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۴۱۹-۴۲۰)

ایصال ثواب میں والدین کے ساتھ اور تمام لوگوں کو شریک کرے تو سب کو ثواب ملے گا:

سوال: ایک شخص نے سورۂ فاتحہ یا اور کوئی سورۂ یا دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے باپ یا ماں یا پیر یا استاد کی روح کو ثواب سب مع مومنین ومؤمنات کے بخشا، یہ ثواب باپ ہی کی روح کو پہنچا یا سب کو اسی طرح ثواب پہنچایا جائے یا خاص کر کے یعنی باپ ہی یا استاد ہی کا نام لیا جاوے تب پورا ثواب ملے گا؟

الجواب

اگر سب کو ثواب پہنچایا سب کو پہنچا حصہ رسد ثواب سب کو پہنچتا ہے،(۴) اور بہتر سب کو شریک کرنا ہے۔(۵) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۴۲۰)

---

(۱) وفي البحر: من صام أو صلى أوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳)

(۲،۳) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۱/۸۴۵

(۵) رد المحتار، باب صلاةالجنائز، مطلب في القراء ة للميت: ۱/۸۴۴

بے نمازی کو بھی ثواب پہنچانے سے پہنچتا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص بے نمازی مرجائے اور اس کی روح کو صدقہ وغیرہ کا ثواب پہنچادیں تو پہنچتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

جو مسلمان مرا ہے اس کو ثواب پہنچ سکتا ہے، بے نمازی مسلمان کو بھی پہونچ سکتا ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۲۰/۵)

ایصال ثواب مین فلاں ابن فلاں کہنا ضروری ہے، صرف نام کافی ہے:

سوال: ایصال ثواب فلاں ابن فلاں کہنے کی ضرورت ہوگی، یا محض اسکا نام لے لینا کافی ہوگا، اگر باپ کا نام معلوم نہ ہوتو ایصال ثواب کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب

فلاں ابن فلاں کہنا مناسب ہے؛ لیکن اگر باپ کا نام معلوم نہ ہوتو صرف اسی کا نام لینا کافی ہے، نیت میں جو کچھ ہے، اللہ کو معلوم ہے، اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو، کچھ حرج نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۱/۵)

کیا شرکت میں ثواب پہنچانا مناسب نہیں:

سوال: میں اپنی سابقہ معلومات سے تلاوت قرآن کا ثواب بروح پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ شراکت دیگر انبیاؤ بزرگان دین ودوست آشنا ورشتہ داران کی ارواح کے ہدیہ کرتا رہا ہوں۔ ایسا مطالعہ میں آیا ہے کہ اشتراک بہتر نہیں ہے، افراد بہتر ہے، ملاحظہ ہو، مکتوب: ۱۸، جلد سوم، از مکتوبات شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، آئندہ مجھ کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

الجواب

یہ مضمون مکتوب: ۱۸ کا نہیں ہے؛ بلکہ مکتوب: ۲۸، صفحہ: ۶۷، جلد سوم کا یہ مضمون ہے کہ:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل طور سے بلا شرکت غیر ایصال ثواب کیا جاوے کہ دیگر میت کو بلا واسطہ آپ کے ثواب پہنچاوے، بہتر تو یہی ہے۔ رہا یہ کہ شرکت میں ثواب پہنچانا کیسا ہے، سو ظاہر ہے کہ ہر طریق سے جائز ہے، اس میں کسی کو کلام نہیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۲/۵-۴۲۳)

(۱،۲) رد المحتار، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی القراءۃ للمیت: ۸٤٤/۱

(۳) رد المحتار، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی اهداء ثواب القراءۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۸٤٥/۱

سوالاکھ درود شریف ۲۵/آدمیوں کو بخشا تو کیسے ثواب پہنچے گا:

سوال: اگر سوالاکھ درود شریف ایک شخص نے پڑھے اور ثواب اس کا پچیس موتی کو پہنچانا ہے تو فرمائیے کہ ہر موتی کو ثواب سوالاکھ پہونچے گا، یا اس کے ۲۵/حصے ہو کر ہر ایک کو پہونچے گا؟

الجواب

پچیس حصے ہو کر ہر ایک میت کو پانچ ہزار کا ثواب پہنچے گا اور بعض علما نے فرمایا کہ ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا۔ والأول أقيس والثاني أوسع. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۲۵/۵)

بعد نماز جنازہ ایصال ثواب اور مباح کام پر اصرار:

سوال (۱) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جز خامس مصری، ص: ۵۴۸: وفي رواية لهما أنه وضع عمر علیٰ سريره فتكفه الناس يدعون ويثنون ويصلون عليه قبد أن يرفع وأنا فهيم فلم يرعنى الأجل قد أخذ منكبي من ورائي فالتفت فاذا هو علي بن طالب فترحم على عمر، الخ.

(۲) كفاية باب الجنائز روى أن رجلاً فعل هٰكذا بعد الصلاة فرآه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ارع استجب لک.

(۳) عناية باب الجنائز: روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم راٰى رجلاً فعل هٰكذا بعد الفراغ من الصلوٰة فقال ادع. الخ

(۴) قسطلانی کے جزء رابع میں حاشیہ پر شرح مسلم امام نووی مصری، ص: ۳۰۶: (قوله: حفظت من دعائه) أي علمني بعد الصلاة فحفظته.

(۵) ردوہابیہ، ص: ۲۰: ونیز در شرح برزخ ارقام نمودہ تصدق وخواندن قرآن مجید برمیت ودعاء درحق او قبل برداشتن جنازہ وپیش از دفن سبب نجات از احوال آخرت وعذاب قبر است۔

(۶) رفاہ المسلمین، ص: ۹۶: مروی ہے کہ مردے کو گور میں رکھتے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ”اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه“.

(۷) جوہر نیرہ: حتیٰ يودواحقه بالصلاة عليه والدعاء له انتهٰى.

(۸) شامی: وصول القراءة للميت إذا كانت بحضرته أودعى له عقبها لوغائباً؛ لأن محل القراءة تنزل الرحمة والبركة والدعاء عقبها أوحٰى للقبول.

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت: ۸٤٥/۱

(۹) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اقرؤا یس علٰی موتاکم.

(۱۰) نماز مترجم مولانا ابوالبشر صاحب، ص:۸۵: بعد نماز جنازہ کے سب لوگ بیٹھ کر قل شریف گیارہ بار اور الحمد شریف دس بار پڑھ کر میت کی ارواح کو بخشیں۔

(۱۱) تنبیہ الغافلین، ص:۷۳: اچھا طریقہ ثواب رسانی کا مردہ کے حق میں یہ ہے کہ قبل دفن کے جس قدر ہو سکے کلمہ یا قرآن شریف یا درود یا کوئی سورۃ پڑھ کر ثواب بخشے۔

(۱۲) مظاہر حق، کتاب الجنائز، تحت حدیث ابن عباسؓ: یعنی سورۂ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھ جیسے کہ حدیث ابن عباسؓ کی میں گزرا، یا جنازہ پر بعد از نماز کے، یا پہلے نماز کے بہ قصد تبرک پڑھی ہو۔

(۱۳) امام محمود بدرالدین عینی شرح صحیح بخاری میں زیر باب موعظۃ المحدث عند الغیر بیان فرماتے ہیں: مصلحة الميت أن يجتمعوا عنده لقراءة القرآن والذكر فإن الميت ينتفع به.

(۱۴) مشکوٰۃ، ص:۱۱۶: عن أم مسلمة قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا حضرتم المريض أو الميت فقولوا خيراً، فإن الملائكة يؤمنون علٰى ما تقولون.

(۱۵) جواہر النفیس شرح دار الکیس، ص:۱۳۲: وفي نافع المسلمين رجل رفع يديه بدعاء الفاتحة للميت قبل الدفن جاز.

سوال مرقومہ بالا دلائل سے بعد سلام نماز جنازہ کے بایصال ثواب بسورۃ فاتحہ واخلاص سنت ثابت ہوتا ہے، یا مستحب، یا بدعت سیئہ؟ صرف ثبوتی پوچھتا ہوں، بلا اجتماع واہتمام اور ضروری جانے؟

الجواب

امور مستحبہ ومباحہ اصرار والتزام سے بدعت ہو جاتے ہیں۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى إن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره.

قال القاري في المرقاة في شرح هٰذا الحديث: من أصر علٰى أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من أصر علٰى بدعة ومنكراً، انتهٰى.

وفي الهندية: وما يفعل عقيب الصلاة مكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، انتهٰى. فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ، ۲۶/صفر ۱۳۳۵ھ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۴۲۸-۴۳۰)

ایصال ثواب:

سوال: میت کو ثواب صدقہ وخیرات کا پہنچتا ہے، یا نہیں؟ اور دعا زندوں کی مردوں کے لیے نافع ہے، یا نہیں؟

الجواب

میت کو ثواب صدقہ وخیرات وتلاوت قرآن شریف وغیرہ کا پہنچتا ہے، اہل سنت وجماعت اصل ایصال ثواب میں متفق ہیں۔ عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد اور جمہور سلف وخلف عبادات بدنیہ میں وصول ثواب کے قائل ہیں اور امام شافعی اور امام مالک عدم وصول کے قائل ہیں۔ صدقات مالیہ کے ثواب میں کچھ اختلاف نہیں ہے، اس میں سب متفق ہیں۔

دلائل ایصال الی المیت کے اور اس امر کے کہ اموات کو احیا کی دعا اور صدقہ وخیرات سے اور قرآن شریف وغیرہ کا ثواب پہنچانے سے نفع ہوتا ہے، بکثرت ہیں۔

أما الآيات فمنها للمؤمنين والمومنات: ﴿ربنا اغفرلنا ولأخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾.

وأما الأحاديث فعن سعد بن عبادة فإنه قال: يارسول الله! إن أم سعد ماتت فأى الصدقة أفضل؟ قال عليه السلام: الماء، فحفر بئراً.

وكتب أصحابنا الحنفية خاصة أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوحجاً أوصدقةً أوغيرها بل عبارة كثير منهم أن هذا مذهب أهل السنة والجماعة. والشافعي جوزهٰذا فى الصدقة والعبادة المالية وجوزه فى الحج وإذا قرأ على القبر فللميت أجراً المستمع ومنع وصول ثوابه إلى الميت وتمسک المانع من ذلک بقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وبقوله عليه الصلاة والسلام: إذا مات ابن آدم انقطع عمله. (الحديث) والجواب: أن الآية حجة لنا؛ لأن الذى أهدىٰ ثواب عمله لغيره سعىٰ فى ايصال الثواب إلىٰ ذلک الغير فيكون له ما سعىٰ هٰذه الآية ولايكون له ما سعى إلا بوصول الثواب إليه كانت الآية حجة لنا لاعلينا، وأما الحديث فيدل علىٰ انقطاع عمله ونحن نقول به وإنما الكلام فى وصول الثواب غيره إليه والموصل للثواب إلى الميت هو الله تعالىٰ سبحانه؛ لأن الميت لايسمع بنفسه و القرب والبعد سواء فى قدرة الحق سبحانه. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۳۰/۵-۴۳۱)

ثلث قرآن تین بار پڑھ کر ایصال ثواب کرے تو پورے قرآن کا ثواب ہوگا، یا نہیں:

سوال: اگر کسی شخص کو پورا قرآن یاد نہ ہو، صرف دس پارے یاد ہوں اور وہ ان کو تین مرتبہ پڑھے تو اس صورت

(۱) شرح الفقه الأكبر لملا على القارى

میں پورے قرآن شریف کا ثواب میت کو پہنچ جاوے گا، یا صرف دس ہی کا؟

الجواب

پورے قرآن شریف کا ثواب تو اس سے حاصل نہ ہوگا، البتہ دس پارہ کا سہ گونہ ثواب حاصل ہو جاوے گا۔ بہر حال اگر پورا قرآن شریف نہ ہو سکے تو یہ ہی بہتر ہے کہ دس پاروں کو بار بار پڑھے اور ثواب پہنچا دے۔ ثواب میت کو پہونچ جاوے گا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۳۲/۵)

فاتحہ بزرگان کے لیے تاریخ کی تعیین ضروری نہیں ہے:

سوال: فاتحہ بزرگان دین کسی خاص تاریخ پر کرنی چاہیے، یا جب ممکن ہو؟ کیا خاص تاریخ پر کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے؟

الجواب

خاص تاریخ کی ضرورت نہیں ہے، (۱) اور نہ اس میں ثواب کی زیادتی ثابت ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۳۴/۵)

ایصال ثواب کس دن افضل ہے:

سوال: ایصال ثواب میت کے لیے پہلا روز افضل ہے، یا دوسرا و تیسرا وغیرہ، یا سب ایام ایصال ثواب میں برابر ہیں، یا تیسرے اور دسویں روز کی قید بدعت ہے؟

الجواب

پہلے روز اور تیسرے روز اور دہم و چہلم کی قید کو اڑا دینا چاہیے، شرعاً یہ تخصیصات ایصال ثواب کے لیے وارد نہیں ہیں، لہٰذا بدعت وحرام ہیں۔ بلا قید کسی تاریخ کے اور دن کے جب چاہے ایصال ثواب کر دیں۔ چوتھے، یا پانچویں، یا ساتویں دن، یا اور کسی دن بلا تخصیص کھانا وغیرہ فقرا کو دے دیویں۔ یہ رسوم اور تخصیصات جو عوام نے مقرر کی رکھی ہیں، ان کی کچھ اصل نہیں ہے، ہر ایک دن ایصال ثواب کے لیے برابر ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۳۴/۵)

بعد نماز جنازہ ایصال:

سوال: بعد نماز جنازہ قبل دفن چند مصلیوں کا ایصال ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا اور امام جنازہ، یا کسی نیک آدمی کا دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر دعا کرنا شرعا درست ہے، یا نہیں؟

(۱،۲) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، قبیل مطلب فی زیارة القبور: ۸٤۲/۱

الجواب

اس میں کچھ حرج نہیں ہے؛ لیکن اس کو رسم کر لینا اور التزام کرنا مثل واجبات کے، اس کو بدعت بنا دے گا، کما صرح به الفقهاء. فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۳۴-۴۳۵)

ماہ رجب میں ایصال ثواب:

سوال: ماہ رجب میں اکثر اصحاب مردہ کو بذریعہ تبارک ثواب پہنچایا کرتے ہیں۔ اس کی کچھ اصل ہے، یا نہیں؟ اور طریقۂ صحیح کیا ہے؟

الجواب

اس میں کچھ اصل نہیں ہے، بلا کسی قید کے جس دن چاہے، فقرا کو کھانا وغیرہ کھلا کر اور نقد دے کر ثواب میت کو پہنچا دیا جاوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۳۵)

ایصال ثواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ:

سوال: ایصال ثواب میں واسطہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوے، یا نہیں؟ یعنی واسطہ کہے ہوئے ثواب طعام، یا کلام کا مردہ کو پہونچتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایصال ثواب ہر دو طرح جائز ہے، ہر طرح پر ثواب پہنچتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۳۵-۴۳۶)

کیا ایصال سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

سوال: جو شخص فوت ہو چکا ہو اور زندگی میں صغائر و کبائر کا مرتکب تھا، اب اگر اس کی اولاد اس کو بے شمار قرآن شریف کے ختم اور دوسرے برکت والے کلاموں کے چند لاکھ پڑھ کر بخشے اور صدقہ خیرات بہت سا کرے تو کیا اس شخص کے صغائز و کبائز معاف ہو جائیں گے، یا صرف صغائز معاف ہوں گے؟

الجواب

درمختار میں ہے: **وقال عياض: أجمع أهل السنة والجماعة أن الكبائر لايكفرها إلا التوبة ولاقائل بسقوط الدين ولوحقاً لله تعالىٰ كدين صلاة وزكاة، الخ.** (۲)

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۱/۸٤٤

(۱) الدرالمختار، مطلب في تكفير الحج الكبائر: ۲/٦۲۲، دارالفكر بيروت، انيس

اس پر بھی اتفاق ہے کہ طاعات وحسنات سے کفارہ صغائر کا ہوتا ہے، نہ کہ کبائر کا۔

كما في الحديث: الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلىٰ رمضان مكفرات لما بينهن إذا اجتنبت الكبائر، كما قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إن الحسنات يذهبن السيات﴾ فالمراد بالسيات الصغائر وعفو الكبائر محول إلىٰ مشية اللّٰه تعالىٰ كما قال اللّٰه تعالىٰ ﴿أن اللّٰه لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۳۶/۵)

مال حرام سے فاتحہ:

سوال: اگر کوئی مال حرام سے فاتحہ اولیاء کرام کرے اور امید ثواب کی رکھے تو کیسا ہے؟

الجواب

حرام مال صدقہ کر کے امید ثواب رکھنا معصیت ہے، وہ شخص گناہ گار رہتا ہے۔ (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۴۴۰/۵-۴۴۱)

ایصال ثواب کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، یا نہیں:

سوال: زید نے قرآن شریف پڑھا اور عمرو کے نام سے ایصال ثواب کر دیا۔ اب زید کو اس پڑھنے کا کس قدر ثواب ملے گا؟

الجواب

قرآن شریف کا ثواب تو عمرو کو ملے گا، باقی اس وجہ سے کہ زید نے ایک کام کیا، اس کو اس کا بدلہ دس گونہ؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ مل سکتا ہے، اخلاص شرط ہے، بدون اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔

﴿ألا للّٰه الدين الخالص﴾ (۲) **﴿من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها﴾** (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۴۴۰/۵-۴۴۱)

---

(۱) عن عبداللّٰه بن مسعود عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قال: لا يكسب عبد مال حرام فيتصدق منه فيقبل منه ولا ينفق منه فيبارك له فيه ولايتركه خلف ظهره إلا كان زاده إلى النار إن اللّٰه لا يمحو السيىء بالسيىء ولكن يمحو السيىء بالحسن إن الخبيث لا يمحو الخبيث. (مشكاة المصابيح، باب الكسب وطلب الحلال، رقم الحديث: ۲۷۷۱، انیس)

عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا طيبا وأن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال: ﴿يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا﴾ قال: ﴿يا أيها الذين آمنوا كلو من طيبات ما رزقناكم﴾ ثم ذخر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يارب يارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بحرام فأنى يستجاب لذلك. (مشكاة المصابيح، باب الكسب وطلب الحلال، رقم الحديث: ۲۷۶۰، انیس)

(۲) سورة الزمر: ۳، انیس

(۳) سورة الأنعام: ۱۶، انیس

میت کے لیے دعا کس کس وقت درست ہے:

سوال: یہاں مدت سے یہ رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کر جنازہ میں رکھ کر جمع ہوکر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد فراغ دفن متصل پڑھی جاتی ہے، اس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے، جب واپسی میں قبرستان کے دروازے پر پہونچتے ہیں، بعض جگہ ایسے بھی ہوتا ہے کہ جب غسل کے لیے میت کو رکھتے ہیں، تب بھی جمع ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دروازہ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجالاتے ہیں؛ یعنی اول تین مواقع پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے اور پچھلے دو موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے: یعنی کہیں ہے اور کہیں نہیں؛ لیکن اب ایک عالم صاحب تشریف لائے، ان سے دریافت کیا گیا تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ ان مختلف اوقات میں اس کیفیت کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت، خلاف سنت ہے، بالخصوص جب کہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہیں اور دلیل یہ بتلاتے ہیں کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ کہ صلوٰۃ جنازہ خود دعا للمیت ہے، چناں چہ ردالمحتار، جلد اول، صفحہ:۶۴۱ میں تحریر ہے:

"فقد صرحوا عن آخرهم بأن صلاة الجنازة هی الدعاء للمیت إذ هو المقصود منها، انتهٰی".

اور فاضل اجل علامہ ملا علی مکی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے باب الجنائز میں تحت حدیث مالک ابن ہسیرہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولایدعی للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة".

اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے:

"لایقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة".

اور کبیری سے منقول ہے:

"فی السراجیة: إذا فرغ من الصلاة لایقوم بالدعاء".

اور یوں کہتے ہیں کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور باقی ادعیہ مروجہ کا ثبوت کتب احادیث وفقہ واقوال محققین علما سے ثابت نہیں۔ پس ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا یہ فرمانا صحیح ہے، یا نہیں؟ اور خدا اور سول کے حکم کے موافق میت کے مرنے کے وقت سے بعد دفن مکان پر واپسی تک جمع ہوکر کن کن موقعوں پر شرع شریف میں دعا مانگنے کا ثبوت ہے؟ یا یہ ہے کہ ہر شخص علاوہ نماز جنازہ کے بلا التزام مالایلزم اور بلا اہتمام وفکر اجتماع اپنی خوشی سے جب چاہے میت کے واسطے دعاءِ خیر کرے؟

الجواب

ان عالم صاحب کا قول صحیح ہے اور موافق ہے قواعد ونصوص کے اور تصریحات فقہا ان کے قول کی موید ہیں۔صلوٰۃ جنازہ خود دعاء للمیت ہے، اس کے سوا اوکسی موقعہ پر فاتحہ مذکور کا علی وجہ الاجتماع ثبوت نہیں ہے۔مسند احمد، جلد:۴رص: ۳۵۶ میں عبداللہ ابن ابی اوفی سے مروی ہے:

"ثم كبر عليها أربعاً ثم قام بعد الرابعة قدرما بين التكبيرتين يدعو ثم قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه سلم يصنع فى الجنازة هٰكذا"۔

اور فتح الباری، جلد:۱۱رص:۱۲۲ میں ہے:

"وفى حديث ابن مسعود رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى قبرعبد اللّٰه ذى النجادين. (الحديث) وفيه لما فرع من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه، أخرجه أبوعوانة فى صححه"۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵ر۴۴۴-۴۴۶)

ایصال ثواب ثابت ہے؛ مگر دن مقرر کرنا بطور رسم درست نہیں:

سوال: موتی کو ایصال ثواب کی نیت سے کچھ خیرات دینے اور قرآن مجید تلاوت کر کے بخشنے کا قرآن وحدیث میں کیا حکم وارد ہے۔اگر کوئی موتی کو بغرض ایصال ثواب خیرات دیوے اور تلاوت قرآن کرے تو کیا واقعی اس کا ثواب موتی کا پہنچ کر عذاب کی تخفیف، یا درجات عالیہ کا حصول قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

دن مقرر کر کے فاتحہ خوانی سہ ماہی، ششماہی وغیرہ عرس کرنا بزرگوں کی قبروں سے استمداد کرنا اور منت مراد مانگنا، آیا درست ہے اور کیا موتی اور عالم میں کچھ تصرف کر سکتے ہیں؟

الجواب

اموات کو ثواب صدقات وقرآن شریف کا پہنچنا اور اموات کو احیا کے دعا واستغفار سے نفع پہنچنا نصوص قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے، (كما فصله فى كتب الفقه) ان کا اس کا جہل اور معصیت اور خرق اجماع ہے، (۱) البتہ ایصال ثواب کے لیے شریعت میں کوئی دن مقرر نہیں ہے، لہٰذا وہم چہلم ششماہی برسی اور عرس فاتحہ خوانی مروجہ یہ سب رسوم خلاف شریعت ہیں اور بدعت ہیں اور قبروں سے استمداد اور منت اور طلب مراد سب ناجائز ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کا کوئی تصرف اور اختیار نہیں۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶ر۴۴۶-۴۴۷)

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۱/۸٤٤

آیت ﴿لیس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ کا صحیح مفہوم اور ایصال ثواب:

سوال: آیت ﴿لیس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ اور ﴿قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم من عمل صالحاً فلنفسه و من أساء فعلیها﴾ کیا ان آیات سے موتیٰ کو ایصال ثواب کرنے کا بطلان ثابت ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

شرح فقہ اکبر میں اس آیت سے ایصال ثواب ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ جب یہ فرمایا کہ ہر ایک انسان کے وہ ہے، جو اس نے سعی کی تو ثواب پہنچانے والا سعی کرتا ہے، اعمال خیر کا ثواب پہنچانے میں اموات کو، لہٰذا وہ سعی اس کی رائیگاں نہ جاوے گی، بموجب اس آیت کے اور جس کو اس نے ثواب پہنچایا وہ پہنچے گا، انتہی۔(۱)

اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ ما سعیٰ سے ایمان مراد ہے؛ یعنی جس نے سعی ایمانی حاصل کی؛ یعنی ایمان لایا اور مومن مرا، اسی کو دوسروں کے ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچ سکتا ہے، نہ کہ کافر کو اور جب کہ احادیث صحیحہ سے ثواب پہنچنا اموات کو ثابت ہوگیا تو پھر ایسے شبہات واہیہ کی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی معنی قرآن شریف کے خوب سمجھتے تھے اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ الانسان سے مراد کافر ہے؛ یعنی کافر کو ثواب نہیں پہنچتا۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۷/۵۔۴۴۸)

تمام مسلمانوں کو ایصال کرنا درست ہے:

سوال: زید بعد تلاوت قرآن مجید ثواب اس کا بتوسط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وازواج مطہرات وجملہ بزرگان دین کو بخش کر اپنے خاندان کے جملہ مردوں او جمیع مومنین ومومنات کی روح کو بخش دیتا ہے، ایسا کرنا چاہیے، یا نہیں؟ اور بہتر طریقہ ایصال ثواب کا کیا ہے؟

الجواب

یہ طریقہ ایصال ثواب کا جس طرح زید کرتا ہے، اچھا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور زید کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۹/۵)

قبرستان میں پہونچ کر کیا کرنا چاہیے:

سوال: قبرستان میں پہنچ کر کیا پڑھنا چاہیے اور درود شریف پڑھنا چاہیے کہ نہیں؛ کیوں کہ بعض کا خیال ہے کہ

---

(۱) شرح الفقه الأكبر: ۱۶۰/۱

(۲) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، زيارة القبور: ۸٤٤/۱

درود شریف صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مخصوص ہے؟

الجواب

درود شریف بھی پڑھ سکتے ہیں اور طریق شروع زیارت قبور کا یہ ہے کہ کہے: "**السلام علیکم یا أهل القبور إنکم لنا سلف وإنا إن شاء الله بکم لاحقون یغفر الله لنا ولکم**" اس کے بعد اگر **قل هو الله** وغیرہ پڑھ کر ثواب پہنچا دے تو یہ بھی اچھا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۰/۵-۴۵۱)

زبان سے ایصال ثواب کے لیے کیا کہا جائے:

سوال: اور وقت ثواب رسانی کے اگر چہ نیت کا ہونا کافی ہے؛ لیکن زبان سے جو کہا جائے، وہ کن الفاظ سے وقت پہنچانے ثواب کے کہا جائے؟

الجواب

یہ کہا جائے کہ یا اللہ اس عمل کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۱/۵)

اپنی زندگی میں کلمہ اور قرآن پڑھ کر اپنے لیے رکھا تو کیا مرنے کے بعد اس کا ثواب ملے گا:

سوال: اگر کسی شخص نے اپنے لیے سوا لاکھ کلمہ شریف اور ایک قرآن شریف کا ثواب اپنی زندگی میں واسطے اپنی مغفرت کے امانت رکھا ہو، بعد مرگ وہ ثواب اس کو پہنچے گا، یا نہیں؟

الجواب

کیوں نہیں (ضرور ملے گا)۔(۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۱/۵)

ثواب پہنچانے والے کو بھی ثواب ملتا ہے:

سوال: ثواب پہنچانے والے کو بھی کچھ ثواب، یا نیکی ملتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

ثواب ملتا ہے۔(۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۱/۵-۴۵۲)

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب زيارة القبور: ۸۴۳/۱-۸۴٤

(۲-۳) ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب زيارة القبور: ۸٤٤/۱

(۴) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للميت: ۸٤٤/۱

حاحب زکوٰۃ کوثواب کی نیت سے کھلانا کیسا ہے:

سوال: ایک مولوی اور حافظ صاحب زکوٰۃ ہیں، ان کو بزرگ سمجھ کر کھانا کھلایا جاوے اور اس کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین اور اپنے احباب کی ارواح کو پہنچانا درست ہے، یانہیں؟ اور ثواب پہنچتا ہے، یانہیں؟

الجواب

فقرا کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے، اگر اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۵۴/۵)

میت کو بدنی اور مالی عبادات دونوں کا ثواب ملتا ہے:

سوال: میت کو قرآن مجید پڑھ کر ثواب بخشنا جائز ہے، یانہیں؟ اور میت کو ثواب پہنچتا ہے، یانہیں؟

الجواب

عبادات مالیہ کا میت کو ثواب پہنچنا اور میت کا اس سے نفع اٹھانا تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ ہاں عبادات بدنیہ، جیسے نماز، روزہ، قرأت، قرآن کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے، امام مالک سے اور امام شافعی رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ عبادات بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا ہے اور امام احمد اور حنفیہ اور شوافع کی ایک جماعت اور اکثر اہل سنت کے نزدیک پہنچتا ہے۔

قال الإمام النووی فی الأذکار: إختلف العلماء فی وصول ثواب قراءة القرآن فالمشهور من مذهب الشافعی وجماعة أنه لایصل وذهب أحمد بن حنبل وجماعة من العلماء وجماعة من أصحاب الشافعی إلٰی أنه یصل، فالإختیار أن یقول القاری بعد فراغه: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأته إلٰی فلا ن واللّٰه أعلم، إنتهٰی. (۱)

وفی ردالمحتار: سئل ابن حجر المکی عما لوقرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل تقسم الثواب بینهم أو یصل لکل منهم ثواب ذلک کاملاً؟ فأجاب بأنه أفتٰی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل، انتهی. (۲) (کفایت المفتی: ۱۲۵/۴)

کھانا سامنے رکھ کر درود شریف وسورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا بدعت ہے:

سوال: کھانے پر ہاتھ اٹھا کر درود شریف، الحمد شریف، سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھ کر مسلمین اموات کو کھانے اور اس تلاوت کا ثواب پہنچانا جائز ہے، یانہیں؟ اگر جائز نہیں تو یہ کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) الأذکار، باب ما ینفع المیت من قول غیره: ۱۵۰، ط: مصطفی الحلبی، مصر

(۲) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القرأة للمیت وأهداء ثوابها له: ۲۴۴/۲، ط: سعید

الجواب ــ

(از مولوی عبداللہ کمالی)

کھانے پر ہاتھ اٹھا کر درود شریف الحمد شریف سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھنا جائز ہے؛ کیوں کہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے:

''**إذادعا فرفع يديه**''. (۱) یعنی جس وقت حضور علیہ السلام دعا کرتے تھے ہاتھ اٹھاتے تھے۔

نیز ابوداؤد شریف میں ارشاد عالی ہے کہ جب تم دعا مانگو، سیدھے ہاتھوں سے مانگو، الٹے ہاتھوں سے نہ مانگو۔ (۲)

یعنی آپ کے فعل وقول سے ثابت ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت خود بھی ہاتھ اٹھاتے تھے اور ہم کو بھی اٹھانے کا حکم فرمادیا کہ تم بھی ایسا کیا کرو۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب ام سلیم رضی اللہ تعالی عنہا نے کھانا رکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوا اور دعا'' **فيه بالبركة** ''اس میں برکت کی دعا کی۔ (۳)

حدیث بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، رفع ید کی قید اس میں بھی مانیں گے۔ حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ دعا جب منظور ہوتی ہے، جب درود شریف پڑھیں۔ (۴)

لہٰذا ہم درود شریف بھی پڑھیں گے، رہی صرف الحمد، قل اور اس کا مردے کو ثواب پہنچانا، رأس **المحدثين** استاد کل حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں فرماتے ہیں:

''پس دہ مرتبہ درود خوانند وختم تمام کنند وبر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدا تعالیٰ سوال نمایند''۔

فتاوی عزیزیہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے اس کو مستحسن بیان کیا ہے اور اپنے رسالہ ''ما اہل بہ لغیر اللہ'' میں تحریر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ (۵)

عبداللہ کمالی (بقلم خود)

---

(۱) مشكوٰة، كتاب الدعوات: ۱۹٦، ط: سعيد/ أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء: ۲۰۹/۱، ط: سعيد

(۲) عن مالك ابن يسار الكسوئي ثم العوفي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا سألتم الله فسألوه يبطون أكفكم ولا تسئلوه بظهورها. (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء: ۲٦/۱، إمدادية، ملتان)

(۳) صحيح لمسلم، كتاب الأشربة: ۱۷۹/۲، ط: قديمي

(۴) إذا صلى أحد كم فليبدأ بتمجيد ربه، والثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يدعو بعد ماشاء. (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء: ۲۱۵/۱، ط: إمدادية، ملتان)

(۵) فتاوی عزیزی، ص: ۱٦۷، ط: سعید

الجواب

(جواب از مفتی اعظمؒ)

میت کو ثواب پہنچانا جائز اور مستحسن ہے، ثواب عبادات مالیہ کا صدقات وخیرات کے ذریعہ سے پہنچایا جاسکتا ہے،(۱) اور عبادات بدنیہ کا اس عبادت کو ادا کر کے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کر کے، یا نفل نماز پڑھ کر، یا نفلی روزہ رکھ کر میت کو ثواب بخشا جاسکتا ہے، اس ایصال ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ جو نیک کام کیا جائے، خواہ وہ مال کا صدقہ ہو، یا بدنی عبادت، اس کے ثواب کا مستحق یہ شخص ہوتا ہے، جس نے وہ نیک کام کیا ہے، پھر حق تعالی نے اپنی رحمت سے یہ حق بھی دیا ہے کہ یہ شخص جو ثواب کا مستحق ہوا ہے، اپنا ثواب کسی میت کو بخش دے اور حق تعالی سے دعا مانگے کہ وہ ثواب اس میت کو پہنچا دے، صدقات مالیہ کا ثواب پہنچنے کے لیے صرف یہ ضروری ہے کہ مال حلال سے صدقہ کیا جائے،(۲) اور نیت بھی خالص صدقہ کی اور خدا تعالی کی رضا مندی ﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (۳) حاصل کرنے کی ہو، رسم ورواج کی پابندی یا برادری کا خوف یا نام ونمود کی خواہش نہ ہو ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى o إلا ابتغآء وجه ربه الأعلٰى﴾ (۴) مال کا صدقہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ کچھ پڑھنا، یا فاتحہ دینا ضروری نہیں اور جس طرح کہ روپیہ پیسہ کپڑا غلہ جوتا وغیرہ اشیا اگر بہ نیت صدقہ فقیر کو دی جائیں اور ان کا ثواب کسی میت کو بخشا جائے تو اس صدقہ کی تکمیل اور اس کا ثواب پہنچنے کے لیے ان چیزوں پر فاتحہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور نہ کوئی شخص ان چیزوں پر فاتحہ دیا کرتا ہے، اسی طرح کھانے اور مٹھائی وغیرہ کو صدقہ کرنے اور ثواب پہنچانے کے لیے شرعاً فاتحہ کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ کھانے اور مٹھائی کا صدقہ کیا جائے تو وہ بغیر فاتحہ کے درست نہ ہو اور روپیہ پیسہ، کپڑا، جوتا صدقہ کیا جائے تو بغیر فاتحہ کے درست ہو جائے، پس جیسے کہ صدقات مالیہ کے لیے ضروری نہیں کہ ان پر فاتحہ پڑھی جائے، جبھی وہ قابل اعتبار اور ایصال ثواب کے لیے مفید ہوں،

---

(۱) صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة،أو صوماً أو صدقه، أوغیرها ... وفی البحر :من صام،أوصلٰی،أوتصدق،وجعل ثواب عمله لغیره من الأموات،و الأحیاء،جازویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة ،و الجماعة.(ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فی القراء ة للمیت، واهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳،ط:سعید)

(۲) عن أبی هریرةرضی الله عنه قال:"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تصدق بعدل تمزمن کسب طیب ولا یقبل الله إلاالطیب،فإن الله یتقلبها بیمینه،ثم یربیها لصاحبها کما یری أحد کم فلوه حتٰی تکون مثل الجل.(صحیح البخاری، کتاب الزکاة،باب الصدقة،من کسب طیب: ۱/ ۱۸۹،ط: قدیمی)

(۳) سورة البینة:۵

(۴) سورة اللیل:۱۹-۲۰

اسی طرح عبادات بدنیہ، مثلاً تلاوت قرآن مجید نماز روزہ کا ثواب پہنچنے کے لیے ضروری نہیں کہ ان کے ساتھ کچھ صدقۂ مالیہ بھی ہو، مثلاً کھانا مٹھائی رکھ کر نماز پڑھی جائے، یا یہ چیزیں رکھ کر روزہ رکھا جائے، یا ان چیزوں کے سامنے تلاوت کی جائے، جبھی نماز روزے اور تلاوت کا ثواب پہنچے، ورنہ نہ پہنچے۔

کھانا، مٹھائی سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا جیسا کہ رواج ہے، کوئی شرعی طریقہ نہیں، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابۂ کرام، یا ائمہ دین میں سے کسی نے اس طریقے کی تعلیم نہیں کی، نہ اس پر کسی نے عمل کیا اور اس میں تین چیزیں ہیں، ایک کھانے، یا مٹھائی کا صدقہ کرنا، دوسرے فاتحہ قل ہو اللہ درود وغیرہ پڑھنا، تیسرے اللہ تعالی سے دعا کرنا کہ یا اللہ اس عبادت بدنیہ اور مالی کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے، پس جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں کہ دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب پہنچتا ہے؛(۱) مگر اس کی صورت یہ ہے کہ عبادت کرو، ثواب کا استحقاق پیدا کرو، پھر خدا تعالے سے دعا کرو کہ وہ اس ثواب کو جس کا استحقاق تم نے پیدا کیا ہے، میت کو پہنچا دے۔(۲) اس مروجہ طریقے میں فاتحہ قل ہو اللہ وغیرہ جو کچھ تم نے پڑھا ہے، یہ بدنی عبادت تو ہوگئی اور اس کے ثواب کا استحقاق بھی ہو گیا؛ لیکن کھانا، مٹھائی وغیرہ جو چیز سامنے رکھی ہوئی ہے، وہ ابھی تک صدقہ نہیں کی گئی، لہذا عبادت مالیہ کا تو ابھی تک تحقق ہی نہیں ہوا، اس کے صدقہ کا ارادہ اگرچہ متحقق ہو؛ مگر صرف ارادہ سے عبادت کا تحقق تو نہیں ہو جاتا، پس یہ عذر کہ ہم دونوں قسم کی عبادتوں کا یکجائی ثواب پہنچانا چاہتے ہیں، ایک غلط عذر ہے یکجائی ثواب پہنچنے اور پہنچانے کی صورت یوں بھی ہو سکتی ہے کہ کھانا، یا شیرینی صدقہ کر دو اور کچھ تلاوت وغیرہ کرلو، ان دونوں کے بعد اللہ تعالے سے دعا مانگو کہ ان دونوں قسموں کی عبادتوں کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے۔

کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کی سورتیں اور آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں، اس وقت ہاتھ اٹھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛(۳) کیوں کہ تلاوت قرآن کے وقت ہاتھ اٹھانا شریعت میں معہود نہیں اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کی روایتوں سے اس پر استدلال کرنا ایک قسم کا دھوکا دینا ہے؛ کیوں کہ تلاوت اور چیز ہے اور دعا اور چیز ہے۔ ہاں جس وقت ان

---

(۱) صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة، أو صوماً، أو صدقه، أو غیرها ... وفی البحر: من صام، أو صلّٰی، أو تصدق، وجعل ثواب عمله لغیره من الأموات، والأحیاء، جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة، والجماعة. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت، واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ط: سعید)

(۲) ولهذا اختاروا فی الدعاء، اللّٰهم أوصل مثل ثواب ما قراء ته إلٰی فلان. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ط: سعید)

(۳) اور یہ بدعت ہے۔" قرأة الفاتحة، والإخلاص، والکافرون علٰی الطعام بدعة. (الفتاوٰی الثمرقندیة، الجنة: ۱۵۵ بحوالہ راہ سنت: ۲۷۵)

سورتوں اور آیتوں کی تلاوت ختم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جائے کہ اس قرأت کا ثواب میت کو پہنچادے تو یہ درخواست ضرور دعا ہے، اس دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ہے تو الحمد، قل ہو اللہ اور آیات وغیرہ بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے پڑھو اور کھانا مٹھائی کو صدقہ کردو، پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرو کہ یا اللہ اس قرأت و تلاوت اور اس صدقے کا ثواب فلاں میت کو پہنچادے اور صرف اتنی دیر کے لیے ہاتھ اٹھالو تو مضائقہ نہیں؛ مگر اس وقت نہ کھانا سامنے ہوگا، نہ مٹھائی؛ کیوں کہ یہ چیزیں صدقہ ہو چکی ہوں گی۔

اس مسئلہ کی شرعی تحقیق تو یہ ہے جو بیان کی گئی کہ اس ہیئت کذائی کی کوئی شرعی اصل نہیں ہے، پس کسی شخص کا فعل اگر اس کے خلاف ہو تو وہ حجت شرعیہ نہیں ہے اور علمائے سلف کسی مباح کو اگر بحیثیت اباحت کر لیتے تھے تو ان کے فعل کو آج کل کے عوام کے لیے حجت بنانا ناقصیت پر مبنی ہے، جو ایسے رسمی مباحات کو فرائض و واجبات سے بھی زیادہ مرتبہ دے دیتے ہیں، اگر آج کوئی اس رسمی طریقے کا انکار کردے تو اس کو کیسے کیسے سخت الفاظ و القاب سے یاد کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں ارشاد و ہدایت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو بات سنت سے زیادہ قریب اور نصوص شرعیہ سے زیادہ موافق اور سلف صالحین صحابۂ کرام وائمۂ مجتہدین کے عمل سے زیادہ ملتی جلتی ہے، وہی بتائی جائے اور ہر چیز کو اس کی حد شرعی پر رکھا جائے۔ **واللّٰہ ہو الهادی يهدی من يشاء إلٰی صراط مستقيم**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ (کفایت المفتی: ۴/ ۱۲۷-۱۳۰)

مروجہ فاتحہ بدعت ہے:

سوال: میت کے تیسرے، یا دسویں، یا چالیسویں دن خاص اہتمام سے کھانا پکا کر (فاتحہ مروجہ) مختلف قسم کے پھل وغیرہ خاص اہتمام سے رکھ کر حالاں کہ وہ بالعموم متوفی کے نابالغ ورثا کا حق ہوتا ہے؛ بلکہ بسا اوقات سودی قرضہ اٹھا کر اس کو ضروری سمجھ کر سرانجام دیا جاتا ہے، برادری و امام وغیرہ کو بلا کر جملہ اشیا سامنے رکھ کر ختم پڑھانا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ کیا ان باتوں کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟

(المستفتی: ۸۸۱، محمد یوسف صاحب، گوجرانوالہ، ۲۶/ محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۹/ اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب

رسم ورواج کے ماتحت مخصوص تاریخوں میں کھانا پکانا اور اسے ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے کو ملامت وطعن و تشنیع کرنا برادری کو کھلانا، کھانا شیرینی پھل وغیرہ سامنے رکھ کر ختم بڑھنا یہ تمام باتیں بے اصل اور بدعت ہیں، (۱) اور ترکہ

---

(۱) قراء الفاتحة والاخلاص والكافرون على الطعام بدعة. (الفتاوى الثمرقندية، ص: ۵۵)

مشترکہ میں سے یہ مصارف کرنا اور نا بالغوں، یا غائب وارثوں کے حصوں میں سے جبرا یہ رقوم وضع کرنا حرام ہے،(۱) سودی قرض لے کر یہ رسوم ادا کرنا ﴿خسر الدنیا و الآخرۃ﴾ کا مصداق بننا ہے،اسی طرح کھانے کو مجلس میں حاضر کرنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ان رسوم کا صحابۂ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین، تابعین عظام اور مجتہدین امت کے زمانوں میں نہ تعامل تھا، نہ ان سے ان کا جواز منقول ہے؛ اس لیے یہ باتیں واجب الترک ہیں۔ایصال ثواب جائز ہے؛ مگر اس کا مطلب اسی قدر ہے کہ کسی دن اور تاریخ اور کسی چیز کی تخصیص کے بغیر اپنی مقدرت اور استطاعت کے موافق کوئی بدنی عبادت کی جائے، یا صدقہ کیا جائے اور اس کا ثواب میت کو بخش دیا جائے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۳۲/۴-۱۳۳)

ایصال ثواب جائز ہے؛ مگر اس کے لیے تاریخ، یا دن مقرر کرنا درست نہیں:

سوال: ایک شخص ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو حضور پُر نور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارواح پاک اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک کو ثواب پہنچانے کی غرض سے مسکینوں اور یتیموں کو کھانا کھلاتا ہے اور قرآن شریف بھی ختم کراتا ہے؛ لیکن اس کو فرض یا واجب نہیں سمجھتا؛ کیوں کہ کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیتا ہے اور کبھی تاریخ معینہ کو آگے پیچھے بھی کر دیتا ہے تو کیا شرع شریف میں اس طریقے پر ایصال ثواب جائز ہے؟

(المستفتی:۲۵۵۴،عشرت میرٹھی، ایڈیٹر الفرقان،۲۰/ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ، یکم جنوری ۱۹۴۰ء)

الجواب

ایصالِ ثواب تو جائز؛ بلکہ مستحسن ہے؛ مگر اس کے لیے تاریخ اور دن، یا مخصوص کی تعیین شرعاً نہیں ہے۔پس اعتقاداً، یا عملاً تعیین اور التزام تو درست نہیں ہے اور کیف ما اتفق صدقہ خیرات کر کے ایصال ثواب کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۱۳۷/۴-۱۳۸)

---

(۱) ویکره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرورلا في الشروروهي بدعة مستقبحة ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول،والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبرفي الموسم واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن للختم،أو لقراء ة سورة أنعام أو الاخلاص والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره وفيها من كتاب الاستحسان وان اتخذ طعاماً للفقراء حسناً،آه.وأطال في ذلك في المعراج،وقال وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحتز عنها،لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ.(رد المحتار،مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت:۲/۲٤۰،ط:سعيد)

(۲،۳) تنبيه:صرح علماؤنا في باب الحج عن الغيربأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أو غيرها،وفي البحر:من صام أو صلىٰ أوتصدق،وجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء ،جاز ويصل ثوابها، إليهم عند أهل السنة و الجماعة.(رد المحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له:۲/۲٤۳،ط:سعيد)

کسی عمل کا ثواب دوسرے کو بخشنے سے اس شخص کو ثواب پہنچتا ہے:

سوال: کسی عمل خیر کا ثواب اگر عامل کسی غیر کو بخش دے تو وہ غیر عامل اس عمل خیر کے ثواب پانے کا مستحق ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر ہوجاتا ہے تو کیا یہ مسئلہ امام اعظم ابوحنیفہؒ، یا امام ابو یوسفؒ، یا امام محمدؒ، یا امام زفرؒ، یا کسی ایک نے اپنی کسی کتاب میں صراحۃً تحریر فرمایا ہے؟

الجواب

اگر کوئی شخص اپنے کسی عمل خیر کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے تو وہ دوسرا شخص اس کا مستحق ہوجاتا ہے، یہ مسئلہ ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے؛ کیوں کہ حج عن الغیر ؛یعنی حج بدل بالاتفاق جائز ہے،(۱) اور وہ اسی اصول پر مبنی ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۳۹/۴)

ایصال ثواب مردوں اور زندوں دونوں کو جائز ہے:

سوال: زندہ آدمی کو کلام اللہ، یا صدقہ وغیرہ کا ثواب خود بخود بخشنا، یا اس کے کہنے سے بخشنا، کیسا ہے؟ اس کا ثواب پہنچتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ثواب پہنچانے کے لیے مردوں کی تخصیص نہیں زندوں کو بھی پہنچتا ہے، مردوں کو بھی۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۴۰)

ایصال ثواب میں تمام مسلمانوں کو شامل کرنا افضل ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۴/اپریل ۱۹۲۷ء)

سوال: مردے کا کھانا وغیرہ پکا کر غریبوں کو کھلانا، یا خود کھالینا اور اس کو ثواب مردے کی روح کو بخشنا اچھا ہے، یا یہ کہ ایک شخص پانچ وقت کی عبادت اور جو کچھ اس کو وظیفہ یاد ہے، اس کو جمیع امت محمدیہ کی ارواح کو بخش دے، یہ اچھا ہے؟

---

(۱) والأصل فی هٰذه الباب أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة،أو صوماً،أو صدقة،أو غيرها عند أهل السنة والجماعة.(الهداية،كتاب الحج،باب الحج عن الغير: ۲۹٦/۱،امدادية ملتان)

(۲) تنبيه:صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أو غيرها،وفی البحر:من صام أو صلٰی أوتصدق،وجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء،جاز ويصل ثوابها، إليهم عند أهل السنة والجماعة.(رد المحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب فی القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲٤۳/۲،ط:سعيد)

(۳) وبهٰذا علم أنه لافرق بين أن يكون المجعول له حيا أوميتاً (رد المحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب فی القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲٤۳/۲،ط:سعيد)

الجواب

ایصال ثواب کے لیے جو کھانا پکایا ہے، اس کو فقراو مساکین پر صدقہ کر دینا چاہیے، اگر خود کھالیا تو ثواب کس چیز کا پہنچے گا عبادات بدنیہ میں سے نفلی نماز روزے تلاوت قرآن مجید درود شریف پڑھنے کا نفلی حج کا ثواب پہنچا سکتے ہیں، کسی چیز کا ثواب کسی مخصوص شخص کو بخشنا بھی جائز اور دوسری صورت بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۴۰/۴)

ایصال ثواب کے لیے مسجد میں کتابیں:

سوال: عام طور پر مسجد میں ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید کے پارے ہی رکھے جاتے ہیں، حالاں کہ پہلے سے ہی قرآن کے پارے رکھے ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں قرآن ہی دینا بہتر ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر مسجد میں قرآن مجید کے پارے نہ ہوں، یا ہوں؛ مگر ضرورت سے کم تو قرآن اور اس کے پارے دینا افضل ہے اور اگر قرآن کے پارے حسب ضرورت موجود ہوں تو دوسری دینی کتابیں، جیسے قرآن کی تفسیر، یا احادیث وغیرہ کا مجموعہ ایصال ثواب کے طور پر دینا بہتر ہے۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۲۰۳/۳-۲۰۴)

ایصالِ ثواب کے لیے مسجد میں طہارت خانہ:

سوال: ایک مسجد میں طہارت خانہ کی کمی ہے، اس کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں، کیا میں اپنے حلال پیسوں سے کسی مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے یہ کرسکتا ہوں؟ (محمد احمد پٹیل، بھوانی نگر)

الجواب

طہارت خانہ بھی مسجد کے لیے ایک ضرورت ہے؛ اس لیے اس کی تعمیر میں بھی ان شاء اللہ ضرور ثواب ہوگا، لہٰذا آپ کسی مرحوم کی طرف سے ایصالِ ثواب کے لیے تعمیر کر سکتے ہیں۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۲۰۴/۳)

---

(۱) صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیرها کذا فی الهدایة بل فی زکاة التتارخانیه عن المحیط الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین و المؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم ولاینقص من أجره شیٔ.(ردالمحتار،مطلب فی القراء ة للمیت،واهداء ثوابها له:۲۴۳/۲،ط:سعید)

(۲) مجمع الأنهر: ۳۸/۱

(۳) والأئمة اتفقوا علٰی أن الصدقة تصل إلٰی المیت،و کذلک العبادات المالیة کالعتق.(فتاوی ابن تیمیة:۳۰۹/۲۴)

ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں:

سوال: کیا قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اس کا ثواب مرحوم کو بخش سکتے ہیں؟ عام طور پر یہاں ایک رواج چل رہا ہے کہ لوگ جو قرآن مجید ختم کرتے ہیں، وہ میت کو بخشنے کے لیے کہتے ہیں، خاص کر مستورات میں یہ بات عام ہے، میں نے تفسیر ابن کثیر میں حسب ذیل آیت اور اس کی اردو تفسیر پڑھی تو میں بھی ایک قسم کی تشویش میں مبتلا ہو گیا، آخر صحیح عمل کیا ہے؟ تفسیر سورۂ نجم مکیہ، پارہ نمبر: ۲۷/ آیت: ۱۶/ کی اردو تفسیر ملاحظہ ہو: ''حضرت امام شافعی اور ان کے متبعین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مُردوں کو پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا؛ اس لیے کہ نہ تو یہ اس کا عمل ہے اور نہ کسب، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواز بیان کیا اور نہ اپنی امت کو اس پر رغبت دلائی، نہ انہیں اس امر پر آمادہ کیا اور نہ تو کسی صریح فرمان کے ذریعہ سے اور نہ کسی اشارۂ و کنایہ سے''۔

اس لیے بتائیں کہ قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے؛ یا نہیں؟ (سید ظہیر الدین، پگی باؤلی)

الجواب

مجموعی طور پر ایصالِ ثواب کی چار صورتیں ہیں:

(۱) مرحومین کے لیے دعا، اس کے درست ہونے پر تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، (۱) اس کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن مجید ہے، جس میں اپنے متوفی دینی بھائیوں کے لیے بھی دعا کرنا سکھایا گیا ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ (۲)

(۲) مالی عبادتیں؛ یعنی صدقات اور قربانی وغیرہ کے ذریعہ، اس کے جائز ہونے پر بھی اہل سنت والجماعت کا اجماع واتفاق ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''والأئمة اتفقوا علیٰ أن الصدقة تصل إلیٰ المیت وکذلک العبادات المالیة کالعتق''. (۳)

(ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہونچتا ہے اور ایسے ہی دوسری مالی عبادت کا جیسے غلام آزاد کرنا۔)

اس سلسلہ میں صریح حدیث موجود ہے:

''ایک صحابی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہونچے گا، ''أفینفعها أن أتصدق عنها''، آپ نے جواب دیا؛ ہاں!''۔ (۴)

---

(۱) دیکھئے: فتاوی ابن تیمیة: ۳۰۶/۲۴۔
(۲) سورة الحشر: ۱۰
(۳) فتاوی ابن تیمیة: ۳۰۹/۲۴
(۴) سنن النسائي: ۳/۲

اسی طرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے،(۱) ظاہر ہے کہ یہ بہ طور ایصال ثواب کے ہی تھا۔

(۳) حج کے ذریعہ ایصال ثواب بھی درست ہے، جو مالی عبادت بھی ہے اور بدنی بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بہ صراحت ووضاحت اس کا ذکر موجود ہے۔(۲)

(۴) بدنی عبادات جیسے: قرآن، نماز، روزہ، ان کا ثواب پہونچے گا، یا نہیں؟ اس میں اہل سنت والجماعت کے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک بدنی عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب درست نہیں؛(۳) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾(۴) کہ انسان کے لیے وہی ہے، جس کو اس نے خود کیا ہے۔

اور حنفیہ وحنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک بدنی عبادات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب جائز ہے،(۵) اور اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایمان کے بارے میں انسان کا اپنا عمل ہی مفید ہے، باپ کا ایمان کافر بیٹے، یا بیٹے کا ایمان کافر باپ کے لیے مفید نہیں۔(۶)

ان حضرات کی نگاہ احادیث پر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں مرحوم کی طرف سے اس کے ولی کے روزہ رکھنے کا حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے:

"من مات وعليه صيام، صام عنه وليه".(۷)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ پر سورۂ یٰسین پڑھنے کو فرمایا:

"إقروا أعلٰى موتاكم يٰسين".(۸)

"ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں حسن

---

(۱) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۲۷۹۲، باب ما يستحب من الضحايا
(۲) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۹۲۹، باب ما جاء في الحج عن الميت
(۳) ردالمحتار: ۱۵۱/۳، ط: مكتبة زكريا ديوبند
(۴) سورة النجم: ۳۹
(۵) الدر المختار مع الرد: ۵۲/۳، كتاب الجنائز، ط: مكتبة زكريا ديوبند
(۶) مواردالظمآن، ص: ۱۸۴، ط، المكتبة العلمية، بيروت
(۷) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۱۹۵۲، باب من مات وعليه الصوم
(۸) مجمع الزوائد: ۲/۷، ط: دارالفكر بيروت

سلوک کیا کرتا تھا، اب کس طرح حسن سلوک کرسکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: مرنے کے بعد حسن سلوک یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لیے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لیے بھی روزہ رکھو:

"أن تصلی لهما مع صلاته، وأن تصوم لهما مع صومک". (۱)

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں آیت: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (۲) کی تفسیر میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور ایصال ثواب سے متعلق روایات کو جمع فرمایا ہے۔ (۳)

چوں کہ عبادات بدنیہ سے ایصال ثواب کے ثبوت پر بہ کثرت روایات منقول ہیں؛ اس لیے اکثر شوافع محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کو قبول کیا ہے۔ (۴)

غرض کہ عام طور پر اہل سنت والجماعت کے نزدیک دعا، بدنی عبادت، مالی عبادت، ومرکب بدنی و مالی عبادت سب سے ایصال ثواب درست ہے۔ خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها هو مذهب أهل السنة والجماعة". (۵)

(انسان کے لیے یہ درست ہے کہ اپنے عمل نماز، یا روزہ، یا صدقہ، یا اس کے علاوہ کا ثواب دوسرے کے لیے کردے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔)

البتہ آج کل پیسے لے کر آیت کریمہ اور ختم قرآن کا جو طریقہ مروج ہوگیا ہے، یا دعوت کی وجہ سے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کی جو صورت رواج پاگئی ہے، یہ درست نہیں۔ یہ تو گویا آیات قرآنی کو فروخت کرنے کے مترادف ہے، علامہ شامیؒ نے خوب نکتہ کی بات کہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آدمی پیسے لے کر قرآن پڑھے تو اس کا یہ عمل اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے خود ہی باعث ثواب باقی نہیں رہا اور جب یہ عمل باعث اجر ہوا ہی نہیں تو دوسروں کو کیوں کر اس کا ثواب پہونچایا جاسکتا ہے، (۶) ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔ **وباللّٰه التوفيق و هو المستعان**

(کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۲۰۴-۲۰۸)

---

(۱) سنن الدارقطني، الفتح الرباني: ۱۰۱/۸

(۲) سورة النجم: ۳۹

(۳) التفسير المظهری: ۱۱۳/۱۱

(۴) شيخ زاده على تفسير البيضاوی: ٤١٦/٤

(۵، ۶) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراءة للميت و اهداء ثوابها له: ۱۵۱/۳

شوہر کے لیے ایصال ثواب:

سوال: جب شوہر کے انتقال کے بعد بیوی سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو بیوی ایصال ثواب کیسے کر سکتی ہے، جب کہ شوہر سے رشتہ ہی نہیں رہتا ہے؟ (جیلانی بیگم، قاضی پورہ)

الجواب

موت کی وجہ سے رشتہ نکاح کا ختم ہو جانا بھی ایک راحت ہے۔ غور کیجئے اگر شوہر کے انتقال کے بعد بھی عورت کا رشتہ نکاح اس سے باقی رہے تو پھر اس کو ہمیشہ تجرد کی زندگی گذارنی پڑے گی اور دوسرے نکاح کی گنجائش نہ ہوگی؛ کیوں کہ ایک عورت بیک وقت دو مردوں کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، البتہ ایصال ثواب کے لیے رشتہ کا باقی رہنا ضروری نہیں، ایصال ثواب تو ہر مسلماں کلمہ گو کے لیے ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۱۲-۲۱۳)

مطلقہ بیوی کے لیے ایصالِ ثواب اور قبر کی زیارت:

سوال: میرے دوست نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دی، جب کہ ہوش وحواس میں نہیں تھی، چند دنوں بعد بیوی کا انتقال ہو گیا، میرے دوست چاہتے ہیں کہ ان کی مزار کی زیارت کریں۔ کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟

(محمد اقبال احمد، سکندر آباد)

الجواب

کسی شدید شرعی عذر کے بغیر طلاق دینا سخت گناہ ہے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ بیوی ہوش وحواس میں بھی نہ ہو، یہ نہایت ہی ناشائستہ حرکت اور گناہ ہے؛ اس لیے اوّلاً تو آپ کے دوست کو استغفار کرنا چاہیے، جہاں تک مرحومہ کی قبر کی زیارت اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کی بات ہے تو یہ کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ ایصالِ ثواب تو کسی بھی مسلمان کے لیے کیا جا سکتا ہے اور قبر کی زیارت کسی بھی مسلمان کے لیے جائز ہے،(۱) طلاق کی وجہ سے رشتۂ نکاح تو ختم ہوتا ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اسلامی اخوّت کا رشتہ ختم نہیں ہوتا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۱۴)

غیر مسلموں کے ایصال ثواب کا حکم:

بعض غیر مسلموں کو خواجہ صاحب، یا اور بعض بزرگوں سے بڑی عقیدت ہے، چناں چہ وہ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، یا صدقہ خیرات کرتے ہیں، یا مسجد مدرسہ بنواتے ہیں تو کیا ان غیر مسلموں کا ایصالِ ثواب ان اکابر کو پہنچتا ہے، یا نہیں؟ (ولی اللہ خان، نشان پاڑا روڈ بمبئی)

(۱) الحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۲۶۰، کتاب الجنائز

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ ہوسکتا ہے کہ خواجہ صاحب، یا ان بزرگوں کو کچھ ثواب من جانب اللہ مل جائے، اللہ کی مشیت ومرضی پر موقوف ہے، ضابطہ نہیں ہے۔

باقی مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کی طرح ایصالِ ثواب کرنے والے کو جو ثواب آخرت کا ملتا ہے، وہ غیر مسلم کو نہیں ملے گا، البتہ دنیا میں کچھ وسعت وراحت پہنچ جائے تو یہ ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۴/۱۱/۱۴۰۱ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۵۹)

غیر مسلموں کے لیے ایصال ثواب:

سوال: آج کل یہ رسم چل پڑی ہے کہ کوئی بڑا لیڈر مر جاتا ہے تو اس کی آخری رسومات پر، یا اس کی برسی اور جنم دن کے موقع پر مذہب کی کتابوں کی تلاوت کر کے ان کی آتما کو شانتی پہنچانے کی تقریب منعقد کی جاتی ہے اور چن چن کر ایسے لوگوں کو بلاتے ہیں جو اپنے فرقے میں باا ثر اور دیندار سمجھے جاتے ہیں، کیا کسی غیر مسلم کے حق میں ایصال ثواب کے لیے قرآن کی تلاوت درست ہے؟ براہ کرم تفصیلی جواب دیں؛ کیوں کہ یہ رسم عام ہونے کے باوجود اس پر دینی حلقوں کی جانب سے کوئی احتجاج، یا فتوی سامنے نہیں آیا ہے۔　　　(عبدالمعید، ہمایوں نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک شخص جو کفر میں مرتا ہے، وہ خدا کا باغی ہے، اس لحاظ سے وہ یقیناً اس لائق ہے کہ اس سے بے تعلقی برتی جائے، یہ بے تعلقی، بے مروتی اور نارواداری نہیں؛ بلکہ وفا شعاری اور انصاف کا تقاضا ہے، ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ ملکوں اور حکومتوں کے باغیوں کو سزائے موت دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی ایک طرح کی غداری باور کیا جاتا ہے، پس رب کائنات سے تمام انسانوں کا جو رشتہ بندگی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ایسے شخص کو معاشرہ کا باغی تصور کیا جائے اور اس سے بے تعلقی برتی جائے۔ اسلام نے اسی لیے دنیا میں گو عام انسانی رشتہ کے تحت ایسے لوگوں کے ساتھ مواسات کا حکم دیا ہے؛ لیکن آخرت جو صرف اہل ایمان کے لیے ہے اور جس کی ملکیت کو اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے آپ کو ''مالک یوم الدین'' کہا ہے، اس میں کسی قسم کی رواداری کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اس کی دو نہایت واضح مثالیں ملتی ہیں:

ایک مثال حضرت ابوطالب کی ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور محسن ومحافظ بھی؛ لیکن ایمان ان کے لیے مقدر نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعاءِ مغفرت کی تو ارشادِ باری ہوا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (۱)

(نبی اور اہل ایمان کے لیے روا نہیں کہ مشرکین کے لیے یہ بات ظاہر ہوجانے کے بعد کہ وہ دوزخی ہیں، دعا استغفار کریں، گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔)

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: ”فإن اللّٰه لم يجعل للمؤمنين أن يستغفروا للمشركين فطلب الغفران مما لايجوز“. (۲)

(اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں رکھا ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، پس مشرک کے لیے دعاءِ مغفرت جائز نہیں۔)

دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رأس المنافقین عبد اللہ بن ابی پر نمازِ جنازہ پڑھی، جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا، حالاں کہ وہ باطن میں ایمان سے محروم تھا، اس موقع سے بھی ارشادِ خداندی ہوا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (۳)

(ان میں سے مرنے والوں پر آپ کبھی بھی نماز نہ پڑھیں، اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور بحالتِ فسق رہے ہیں۔)

مشہور مفسر علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: ”والمراد من الصلاة المنهى عنها: صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع“. (۴)

(جس نماز سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد نمازِ جنازہ ہے اور یہ دعاءِ استغفار اور شفاعت کو بھی شامل ہے۔)

اس لیے غیر مسلموں کے لیے استغفار، ایصالِ ثواب قرآن پڑھنا وغیرہ جائز نہیں اور یہ رسم نہایت قبیح اور شرعی نقطۂ نظر سے غلط اور قطعاً نا درست ہے۔ (کتاب الفتاوی: ۳/ ۲۱۷-۲۲۰)

بہترین ایصالِ ثواب:

سوال: مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے بہترین اور باعث قبولیت اعمال کیا ہیں؟ (منا، نظام آباد)

---

(۱) سورة التوبة: ۱۱۳

(۲) الجامع لأحكام القرآن: ۶۷۳/۸

(۳) سورة التوبة: ۸٤

(۴) روح المعاني: ۱۵۵/۱۰

الجواب

اکثر فقہا کے نزدیک ''بدنی عبادت'' نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور ''مالی عبادت''؛ یعنی صدقہ، قربانی کے ذریعہ مُردہ کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے،(۱) البتہ ایصالِ ثواب کا زیادہ بہتر طریقہ صدقہ ہے؛ کیوں کہ صدقہ سے ایصالِ ثواب کے درست ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، پھر صدقہ میں بھی ایک ایسا صدقہ ہے، جس کا اثر اور نفع کم وقت تک محدود ہوتا ہے، جیسے: کسی کو کھانا کھلا دینا۔

صدقہ کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان کا نفع دیرپا ہوتا ہے، اسے صدقۂ جاریہ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ ایصالِ ثواب کا سب سے بہتر طریقہ ہے، جیسے: مسجد یا مدرسہ تعمیر کرا دینا، کنواں کھودوانا، وغیرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور وہ ان کی طرف سے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواں کھودوانے کا مشورہ دیا، (۲) تو ایسے صدقات کے ذریعہ ایصالِ ثواب جس کے نفع کا دائرہ وسیع ہو اور زیادہ دنوں تک لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، سب سے افضل طریقہ ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۲۰/۳)

زندہ کو ایصالِ ثواب:

سوال (الف) اگر دینی کام ہو جیسے دینی اجتماع، ذکر، گشت وغیرہ تو کیا مرحومین کو اس کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے؟

(ب) کیا زندہ لوگوں کو بھی ان افعال کا ثواب پہنچا سکتے ہیں؟ (محی الدین، جگہ نامعلوم)

الجواب

(الف) اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک شخص اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے اور یہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، البتہ ایسے اعمال صالحہ کا ایصالِ ثواب کرنا چاہیے، جو منصوص ہیں اور براہِ راست قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نیز بجائے خود مقصود ہیں، جیسے: نماز، تلاوتِ قرآن ذکر وغیرہ، وہ اعمال صالحہ جو منصوص نہیں ہیں، مستنبط ہیں، ایسے اعمال کا ایصال ثواب حدیث، یا سلفِ صالحین کی صراحتوں سے ثابت نہیں۔

(ب) ایصالِ ثواب مُردوں کی طرح زندوں کو بھی ہوسکتا ہے، علامہ شامی ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

''من صام أو صلّٰی أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتًا أو حيًا''. (۳)

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۱۵۱/۳

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۲٤۵۵

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۵۲/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(جس نے روزہ رکھا، یا نماز پڑھی، یا صدقہ کیا اور اپنا ثواب کسی اور زندہ یا مردہ کے لیے کر دیا تو جائز ہے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو ایصال ثواب کیا جائے، اس کے زندہ اور مُردہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔) (کتاب الفتاویٰ: ۲۲۲/۳-۲۲۳)

قبرستان میں ایصالِ ثواب کے لیے کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

سوال: قبرستان میں جا کر مردے کے لیے ایصال ثواب کرنے کے لیے کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ اور مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے کون سی آیات، یا سورتیں تلاوت کی جائیں؟

الجواب

جتنی سورتیں یاد ہوں، پڑھ کر یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس میت کو ان کا ثواب عطا فرمائے اور قبر پر پہنچنے کے بعد میت کو سلام بھی کہنا چاہیے، کم از کم یہ الفاظ ضرور کہہ دینے چاہئیں: "السلام عليكم ياأهل القبور". (۱)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۳۵/۴)

کنواں، یا سڑک کا ایصالِ ثواب:

سوال: آپ نے فرمایا "بس یہ بحث ختم" اس لیے بندہ حکم عدولی تو نہیں کرے گا؛ تاہم اس کا جواب آپ کے ذمہ رہے گا کہ کھانا صرف غربا کو کھلا کر ایصال ثواب ہوگا، ورنہ نہیں تو لوگ ایصال ثواب کے لیے جو سڑک بنواتے ہیں، کنواں کھدواتے ہیں، درخت سایہ دار لگاتے ہیں، کیا ان کو بھی غربا کے نامزد کیا جائے گا، جب ایصال ثوب ہوگا، یا جو بھی فقیر غنی اس سے فائدہ اٹھائے، ایصال ثواب ہو جائے گا؟

الجواب

یہ رفاہِ عامہ کے کام ہیں اور صدقۂ جاریہ ہے اور صدقۂ جاریہ کا ثواب منصوص ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۳۶/۴)

---

(۱) ومن آدابها أن يسلم بلفظ السلام عليكم على الصحيح... ثم يدعو قائماً طويلاً وان جلس يجلس... ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه الٰى فلان أو إليهم. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲۴۲/۲-۲۴۳)

(۲) عن سعد بن عبادة قال: يا رسول الله! ان أم سعد ماتت فأى الصدقة أفضل؟ قال: الماء! فحفر بئرا وقال: هٰذه لأم سعد. روه أبو داؤد و النسائي. (مشكوٰة ص: ۱۶۹، فضل الصدقة، طبع قديمى)

عن أنس رضى اللّٰه عنه عن النبىّ صلى الله عليه وسلم قال: "سَبْعَةٌ يَجْرِى عَلَى الْعَبْدِ أَجْرُهُنَّ بَعْدَ مَوْتِهِ فِى بِرِّهِ: مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا، أَوْ أَكْرَى نَهْرًا، أَو حَفَرَ بِئْرًا، أَوْ غَرَسَ نَخْلاً، أَوْ بَنَى مَسْجِدًا، أَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا، أَوْ تَرَكَ وَلَدًا يَسْتَغْفِرُ لَهُ". (رعاية البيئة فى شريعة الإسلام، ص: ۱۰۲)

عورت بھی ایصال ثواب کرسکتی ہے:

سوال: کیا عورت نیاز دے سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

عورت بھی ایصال ثواب کرسکتی ہے؛ مگر اپنے مال میں سے کرے، میت کے ترکہ میں سے نہ کرے۔(١)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۳۶۔۴۳۷)

ایصال ثواب کی مجلس میں قادیانی اور غیر مسلم کا شریک ہونا:

سوال: مادرِ وطن کے سرکاری اور نیم سرکاری دفاتر میں تقریبا تمام اسلامی اور غیر اسلامی (قادیانی اور عیسائی وغیرہ) افراد منصبی فرائض ادا کررہے ہیں۔ بعض اوقات مشاہدہ یوں ہوا کہ کسی مسلمان ملازم/آفیسر کے کسی قریبی رشتہ دار کی رحلت ہوگئی، بعدازاں اس کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی اور طعام کا بندوبست کیا گیا، کثیر افراد کی شرکت کی غرض سے ایک ٹائپ شدہ دعوت نامہ برائے ایصال ثواب بشکل قرآن خوانی ملازمین وافسران کو تقسیم کردیا گیا۔ دعوت نامے میں فرداً فرداً دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اس عمومی دعوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور مصلحت کے پیش نظر اگر کوئی قادیانی اور دوسرا غیر مسلم اس ایصال ثواب میں شرکت کرتا ہے تو اس قسم کی شرکت سے متعلق مندرجہ ذیل سوالات کے اسلامی جوابات مطلوب ہیں:

(١) کیا قادیانی کی شرکت برائے ایصال ثواب قرآن خوانی، یا دیگر خالصتاً مذہبی اجتماع میں شرکت شرعاً جائز ہے؟

الجواب

ایصال ثواب کی مجلس میں کسی غیر مسلم قادیانی کو شریک کرنا جائز نہیں؛(٢) اس لیے ان کو بلایا ہی نہ جائے، اگر خود آئیں تو ان کی شرکت سے معذرت کردی جائے۔

(٢) آیا قادیانی کی تلاوتِ قرآن مجید سے میت کو ثواب پہنچے گا؟

---

(١) وفي البحر: من صام أوصلىٰ أوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جازويصل ثوابها اليهم عند أهل السنة الجماعة، كذا في البدائع.(رد المحتار، كتاب الصلاة: ٢/٢٤٣، مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له)

(٢) ﴿لا تجد قوماً يؤمنون بالله واليوم الآخريوادون من حاد الله ورسوله﴾(سورة المجادلة: ٢٢)

﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم أولياء تلقون اليهم بالمودة وقد كفروا بما جائكم من الحق﴾(سورة الممتحنة: ١)

الجواب

میت کا ثواب ملنا فرع ہے، اس کی کہ خود پڑھنے والے کو ثواب ملے اور غیر مسلم قادیانی کے اعمال باطل ہیں، (۱) جب اس کو خود ہی ثواب نہ ملا تو میت کو کیا ملے گا؟

(۳) قادیانی کی شرکت سے آیا ایصال ثواب پر کسی قسم کا غیر اسلامی اثر مرتب نہیں ہوگا؟ ہاں کی صورت میں کون سا؟

الجواب

قادیانی اور غیر مسلموں کی شرکت سے اسلام اور کفر کے درمیان اور مسلم کو کافر کے درمیان امتیاز مٹ جائے گا اور ضرر عظیم ہے، عجب نہیں کہ اس مجلس کے تمام شرکا مبتلائے عذاب ہو جائیں۔

دنیوی مصالح دین کے تابع ہیں، اگر کسی دنیوی مصلحت اور رواداری سے دین کے اصول ٹوٹ جاتے ہوں تو ایسی مصلحت اور رواداری کو بالائے طاق رکھ دیا جائے گا اور اس پر لعنت بھیجی جائے گی۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۴۳۷)

ایام متعین کر کے ایصال ثواب کا حکم:

سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لیے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقات متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لیے کہنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ تداعی ہے، غیر مقصود کے لیے جو بدعت اور مکروہ ہے۔

۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ (النور، ص: ۷، ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۷۷)

ایصال ثواب کی غرض سے میت کے وارث کو ہندو کا پیسہ دینا:

سوال: میرے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کا ایک شاگرد ہندو ہے، اس نے پانچ روپے دیئے ہیں کہ اپنے بھائی کو قرآن پڑھوا کر بخشوا دو۔ کیا کرنا چاہیے۔

---

(۱) مقتضى كون حبط العمل فى الدنيا والآخرة جزاء الردة وإن لم يمت عليها عندنا. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۷۶)

(۲) عن نواس بن سمعان رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق. (مشكاة المصابيح، ص: ۳۲۱، كتاب الامارة والقضاء)

الجواب

وصول ثواب کے لیے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے اور ثواب ملنے کے لیے ایمان شرط ہے، پس غیر مومن کے اس عمل؛ یعنی اعطا وانفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہنچنا محتمل ہو تو طے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اجرت پر پڑھا جاتا ہے، اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے۔

پس صورت مسئولہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ وہ شخص یہ پانچ روپے کسی مسلمان کی ملک کردے اور وہ اگر چاہے، وہ روپیہ کسی مستحق کو دے کر اس کا ثواب اس میت کو پہنچا دے؛ لیکن بعد ملک ہو جانے کے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ روپیہ کسی کو نہ دے۔

۲۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (حوادث الفتاویٰ، حصہ ثالثہ، ص: ۱۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۸۰۷-۸۱)

مختلف مردوں کو کلی، یا جزئی طور پر ثواب پہونچنے کی تحقیق:

سوال: ایصال ثواب جو چند مردگان کو کیا جاتا ہے، وہ سب کو برابر پہنچتا ہے، یا تجزی سے پہنچتا ہے؟(۱)

الجواب

(۱) سب کو برابر پہونچے گا؛ کیوں کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی واسع ہے۔

سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل قسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب: بأنه أفتىٰ جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل.(۲)

وعن علي رضي الله عنه قال: من مر على المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدىٰ عشرة مرة ثم وهب أجرها للأموات عطى من الأجر بعدد الأموات. (الطبرانی وفتح القدیر) **والله أعلم**

حررہ عنایت الٰہی عفی عنہ

الجواب

(۲) یہ مسئلہ مختلف فیہا بین العلماء ہے، بعض تجزی کے قائل ہیں، **وهو الأقيس** اور بعض عدم تجزی فرماتے ہیں، **و هو الأوسع. والله تعالىٰ أعلم**

حررہ خلیل احمد عفی عنہ

---

(۱) اس سوال کے تین جواب لکھے ہوئے آئے تھے، چوتھا جواب اخیر احقر کا ہے۔منہ

(۲) ردالمحتار: ۲/۲۴۴، مطلب فی القراءة للمیت

الجواب

(۳) اصل مذہب وموافق قواعد شرعیہ یہ ہے کہ ثواب متجزی ہوتا ہے۔

کما فی الشامی یوضحه: أنه ولو أهد الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه فكذا لو اهدى الربع لواحد وابقى الباقي لنفسه. (۱)

البتہ اگر حق تعالیٰ اپنی وسعت رحمت سے ہر ایک کو پورا ثواب دیوے تو یہ اس کا فضل ہے، **ولا مانع منه، كما افتىٰ به جمع** اوراس میں بحث کرنے کی ضرورت بھی نہیں، جس قدر حق تعالیٰ کو منظور ہے ثواب پہنچ جاوے گا، بعض اجر بسبب اخلاص نیت کے اگر چہ قلیل ہو کثیر سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ

الجواب

(۴) جس امر میں نص ہو، اگر وہ احکام فقہیہ جواز وعدم جواز میں سے ہو تو اس میں قیاس کرنا ﴿**فاعتبروا يا أولى الأبصار**﴾ (۲) وغیرہ نصوص سے مامور بہ ہے اور اگر وہ احکام فقہیہ سے نہ ہو تو اس میں قیاس کرنا ﴿**لاتقف ماليس لک به علم**﴾ (۳) وغیرہ نصوص سے منہی عنہ ہے اور امر مسئول عنہ احکام فقہیہ سے نہیں اور نص موجود نہیں، لہذا قیاس سے کلام کرنا منہی عنہ ہوگا اور جن علما سے کلام منقول ہے، مقصود ان کا حکم لگانا نہیں؛ بلکہ محض بعض احتمالات کی اقربیت بیان کرنا۔ واللہ اعلم بخفیات اسرارہ

کتبہ اشرف علی، ۱۶/محرم ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱۴۶/۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۸۳/۱ ۷۔۸۴ ۷)

بلاتعیین تاریخ ایصال ثواب میں حرج نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے محققین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہر سال میں بلاتعیین تاریخ کے دس بیس آدمی کو جمع کر کے للہ طعام کھلا دیتا ہے اور نیت اس کے ثواب کی، اپنے بزرگوں کے لیے کر لیتا ہے۔ آیا یہ ایصال ثواب اس کو ہر سال میں جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاتعیین تاریخ ایصال ثواب طعام کچھ حرج نہیں اور موجب اجر کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

---

(۱) ردالمحتار: ۲۴۳/۲، مطلب فی القراءة للميت

(۲) سورة الحشر: ۲

(۳) سورة نبی اسرائیل: ۳۶

الجواب صحیح، قال مولانا محمد اسحٰق رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسائل اربعین: وتقسیم طعام بہ نیت ثواب بے تعیین یوم جائز ست وکسے درمنع آں دم نزدہ۔

کتبہ ابوالحسن عفی عنہ مہتمم جامع مسجد سہارنپور۔

جواب صحیح ہے، مشتاق احمد عفی عنہ سہارنپوری۔

ہذا الجواب علی ہذا السوال صحیح، عنایت الٰہی عفی عنہ سہارنپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارنپور۔

اصاب المجیب، محمد ناظر حسن عفی عنہ دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔

الجواب صحیح، عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ مدرس اول مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔

الجواب صحیح، محمد مراد عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ مظفرنگر۔

اصاب من اجاب، محمد بشیر الدین، میرٹھی۔

جواب صحیح ہے، العبد احمد علی عفی عنہ بڑاڑوی۔

الجواب صحیح، محمد صدیق احمد عفی عنہ کاندھلوی، مہتمم مدرسہ اسلامیہ کاندھلہ۔

الجواب صحیح، محمد اسماعیل دہلوی۔

اطعام للہ بعدہ ایصال ثواب بلا شک جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب، کتبہ العبد المذنب عبد الرحمٰن پانی پتی، ۳۰؍ربیع الاول ۱۳۰۹ھ۔

الجواب صحیح، خادم الطلبہ فقیر غلام محمد ہوشیارپوری، مدرس مدرسہ اول کرنال۔

الجواب:

بغیر تاریخ خاص معین کرنے کے ثواب پہنچانا، خواہ ایک سال یہ عمل کرے، یا ہر سال کیا کرے، کسی طرح قواعد شرع کی مخالف نہیں؛ بلکہ اس کا روکنا اور منع کرنا خیر کثیر کا روکنا اور منع کرنا ہے اور وہ جائز نہیں۔ ہاں تعیین یوم خاص و تاریخ خاص کا کرنا مکلّف کا عمل نہیں، یہ شارع کا کام ہے اور بلا تعیین یوم و تاریخ شارع کی جانب سے اجازت اور موجب ثواب ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ العبد العاصی مشتاق احمد حنفی صابری عفی عنہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ، لودھیانہ۔

ہر سال بلا تعیین تاریخ مستحقین کو للہ طعام کھلا کر، اپنے کسی بزرگ کے روح کو ایصال ثواب کرنا جائز و موجب اجر ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم فقط

الراقم مسکین شاہ دین عفی عنہ، مفتی لودھیانہ۔

بلا تعیین تاریخ ایصال ثواب عبادت مالیہ وبدنیہ بارواح مشائخ وبزرگان دیں، یا عامۂ مومنین مسلمین مستحسن وموجب اجرست واگر برائے مصلحتے، یا بغرض سہولتے تعیین وقت ہم کند، مضائقہ ندارد، بشرطیکہ ایں تعیین را از امور شرعیہ نداند، و الا ایں تعیین بدعت خواہد شد، زیرا کہ برائے ایصال ثواب تعیین وقت، از شارع ثابت نیست۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

احقر عبدالصمد نور محمد عفی عنہ، مہتمم مدرسہ حقانی، لودھیانہ

منظوم امیریہ،ص:۲۸،۲۹،تالیف مولانا امیر باز خاں (انبالہ: غالباً ۱۳۱۰ھ)(۱)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۹۹-۲۰۰)

ثواب میں تقسیم ہے، یانہیں:

سوال: فاتحہ خوانی میں اگر دنیا بھر کے کل مسلمان کو ایصال ثواب کیا جائے یا واحد شخص کو ایصال ثواب کیا جائے تو ایسی صورت میں ثواب برابر ہوگا کہ کم وبیش ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ائمہ کرام سے اس مسئلہ میں کوئی خاص تصریح نہیں ہے، متاخرین نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے کہ ہر ایک کو برابر ثواب ملے گا، بعض علما کہتے ہیں کہ ثواب منقسم ہو کر ملے گا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۸۴)

خود ثواب حاصل کرنے کے لیے صدقۂ جاریہ کی مثالیں:

سوال: اگر کوئی اپنے وارثوں سے مایوس ہو کر اپنے ثواب آخرت کا سامان خود ہی کر جائے، مثلا: قرآن شریف کے سپارے مسجد میں بھجوادے، یا کنواں بنوادے، یا مسجد میں پنکھے لگوادے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ بہتر اور افضل ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں اپنے لیے ذخیرۂ آخرت جمع کرنے کا اہتمام کرے۔(۳)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۴۳۴)

---

(۱) ترجمہ: عبادات مالیہ اور بدنیہ کا تاریخ کی تعیین کے بغیر، مشائخ کی ارواح، بزرگان دین، یا عام مسلمانوں کو ایصال ثواب کرنا بہت اچھا اور اجر وثواب کا باعث ہے۔ اگر کسی مصلحت، یا سہولت کی وجہ سے تاریخ بھی متعین کرلیں، حرج نہیں، شرط یہ ہے کہ اس تعیین واہتمام کو شریعت کا کام نہ سمجھیں، ورنہ یہ کام بدعت ہو جائے گا؛ اس لیے کہ ثواب پہنچانے کے لیے کسی وقت کا مقرر کرنا، شارع [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم] سے ثابت نہیں۔ [ت: نور]

(۲) قلت: لکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسّم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ذلک کاملاً، فأجاب بأنه أفتىٰ جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل. (ردالمحتار، کتاب الصلاة:۳/۱۵۳)

(۳) عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا مات الانسان انقطع عنه عمله إلامن ثلاثة: صدقة جاريه أوعلم ينتفع به أوولد صالح يدعوا له. (رواه مسلم)(مشكاة المصابيح: ۱/۳۲)

تیسرے دن چنے پڑھنے کی رسم:

سوال: تیسرے دن جو میت کے لیے چنے پڑھنے جاتے ہیں اور قرآن شریف دو، یا زیادہ ختم کئے جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر بجائے تیسرے دن کے مثلاً چوتھے دن، یا دوسرے دن چنے پڑھے جائیں تو پھر بھی رسم پڑ جاوے گی، اس وقت کیا حکم ہوگا؟ اور کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور گیارہویں کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ رسم تیسرے دن چنے پڑھنے کی اور ختم قرآن شریف کی خیر القرون میں ثابت نہیں ہوئی اور اب اس کا التزام اس درجہ ہو گیا ہے کہ عوام اس کو ضروری سمجھتے ہیں؛ اس لیے اس کو ترک کرنا چاہیے اور راس رسم کو توڑنا چاہیے، پھر جب اور کوئی دن اسی طرح لازم ہو جاوے اور رسم ہو جاوے، اس کو بھی چھوڑنا ضروری ہو جاوے گا اور جو طریقہ سلف سے ثابت نہ ہو، اس کو لازم کر لینا اگرچہ اعتقاداً نہ ہو، صرف عملاً ہو، وہ بھی واجب الترک ہے، (۱) اور فاتحہ آگے کھانا رکھ کر بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح گیارہویں بھی جائز نہیں ہے۔ جملہ رسوم اس قسم کے جن کو شارع علیہ السلام اور آپ کے صحابہ وائمہ دین نے نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں کیا، ناجائز ہیں اور بدعت ہیں؛ مگر کفر وشرک نہیں ہیں۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۳۶/۵-۴۳۷)

حیلۂ اسقاط کی ایک غیر شرعی صورت:

سوال: ملک گجرات میں بعد مرنے کے حیلہ کرنے کا رواج ہے، میت کو مسجد کے اندر لے جاتے ہیں، سات شخص مل کر بیٹھتے ہیں، بیچ میں سوا من گیہوں، سوا روپیہ، قرآن شریف کا ہدیہ قرآن کے اوپر رکھ کر پیش امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ گیہوں، سوا روپیہ نقد، قرآن شریف کا ہدیہ بدلے اس میت کے گناہ کبیرہ وصغیرہ، روزہ ونماز شرک وبدعت جو بارہ برس سے بعد کئے ہیں، عاقل بالغ ہونے سے اس کے بدلے میں سوا من گیہوں سوا روپیہ قرآن کا ہدیہ واسطے اللہ دیا۔ کیا ایسا کرنے سے میت کو ثواب ملتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ عمل کرنا فرض ہے، یا سنت، یا نفل؟ اور کیا حدیث سے ثابت ہے؟

(المستفتی: ۱۱۷۷، عبد الرحیم صاحب پیش امام (ضلع احمد آباد، گجرات) ۲۱/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، ۹/ ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

اس طرح حیلہ کرنا ناجائز ہے۔ شریعت کے قاعدے کے خلاف ہے۔ اس حیلے سے حیلہ کرنے والوں کو اور میت کو کچھ ثواب نہیں ہوتا۔ (اس لیے کہ شریعت میں مروجہ حیلے کا کوئی ثبوت نہیں)، جس قدر مقدور ہو، صدقہ کر دینا چاہیے؛

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز: ۸۴۲/۱

یعنی غریبوں محتاجوں کو اللہ واسطے دے کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۱۳۴/۴)

رسم قل، دسواں، چالیسواں اور شرینی فاتحہ پڑھنا سب بدعت ہے:

سوال (۱) میت کے لیے تیسرے دن قل وساتواں وچالیسواں کرنا اور اسقاط میت کا کرانا جیسا کہ آج کل مروج ہے، ایسا کرنا قرآن وحدیث صحیحہ سے ثابت ہے، یا نہیں؟

(۲) فاتحہ برطعام قبل از کھانے کے پڑھنا قرآن وحدیث صحیحہ سے ثابت ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۱۸۸، عبدالعزیز مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۸/جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، ۱۶/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱) ایصال ثواب جائز ہے؛ مگر قل اور ساتوں دسواں چہلم یہ سب بدعات ہیں۔(۲) اپنی حیثیت اور مقدار کے موافق جو کچھ میسر ہو اور جب میسر ہو صدقہ کر کے ثواب بخش دینا چاہئے اسقاط کا مروجہ طریقہ بھی ناجائز ہے۔

(۲) ایصال ثواب کے لیے کھانا شیرینی سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بے اصل ہے؛ بلکہ جیسے نقدی وغیرہ بغیر فاتحہ صدقہ کر دیتے ہیں، اسی طرح کھانے شیرینی کے ساتھ بھی معاملہ کرنا چاہیے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۴/۴)

فاتحہ دینے کی حدیث موضوع ہے:

سوال: ایک حدیث کتاب ملا علی قاری صاحب اور کتاب شرح برزخ، جس کے صفحہ: ۳۳۹/ پر درج ہے، جس کے راوی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تحریر ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا اور ابن ابی دنیا نے اس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دیتے اور اس کا ثواب میت کو پہنچاتے۔ حدیث مندرجہ ذیل ہے:

وكان يوم الثالث من وفات ابراهيم ابن محمد صلى الله عليه وسلم جاء أبوذر عند النبى بتمرة

(۱،۲) تنبيه: صرح علماؤنا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أو غيرها، وفى البحر: من صام أو صلىٰ أوتصدق، وجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء، جاز ويصل ثوابها، إليهم عند أهل السنة و الجماعة، رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى القراء ة للميت واهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، ط: سعيد)

(۳) صرح علمائنا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أوصوماً أوصدقة أوغيرها كذا فى الهداية بل فى زكاة التتارخانيه عن المحيط الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين و المؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى القراء ة للميت، واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، ط: سعيد)

يابسة ولبن فيه خبز من الشعير فوضعها عند النبى صلى الله عليه وسلم فقرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم الفاتحة وسورة الاخلاص ثلاث مرات إلٰى أن قال: رفع يديه فدعا ومسح بوجهه فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبا ذر أن يقسمها بين الناس. وأيضاً فيه قال النبى صلى الله عليه وسلم: وهبت ثواب هذه لابني ابراهيم. (نقل کتاب ظہور صداقت مصنفہ مولانا پیر ظہور شاہ جلالپوری)

(المستفتی: ۱۲۶۳، حاجی مولا بخش دہلی، ۹ رشوال ۱۳۵۵ھ، مطابق ۲۴ ردسمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے، کسی معتبر حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، ملاعلی قاری کی کتاب کی طرف نسبت بھی جھوٹی ہے، نسبت کرنے والے کبھی برجندی، کبھی اوزجندی، کبھی شرح برزخ، کبھی اور کچھ نام لکھتے ہیں، حالاں کہ ان میں سے کسی نام کی تصنیف ملاعلی قاری کی نہیں ہے، جو دعوی کرے، وہ کتاب لاکر دکھائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۴/۴-۱۳۵)

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا، خوشبو سلگانا اور روشنی کرنا بدعت ہے:

سوال: کھانا آگے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنا (ہاتھ پھیلا کر) خوشبوؤں کو سلگانا، روشنی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(المستفتی: عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضع میرٹھ)

الجواب

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا طریقہ اور اس پر خوشبو سلگانا یا روشنی کرنا یہ سب ناجائز اور بدعت ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۶/۴)

جواب دیگر

کسی چیز (کھانا، یا مٹھائی) کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا ہی ثابت نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ فاتحہ کے وقت کوئی چیز سامنے نہ رکھے، فاتحہ پڑھ کر جسے بخشنا چاہے، بخش دے اور کھانا، یا مٹھائی، یا جو چیز صدقہ کرنا ہے، اسے صدقہ کردے اور اس کا ثواب بھی بخش دے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۶/۴)

---

(۱) وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق، وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۴۳/۲، ط: سعيد)

(۲) تنبيه: صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها، وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق، وجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء، جاز ويصل ثوابها، إليهم عند أهل السنة والجماعة. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، ط: سعيد)

کافر کے لیے دعائے مغفرت مفید اور جائز نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

سوال: جب ہمارے بادشاہ کا انتقال ہو جائے اور وہ غیر مسلم ہو تو اس کے واسطے کچھ کلام الٰہی پڑھ کر اس کی روح کو ثواب پہنچا سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور اس کے گناہوں کی معافی کے لیے دعا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

کافر کے لیے ایصال ثواب و دعائے مغفرت مفید اور جائز نہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۷۷/۴)

پختہ قبروں پر چراغاں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

سوال: قبرستان میں پختہ قبروں پر چراغ جلایا جاتا ہے۔اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب

قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔(۲) (کفایت المفتی: ۱۹۶/۴-۱۹۷)

غیر مسلم والدین کے لیے استغفار:

سوال: اگر کسی کے والدین غیر مسلم ہوں اور کفر کی حالت ہی میں ان کا انتقال ہوا؛ لیکن ان کی اولاد کو ایمان لانے کی توفیق ہوئی تو کیا وہ اپنے غیر مسلم والدین کے لیے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے؟

(ابو قمر صدیقی، سمری بختیار پور، محمد ابراہیم رئیس، نظام آباد)

---

(۱) ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ، وَلَوْ كَانُوْا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (سورة التوبة: ۱۱۳)

﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ، أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ، لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (سورة التوبة: ٦)

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا، وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ (سورة التوبة: ٨٤)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسراج (أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب في زيارة النساء القبور: ١٠٥/٢، ط: سعيد)

الجواب

ثواب پہنچانا یا استغفار کرنا صرف مسلمان ہی کے لئے جائز ہے، کافر ومشرک کے لیے جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾(۱)

(نبی اور ایمان والوں کے لیے روا نہیں کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد بھی کہ مشرکین دوزخی ہیں، ان کے لیے دعا کریں، گو وہ ان کے قرابت دار ہوں۔)

اس لیے کافر والدین کے لیے نہ استغفار جائز ہے اور نہ ایصالِ ثواب۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۱۶/۳)

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

سوال: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ کیا اس کی اجازت ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجئے نگر کالونی)

الجواب

جو بات حدیث سے ثابت نہ ہو، قبر کے پاس اس کا کرنا مکروہ ہے اور حدیث سے دو باتیں ثابت ہیں: قبر کی زیارت اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا۔

"ویکره عند القبر ما لم يعهد من السنة والمعهود فيها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائمًا". (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر کے پاس جنت البقیع میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ثابت ہے:

"حتٰى جاء البقيع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات". (۲)

اس لیے قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جا سکتی ہے، البتہ ہاتھ اٹھاتے وقت اپنا رخ قبلہ کی طرف رکھے نہ کہ کسی قبر کی طرف۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۲۴/۳)

قبر پر سورۂ ملک دم کر کے پانی ڈالنا:

سوال: ایک سال پہلے ہماری والدہ کا انتقال ہوا اور میں ہر جمعہ ۴۱ مرتبہ سورۂ ملک پڑھ کر پانی پر دَم کر کے والدہ کی قبر پر ڈالنے کے لیے کسی کو دیتی ہوں۔ ایسا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ کیا سورۂ ملک کی تلاوت کرنے سے عذاب قبر کم

---

(۱) سورة التوبة: ۱۱۳

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس من القبر والدفن: ۱۶۶/۱

(۳) الحيح لمسلم، رقم الحديث: ۹۷۴

ہوتا ہے؟ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ صرف پانی ایک قبر پر نہیں؛ بلکہ اس قبرستان کی تمام قبروں پر ڈالنا ہوگا، جب کہ ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ صحیح مسئلہ کی رہنمائی فرمائیں؟ (رضیہ سلطانہ، ہا گر گہ روڈ)

الجواب

روایات میں سورۂ ملک کی بہت فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں تیس آیتوں پر مشتمل ایک سورہ ہے، جو انسانوں کے لیے خدا کے حضور شفاعت کرتی ہے، تا آنکہ اس کی مغفرت کردی جائے اور وہ سورۂ ملک ہے۔

عن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ”إن سورة من القرآن ثلاثون آية، شفعت لرجل حتىٰ غفر له، وهي سورة تبارك الذى بيده الملك“. (۱)

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کے بارے میں فرمایا: یہ عذاب قبر سے روکنے اور نجات دلانے والی ہے۔

”هي المانعة، هي المنجية، تنجيه من عذاب القبر“. (۲)

اس لیے سورۂ ملک کا پڑھنا اور اس کا ثواب مرحومین کو پہنچانا فائدہ مند ہے؛ لیکن اس سورہ کو پڑھ کر پانی پر دَم کر کے قبر وغیرہ پر ڈالنا درست نہیں، اس سے نہ مرحومہ کو ثواب ہوگا، نہ خود آپ کو؛ بلکہ اسے شرعی طریقہ سمجھ کر کرنا تو بدعت اور باعثِ گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ پر تو دَم فرمایا ہے؛ (۳) لیکن مردہ یا قبر پر دَم کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں؛ اس لیے آپ قرآن مجید اور سورۂ ملک کی تلاوت کر کے والدہ کے لیے ایصال ثواب کیا کریں۔

(کتاب الفتاویٰ: ۲۲۵/۳-۲۲۷)

والدہ کی قبر معلوم نہ ہو تو دعائے مغفرت کیسے کروں:

سوال: میری والدہ مرحومہ کراچی میں دفن ہیں، میں اکثر ان کی مغفرت کی دعائیں کرتا رہتا ہوں، اب یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں کبھی ان کی قبر پر نہیں گیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ قبر پر جانا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور قبر پر نہ جانے سے گھر ہی پر دعائیں کرنا بیکار تو نہیں؟ دوسرے یہ کہ قبرستان اگر جاؤں بھی تو والدہ کی قبر کا پتہ نہیں تو قبرستان میں جا کر والدہ کے لیے کہاں کھڑا ہو کر دعا کروں اور کیا کیا دعا کروں؟ کیا وہاں کچھ پڑھنا ہوگا، یا ایسے ہی دعائے مغفرت کروں؟

---

(۱) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۲۸۹۱

(۲) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۲۸۹۰

(۳) كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا مرض أحد من أهله نفث عليه بالمعوذات، فلما مرض مرضه الذى مات فيه جعلت أنفث عليه و أمسحه بيد نفسه؛ لأنها كانت أعظم بركة من يدى“. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۵۷۱۴، عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها)

الجواب

اگر آپ کو والدہ کی قبر کا پتا ہی نہیں تو آپ کو جانے کا مشورہ کیسے دوں؟ البتہ آپ کو نشانی رکھنا چاہیے تھی، یا اگر کوئی آدمی جاننے والا ہے تو آپ اس سے پتا کر لیجیے۔ قبر پر جانے سے میت کو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ جتنا ماں کو اپنے بیٹے سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔(۱) بہر حال ان کو پڑھ کر بخشتے رہنا چاہیے، یہ بھی بیکار نہیں ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۴۳۵، ۴۳۶)

ثواب وظائف توقیفی امر ہے، اس کی عقلی تقسیم نہیں ہوسکتی:

مسئله: ثواب وظائف توقیفی امر ہوتا ہے، اس کی تقسیم اجزا پر عقلی نہیں ہوسکتی کہ دو رکعت کا ثواب اگر شارع نے فرمایا تو ایک رکعت میں نصف اس کا تجویز کیا جاوے، البتہ ذکر جس قدر کرے گا، ثواب ہوگا؛ مگر ثواب موعود اسی قدر مقدر شرع پر ملتا ہے؛ مگر جو شارع خود حصہ فرما دیوے، اس وقت مضائقہ نہیں۔

عبادت بدنی ذکر مالی سے زائد وافضل ہے، مع ہذا، بعض وجوہِ افضلیت مالی میں بدنی سے زیادہ ہیں، اس واسطے یہ حساب، کتاب عقلاً جاری نہیں ہوسکتا، فضیلت جزئیہ حصر نہیں ہوسکتی۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ ذاکر معتق سے افضل بعض وجہ سے اور معتق اعلیٰ ذاکر سے ہے بعض وجہ سے۔(۳) فقط

(مجموعۂ فرخ آباد ص ۲۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۹۸)

جنازہ کی چادر، چٹائی اور چار پائی صدقہ کرنا:

سوال: مردہ کے اوپر جو کپڑا بطور پردہ، یا حفاظت کے دیا جاتا ہے، وہ اور جو چٹائی اور چار پائی کے اوپر اور مردہ

(۱) الأحاديث والآثار تدل على أن الزائر متىٰ جاء علم به المزور وسمع كلامه وأنس به ورد عليه وهٰذا عام في حق الشهداء وغيرهم فانه لاتوقت. (شرح الصدور، فصل فيه فوائد، ص: ۳۵۸، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم يومئذٍ، وكان له بعدد من فيها حسنات، بحر. وفي البحر: من صام أو صلىٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها اليهم عند أهل السنة والجماعة. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت اهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عباداتِ بدنی مثلاً ذکر عبادت مالی سے افضل ہے، جیسے: مشكوة، كتاب الدعوات، باب ثواب التسبيح، الخ، الفصل الثاني ص: ۲۰۲، عكس أصح المطابع كتب خانة رشيدية دهلي. نيز مشكوة، باب مذكور: ۲/ ۹۱۰، رقم الحديث: ۲۳۱۲. نظر: رمضان بن احمد بن علي آل عوف [مكتبة التوبه، دار ابن حزم بيروت لبنان: ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳م] کہ جو شخص صبح وشام لا الٰہ الا اللہ پڑھے گا تو وہ ذکر اولاعبادت مالی سے مطلقاً افضل ہے؛ مگر عبادت مالی کو جزوی فضیلت حاصل ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے افضلیت مطلقہ کاملہ ہے؛ مگر ابراہیم، موسیٰ علیہ السلام کو بھی جزوی فضیلتیں حاصل ہیں؛ یعنی اول الرسل ہونا، خلیل اللہ ہونا، کلیم اللہ ہونا اور روح اللہ ہونا، ان انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے، اسی طرح ذکر بعض وجوہ سے عتق سے افضل ہے اور عتق بعض وجوہ سے ذکر سے اعلیٰ ہے۔(پالن پوری)

کے نیچے دی جاتی ہے، وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اولیٰ ہے، یا فقراء کو؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں، جہاں ان کا دل چاہے، صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں بھی دے سکتے ہیں؛(۱) لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۳/۹)

اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات:

سوال: کیا اولیاء اللہ کے مزار پر خیرات کرنی جائز ہے؟ جیسا کہ حضرت صابر رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر فقیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کے واسطے خیرات کرنی، پیسہ کی ہو، یا کھانے کی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

صدقہ وخیرات کر کے بزرگان دین کو بھی ثواب پہونچانا درست ہے، جو لوگ مزارات اولیاء اللہ کے پاس حجروں میں اپنی اصلاح اور ذکر وشغل کے لیے تنہائی اختیار کر کے رہتے ہیں اور عام دنیا سے بے تعلق ہیں، وہ اگر غریب ہوں تو وہ بھی صدقہ کے مستحق ہیں، ان کو بھی کھلانا درست ہے، جو مال دار ہوں، یا لغویات میں شریک ہوتے ہوں، ان کو نہ دیا جائے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۲۹/۹-۲۳۰)

---

(۱) وصرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غیر ذلک، إلخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

(۲) ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت ... ولاسیما إذا کان فی الورثة صغار أو غائب، إلخ. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت: ۲۴۰/۲، ۲۴۱، سعید)

(۳) إن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفیت أمه وهو غائب عنها، فقال: یارسول الله! صلی الله تعالیٰ علیه و سلم إن أمی توفیت وأنا غائب عنها، أینفعها شیئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة علیها. (صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة لله عن أمی: ۳۸۶/۱، قدیمی)

صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غیرها ... الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجره شیئ. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعید)

ایصال ثواب سے پہونچانے والے کو نفع نہ ہونے کے شبہ کا وجواز:

سوال: ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گزرتا ہے کہ اگر عمل نیک کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشا جاوے تو بخشنے والے کے لیے کیا نفع ہوا، البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے، حضور اس خدشہ کو رفع فرمادیں تو فدوی کو اطمینان ہو جاوے گا؟

الجواب ــ

فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی: عن ابی عمر وقال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا تصدق أحدکم صدقة تطوعاً فلیجعلها عن أبویه فیکون لهما أجرها ولاینقص من أجره شئیا. (۱)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

"من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها من غیر ان ینقص من أجره شیئا، أو کما قال. (۲)

وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا، اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد، سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہا نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل ملتقی بالقبول کیا ہے۔

کما فی ردالمحتار (۱/ ۸٤٤) عن زکاة التاتارخانیة عن المحیط: الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنها تصل إلیهم ولاینقص من أجره، آه. (۳)

اور اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الآخر سے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا، چناں چہ تعدیہ علوم وفیوض میں مشاہد ہے، بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں؛ بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شے موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی، **وذکر العارف الروحی فی المثنوی بعض آثار التوسع المعنوی فقال:**

در معانی قسمت واعداد نیست در معانی تجزیہ وافراد نیست

۲۹ رصفر ۱۳۴۴ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۷۴۵ ـ ۷۴۶)

---

(۱) شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور: ۱/ ۳۰۰

(۲) صحیح لمسلم، باب الحث علی الصدقة، رقم الحدیث: ۱۰۱۷، انیس

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲٤۳، مطلب فی القراءة للمیت

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا، جو مع جواب ذیل میں مذکور ہے:

سوال: مسئلہ مذکورہ عریضۂ سابق میں ایک امر قابل تحقیق اور بھی معلوم ہوا، جس کے متعلق کوئی نص نہ معلوم ہونے سے اکثر متردد رہا، امید کہ اس کے متعلق بھی کوئی نص حضور والا کو معلوم ہو تو شرف آگاہی بخشیں، اللہ تعالیٰ اجر جزیل فی الدارین عطا فرماویں۔ وہ جزئیہ یہ ہے کہ وہ اجر متجزی ہو کر مساوی درجہ میں جن جن کو ایصال ثواب کیا گیا ہے، انہیں پہونچے گا، جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے، یا ہر ایک کو بلا تجزی پورا پورا اجر اس عمل کا ملے گا، جیسا کہ اس کے فضل کا مقتضا ہے؟

الجواب

اس میں پہلے بھی کلام ہوا ہے، **كما في ردالمحتار: ويوضحه أنه لو اهدیٰ الكل إلٰى أربعة يحصل لكل منهم ربعه،فكذا لو أهدى الربع لواحد وابقى الباقي لنفسه،آه ملخصاً، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً؟فأجاب: بأنه أفتىٰ جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل.** (۱) مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں؛ اس لیے بدون نص اس میں کوئی حکم نہیں کیا جا سکتا، البتہ سوال بالا کے جواب میں جو حدیث طبرانی کی مذکور ہے، اس کو ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کہا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ اجرہا کا مرجع صدقہ ہے، جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے، نہ کہ جزء الصدقہ اور لہما سے تبادر اور شائع اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے، پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں؛ اس لیے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات (یقینی) میں سے نہیں؛ اس لیے بھی ایسے احتمالات مضر نہیں۔

نیز سوال سابق کے جواب میں جیسے معلوم ہوا کہ تعدیہ ثواب من محل الی محل موجب نقص فی احد المحلین نہیں، اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک محل مع محل کا ہے، نیز موجب نقص فی احد المحلین نہیں؛ کیوں کہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۹/ربیع الاول ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۴۷-۶۴۷)

ایصال ثواب کی غرض سے میت کے وارث کو ہندو کا پیتہ دینا:

سوال: میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کا ایک شاگرد ہندو ہے، اس نے پانچ روپے دیئے ہیں کہ اپنے بھائی کو قرآن پڑھوا کر بخشوا دو۔ کیا کرنا چاہیے؟

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۳-۲۴۴، مطلب في القراءة للميت

الجواب

وصول ثواب کے لیے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے اور ثواب ملنے کے لیے ایمان شرط ہے، پس غیر مومن کے اس عمل؛ یعنی اعطا وانفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا اور اگر قرآن خوانی کے ثواب کا پہنچنا محتمل ہو تو طے ہو چکا ہے کہ جو قرآن اجرت پر پڑھا جاتا ہے، اس کا ثواب بھی نہیں ملتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں اگر اس شاگرد کو زیادہ اصرار ہو تو صرف یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ وہ شخص یہ پانچ روپے کسی مسلمان کی ملک کردے اور وہ اگر چاہے وہ روپیہ کسی مستحق کو دے کر اس کا ثواب اس میت کو پہنچادے؛ لیکن بعد ملک ہو جانے کے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ روپیہ کسی کو نہ دے۔

۲۷/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (حوادث الفتاویٰ، حصہ ثالثہ، ص: ۱۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۸۰۷-۸۱)

جمعہ کے دن مر جائے تو اس کے لیے جمعہ کے دن کا کچھ ثواب ہے، یا نہیں؟

سوال: جو مسلمان جمعہ کے دن مر جائے تو اس کے لیے جمعہ کے دن کا کچھ ثواب ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: نظیر الدین امیر الدین، املیز ہ، ضلع مشرقی خاندیس)

الجواب

ہاں فضیلت اور ثواب ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۰۶)

ایصال ثواب میں زندوں کو بھی کہا جا سکتا ہے:

سوال (الف) جس طرح اموات کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے، احیا کو بھی کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

(ب) اگر ثواب پہنچ سکتا ہے تو مردوں کی برابر، یا کچھ کم؟

(ج) اس شرط پر ایصال ثواب کیا جائے کہ اے خدا اس ختم کا ثواب فلاں شخص کو اس وقت پہنچا دیجئے گا، جب کہ لوگ اس کے دفن سے فارغ ہو جائیں۔ اس صورت میں ثواب شرط کے مطابق پہنچے گا، یا کیا صورت ہو گی؟

(د) اگر ثواب مطابق شرط کے پہنچے تو ایصال ثواب کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے۔ کیا واقعی بہتر ہے، یا نہیں؟

الجواب

(الف) ایصال ثواب احیا و اموات دونوں کو کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ فرماتے ہیں۔ "عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله من فتنة القبر. (الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء من يموت يوم الجمعة: ۱/۲۰۵، ط: سعيد)

قال فی الدر المختار من باب الحج للغیر: الأصل إن کل من أتٰی بعبادۃ ماله جعل ثوابها لغیرہ قال الشامی تحته من الأحیاء والأموات. (۱)

(ب) عبارت مذکورہ سے ظاہراً اور قواعد سے عقلاً معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں احیا و اموات دونوں برابر ہیں، دونوں کو یکساں ثواب پہنچتا ہے۔

(ج) اولاً تو یہ شرط بیکار وفضول ہے؛ کیوں کہ اگر پہلے سے کسی کے لیے کوئی ثواب جمع کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ وہ بوقت دفن کام آئے گا، خاص دفن ہی کے وقت پہنچنا کوئی خاص فائدہ نہیں رکھتا۔ ثانیاً اس شرط کا قبول ہونا اور اس کے موفق پہنچنا نقل اور روایت پر موقوف ہے، وہ موجود نہیں؛ تاہم اگر کسی کو اسی کا شوق ہو کہ عین دفن کے وقت ثواب پہنچائے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ وہ عمل جس کا ثواب پہنچانا مقصود ہے دفن کے وقت کرے، یا دوسروں سے کرائے اور کرنے کے وقت اس کے ثواب کی نیت میت کے لیے کرے، اس صورت میں باتفاق میت کو بوقت دفن ثواب پہنچے گا اور اگر ایسا کرے کہ عمل تو پہلے کر لے اور اس کا ثواب میت کو بوقت دفن پہنچائے، تب بھی اکثر کے نزدیک ثواب بوقت دفن پہنچ جائے گا۔ **قال الشامی من باب الحج عن الغیر: دل علٰی أنه لا یلزم فی وصول الثواب أن ینوی الغیر عند الفعل.** (۲) لیکن ابن قیم وغیرہ اس صورت کو ایصال ثواب کے لیے جائز نہیں کہتے، **کما صرح به الشامی فی آخر باب الجنائز، قبیل باب الشهید.**

(د) اس کا جواب (ج) کے تحت میں آ گیا ہے کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(امداد المفتین: ۲/۱۷۲-۳۷۲)

ایصال ثواب کے لیے جو کھانا تیار ہو، اس کا حکم:

سوال: مُردے کا کھانے میں نیت نہیں کیا گیا ہے، بعد تیار کھانے کے مُردے کے لوگ کہتے ہیں کہ سید وتونگر وفقرا کو کھلائیں، اب وہ کھانا سید وغیرہ کھا سکتے ہیں، یا نہیں؟ از روئے حدیث وقرآن فتویٰ دیجئے۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) مردے کے ایصال ثواب کے لیے جو کھانا پکتا ہے، اس کو فقیر کو دیدینا چاہیے، اگر سید وتونگر کھائیں تو مضائقہ نہیں ہے۔ ”شیخ عبدالحق محدث دہلوی در جامع البرکات می نویسند وآنکہ بعد سالے وشش ماہے، یا چہل روز دریں دیار یزندو درمیان برادران بخش کنن وآنرا بھاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آنست کہ نخورند۔ (۳)

محمد عثمان غنی، ۵/۴/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۸۴-۲۸۵)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج عن الغیر: ۲/۵۹۵-۵۹۶، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، قبیل مطلب فی من أخذ فی عبادته شیئاً من الدنیا

(۳) ترجمہ: چہلم، یا شش ماہی، یا برسی کا کھانا جو اس دیار میں پکا کر برادری میں باٹا جاتا ہے اور اسے بھاجی کہتے ہیں، بے اصل ہے، اس کا نہ کھانا بہتر ہے۔ [مجاہد] (فتاویٰ عبدالحی: ۳/۶۸)

مُردوں سے موسوم کھانا کے احکام

سوئم چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے، یا نہیں:

سوال: آج کل کے طریقہ کے مطابق کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، حضرت امام حسن وحسین، حضرات تابعین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کسی کا سوم، دسواں، بیسواں، چہلم کیا ہے؟ ان مقدس صاحبان کے چہلم بھی کیے گئے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

ان اسلاف کرام واکابر عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ بدعات قبیحہ ثابت نہیں، وہ حضرات حد درجہ متبع سنت تھے، بدعات کے پاس نہیں جاتے تھے، ان کا بہت قابل قدر سرمایۂ حیات ہے، اخلاف کو ان کا اتباع لازم ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۰/۹)

چہلم اور دہم سے پہلے چونا ڈالنا:

سوال: زید اور بکر دونوں سگے بھائی ہیں، زید کا ایک نابالغ لڑکے کا، جس کی عمر چار سال تھی، انتقال ہوگیا۔ بکر اپنا ایک نیا مکان تعمیر کروا رہا تھا، زید کی بیوی کو یہ معلوم ہوا کہ بکر اپنے نئے مکان کو چونا ڈلوانے والا ہے تو اس نے کہا کہ

---

(۱) فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح كتاب الصلوٰة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد. (الفتاویٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۸۱/٤، رشيدية)

وتجوز (أي الوصية) بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه ... ولا لوارثه ... إلا بإجازة ورثته ... وهم كبار عقلاء فلم تجز إجازة صغير ومجنون. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الوصايا: ٦٥٠/٦، ٦٥٥، ٦٥٦، سعيد)

میرے بچہ کا چہلم ہونے کے بعد نئے مکان کو چونا ڈالنا، زید کے لڑکے کا انتقال ہوئے تقریباً پندرہ دن ہو چکے تھے تو کیا بکرا گرا اپنے مکان کو چونا کروا ڈالے تو اس کا یہ عمل حکم شریعت کے خلاف ہوگا؟ (محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

الجواب

ایصال ثواب تو حدیث سے ثابت ہے اور فقہا اس کے قائل ہیں؛ لیکن اس کے لیے چالیسویں دن کی ہی تخصیص درست نہیں؛ اس لیے اہل علم نے کسی دن اور تاریخ کے متعین کرنے کو منع کیا ہے۔ مشہور محدث وفقیہ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

"قول أصحاب المذهب إنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع". (۱)

(اصحاب مذہب نے کہا ہے کہ وفات کے پہلے اور تیسرے دن اور ایک ہفتہ کے بعد ضیافت کا اہتمام مکروہ ہے۔)

موت کے بعد کسی خاص مدت تک مکان کو چونا نہ ڈالنا، یا اس کو برا سمجھنا قطعاً غلط، نیز غیر شرعی رسم و رواج اور ہندوانہ طور وطریقہ کی پیروی ہے، ایسی من گھڑت باتوں سے بچنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۱۳-۲۱۴)

بیوہ کو تیجے پر دوپٹہ اڑھانا:

سوال: ہماری طرف رواج ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کی بیوہ کو اس کے متعلقین نیا دوپٹہ تیجے میں اڑھاتے ہیں، اس طرح بیوہ کے پاس نئے سفید دوپٹے کئی آجاتے ہیں، اگر نئے سفید دوپٹے کے عوض کچھ روپے نقد مدد کے لیے دے دیں تو اس میں کچھ حرج تو نہیں؟ اور پھر شوہر کے انتقال پر چوں کہ سوگ چار ماہ دس دن مناتے ہوئے زینت کرنا عورت کو منع ہے، اس نئے دوپٹے اڑھانے میں کیا راز پوشیدہ ہے؟ اس میں مسئلہ مذکورہ کی خلاف ورزی تو نہیں ہوتی؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب

بیوہ کو تیجے میں نیا دوپٹے اڑھانے کی رسم جو آپ نے لکھی ہے، یہ بھی غلط اور خلافِ شریعت ہے۔ (۲) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ (۳) اور اس دوران بیوہ کو نیا کپڑا پہننے کی اجازت نہیں۔ (۴) معلوم نہیں کہ اس رسم کے جاری

---

(۱) ردالمحتار: ۱/۶۰۳، ط: نعمانية

(۲) عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (الصحيح البخاري، كتاب الصلح: ۱/۳۷۰)

(۳) وعدة المتوفى عنها زوجها أربعة أشهر و عشراً، سواء دخل بها أولم يدخل بها إذا كانت حرة لقول الله تعالىٰ ﴿والذين يتوفون منكم و يذرون أزواجاً يتربصن بأنفسهن أشهر وعشراً﴾. (شرح مختصر الطحاوي: ۵/۲۳۹، باب العدة والاستبراء)

وعدة الوفاة على الرحة أربعة أشهر وعشر، الخ. (فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الهندية: ۱/۵۵۰، باب العدة)

(۴) وتجتنب المعتدة كل زينة نحول أكحل والحناء والخضاب والدهن والتحلي والتطيب ولبس المطيب والمصبوغ بالمعصفر والزعفران، الخ. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۵۵٤)

کرنے والوں کا منشا کیا ہوگا؟ ممکن ہے دوسری قوموں سے یہ رسم مسلمانوں میں درآئی ہو، یا مقصود بیوہ کی خدمت کرنا ہو، بہرحال یہ رسم خلاف شرع ہے، اس کو ترک کردینا چاہیے، بیوہ کی خدمت اور اشک شوئی کے لیے اگر نقد روپیہ پیسہ دے دیا جائے تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن رسم اس کو بھی نہیں بنانا چاہیے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۲۶/۴)

سویم، دسواں وغیرہ:

سوال: ایصال ثواب کا شرعی حکم اور صحیح طریقہ کیا ہے، زیارت، سویم، دسواں، چالیسواں اور سالانہ فاتحہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بعض رشتہ داروں کے پاس سے ایسی دعوتیں آتی ہیں، اگر شریک نہ ہوں تو ناراضگی کا سبب ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؛ تاکہ بغیر کسی کو ناراض کئے ان کو صحیح احکام کی روشنی میں مطمئن کرسکیں؟

(خواجہ معین الدین، تالاب کٹھ)

الجواب

ایصال ثواب کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ کوئی بدنی، مالی عبادت کی جاوے، یا قرآن مجید پڑھا جائے اور دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر مرحوم کو عطا کردے۔(۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سفر السعادۃ، ص:۲۷۳ میں لکھتے ہیں:

''اما این اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است وحرام''۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعد یوم رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وششماہی وبرسینی ہیچ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند وحرام ساختہ اند''۔(۲)

ایصالِ ثواب کا یہی طریقہ سنت سے ثابت ہے، زیارت دسویں، چالیسویں اور سالانہ فاتحہ وغیرہ کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے،(۳) اور چوں کہ یہ دعوتیں ایک بدعت پر مبنی ہیں؛ اس لیے ان میں شرکت درست نہیں ہے۔ ایسے موقع

---

(۱) مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنی کتاب ''جلی الصوت'' میں لکھتے ہیں کہ ''یعنی میت کے پہلے، یا تیسرے دن، یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کئے جاتے ہیں، سب مکروہ وممنوع ہیں۔ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس دعوت کا کھانا بھی منع ہے۔ (جلی الصوت، ص:۳)

''ویکره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع''. (ردالمحتار: ۶۰۳/۱، ط:نعمانية)

''وتكره الضيافة من أهل الميت؛لأنها شرعت في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة''. (مراقی الفلاح، ص: ۳۳۹)

(۲) مالا بد منہ، ص:۱۶۰

(۳) ويقرأ يٰسين...ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلا ن'' (رد المحتار: ۶۰۵/۱، مطلب في زيارة القبور)

پر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو شریعت کے احکام سے مطلع کرنا چاہیے اور شائستہ طریقہ پر شرکت سے معذرت کر دینا چاہیے، زندگی میں ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں، جب ہم محض کسی اختلاف ونزاع کے باعث لوگوں کے تقریبات میں شرکت نہیں کرتے ہیں، پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ذاتی مسائل میں ہم اتنے حساس ہوں اور خدا کے دین اور شریعت کے معاملہ میں ہمارے اندر کوئی غیرت نہ ہو۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۲۱۴-۲۱۶)

گیارہویں وغیرہ:

سوال: زید گیارہویں کرتا ہے اور اس میں امیروں کو؛ یعنی صاحب زکوۃ کو اور اپنے رشتہ داروں کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا اور اس کا ثواب حضرت پیران پیر عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی روح کو پہنچے گا۔ عمر کہتا ہے کہ صاحب زکوۃ کو ایسا مال کھانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ حرام اور گناہ ہے؛ کیوں کہ گیارہویں ہی کرنا حرام ہے، قرآن مجید میں صاف ہے کہ وہ چیز جو پکاری جائے غیر کے لیے حرام ہے۔

بکر کہتا ہے کہ گیارہویں کا کھانا صاحب زکوۃ کو یعنی امیروں کو بلا کراہت جائز ہے، البتہ امرا کے کھانے سے اہل میت کو اور اس شخص کو جس کو ایصال ثواب کرنا ہے، نہ پہونچے گا، باقی گیارہویں، یا دیگر خیرات ونیاز امیر غریب سب کھا سکتے ہیں، اس میں کوئی گناہ نہیں اور دلیل میں پیش کرتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنواں کھودنے کو فرمایا، (۱) تو کنویں میں سب غریب امیر پانی پیتے تھے اور اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ کو ملتا ہے۔ عمر کہتا ہے کہ یہ حدیث اول تو کمزور ہے اس کی اسناد قوی نہیں، (۲) پھر وہ وقف تھا، وقف اور خیرات مین بڑا فرق ہے، خیرات ونیاز محض غریبوں کا حق ہے۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ گیارہویں کرنا اور اس کے لیے پیسہ جدا نکال کر رکھنا کیسا ہے؟ اور امیروں کو کھانا حرام ہے، یا ثواب ہے اور ہر وہ شخص جو غریب ہے اور مزدوری کرتا ہے، اسی نذر معین کو کھا سکتا ہے، یا نہیں؟ براہ کرم، بحوالۂ کتب مفصل جواب ارقام فرمائیں۔ (بندہ منظور احمد عفی عنہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نفس ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ وہ غیر ثابتہ کے شرعاً درست اور فائدہ مند ہے؛ (۳) لیکن گیارہویں مروجہ

---

(۱) عن سعدبن عبادة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: یارسول اللّٰہ! إن أم سعد ماتت،فأی الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" فحفر بئراً وقال:ھٰذہ لأم سعد". رواہ أبوداؤد والنسائی". (مشکٰوة المصابیح،کتاب الزکاة،باب فضل الصدقة، ص: ۱۶۹،قدیمی)

(۲) أبوداؤد اور نسائی دونوں نے اس کو نقل کیا ہے، لہذا سند اس کی کمزور نہیں؛ بلکہ صحیح ہے۔

(۳) فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیرہ عند أھل السنة والجماعة،صلاة کان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذکار أوغیرذلک من أنواع البر،ویصل ذلک إلی المیت،وینفعه، قاله الزیلعی فی باب الحج عن الغیر". (مراقی الفلاح کتاب الصلوٰة،باب أحکام الجنائز،فصل فی زیارة القبور،ص: ۶۲۱-۶۲۲،قدیمی) ==

بدعت اور نا جائز ہے،(۱) کسی بزرگ کے لیے نذر ماننا حرام اور شرک ہے،(۲) وہ کھانا جائز نہیں، البتہ خداوند تعالیٰ کے لئے نذر ماننا اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا درست ہے،(۳) اور یہ کھانا فقراء اور محتاجوں کا حق ہے، کسی مالدار کو کھانا جائز نہیں۔(۴) صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں سے استدلال صحیح نہیں وہ بطور نذر نہیں تھا؛ بلکہ وہ عام مومنین امیر وغریب سب کے لیے وقف تھا۔(۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۶/۹/ ۱۳۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۷۲-۲۷۴)

تیجہ، دسواں، چالیسواں، سب غیر شرعی رسمیں ہیں:

سوال: میت کے لیے تین دن بعد فاتحہ خوانی کرنا، جو یہاں (ریاست میسور میں) زیارت کے نام سے مروج

== ویکره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع،والأعياد.(الفتاوىٰ البزازية علىٰ الهندية،قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ٨١/٤،رشيدية)

وتجوز(أي الوصية)بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه ... و لا لوارثه ... إلابإجازة ورثته ... وهم كبار عقلاء فلم تجزإجازة صغيرومجنون.الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الوصايا: ٦٥٠/٦،٦٥٥،٦٥٦،سعيد)

(۱-۳) المرجع السابق

(۴) الوصية المطلقة ... لاتحل للغني؛لأنها صدقة،وهي على الغني حرام". (الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الوصايا،فصل في وصايا الذمي وغيره: ٦٩٨/٦،سعيد)

(۵) في النهرعن المحيط؛ لو وقف على الأغنياء وحدهم،لم يجز؛لأنه ليس بقربة،أما لوجعل آخره للفقرآء،فإنه يكون قربة في الجملة". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ٣٣٨/٤،سعيد)

(واعلم أن النذرالذي يقع للأموات من أكثرالعوام) ... (وما يؤخذ) ... (قوله باطل وحرام) لوجوه:منها أنه نذرلمخلوق،ولايجوز؛لأنه عبادة،والعبادة لا تكون لمخلوق،ومنها أن المنذور له ميت،والميت لايملك ومنها أنه ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ اعتقاد ذلك كفر.اللهم! إلا أن يقول ياالله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي أورددت غائبي ... أوزيتاً لوقودها أودراهم لمن يقوم بشعائرها إلىٰ غيرذلك مما يكون فيه نفع للفقراء،والنذر لله عزوجل وذكرالشيخ:إنما هوبيان لمحل صرف النذرلمستحقيه القاطنين برباطه أومسجده، فيجوز بهٰذا الاعتبار،إذ مصرف النذرالفقراء وقد وجد،ولايجوزأن يصرف ذلك لغني غيرمحتاج إليه ولا لشريف منصب؛لأنه لا يحل له الأخذ ما لم يكن محتاجاً فقيرًا،ولا لذي نسب لأجل نسبه ما لم يكن فقيرًا،ولا لذي علم لأجل علمه ما لم يكن فقيرًا، ولم يثبت في الشرع جوازالصرف للأغنياء للإجماع علىٰ حرمة النذرللمخلوق،ولا ينعقد،ولا تشتغل به الذمة:وأنه حرام بل سحت"(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم باب ما يفسد الصوم وما لايفسد، قبيل باب الاعتكاف: ٤٧١/١-٤٧٢، دارالمعرفة،بيروت)

ہے، نیز دسویں دن، بیسویں دن اور چالیسویں دن کھانا وغیرہ پکا کر فاتحہ دلا کر دوستوں کو کھلا تے ہیں، ان کاموں کو ترک کرنے والوں کو حنفی مذہب سے علاحدہ سمجھتے ہیں؟

(المستفتی: ۸۵۶، حکیم قاضی محمد نور الحق (چامراج نگر) ۲۱ر محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۴ر اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب

یہ زیارت (تیجہ) دسواں چالیسواں سب غیر شرعی رسوم ہیں، قرون اولی میں نہ تھے (۱) ایصال ثواب جائز ہے؛ (۲) مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بدنی عبادت کر کے مثلاً نماز نفل پڑھ کر روزہ نفلی رکھ کر یا تلاوت قرآن کر کے یا درود شریف پڑھ کر کسی کو ثواب بخش دو، یا مالی صدقہ کھانا کپڑا روپیہ غلہ وغیرہ کسی مسکین کو اللہ کے واسطے دے دو اور اس کا ثواب کسی کو بخش دو، اس مالی یا بدنی نیک کاموں میں کسی خاص وقت یا خاص تاریخ یا کسی خاص چیز یا خاص ہیئت کی شریعت مقدسہ نے کوئی شرط اور کوئی قید نہیں لگائی تم بھی اپنی طرف سے کوئی شرط یا قید نہ لگاؤ، ریا نمود کی نیت نہ ہو، شہرت مقصود نہ ہو، پابندی رسم کا ارادہ نہ ہو، خالص خدا کے لئے نیک کام ہو اور قرض ادھار نہ لیا جائے اپنی وسعت کے موافق کیا جائے ترکہ مشترکہ میں سے خرچ نہ کیا جائے کسی نابالغ یا غائب وارث کے حصے میں سے کھانا وغیرہ نہ کیا جائے تو ان صورتوں میں ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے، (۳) حنفی مذہب کی صحیح تعلیم یہ ہے اور جو لوگ کہ ان بدعات کو کرتے ہیں وہ حنفی مذہب کے او پر عمل کرنے والوں کو وہابی کہہ کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۱/۴-۱۳۲)

---

(۱) یکره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرورو، هي بدعة مستقبحة ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث، وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في الموسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقرآن للختم، أو لقراءة سورة أنعام، أو الاخلاص والحاصل، ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن، لأجل الأكل يكره، وفيها من كتاب الاستحسان، وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسنا، آه. وأطال في ذلك في المعراج وقال هٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها، لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت: ٢/ ٢٤٠، ط: سعيد)

(۲) تنبيه: صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غيرها، وفي البحر: من صام أو صلىٰ أو تصدق، وجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء، جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة و الجماعة. رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له: ٢/٢٤٣، ط: سعيد)

(۳) يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرورو، هي بدعة مستقبحة ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث، وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في الموسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقرآن للختم، أو لقراءة سورة أنعام، أو الاخلاص والحاصل، ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن، لأجل الأكل يكره، وفيها من كتاب الاستحسان، وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسنا، آه. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت: ٢/ ٢٤٠، ط: سعيد)

تیجہ، دسواں، چہلم، بدعت ہیں:

سوال: کیا تیجہ دسواں اور چہلم کرنا بدعت اور ناجائز ہے؟

(المستفتی: ۱۵۶۴، جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایوں) ۲۴ / ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ، ۴ / جولائی ۱۹۳۷ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

ایصال ثواب جائز؛ بلکہ مستحسن ہے؛ مگر اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو، صدقہ کردے، یا کوئی بدنی عبادت، مثلاً نماز نفل، نفل روزہ، تلاوت قرآن مجید کرے اور اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے، بخش دے۔(۱) اس میں کسی دن اور تاریخ، یا کسی معین چیز کی تخصیص اور تعین نہ کرے، نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے۔

تیجہ اور دسوان اور چہلم ان تخصیصات کی وجہ سے اور ان کو مستقل رسم قرار دے لینے کی وجہ سے بدعت ہیں،(۲) ان کی بطور رسم ادائیگی موجب ثواب ہی نہیں، پھر ایصال ثواب کہاں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۶/۴)

تیجہ مسجد میں، یا مکان پر:

سوال: تیجہ جس میں چنے پر کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی اور پھولوں کا عرق گلاب میں ڈبونا اندرون مسجد، یہ فعل کیسا ہے؟ کیوں کہ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب آداب الصالحین میں لکھا ہے کہ سیپارۂ قرآن کو مسجد میں پڑھنا اور قرآن خووانی مسجد میں مکروہ ہے، یا چنے و پھول ڈبونا اور غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے؟ اور اگر مکانوں میں صرف قرآن خوانی کرائے، بلا پابندئ رسم ورواج تو کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا، بلا التزام تاریخ وہیئت وغیرہ کے مسجد میں اور مکان درست اور (باعث)

---

(۱) تنبیہ: صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أوغیرها، وفی البحر: من صام أو صلٰی أو تصدق، وجعل ثواب عمله لغیره من الأموات والأحیاء، جاز ویصل ثوابها، إلیهم عند أهل السنة و الجماعة، رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، ط: سعید)

(۲) وفی البحر: من صام أو صلٰی، أو تصدق، وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز، ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۴۳/۲، ط: سعید)

ثواب، (۳) تیجہ مروجہ بدعت ہے، (۴) غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا؛ تاکہ تعزیت کریں، مکروہ ہے۔(رد المحتار: ۹٤١/١)(۳)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۷/۳۰ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۴ر شعبان ۱۳۶۱ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۴/۹)

دفن کے بعد چند رسومات:

سوال: میت سے فراغت ہونے کے بعد جو رسوم حاضری لگانے کی ہے اور سوئم پھول کرنے کی ہے ان رسوم میں تمام برادری اور کنبہ والوں کو جمع کر کے کھانا وغیرہ دیا جاتا ہے اور جو قومی نمائندے ہیں وہ سرداری کا کھانا اپنے گھر تک لے جاتے ہیں اس میں یتیم اور بیوہ کی حق تلفی ہوتی ہے اور اگر متوفی غریب ہے تو بھی قرض لے کر صرف کیا جاتا ہے جس کا بار یتیم بچوں پر پڑتا ہے اور طباق کھانے کا بھر کر قبر پر بھیجا جاتا ہے اور چالیس روز تک اس کے عزیز بطریق سوگوار ہونے کے کسی کی شادی میں شریک نہیں ہوتے یہ جملہ رسوم بروئے شرع جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

میت سے فراغت کے بعد بہت سی رسمیں مروج ہیں اور ان میں سے اکثر رسمیں خلاف شرع ہیں، مثلاً: حاضری لگانا، دن معین کر کے پھول کرنا برادری کو جن میں امیر غریب ہر طرح کے لوگ شامل ہوتے ہیں، کھانا دینا اور قومی

(۱-۲) فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاة كان أو صوماً أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح كتاب الصلوٰة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ٦٢١ - ٦٢٢، قديمي)

ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، والأعياد. (التفاوىٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ٨١/٤، رشيدية)

وتجوز (أي الوصية) بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه ... ولا لوارثه ... إلا بإجازة ورثته ... وهم كبار عقلاء فلم تجز إجازة صغير ومجنون". (الدر المختار مع تنوير الأبصار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الوصايا: ٦٥٠/٦، ٦٥٥، ٦٥٦، سعيد)

(۳) وبالجلوس لها (أي للتعزية) في غير مسجد ثلاثة أيام". (الدر المختار). "أما فيه فيكره ... قلت: وهل تنتفي الكراهة بالجلوس في المسجد وقراءة القرآن حتىٰ إذا فرغوا، قام ولي الميت وعزاة الناس كما يفعل في زماننا؟ الظاهر لا، لكون الجلوس مقصودا للتعزية لا للقراءة" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، قبيل مطلب في زيارة القبور: ٢٤١/٢، سعيد)

نمائندوں کوسرداری کا حصہ دینا مشترکہ ترکے میں سے یہ تمام اخراجات کرنا، موت کے بعد میت کے عزیزوں کا چالیس روز تک کسی شادی میں شریک نہ ہونا، یہ تمام رسوم ناجائز اور بدعت ہیں ترکہ کے مستحق وارثوں میں اگر کوئی نابالغ ہو، یا کوئی موجود نہ ہو، یا تمام بالغ وارثوں کی رضامندی نہ ہوتو اس میں سے یہ فضول اخراجات وخیرات وغیرہ کرنے کا بھی کسی کو اختیار نہیں ہے،(۱) حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جولوگ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں،(۲) ایصال ثواب کے لیے صدقہ خیرات کرنا اچھی بات ہے؛(۳) مگراس کے لیے ضروری ہے کہ نہ تو مال یتیموں اور نابالغوں کا ہواور نہ خلاف شریعت رسوم کی پابندی کے ساتھ کیا جائے، غریب آدمیوں کو مجبور کرنا کہ وہ قرض ادھار لے کر برادری کو کھلائیں، ورنہ ان کو طعن تشنیع کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔(احقر مظہر الدین غفرلہ)(کفایت المفتی:۶۷/۴-۶۸)

نیاز کا مروجہ طریقہ بدعت ہے:

سوال: میری والدہ فوت ہوگئیں، ساڈھوری والے پیر جی کی نیاز کرنی بتایا کرتی تھیں، مرتے وقت بھی بتا گئی ہیں، میں موجود تھا والد صاحب ہی ذکر کیا کرتے ہیں، میں نے اپنے پیر صاحب سے جن کا وصال ہو چکا ہے، مشورہ لیا تھا، فرماتے تھے کہ ماں باپ کا حکم ماننا چاہیے، مجھے ابھی تک ادائیگی کا موقع نہیں ملا۔ اب جس طرح حضور فرمائیں گے، کروں گا؟

(المستفتی:۷۴۶، نور محمد صاحب، ہیڈ ماسٹر مونڈلہ ضلع کرنال، ۷/ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ، ۱۱/فروری ۱۹۳۶ء)

الجواب

والدہ کی وصیت کے موافق کوئی چیز صدقہ کر کے ان کے پیر صاحب کو ثواب بخش دیا جائے،(پیر صاحب کو ثواب بخشنا، اگر شرعی طریقے کے موافق ہو، تب تو ٹھیک ہے، ورنہ درست نہیں) نیاز کا مروجہ طریقہ بدعت ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ(کفایت المفتی:۱۳۰/۴-۱۳۱)

---

(۱) ویکره إتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة، وروى الإمام أحمد، وابن ماجة بإسناد صحيح عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلىٰ أهل الميت، وصنعهم الطعام من النياحة، ففي البزازية، ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثاني و الثالث ... ولاسيما إذا كان في الورثة صغارًا، أوغائبًا. وما كان ذالك فلاشك في حرمته، وبطلان وصيته. (رد المختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ط: سعيد)

(۲) ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ (سورة النساء: ۱۰)

(۳) وإن اتخذ طعامًا للفقراء كان حسنا له. (ردالمحتار، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ط: سعيد)

(۴) ولا سيما إذا كان في الورثه صغار أو غائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذالك غالباً من المنكرات ==

حیلۂ اسقاط کا مروجہ طریقہ خرافات ومکروہات کا مجموعہ ہے:

سوال: علمائے اہل سنت والجماعت نے واسطے بخشائش میت کوئی ایک حیلہ کی اجازت دی ہے بذریعہ قرآن شریف، جس کا طریقہ فتاوی سمرقندی میں مرقوم ہے اوراس حیلے کو آج کل کے علمائے غیر مقلد وبعض علمائے دیو بند ممنوع کرتے ہیں؛ کیوں کہ اس حیلے کی نسبت کوئی حدیث نہیں اور نہ ہی کتاب فقہ میں ذکر ہے، جواز میت کے لیے فتاویٰ سمرقندی کا حوالہ دیا جاتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے بہت سے علما یہ کام کرتے چلے آئے ہیں، اگر نا جائز ہوتا تو وہ نہ کرتے؟

(المستفتی: ۹۸۷، سید ابوظفر (ضلع بلند شہر) ۲۲/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، ۱۳/جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

حیلۂ اسقاط کا طریقۂ مروجہ بہت سی خرافات اور مکروہات پر مشتمل ہے؛ اس لیے اس کو علمائے حقانیین منع کرتے ہیں، (۱) یہ عبارت جو فتاوی سمرقندی سے نقل کی ہے قابل اعتماد اور مستند نہیں، جو روایات اس میں مذکور ہیں، وہ نا قابل یقین ہیں؛ بلکہ بعض تو موضوع ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۳/۴)

رسوم مروجہ:

سوال (۱) جس گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے، اس گھر کے لوگوں کو اوراس کے پڑوس کے گھروں میں بھی کھانا پکانا درست ہے، یا نہیں؟

(۲) میت کے گھر میں سے کوئی چیز میت کے غسل وکفن کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز بازار سے لانی چاہیے گھر کی کوئی چیز استعمال نہیں کرنی چاہیے، مثلاً گھڑے بدھنیاں وغیرہ، حتی کہ کفن سینے کے واسطے سوئی بھی بازار سے لانی چاہیے، گھر میں چار پائی موجود ہو، پھر بھی میت کے لیے بازار سے لانی چاہیے؟

الجواب

میت ہو جائے تو کھانے پینے کی گھر والوں کو بھی ممانعت نہیں ہے، چہ جائیکہ پڑوسیوں کو یہ دوسری بات ہے کہ گھر

== الكثيرة كايقاد الشموع، والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء، والمردان، واحد الأجرة على الذكر، وقراءة القرآن ... فلا شك في حرمته، وبطلان الوصية به، ولاحول ولا قوة إلا بالله. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۱/۲، ط: سعيد)

(۱) مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "راہ سنت" مؤلفہ مولانا سرفراز خان صفدر، و"مروجہ حیلہ اسقاط اور دعا بعد نماز جنازہ" مؤلفہ مفتی احمد ممتاز صاحب

والے رنج وغم کی وجہ سے کھانے پینے کی طرف راغب نہیں ہوتے؛(۱) لیکن اگر وہ اس گھر میں بیمار کو، یا بچوں، یا کمزوروں اور ضعیفوں کو کھانا کھلاویں تو گناہ نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی غلط ہے، اگر گھر کے برتن چارپائی وغیرہ استعمال کریں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ان چیزوں میں کوئی خرابی آتی ہے اور نہ ان کے پھر استعمال کرنے میں کوئی وہم کرنے کی گنجائش ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۲۰۶-۲۰۷)

میت کے گھر تیسرے روز تک کھانا کھانے کا حکم:

سوال: میت کے گھر طعام کھانا تین روز سے اول جائز ہے، یا نہیں، شادی ہو یا غم میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

میت کے گھر کا کھانا جو صدقہ کا ہے، وہ تو جائز فقرا کو ہے، غنی کو مکروہ [ہے] اور جو اہل میت برادری کی روٹی پکاویں، وہ مکروہ تحریمہ اور حرام ہے اور جو فخر وریا کا طعام ہو، وہ بھی حرام ہے اور جو دور سے مہمان تعزیت کے واسطے آوے، اس کو کھانا درست ہے، خواہ قبل سہ روز کے ہو، یا بعد سہ روز کے ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص: ۲۲۱-۲۲۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۹۶-۱۹۷)

اہل میت کی طرف سے دفن کرنے والوں کو اسی دن کھانا کھلانا بدعت ہے:

سوال: میت کے دفن کرنے والے اسی روز اس کے گھر کھا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

میت کے دفن کرنے والوں کو اولیائے میت سے دعوت لینا جائز نہیں۔ "**ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلثة أیام" إلخ**. (الهندية: ۱/۱۷۸، ومراقی الفلاح، ص: ۳۳۹)(۳) (کفایت المفتی: ۴/۱۲۱-۱۲۲)

---

(۱) ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهية الطعام لهم، يشبعهم يومهم، وليلتهم، لقوله عليه السلام: "اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم مايشغلهم". حسنه الترمذي، وصححه الحاكم، ولأنه برومعروف ويلح عليهم فى الأكل)

(۲) کیوں کہ نہ کوئی شرعی ممانعت وارد ہوئی ہے اور نہ کوئی عقلی قباحت ہے۔

(۳) باب الجنائز، الفصل السادس فى الدفن: ۱/۱۶۷، ط: ماجدية كوئتة

وتكره الضيافة من أهل الميت؛ لأنها شرعت فى السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة. (مراقى الفلاح، أحكام الجنائز: ۳۷٤، ط، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

قال فى البزازية: ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى المقبرة فى المواسم. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، أحكام الجنائز: ۳۷٤، ط: مصطفى الحلبى، مصر)

میت کے گھر میں ہوتے ہوئے کھانا کھانا جائز ہے:

سوال: میت کو کفن دفن کرنے سے پہلے اس گھر کی کوئی چیز کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۵۴۱ ،الٰہی خاں (مگوے)۱۶/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ،۱۸/جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

میت کی موجودگی میں کھانا کھانا جائز ہے،(۱) اہل میت کے ہاں تین دن تک کچھ نہیں کھانا چاہیے، تین دن کے بعد اگر کوئی ضیافت ہو تو کھانے میں مضائقہ نہیں ۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۱۲۲/۴)

تعزیت کے بعد لوگ اپنے گھر چلے جائیں، میت کے گھر کھانا درست نہیں:

سوال (۱) کیا اہل میت کے گھر کا کھانا؛ یعنی ضیافت ماتم پرسی کرنے والوں کو مباح ہے؟

میت کے گھر صرف دو وقت کا کھانا بھیجنا مستحب ہے:

(۲) کیا اہل میت خود اپنے گھر سے پکا کر کھائیں، یا جیران میت، یا قریبی و بعیدی رشتہ دار اپنے اپنے گھروں سے کھانا تیار کرکے کھلائیں، اگر کھلا سکتے ہیں تو کتنے دن تک کھلائیں؟

اہل میت کو صبر کی تلقین کرنا درست ہے:

(۳) صبر کی دعا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۲۷۶۶،محمد ثناءاللہ جامع مسجد سرانوں پودلہ ضلع فیروز پور،۶/جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ،۱۰/جون ۱۹۴۳ء)

الجواب

(۱) اہل میت کے گھر ضیافت کھانے کی، جو رسم پڑ گئی ہے، یہ یقیناً واجب الترک ہے،صرف اہل میت کے وہ عزیز واقارب جو دور دور سے آئے ہوں اور ان کی امروز واپسی نہ ہو سکے، یا اہل میت کی تسلی کے لیے ان کا قیام

---

(۱) اس میں شرعی طور پر کوئی پابندی نہیں؛ لیکن آج کل یہ رسم بنی ہوئی ہے کہ لوگ میت کا گھر میں ہوتے ہوئے کھانے کو گناہ سمجھتے ہیں؛ اس لیے اس رسم کو ختم کرنا چاہیے، ہاں البتہ غم کی وجہ سے نہ کھا سکیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔

(۲) لیکن دن متعین نہ ہوں، مثلاً ساتواں، چالیسواں وغیرہ۔

ویکره اتخاذ الضیافة ثلاثه أیام وأکلها؛لأنها مشروع لسرور.(الفتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الهندیة، الفصل الخامس والعشرورن فی الجنائز:۸۱/٤،ط:ماجدیة کوئٹة)

ضروری ہو، وہ میت کے گھر کھانا کھالیں تو خیر، (۱) باقی تمام تعزیت کرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہیے۔ (۲) نہ میت کے گھر قیام کریں، نہ ضیافت کھائیں۔ (۳)

(۲) میت کے قریبی رشتہ دار گھر والوں کے لائق کھانا بھیج دیں تو یہ جائز اور مستحب ہے اور یہ صرف تین دن تک۔ (۴)

(۳) صبر کی دعا اور صبر کی تلقین کرنا جائز اور مسنون ہے، تعزیت مسنونہ میں لفظ "أحسن اللّٰہ عزائکم" (۵) بھی موجود ہے، جو صبر کی دعا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "إتقی اللّٰہ و اصبری" (۶) بھی ثابت ہے، جو صبر کی تلقین ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۲۳/۴-۱۲۴)

انتقال میت پر کھانا دینا:

سوال: اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو رسم ہے کہ اس کی خوراک کا کھانا مسجد میں پہونچاتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

مرنے کے بعد اس کی خوراک کا سوال ختم ہو گیا، جو کچھ اس نے چھوڑا ہے، ترکہ ہے، جو کہ ورثا کا حق ہے، بالغ ورثا حسب توفیق جو کچھ مشروع طریقہ پر ثواب پہونچائیں تو مفید اور نافع ہے۔ (۷) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۰/۶/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۸/۹)

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إنها کانت إذا مات المیت من أهلها فاجتمع لذالک النسآء، ثم تفرقن إلا أهلها، وخاصتها، أمرت ببرمة من تلبینة، فطبخت، ثم ضع ثرید، فصبت التلبینة علیها، قالت کلن منها (البخاری، کتاب الأطعمة، باب التلبینة: ۸۱۵/۲، ط: سعید)

(۲) وقال کثیر من متأخری آئمتنا یکره الإجتماع عند صاحب المیت، ویکره له الجلوس فی بیته حتٰی یأتی إلیه من یعزی بل إذا فرغ، ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا، ویشتغل الناس بأمورهم، وصاحب المیت بأمره (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۴۱/۲، ط: سعید)

(۳-۴) حضرت مفتی صاحبؒ نے تین دن لکھا ہے جب کہ دوسرے فقہا نے لکھا ہے کہ صرف دو وقت کا کھانا بھیجنا مستحب ہے.

قال فی الفتح: ویستحب لجیران أهل المیت، والأقرباء إلا باعد تهیة طعام لهم یشبعهم یومهم، ولیلتهم. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز: ۲۴۰/۲، ط: سعید)

(۵) ردالمحتار: باب صلاة الجنائز: ۲۴۱/۲، ط: سعید

(۶) الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل الصبر عند الصدمة الأولٰی: ۳۰۲/۱، ط: قدیمی

(۷) الأصل فیه أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أو صدقةً أو قراءةً قرآن أو ذکرًا أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غیر ذلک عند أصحابنا للکتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۰۵/۳، رشیدیة)

ویصل ذلک إلی المیت وینفعه. (مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۲، قدیمی)

اہل میت کا گھر میں کھانا:

سوال آپ نے فرمایا ہے: ''جس چیز سے منع کیا جاتا ہے، وہ میت کے ایصال وثواب کا کھانا کھانا ہے اور حضرت ابوذرؓ کی وصیت مہمانوں کو کھلانے کی تھی اور مہمانوں کو کھلانے سے منع نہیں کیا جاتا۔''

(۱) جب کسی کی موت واقع ہوتی ہے تو جو لوگ دور سے اور قریب سے جنازے میں شرکت کے لیے آتے ہیں، وہ سب مہمان ہی ہوتے ہیں، بعد دفن وہی لوگ اور ان کی عورتیں کھانا کھاتے ہیں۔ یہ کھانا کیسا ہے؟

الجواب______

اس کے جواز میں کیا شبہ ہے؟ مگر حکم یہ ہے کہ اہل میت اور ان کے مہمانوں کو دوسرے لوگ کھانا دیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۲/۴)

دفن کرنے والے کا مرنے والے کے گھر اسی دن کھانا کھانا کیسا ہے:

سوال: ایک شخص مرگیا، اس کے جو دفن کرنے والے ہیں، اسی روز اس کے گھر کھانا کھا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب______

میت کے گھر والوں کے لیے جو اقربا میں سے کھانا لاوے، اس کا کھانا اہل میت کو درست ہے، (دفن کرنے والے کا اہل میت کو کھانا پکانے پر مجبور کرنا اور کھانا مکروہ ہے)۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۸/۵)

ورثہ میں اگر کوئی نابالغ ہو تو ترکہ سے خیرات کرنا جائز نہیں:

سوال: عام دستور ہے کہ متوفی ورثا جن میں بالغ نابالغ بیوہ شامل ہیں، متوفی کے مال میں سے فاتحہ خوانی کی رسومات پر صرف کرتے ہیں؛ یعنی پلاؤ، زردہ وغیرہ پکوا کر ملاؤں، رشتہ داروں، دوستوں کی دعوت کی جاتی ہے، ایسے فاتحہ کا کھانا متمول لوگوں کو جائز ہے، یا نہیں؟(۲)

(المستفتی: ۵۱۲، محمد مقدس احمد، ضلع سلہٹ، ۵/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، ۷/جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب______

نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۱۲۲/۴)

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸۲۱/۱

(۲) چاہے کھانے والے مالدا ہوں، یا غریب۔ ''ویكره اتخاذ الضيافة من أهل الميت ... و لاسيما إذا كان في الورثة صغار، أو غائب (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲۴۰/۲، ط: سعيد)

قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں:

سوال: دفن کے بعد قبر پر کھانا پکا کر کھلاتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

قبرستان عبرت کی جگہ ہے، قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے، وہاں دعوتوں کا انتظام کرنا درست نہیں، مع ہذا قبر کے پاس آگ جلانا بھی ممنوع ہے، اس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔

وكان ينبغي أن لايقوب بشئى من أثر النار أصلاً لما ورد في الحديث من النهي من ابتاع الميت بالنار فمابا لک بها توقد عند القبر. (المدخل: ۳/ ۲۷)

ويكره اتخاذ الطعام (إلىٰ قوله) **ونقل الطعام إلى القبر في المواسم،** آه. (رد المحتار: ۱/ ۶۰۳) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/ ۱۵۷)

اہل میت کو خود اپنے گھر کا کھانا پکا سکتے ہیں:

سوال: ایک شخص کے گھر میں موت ہو جائے اور وہ اپنے اگھر کھانا پکوا کر خود کھتا ہے اور کچھ مہمان آئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرتا ہے۔ نیز اس کے کسی رشتہ دار کے گھر سے کھانا رواج کے مطابق آتا ہے تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے اور خود نئے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی نئے کپڑے پہناتا ہے۔ ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی امر خلافِ سنت ہو تو اس کا تدارک بتلائیے۔ نیز ایسا کرنے والا گنہ گار تو نہیں۔ نیز نابالغ بچے اور بالغ آدمی کی میت کا ایک حکم ہے، یا جدا جدا؟

الجواب

ان اشیاء مذکورہ میں کوئی چیز سنت کے خلاف نہیں ہے، خواہ گھر میں نابالغ فوت ہو گیا ہو، یا بالغ۔ فقط والسلام

بندہ محمد اسحاق معین، مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: عبداللہ غفر لہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔

نوٹ: اگر متوفی کے ورثا میں یتیم بچے ہوں تو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ ان کا مال استعمال نہ ہو۔

محمد انور، عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ (خیر الفتاویٰ: ۳/ ۲۰۷)

میت کے گھر چولہا جلانے کی ممانعت نہیں:

سوال: یہ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی مر جائے، وہاں تین روز تک چولہا نہیں جلنا چاہیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

رشتہ دار وغیرہ تین دن، یا کم وبیش تک کھانا گھر پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس پر اگر کسی صحابی کا واقعہ مل جائے تو بہت اچھا ہے؟

الجواب

جس گھر میں میت ہو جائے، وہاں چولہا جلانے کی کوئی ممانعت نہیں، چوں کہ میت کے گھر والے صدمے کی وجہ سے کھانا پکانے کا اہتمام نہیں کریں گے؛ اس لیے عزیز واقارب اور ہمسایوں کو حکم ہے کہ ان کے گھر کھانا پہنچائیں اور ان کو کھلانے کی کوشش کریں، اپنے چچازاد اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں کو یہ حکم فرمایا تھا اور یہ حکم بطور استحباب کے ہے، اگر میت کے گھر والے کھانا پکانے کا انتظام کرلیں تو کوئی گناہ نہیں، نہ کوئی عار، یا عیب کی بات ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۰/۴)

اہل میت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں:

سوال: عام لوگوں سے سنا ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی شخص فوت ہو جائے تو جب تک اسے دفن نہ کرلیا جائے، اس وقت تک کھانا پینا جائز نہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب

یہ مسئلہ من گھڑت ہے، شرعاً کھانا درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلیم

عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۶/۳)

میت کا کھانا دل مردہ کرتا ہے اس قول کا مطلب:

سوال: "طعام المیت یمیت القلب" میت عام ہے، خواہ اولیا وانبیا ہوں، یا عامہ مومنین؛ لیکن طعام اموات عامہ سے جو کراہت وتکدر قلب میں محسوس ہوتا ہے، وہ طعام اولیا وانبیا سے نہیں ہوتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اگرچہ انبیا اولیا حقیقۃً مثل اموات عامہ کے میت نہیں ہیں؛ لیکن بظاہر اموات ہیں اور طعام اموات عامہ اولیا وانبیا صدقہ ہونے میں برابر ہے؟

الجواب

یہ قول خدا جانے کس کا ہے، اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے، اس پر تو کوئی اشکال نہیں اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ کے وسخ

---

(۱) قال فی الفتح: ویستحب لجیران أهل المیت والأقرباء الأباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم: اصنعوا الآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم ما یشغلهم. رواه الترمذی. (رد المحتار، مطلب فی الثواب علی المصیبة: ۲۴۰/۱ وأیضاً فتح القدیر، باب صلاة الجنازة، قبیل باب الشهید: ۱۴۲/۲)

ہونے سے استنباط کر لے کہ جب صدقہ واجبہ میں وسخیت ہے تو صدقہ نافلہ میں بوجہ اشتراک معنی صدقہ کے شاید کوئی کیفیت قریب وسخ کے ہو، اسی کا اثر موت قلب تعبیر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق خیالی ہے اور اس میں یہ ہے کہ عرفاً عام اموات کے طعام کا کھانا تذلیل سمجھا جاتا ہے، وہ کدورت اسی تذلل کی ہے، جو ایک طبعی امر ہے، نہ کوئی امر ذوقی اور باطنی اور بعض کے لیے یہ وجہ ہے کہ عام اموات چوں کہ اکثر نزدیک کے مرے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے طعام سے ان کی موت کا اور ان کے معاصی کا استحضار ہو جاتا ہے، یہ سبب ہوتا ہے دلگیری اور انقباض کا، بخلاف اولیا اور انبیا کے کہ اکثر کی موت کا ان میں سے مشاہدہ بھی نہیں ہوا اور خیال میں ظاہراً اور نیز مثل دیگر احیا کے معلوم ہوتے ہیں؛ اس لیے انقباض نہیں ہوتا، آگے اللہ کو معلوم ہے۔ واللہ اعلم

۴/محرم ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱۴۳/۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۷۸۲/۱-۷۸۳)

”طعام المیت یمیت القلب“ صحیح مطلب ومنشا:

سوال: ایک شخص نے حسب معمول مروجہ دنیا دسویں کو، بیسویں کو، یا برسی ششماہی کو کھانا پکایا، نیت اس کی یہ ہے کہ فقرا کو کھلاؤں گا اور برادری وغیرہ کو بھی؛ تاکہ رسم برادری بھی ادا ہو جاوے اور ثواب بھی ہو، یا برادری و دوست واحباب واہل وعیال نے بھی کھایا اور فقرا ومساکین نے بھی کھایا تو برادری و دوست احباب نے جو کچھ کھایا تو وہ طعام میت کے حکم میں ہے، یا نہیں؟ اس پر ”طعام المیت یمیت القلب“ جاری ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

جس قدر فقرا کو کھلایا، بہ شرط نیت خالصہ کے ثواب پہنچے گا اور خلط رسم کا گناہ بھی ہووے گا، جو طعام برادری کو کھلایا، اس کا کھانا مکروہ ہے اور امات قلب بھی اس میں اہل ہے، نہ کھانا، چاہے خواہ غنی ہو، یا فقیر، ایسا طعام مکروہ ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص: ۲۳۱)

ایصال ثواب کے کھانے سے خود کھانے کا حکم:

سوال: آپ نے فرمایا: ”ایصال ثواب کا کھانا منع ہے“۔ میں جب اپنے والدین، یا مشائخ کے ایصال ثواب کے لیے کھانا تیار کراتا ہوں تو اس میں سے خود بھی کھاتا ہوں اور اپنے ہمسایوں اور کچھ فقرا ومساکین کو بھی دیتا ہوں۔ ابھی عید پر ایک جوان حضور علیہ السلام کی طرف سے ایصال وثواب کیا، خود بھی کھایا اور دوسروں کو بھی کھلایا، کیا یہ سب ناجائز ہوا؟ خانقاہ مشائخ میں جو ہر وقت دیگیں چڑھی رہتی ہیں، جس کو عرف میں لنگر کہتے ہیں، وہ ایصال ثواب ہی کا کھانا ہوتا ہے، جس کو بڑے بڑے اولیاء اللہ بڑی رغبت سے کھایا کرتے تھے، حضرت نظام الدین اولیاء کا لنگر،

حضرت گنج شکر رحمہ اللہ کا لنگر مشہور ہے، جس پر وہ اپنے مشائخ کی فاتحہ ایصال ثواب کیا کرتے تھے، سچے عقیدت مند لنگر کی دال اور سوکھی روٹی کو اپنے گھر کے مرغن کھانوں پر ترجیح دیتے اور تبرک کہتے تھے، شہدائے کربلا کو کھانے اور شربت وغیرہ سے ایصال ثواب کرتے ہیں، غنی اور فقیر سب کھاتے ہیں اور ایصال ثواب کے لیے درخت لگاتے ہیں، پل، سڑک، کنواں بنواتے ہیں، اس سے غنی فقیر سب مستفید ہوتے ہیں، سو اگر ایصال ثواب کا کھانا ناجائز تو ان اشیا سے استفادہ بھی ناجائز۔ حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لیے جو کنواں کھدوایا تھا، اس سے بغیر تخصیص غنی فقیر سب مسلمان استفادہ کرتے تھے، جس زمانے کے اعراس جائز تھے، وہاں بڑے بڑے مشائخ اولیاء اللہ جاتے تھے اور ایصال ثواب کا کھانا کھایا کرتے تھے؟

الجواب

(۱)　ایصال ثواب تو اسی طعام کا ہوگا، جو مستحقین کو کھلایا جائے، جو خود کھالیا، عزیز واقارب کو کھلایا، اس کا ایصال ثواب نہیں۔(۱)

(۲)　قربانی سے مقصود ''إراقة الدم'' ہے، (۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کردی تو بشرط قبولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ثواب پہنچ گیا۔ گوشت خود کھالیں یا محتاجوں میں تقسیم کردی یا دعوت کرکے کھلا دیں۔(۳)

(۳)　مشائخ کے یہاں لنگر ایصالِ ثواب کے لیے نہیں ہوتے؛ بلکہ واردین اور صادرین کی ضیافت کے لیے ہوتے ہیں اور اس کو تبرک سمجھنا مشائخ سے محبت اور عقیدت کی بنا پر ہے؛ اس لیے نہیں کہ یہ کھانا چوں کہ فلاں بزرگ کے ایصال ثواب کے لیے ہے؛ اس لیے متبرک ہے اور اس کھانے پر اپنے مشائخ کا نام پڑھنا بھی ان مشائخ کی نسبت کے لیے ہے، گویا اپنے مشائخ کو بھی اس ایصال ثواب میں شریک کرلیا گیا ہے اور سب سے اہم تر یہ کہ مشائخ کا عمل شریعت نہیں کہ اس کی اقتدا لازمی ہو، البتہ اکابر سے ہماری عقیدت اور حسن ظن کا تقاضہ ہے کہ ہم ان کے افعال

---

(۱)　وإذا تصدق بعشرة دراهم أووهبها لفقيرين صح؛لأن الهبة للفقير صدقة والصدقة يراد بها وجه الله تعالىٰ ... لا لغنيين؛لأن الصدقة على الغنه هبة.(رد المحتار مع الدر المختار: ٦٩٨/٥، كتاب الهبة)

(۲)　لأن الأراقة قربة.(البحر الرائق :١٩٨/٨، كتاب الأضحة)

(۳)　ويأكل من لحم الأضحية ويؤكل ويدخر ... لماجازأن يأكل منه وهوغني فأولىٰ أن يجوزله اطعام غيره وإن كان غنيا قال رحمه الله وندب أن لاينقص الصدقة من الثلث؛لأن الجهات ثلاثة الاطاعم والأكل والادخار لما روينا ولقوله تعالىٰ:وأطعموا القانع والمعترالسائل والمتعرض للسؤال فانقسم عليه أثلاثا وهذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء.(البحرالرائق:٣٠/٨، كتاب الأضحية)

واقوال اوران کے احوال کی ایسی توجیہ کریں کہ یہ چیزیں شریعت کے مطابق نظر آئیں، اگر ہم کوئی ایسی توجیہ نہیں کرسکتے ،تب بھی ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے یہ سمجھیں کہ ان بزرگوں کے پیش نظر کوئی توجیہ ہوگی۔ الغرض ان پرطعن بھی نہ کریں اوران کے افعال کوشریعت بھی نہ بنائیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۲۲/۴-۳۲۳)

کیا جب تک کھانا نہ کھلایا جائے مردے کا منہ کھلا رہتا ہے:

سوال: سنا اور پڑھا بھی ہے کہ ’’انسان کا مرنے کے بعد دنیا سے تعلق ختم ہوجائے تو اس کے لیے دعا کی ضرورت ہے‘‘،مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کھانا کھلایا نہ جائے تو مردے کا منہ قبر کے اندر کھلا رہتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

صدقہ وخیرات وغیرہ سے مردوں کوایصال ثواب کرنا بہت اچھی بات ہے،کھانا کھلانا ایسا کوئی ضروری نہیں،(۱)اور مردے کا منہ کھلا رہنے کی بات پہلی بار آپ کے خط میں پڑھی ہے،اس سے پہلے نہ کسی کتاب میں پڑھی،نہ کسی سے سنی۔(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴۲۷/۴-۴۲۸)

ضیافت،ایصال ثواب اورمکارمِ اخلاق کا فرق:

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ ایصال ثواب تو اسی کھانے کا ہوگا،جو مستحقین کو کھلایا جائے،جوخود کھالیا،یا عزیز واقربا کوکھلایا،اس اکا ایصالِ ثواب نہیں۔اس جواب سے مندرجہ ذیل سوال پیدا ہوتے ہیں:

(۱) بقول حضرت تھانویؒ ایصالِ ثواب کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے کوئی نیک عمل کیا،اس پرہمیں ثواب ملا،ہم نے درخواست کی کہ الٰہی اس عمل نیک کے ثواب کو ہم اپنے فلاں عزیز،یا شیخ کو بخشتے ہیں،حضورعلیہ السلام نے فرمایا: ’’**أطعموا الطعام**‘‘. یہ حکم مطلق ہے،اس میں غنی،یا فقیر کی کوئی قید نہیں۔اب اگراس حدیث کے امتثالِ امر میں اپنے عزیز واقربا اوردوسرے بزرگوں کوکھانا کھلاؤں اورنیت کروں کہ الٰہی اس کا ثواب میرے والدین،یا شیخ کو ملے تو اس میں کیا شرعی قباحت ہے؟اورکھانے والوں نے کون سا گناہ کیا؟

(۲) جیسے پہلے سوال میں عرض کیا تھا کہ ایصال ثواب کھانے کے علاوہ سڑک بنواکر،سایہ دار،میوہ اوردرخت لگواکر،پانی کی سبیل لگواکر،یا کنواں وغیرہ کھدواکربھی کیا جاتا ہےاوراس سے غنی فقیر سب فائدہ اٹھاتے ہیں تو اگر

---

(۱) الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء... الخ. (رد المحتار: ۲/۲۴۳،مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له)

ایصالِ ثواب کا کھانا صرف فقرا اور مساکین کے لیے ہے تو یہ امور بھی صرف ان کے ہی کے لیے ہونے چاہئیں؛ مگر ایسا نہیں ہے، غنی فقیر سب سائے میں بیٹھتے ہیں، کنویں کا پانی پیتے ہیں، سڑک پر چلتے ہیں، راستے میں سبیل سے پانی پیتے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے کنویں سے جو انہوں نے اپنی ماں کے ثواب کے لیے بنوایا تھا، سب مسلمان استفادہ کرتے تھے۔

(۳) شریعت کے فقہا نے جس کھانے کو منع کیا ہے، وہ میت کے گھر کا کھانا ہے اور وہ بھی مکروہ کہا گیا ہے اور علت اس کی یہ بیان کی گئی ہے کہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، سو جو کام خوشی کے موقع پر کیا جائے، وہ اگر غمی میں ہو تو مکروہ ہے۔ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے ثواب کے لیے جو کھانا پکتا ہے، وہاں یہ علت نہیں پائی جاتی؛ کیوں کہ ان کی وفات کو عرصہ گزر چکا ہوتا ہے اور وہ کوئی غمی کا موقع نہیں ہوتا۔

مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نے ''راہِ سنت'' کتاب میں اس سلسلے میں جتنے بھی حوالے دیے ہیں، ان سب میں موت سے تین دن کے اندر اندر جو ضیافت ہے، وہ مکروہ بتائی گئی ہے۔ برسوں کے بعد مشائخ، یا والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا پکاتے ہیں، اس کا کوئی حوالہ نہیں۔ براہِ کرم ان تین اشکالات کا نمبر وار جواب عطا فرمائیں؟

الجواب ــ

کھانا کھلانا مکارمِ اخلاق میں سے ہے؛(۱) مگر نیک کام غرباء کو کھانا کھلانا ہے،(۲) اسی کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، خود کھا پی لینا، یا دولت مند احباب کو کھلا دینا اور نیت بزرگوں کے ایصال ثواب کی کر لینا، یہ عقل میں نہیں آتا۔ ہاں: ایک صورت اور ہے اہل حرمین میں مشہور ہے کہ مکہ مکرمہ میں کوئی شخص کسی کی دعوت کرتا ہے تو یہ دعوت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے؛ کیوں کہ حجاج ''ضیوف الرحمٰن'' ہیں اور جو مدینہ منورہ میں دعوت کرتا ہے، وہ دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہوتی ہے، کیوں کہ زائرینِ مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ پس اس کھانے میں بھی ایصالِ ثواب کی نیت نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ کھانا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کھلایا جاتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۲۳-۳۲۴)

---

(۱) عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ... الخ. (مشكاة المصابيح، ص: ٣٦٨، باب الضيافة، الفصل الأول)

(۲) ﴿فكلوا منها وأطعموا القانع والمعتر﴾ (سورة الحج: ٣٦)

﴿ويطعمون الطعام علىٰ حبه مسكيناً ويتيما و أسيراً، إنما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاء ولا شكوراً﴾ (سورة الدهر: ٨)

وعن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفضل الصدقة أن تشبع كبدا جائعاً. رواه البيهقی فی شعب الايمان. (مشكاة المصابيح، ص: ١٧٢، باب أفضل إلا صدقة، الفصل الثالث)

ایصال ثواب کا کھانا، برادری کے مالدار لوگوں کے لیے مکروہ ہے:

سوال: ایصال ثواب کے لیے برادری میں کھانا، یا برادری کو کھانا کھلانا جائز ہے، یا ناجائز؟ جس کو کہ چالیسواں کہتے ہیں؛ لیکن چالیسواں نہیں ہوتا، اس کا کوئی دن تاریخ سال، یا مہینہ مقرر نہیں، کوئی دو سال میں، کوئی چھ ماہ میں، کوئی بیس سال میں کھانا کرتا ہے۔ یہ نیت فاسد ہوتی ہے، محض برادری کو کھانا کھلانے کی نیت ہوتی ہے؟

(المستفتی: ۸۳۹، چودھری حاجی اللہ بخش (گوالیار) ۱۵/محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۸/اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب

ایصال ثواب کے لیے فقرا ومساکین کو صدقہ وخیرات دینا جائز ہے، برادری کو کھانا کھلانا اور تیجہ، دسواں، چالیسواں ان رسوم کو ادا کرنا بدعت ہے، برادری غمی کے کھانے کی مستحق نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۳۱/۴)

ایصال ثواب کا کھانا غنی لوگ کھا سکتے ہیں:

سوال: ایصال ثواب کے لیے جو کھانا کھلاتے ہیں اور ہمارے یہاں عام دستور ہے، یہ کھانا غنی کو کھلانا جائز ہے، یا نہیں؟ یا صرف محتاج کو اور ہر دونوں فریق کو بلا امتیاز کھانا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۹۶۱، محمد م انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵/شعبان ۱۳۵۶ھ، ۳۱/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے اور صدقہ فقرا کا حق ہے،(۱) اغنیا کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ہوتا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۱۲۲/۴ و ۱۲۳)

قبرستان میں لوبان سلگانا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: خیال ناقص خاکسار میں لوبان وخوشبو وغیرہ قبرستان میں سلگانا ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ اکثر لوگ یہاں پر اس وجہ سے کہ آگ ودوزخ کی ہوتی ہے، منع کرتے ہیں، لہٰذا جو حکم ہو، زیادہ حد ادب؟

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ (سورة التوبة: ٦٠)
واضح رہے کہ یہ حکم صدقات واجبہ کا ہے اور اگر ورثا اپنی طرف سے نفلی صدقہ کریں تو غنی بھی کھا سکتا ہے۔

(۲) البتہ ہبہ کرنے کا ثواب ملے گا؛ کیوں کہ غنی کو صدقہ کرنا ہبہ ہے۔
"لأنها للغني هبة كما أن الهبة للفقير صدقة. (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۷۳۸/۳، ط: سعيد)

الجواب

عن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنه قال لابنه وهو فی سیاقی الموت: إذا أنا مت فلا تصحبنی نائحة و لاناراً. (الحدیث)

قال فی المرقاة: أی للمباهاة و الریاء، کما کان عادة الجاهلیة و بقیت إلی الآن فی مکة منها بقیة، قال ابن حجر: ولأنها من التفاول القبیح و فیه أنها سبب التفاؤل القبیح، لا أنها بعضه، کماهو ظاهر. (۱)

وفی حاشیة العلامة الطحطاوی علی المراقی فی علة کراهة الآجر فی القبر مانصه: وبأن الآجر به أثر النار فیکره فی القبر للتشاؤم بخلاف الغسل بالماء الحار فإنه یقع فی البیت، فلا یکره الإجمار فیه بخلاف القبر، اه. (ص: ۳۵٦)(۲)

اگر قبرستان میں خوشبو، لوبان وغیر سلگانا بغرض فخر دریا ہے، تب تو کراہت ظاہر ہے اور اگر یہ غرض نہیں، جب بھی یہ فعل اچھا نہیں؛ کیوں کہ اس میں قبر کے پاس آگ جلانا ہے، جو تفاؤل قبیح کا سبب ہے اور گھر میں گرم پانی سے غسل دینا اور تختہ کو اور کفن دھونی دینا بہ ضرورت ہے۔ نیز وہ گھر میں ہوتا ہے، اس میں یہ محذور (ممنوع) نہیں؛ اس لیے اس کو اس پر قیاس نہ کیا جاوے۔ فقط

۱۹/شعبان ۱۳۴٦ھ (امداد الاحکام: ۲/۴۳۴)

☆ ☆ ☆

(۱)　مرقاة المفاتیح، باب دفن المیت: ۱۲۲۷/۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی حملها و دفنها، ص: ٦۱۰، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

متفرقات جنائز

حياة الانبياء عليهم السلام:

السوال: ما قولكم رحمكم اللّٰہ فی حياة الأنبياء عليهم السلامأهی برزخية أو دينوية؟بينواتوجروا.

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

حياة الأنبياء عليهم السلام برزخية ولكن بلغت حد الكمال فلذا يترتب عليها بعض الأحكام الحياة الدنيوية من تحريم نكاح الأزواج المطهرات وعدم أكل الأرض أجسادهم وعدم جريان الرث فی أموالهم. عن أنس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم قال:"الأنبياء أحياء فی قبورهم يصلون.(۱)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

۱۵/جمادی الاولیٰ۱۳۷۳ھ(احسن الفتاویٰ:۴/۱۹۱)

حیات النبی اور تجہیز وتکفین میں تطبیق:

سوال: آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات ہونا مسلمات اہل سنت وجماعت سے ہے پھر قبض روح تجہیز وتکفین وتدفین وغیرہ امور منافی حیات معلوم ہوتے ہیں،اگر حیات انبیا مثل حیات شہدا عنداللہ ہونا کہا جاوے تو مابین کیا فرق ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات شہدا کی حیات سے بھی اقوی واتم ہے،(۲)اور مراد اس حیات سے حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے،جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إنک ميت وأنهم ميتون﴾ (۳)،لہٰذا احکام اموات ظاہریہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔اس مسئلہ کی پوری تحقیق ''آب حیات'' مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ میں مذکور ہے،اس کو دیکھ لیں۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔۔۔۔۔۔۔۔)

---

(۱) مسند البزار:۲/۳۱۸،انیس

(۲) أن الأنبياء والشهداء أحياء وحياة الأنبياء أقویٰ.(عون المعبود،كتاب الجنائز،باب زيادة القبور:۶/۲۱،انیس)

(۳) سورة الزمر:۳۰،انیس

نبیوں کے جسموں کا متغیر نہ ہونا:

سوال: اجساد انبیا کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارہ میں صرف ایک روایت نظر سے گزری کہ **ماسلطت الأرض علٰی أجساد الأنبیاء**، أو کماقال؛ لیکن آپ کے وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے، اس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے ناخن سبز ہو گئے تھے، ایک یہ کہ ہے انثناء خنصر سے آپ کی وفات معلوم ہوئی، ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے، **حتی ربا قمیصه** اور ایک میں ہے کہ **حتی ربا بطنه** اور اسی تغیر سے حضرت صدیقؓ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبی کی وفات ہوگئی، پھر حضرت عباسؓ نے بھی فرمایا کہ **أن رسول اللّٰه یاسن کما یاسن البشر**، میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا کہ مانعین دفن کے لیے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا؛ تاکہ وہ دفن ہوجانے دیں اور معراج روحی کے خیال سے باز آجائیں۔ (واللہ اعلم) ورنہ بالیقین آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ ومصون ہے، زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں احد میں ایک نہر جاری کی گئی، نہر میں قبور شہدا مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ سوائے قبور پر سے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے تو انہوں نے اجازت دے دی، جب نہر کے لیے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبداللہ شہدا کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں، پھر انہیں کندھوں پر لادلاد کر وہاں سے علاحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہؓ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا، حالاں کہ یہ واقعہ کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے، مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ جس میں اجساد شہداء کے محفوظ رہنے کا وعدہ ہو، جب شہدا کے اجساد محفوظ رہے تو انبیا کے اجساد بدرجۂ اولیٰ محفوظ ہوں گے؛ کیوں کہ ان کے لیے تو وعدہ بھی ہے؟

الجواب

فی التفسیر المظهری: أخرج الحاکم وأبوداؤد عن أوس بن أوس قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء وأخرج ابن ماجة عن أبی الدرداء نحوه. (۱)

اس باب میں اور بھی احادیث ہیں اور جو تغیرات سوال میں نقل کئے ہیں، وہ تاثیرات ارض کی نہیں؛ اس لیے تعارض نہیں؛ بلکہ تغیرات خواص موت سے بھی نہیں؛ بلکہ ایسے تغیرات احیا میں بھی مرض کے سبب ہوجاتے ہیں اور

(۱) عن أوس بن أوس قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه النفخة وفیها الصعقة فأکثروا علی من الصلاة فیه فإن صلوتکم معروضة علی فقال رجل یا رسول اللّٰه تعرض صلٰوتنا علیک وقد أرمیت یعنی بکیت قال: إن اللّٰه حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء. (سنن ابن ماجة، قبیل کتاب الجنائز: ۱/۱۸۸، قدیمی، انیس)

حضرت عباسؓ کا قول ایسے ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کے لیے ہوگا اور یہ سب جب کہ ان روایات کے یہ رجال ثقات ہوں، ورنہ روایات ہی حجت نہیں، پس تعارض ہی نہیں باقی شہدا کے لیے بھی؛ بلکہ بعض دوسرے صلحا کے لیے بھی وعدہ کی احادیث وارد نہیں۔

فی التفسیر المظهری بروایة الطبرانی: عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "المؤذن المحتسب کالشهید المتشخط فی دمه إذا مات لم یدود فی قبره، وأخرج ابن منده عن جابربن عبد اللّٰه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا مات حامل القرآن أوحٰی اللّٰه تعالٰی إلی الأرض أن لا تأکل لحمه، فتقول الأرض: یارب! کیف آکل لحمه وکلامک فی جوفه، قال ابن منده: وفی الباب عن أبی هریرة و ابن مسعود ... وأخرج المروزی عن قتادة قال: بلغنی أن الأرض لا تسلط علٰی جسد الذی لم یعمل خطیئة. (۱)

اور مجھ کو ان روایات کی صحت، یا حسن کی تحقیق نہیں؛ لیکن تعدد خود اسباب تقویت سے ہے اور کوئی دلیل معارض نہیں؛ اس لیے قبول کرنا ضروری ہے اور صاحب روح المعانی کا یہ قول: "**وما یحکی من مشاهدة بعض الشهداء الذین قتلوا منذ مات سنین وإنهم إلی الیوم تشخب جروحهم دماً إذا رفعت العصابة فذلک مماروا ه هیان بن بیان وما هو الاحادیث خرافة، وکلام یشهد علٰی مصدقیه تقدیم السخافة، آه**" واجب الرد ہے، **لکونه مخالفاً للمشاهدة المتواترة فمنها ما فی التفسیر المظهری: أخرج مالک عن عبدالرحمٰن بن صعصعة أنه بلغه أن عمروبن الجموح وعبد اللّٰه بن جبیر الأنصاری کان قد حفر السیل قبرهما وکان قبرهما ممایلی السیل وکانا فی قبرواحد وهما ممن استشهد یوم أحد فحفروا لغیرمکانهما فوجدا لم یتغیرا کأنهما ماتا بالأمس وکان بین أحد وبین حفرعنهما ست وأربعون سنة وأخرج البیهقی أن معاویة لما أراد أن یجری کظامة نادیٰ من کان له قتیل بأحد فلیشهد، فخرج الناس إلٰی قتلاهم فوجدهم رطاباً ینثنون فأصابت المسحاة رجل رجل منهم نبعث دماً وأخرج ابن أبی شیبة نحوه وأخرج البیهقی عن جابر وفیه فأصابت المسحاة قدم حمزة فانبعث دماً، آه.**

اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف پایا جاوے، اس کا جواب بیان القرآن کے متن وحاشیہ وموائد العوائد میں مذکور ہے، الحاشیہ علی قولہ: اور یہ جب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں، ورنہ روایات ہی حجت نہیں، آہ، اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہوگئی، فی اصح السیر لمولانا عبدالروف داناپوری طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی، مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا، اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے اور وہی میرے

(۱) التفسیر المظهری، تفسیر سورة البقرة، ص: ۱۵۵-۱۵۶، انیس

پیش نظر ہے؛ مگراس کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے، وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المؤمنین کے متعلق بعضے ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں، جن کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا، ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے؛ مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا، میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے؛ اس لیے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں، جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں، تاہم چوں کہ یہ پوری کتاب ہمیں یورب کے واسطے سے ملی ہے، اس کے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں، جب تک اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے، حدیث سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں، ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان پر اعتماد ہے، ان میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہوں گی، جس کی سند متداول کتابوں میں مل جاوے۔

ملاعلی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں:

قلت: ومن القواعد الكلية إن نقل الأحاديث الغبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز إلا من الكتب المتداولة لعدم الاعتماد علىٰ غيرها من وضع الزنادقة وإلحاق الملاحدة بخلاف الكتب المحفوظة فإن نسخها تكون صحيحةً متعددة.

یہ قاعدہ ان کتابوں کے لیے بھی ہے، جس کا اتفاقیہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جائے؛ مگر وہ کتاب متداول نہ ہوتو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل نہ ہو، محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو، اس کا کیا اعتبار ہے؟

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور، ص:۹) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۰۷-۶۲۳)

ضمیمہ ازمولانا محمد اسحق صاحب بردوانی دام فیضهم:

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد تسلیمات کے عرض ہے:

خدا حضور کو بعافیت رکھے، خیریت سے مطمئن فرماویں۔

النور، بابت ربیع الاول ۱۳۵۲ھ، ص:۹ میں تغیر کے متعلق سوال ہے، جس کا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے، تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسمٰعیل اور وکیع گو بڑے پائے کے ہیں اور اسمٰعیل تابعی ہیں؛ مگر بعد ان کے کون ہے، اس کا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں، اس کا ٹھکانہ نہیں اور اس روایت پر اس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے، سخت انکار رہا اور صدر ثانی میں جب از حد انکار رہا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت محض بے اصل اور غلط ہے۔

في نسيم الرياض (۱/ ۳۹۰) شرح شفاء القاضي عياض لشهاب الخفاجي: وقدحرم الله

جسده على الأرض وأحياه فی قبره كسائر الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وقد رأيت فی بعض الكتب أن السلف اختلفوا فی كفر من قال: إن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم لما انتقلت روحه للملإ الأعلٰی تغيربدنه وروی أن وكيع بن الجراح حدث عن اسمٰعيل بن أبی خالد أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لما توفی لم يدفن حتٰی ربا بطنه وانثنی خنصره واخضرت ظفاره؛لأنه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم توفی يوم الإثنين وتركه ليلة الأربعاء لاشغالهم بأمر الخلافة وإصلاح أمر الأمة وحكمته أن جماعة من الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم قالوا: لم يمت فأراد اللّٰه أن يريهم آية الموت فيه، ولما حدث وكيع بهٰذا مكة رفع إلی الحاكم العثمانی فأراد صلبه علٰی خشبة نصبها له خارج الحرام فشفع فيه سفيان بن عيينة وأطلقه ثم ندم علٰی ذلک، ثم ذهب وكيع للمدينة فكتب الحاكم لأهلها إذا قدم إليكم فارجموه،حتٰی يقتل فأبرد له بعض الناس بريداً أخبره بذلک، فرجع للكوفة خيفة من القتل وكان المفتی بقتله عبدالمجيد بن رواد وقال سفيان: لايجب عليه القتل وأنكرهٰذا الناس،وقالوا: رأينا بعض الشهداء نقل من قبره بعد أربعين سنة فوجد رطبا لم يتغيرمنه شیء فكيف بسيد الشهداء والأنبياء عليه وعليهم السلام وهٰذه زلة قبيحة لاينبغی التحدث بها،آه.(۱)

ونیز چہارشنبہ کی شب تک لاش مبارک کو بے دفن چھوڑ نا غلط ہے۔فی الطبقات لإبن سعد (۳/۳): توفی صلوات اللّٰه عليه يوم الإثنين حين زاغت الشمس ودفن يوم الثلاثاء حين زاغت الشمس،آه.

چوبیس گھنٹوں میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا ہے،فکیف بسید المرسلین؟

اس عرض سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور والا پسند فرماویں تو ضمیمۂ جواب فرما کر شائع کرنے کا حکم فرماویں۔النور میں اس مضمون کو دیکھ کر سخت پیچ وتاب میں تھا اور اس مضمون کو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا؛مگر بعد تفحص ملتا نہ تھا،کل بنام خدا دیکھا تو فوراً نکل آیا۔(الحمد للّٰه علی هداية زياده حد أدب)

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ (النور،ص:۹، جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)(امداد الفتاویٰ جدید:۶۳-۶۴ ۷)

ضمیمہ ثانیہ ازمولوی عبدالماجد صاحب دریابادی:

عبارت ذیل سیرت ابن ہشام میں مل گئی غسل کے موقع پر۔

ولم يرمن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم شیء ممايرٰی من الميت.(۲)

---

(۱) نسیم الریاض ۳۱۶/۱،مطبوعہ از ہریہ مصر ۱۳۲۵ھ،فی الباب الثانی فی فصل اذا كانت خصال الكمال والجلال ماذكرناه

(۲) سيرةابن هشام تحت جهاز رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ودفنه: ٦٦١/٢، انیس

اب اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہوگی، پھر بلحاظ استناد بھی سیرت ابن ہشام کا پایہ طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے، یہ کتاب خاص سیرت نبویہ ہی پر تحقیق کر کے لکھی گئی ہے، طبقات تو دراصل صحابہ وتابعین کی تاریخ ہے، سوانح نبویہ محض ضمناً آ گئے ہیں، پھر اسی سیرت ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی غسل دیتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہتے جاتے تھے، وعلي يقول: "بأبي أنت وأمي ما أطيبك حياً وميتاً".

اس سے بھی بڑھ کر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی، ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے: عن علي بن أبي طالب قال: لما غسل النبي صلى الله عليه وسلم ذهب يلتمس من الميت فلم يجد، فقال: بأبي! الطيب طبت حيا وطبت ميتاً، الخ. (۱) "الطيب وطبت حيا وطبت ميتا" اب تو (طبقات کی) اس لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہو جاتی ہے، مناسب ہو تو اسے بھی بطور ضمیمہ النور میں درج فرما دیا جاوے۔ والسلام

(النور، ص: ۹، محرم ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۵۷)

پیر کا فوٹو، یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھایا:

سوال: بعض جگہ لوگ اپنے بزرگوں کا فوٹو اور ان کا مجسمہ تبرک کے لیے اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، تبرک کے علاوہ اس فوٹو کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان بزرگوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں، ایسا کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ دونوں شرکیہ افعال وعقائد ہیں، ان سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۰۰)

اولیاء اللہ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں، یا نہیں:

سوال: حضرات اولیاء اللہ بعد وصال زندہ رہتے ہیں، یا نہیں؟ بہر صورت دلیل کیا ہے؟

---

(۱) سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الجنائز، باب ماجاء في غسل النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ۱۰۶، قديمي وبلفظہ روایت عبدالرزاق فی مصنفه (۳: ۴۰۳) فقال: بأبي وأمي! طيبا حياً وطيباً ميتا. (سعيداحمد)

(۲) یہ قوم نوح کے مشرکین کا عمل ہے۔

"وقالوا لا تذرن آلهتكم ولا تذرن ودا ولا سواعاً ولا يغوث ويعوق نسراً) قوماً صالحين من بني آدم، وكان لهم اتباع يقتعدون بهم، فلما ماتوا قال أصحابهم الذين كانو يقتدون بهم: لو صوّرناهم، كان أشوق لنا إلى العبادة إذا ذكرناهم فصوروهم، فلما ماتوا، وجاء آخرون، دب إليهم إبليس فقال: إنما كانوا يعبدونهم وبهم يسقون المطر، فاعبدوهم". (تفسير ابن حرير الطبري: ۲۱/۶۳، دار المعرفة، بيروت)

الجواب

وباللہ التوفیق، سب ہی مرنے والے ہیں، ﴿إنک میت وأنهم میتون﴾ جوکہ مسلم ہے، پھر اسی حیات روحانی میں درجات انبیا علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے، اس کے بعد شہدا کی، پھر جملہ مومنین ومومنات کی درجہ بدرجہ اور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہدا کی حیات وارد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

"عن أوس بن أوس قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة فأکثروا علیّ من الصلاة فیه فإن صلاة معروضة علیّ، قال: فقالوا: یارسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)! وکیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت، قال: یقولون: بلیت، قال: إن اللّٰہ حرم علی الأرض أجساد الأنبیاء، أوکما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم". (۱)

اور شہدا کے بارے میں قرآن شریف میں ہے:

﴿ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ أمواتاً بل أحیاء عند ربهم یرزقون فرحین بماآتاهم اللّٰہ من فضله﴾ (۲)

پس اس قسم کی تصریح کوئی اولیاء اللہ کے لفظ کے ساتھ وارد ہونا یاد نہیں ہے؛ لیکن جب کہ شہدا کے لیے حیات کی تصریح ہے اور شہدا بھی اولیاء اللہ ہیں تو اس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے بھی تصریح حیات کی ہوگی، یا یوں کہا جاوے کہ جب کہ شہدا کے لیے حیات کی تصریح ہے تو چوں کہ اولیاء اللہ بھی بحکم شہدا ہیں؛ بلکہ بعض اولیاء شہدا سے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، جیسے صدیقین کہ وہ اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے، شہدا سے افضل ہے، **کماقال اللّٰہ تعالیٰ:**

﴿من یطع اللّٰہ والرسول فأولئک مع الذین أنعم اللّٰہ علیهم من النیبن والصدیقین والشهدا والصالحین وحسن أولئک رفیقاً﴾ (۳)

اس آیت میں انبیا کے بعد شہدا سے پہلے صدیقین کا ذکر فرمایا گیا ہے، بظاہر یہ ترتیب مقتضی افضلیت صدیقین کو شہدا پر ہے؛ اس لیے اولیاء اللہ کے لیے بھی یہ خاص حیات علیٰ حسب المراتب ثابت ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۹/۵)

مرنے کے بعد اولیاء اللہ کے فیوض باقی رہتے ہیں:

سوال: اولیاء اللہ کے تصرفات اور ان کے فیوض وانوار وبرکات بعد وصال بھی موجود رہتے ہیں، یا بعد موت ظاہری وہ سب ختم ہوجاتے ہیں؟

---

(۱) سنن أبی داؤد، قبیل کتاب الزکوٰة، باب فی الاستغفار: ۲۲۱/۱، مکتبة حقانیة، انیس

(۲) سورة آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰، انیس

(۳) سورة النساء: ۶۹، انیس

الجواب

فیوض وبرکات ان کے بعد ممات کے باقی رہتے ہیں، مثلا یہ کہ ان کی زیارت اور قرب سے زائرین کو برکات حاصل ہوں اور ان پر بھی درود ورحمت ہو؛ کیوں کہ جب وہ اولیاء مورد رحمت الٰہی ہیں تو جو شخص ان کی زیارت کرے گا، وہ بھی حسب المراتب مستفیض ان کی برکات سے ہوگا، باقی یہ کہ وہ تصرفات کرتے ہیں، یا نہیں؟ اور ان کو کچھ اختیار دیا گیا ہے، یا نہیں؟ اس میں عقیدہ کو صحیح رکھنا لازم ہے، متصرفات عالم میں سوائے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے کوئی نہیں، ایک ذرہ بدون اس کے حکم وارادہ کے نہیں حرکت کرسکتا ہے اور جو کچھ حق تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے مقدر فرمادیا ہے، وہی ہوتا ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا، اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں اور کسی کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۷۶-۷۷-۸۷)

قبرستان میں مختلف رسومات کے متعلق استفتا:

سوال: مسلمان مقلد کو قبرستان میں جاکر فاتحہ پڑھنا، کسی بزرگ کی قبر مبارک، یا دست مبارک کو بوسہ دینا، سہولت کے لیے فاتحہ کے واسطے یوم پنج شنبہ، یا یوم وصال وغیرہ کو مقرر کرنا، لوگوں کا جمع ہونا ذکر اللہ کے لیے اور قبر کے قریب بیٹھ کر ذکر اللہ کرنا، قبر پر پھول ڈالنا، کسی بزرگ کی قبر کے نزدیک روشنی کرنا کلام اللہ پڑھنے کے لیے اور قبر کے قریب بیٹھ کر کلام اللہ اور درود شریف پڑھنا، اولیاء اللہ سے توسل چاہنا، قبرستان میں قبر کے قریب اگربتی، یا لوبان سلگانا جیسا کہ قدیم سے مشائخ اور بزرگان دین کا معمول ہے، جائز و درست ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ مفصل تقریر ارقام ہو؛ تاکہ کم علم لوگ سمجھ جائیں اور شریعت کے خلاف ہر عمل سے پرہیز کریں اور قبرستان میں جانے کا سنت طریق بھی ارقام ہو، مہربانی فرماکر قرآن وحدیث سے مدلل مع سند وحوالہ کتب جواب ارقام ہو؟

الجواب

قبرستان میں بغرض زیارت قبور جانا جائز؛ بلکہ سنت ہے اور وہاں جاکر یہ کہنا بھی سنت سے ثابت ہے: **"السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأنا إن شاء الله بكم لاحقون، ونسأل الله لنا ولكم العافية"، كذا في البرهان.** (۱)

اموات کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا بھی جائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے: **"ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارته والدعاء عنده قائماً".** (كذا في الهندية) (۲)

یعنی قبروں کے پاس ایسی باتیں مکروہ ہیں، جو سنت سے ثابت نہیں اور جو بات سنت سے ثابت ہے، وہ صرف یہ

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، ط: سعيد

(۲) كتاب الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلىٰ مكان آخر: ۱/۱۶۶، ط: ماجدية كوئتة

ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے اور کھڑے کھڑے اس کے پاس (میت کے لیے) دعا کی جائے، قبر کو بوسہ دینا اگر چہ فی حدذاتہ مباح ہے؛ لیکن نہ دینا ہی احوط ہے۔(۱) کسی بزرگ کے ہاتھ کو بوسہ دینا مباح ہے،(۲) ایصال ثواب کے لیے شرعاً کوئی دن اور تاریخ معین نہیں اور پنج شنبہ، یا یوم وصال کو ضروری، یا زیارت ثواب کے لیے مفید سمجھ کر مقرر کرنا بدعت ہے،(۳) فاتحہ کی جو رسم مروج ہے، یہ بھی شرعی نہیں، قبروں کے نزدیک بیٹھ کر تلاوت کرنا حضرت امام محمدؒ کے قول کے بموجب جائز ہے،(۴) تاہم اس کو ایک رسم بنالینا اور اس کی پابندی کرنا درست نہیں، قبر پر پھول ڈالنا درست نہیں، اگر بقصد تقرب الی المیت ہو (اور عوام کی غرض اکثری طور پر یہی ہوتی ہے) تو شرک ہے،(۵) ورنہ بدعت ہے،(۶) قبر کے پاس روشنی کرنا بھی بقصد تقرب الی المیت ہو تو شرک ہے، (۷) اور زائرین کی آسانی، یا کچھ پڑھنے کے لیے ہو تو مباح ہے،(۸) خدا تعالیٰ سے دعا کرنا اور اس میں کسی بزرگ کو بطور وسیلے کے ذکر کرنا جائز ہے؛ لیکن خود بزرگ کو پکارنا اور ان کو حاجت روا سمجھنا درست نہیں،(۹) قبروں پر اگر بتی، یا لوبان جلانا جیسا کہ معمول ہے، بدعت ہے اور بقصد تقرب الی المیت ہو تو شرک ہے،(۱۰) البتہ اگر خالص نیت یہ ہو کہ زائرین اس کی خوشبو سے منتفع ہوں گے تو

---

(۱) ولایمسح القبر ولایقبله فإن ذلک من عادة النصارىٰ.(حاشية الطحطاوى علىٰ مرا قى الفلاح،أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور،ص:۳۷۶ ،مصطفى مصر)

(۲) تقبيل يد العالم،والسلطان العادل جائز ولا رخصة فى تقبيل غيرهما.(الفتاویٰ الهندية،كتاب الكراهية، الباب الثامن والعشرون فى ملاقاة الملوک،والتواضع لهم وتقبيل أيديهم الخ:۳۶۹/۵)

(۳) ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول،والثانى،والثالث،وبعد الأسبوع.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الجنائز،مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت:۲۴۰/۲،ط:سعيد)

(۴) قراء ة القرآن عند القبورعند محمد لا تكره،ومشائخنا أخذوا بقوله.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى القبر:۱۶۶/۱،ط: كوئٹة)

(۵) (ذبح لقدوم الأمير) ... (يحرم) ... وان لم يقدمها ليا كل منها،بل يدفعها لغيره كان لتعظيم غيرالله فتحرم وهل يكفر، قولان،بزازية وشرح وهبانية،قلت:وفى صيد المنية أنه يكره،ولايكفر،لانا لانسيء،الظن بالمسلم أنه يتقرب إلىٰ الآدمى بهٰذا النحر.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الذبائح:۳۰۹/۶ـ۳۱۰،ط:سعيد)

(۶) تفصیل کے لیے مولانا سرفراز خان صاحب کی کتاب راہ سنت دیکھیں۔

(۷) عن ابن عباس رضى الله عنهما قال:لعن الله زائرات القبوروالمتخذين عليها المساجد والسراج.(أبوداؤد، كتاب الجنائز،باب فى زيارة النساء القبور:۱۰۵/۲،ط:سعيد)

(۸) ذبح لقدوم الأميريحرم ... وان لم يقدمها ليأكل منها،بل يدفعهالغيره كان لتعظيم غيرالله فتحر. ...وهل يكفر قولان بزازية ووشرح وهبانية قلت وفى صيد المينة أنه يكره،ولا يكفر،لأنا لا لسئ الظن بالمسلم أنى يتقرب الى الآدمى بهٰذا النحر.(الدرالمختار،كتاب الذبائح:۳۰۹/۶ـ۳۱۰،ط:سعيد)

(۹،۱۰) اور موجب کفر ہے مدد خواستن دو طور می باشد، دوم آنکہ بالاستقلال چیزے کہ خصوصیت بجانب الٰہی دارد، واگر از مسلماناں کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ بود، یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلماناں خارج می شود۔(فتاوی عزیزی بیان در شبہات بت پرستاں ۱/۳۳،مجتبائی دہلی)

زیادہ سے زیادہ مباح ہوسکتا ہے؛ لیکن معمول طریقہ اس خالص نیت پر مبنی نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر اور لوبان جلا نے والے بہر صورت جلاتے ہیں، خواہ کوئی زائر ہو، یا نہ ہو اور اس کو ایک اچھا فعل اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (کفایت المفتی: ۴/۱۸۹-۱۹۰)

میت کے ساتھ غلہ قبرستان لے جانا اچھا نہیں:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۸/فروری ۱۹۳۵ء)

سوال (۱) کیا میت کے ساتھ قبرستان کو اناج وغیرہ لے جاکر غربا کو تقسیم کرنا لازمات سے ہے؟ مکان پر ہی تقسیم کرنا جائز نہیں؟

(۲) کیا مرے ہوئے کے نام سے دہم، بستم و چہلم کی فاتحہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب

قبرستان میں غلہ وغیرہ لے جانا لازم نہیں؛ بلکہ لے جانا اچھا نہیں، گھر پر ہی فقرا و مساکین کو تقسیم کر دینا بہتر ہے کہ یہ صورت ریا و نمائش سے دور ہے، ایصال ثواب تو مستحسن ہے؛ لیکن دہم، بستم، چہلم وغیرہ لازمی نہیں، حسب وسعت جب ہوسکے، صدقہ کر کے میت کو ثواب بخش دیا جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۶۹)

وضو کا پانی قبر پر گرانا:

سوال: قبر کے اوپر وضو کا پانی گرانا جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب

فی ردالمحتار من الفتح: ویکره الجلوس علی القبر ووطؤه.(۲)

وفی الدرالمختار آداب الوضوء: (والجلوس فی مکان مرتفع) تحرزاً عن الماء المستعمل وفی ردالمحتار تحته لوقوع الخلاف فی نجاسته ولأنه مستقذر ولذا کره شربه ومن العجن به

(۱) وقال أیضاً: ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛لأنه شرع فی السرور، لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة...وفی البزازیة: یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث، وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم ... وفیها من کتاب الإستحسان، وإن اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً ،آه، وأطال فی ذلک المعراج وقال: وهٰذه الأفعال کلها للسمعة، والریاء، فیحترز عنها.(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت: ۲/۲۴۰، ط: سعید)

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی وضع الجرید: ۲/۲۴۵، دار الفکر بیروت، انیس

على القول الصحيح بطهارته.(۱) وفيه مكروهات الوضوء أوفى المسجد.(۲)

ان روایات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ قبر بھی محترم اور ماء وضومستقذر؛ اس لیے قبر پر وضو کا پانی گرانا نہ چاہیے، باقی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ فقط

(تتمہ اول، ص:۴۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۷۳۰/۱)

قبروں پر دعا مانگنا درست ہے، یا نہیں:

سوال: قبور فقراء الاولیا وصلحاء فاتحہ پر فاتحہ خوانی کے بعد لوگ دعا مانگتے ہیں، یہ اگر درست ہے تو کس طریقہ سے ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ:

''یا اللہ ببرکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما''۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۴۳۱/۵)

حدیث: استعیذوا باللّٰہ سے میت کے لیے دفن سے پہلے اجتماعی دعا پر استدلال:

سوال: مشکوٰۃ شریف(۴)، باب ما يقال عند من حضره الموت: عن البراء بن عازب قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جنازة رجل من الأنصار فانتهينا إلىٰ القبرولما يلحد فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلسنا حوله كأن علىٰ رؤسنا الطير وفى يده عود ينكت به الأرض، فرفع فقال: استعيذوا بالله من عذاب القبر مرتين أو ثلثاً، إلخ.

اس حدیث سے پناہ مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے، یا فرداً فرداً اور اس حدیث سے قبل دفن پناہ مانگنا ثابت ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ هوالموفق

حدیث مذکور ایک طویل حدیث ہے، جس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ مومن اور کافر کے نزع روح کے حالات مفصل بیان فرمائے ہیں اور بعد مفارقت عن البدن کے جو حالات کہ مومن اور کافر کے ساتھ پیش آتے ہیں، انھیں بیان فرمایا ہے اور عذاب قبر اور اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور چوں کہ دفن میت میں دیر تھی (جو اشارۃً

---

(۱) الدرالمختار مع الرد، كتاب الطهارة، آداب الوضوء: ۱۲۷/۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۳۳/۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) ويجوز التوسل إلى الله تعالىٰ والاستغاثة بالأنبياء والصالحين بعد موتهم.(ظفير)

(۴) مشكوة، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت: ۱۴۲/۱، ط: سعيد/ ومسند الإمام أحمد، حديث البراء ابن عازب: ۲۸۷/٤، ط: المكتب الإسلامي، بيروت

حدیث سے معلوم ہوتا ہے) اور لوگ مجتمع تھے؛ اس لیے اس وقت کے مناسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت کرنا مناسب خیال فرمایا اور چوں کہ عذاب قبر ایک خوفناک چیز ہے اور ہر شخص کو اس کا خوف ہونا چاہیے اور اس سے بچنے کی دعا کرنی چاہیے؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ ''**استعیذوا باللّٰہ من عذاب القبر**''. (۱) یعنی عذاب قبر سے خدا کی پناہ مانگتے رہا کرو، یہ مقصود نہیں کہ تم سب اس وقت مل کر عذاب قبر سے پناہ مانگو اور نہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ موجود ہے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس مردے کے لیے عذاب قبر سے بچنے کی دعا منگوانی مقصود ہے، جس کے دفن میں سب حاضر ہوئے تھے؛ کیوں کہ خاص اس کے لیے تو عذاب قبر سے بچنے اور تثبیت کی دعا بعد الفراغ من الدفن آپ کرنے والے ہی تھے، نیز اگر اس کے لیے دعا کرانی مقصود ہوتی تو لأخیکم، یا اسی قسم کے اور کوئی الفاظ فرماتے ، پس حدیث مذکورہ فی السوال کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ عذاب قبر ایک ہولناک اور سخت چیز ہے، اس سے تم سب پناہ مانگا کرو۔ دوسرے یہ کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خاص اس مردے کے لیے عذاب قبر سے بچنے کی دعا کرانا مقصود تھا، (اگر چہ یہ مطلب سیاق حدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہیں) تاہم ظاہر ہے کہ ان کا یہ اجتماع بغرض دعا نہ تھا، دفن کے لیے حاضر ہوئے تھے، دفن میں دیر تھی؛ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگ بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب عذاب قبر سے بچنے کی دعا کرو۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ سب ایک ہی ساتھ دعا کریں اور ایک ہی مرتبہ دعا کریں؛ بلکہ جب تک بیٹھے رہیں، بطور خود دعا استغفار کرتے رہیں۔ پس اس حدیث سے دعا کے لیے اجتماع واہتمام کرنے کے جواز پر استدلال کرنے کی کوشش فضول ہے۔ **والتفصیل فی رسالتنا: ''لیل الخیرات وخیر الصلاۃ''.** واللہ اعلم بالصواب (کفایت المفتی: ۴/۷۰-۷۱)

حدیث ''إذا حضرتم المریض فقولوا خیراً'' سے میت کے لیے اجتماعی دعا پر استدلال:

سوال: ''**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا حضرتم المریض أو المیت فقولوا خیرًا فإن الملئکۃ یؤمنون علٰی ما تقولون**''. (۲)

مرقومہ حدیث سے میت پر دعا کرنا قبل دفن جمعًا ثابت ہوتا ہے، یا فرداً فرداً؟

---

(۱) عن البراء بن العازب قال خرجنا مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الأنصار فانتھینا الی القبر ولما یلحد فجلس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجلسنا حولہ کأن علٰی رؤسنا الطیر وفی یدہ عود ینکت بہ فی الأرض فرفع رأسہ فقال استعیذوا باللّٰہ من عذاب القبر مرتین أو ثلثاً الخ. (مشکٰوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند من حضرہ الموت فی الفصل الثالث: ۱/۱۴۲، قدیمی، انیس)

(۲) صحیح لمسلم، کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر بلا إلٰہ إلا اللّٰہ: ۱/۳۰۰، ط: سعید

الجواب

جمع کے صیغے میں اگر مخاطب عام مومنین ہوں، کوئی معین جماعت نہ ہو تو اس میں فعل کے اجتماعی، یا انفرادی کیفیت پر ادا کیے جانے سے کوئی تعرض نہیں ہوتا اور اگر مخاطب کوئی خاص جماعت ہو اور کوئی قرینہ موجود ہو کہ سب سے ایک ہی وقت میں ایقاع فعل مقصود ہے، جب تو اجتماع پر دلالت ہوتی ہے، ورنہ نہیں۔ حدیث مذکورہ فی السوال میں خطاب عام مؤمنین کو ہے، لہذا اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان جب کسی مریض کی عیادت، یا کسی میت کی تجہیز وتکفین میں جائے تو اسے چاہیے کہ کوئی بری بات زبان سے نہ نکالے، جو کچھ کہے، وہ مریض کی بھلائی، عافیت، تسکین، یا میت کی مغفرت، یا ذکر خیر کے الفاظ ہوں؛ تاکہ فرشتے جو ایسے وقت مریض ومیت کے لیے دعا مانگنے والوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، تمہاری اچھی دعاؤں پر آمین کہیں جانے والا ایک ہو، یا دو یا زیادہ بھی ہوں؛ تاہم ان کے لیے قصد اجتماع کا حکم حدیث میں نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اتفاقا اجتماع فی الدعا ہو جائے تو مضائقہ بھی نہیں، حدیث مذکورہ فی السوال میں جو حکم ہے، ایسا ہی ہے، جیسا ان احادیث میں ہے:

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقنوا موتاكم لا إلٰه إلا الله. (۱)

یعنی قریب الموت اشخاص کو لا إلـٰه إلا الله کی تلقین کرو۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر شخص کو بجائے خود یہ حکم ہے کہ وہ ایسا کرے؛ لیکن جب مقصود حاصل ہو؛ یعنی ایک شخص میت کے سامنے کلمہ پڑھ رہا ہو تو محض اس وجہ سے کہ لقنوا جمع کا صیغہ ہے، تمام حاضرین سے تلقین کرانا اور قریب الموت شخص کے دماغ کو پریشان کرنا محض نادانی اور جہالت ہوگی؛ کیوں کہ اس صیغۂ جمع سے اجتماع تو علاحدہ اشتراک فی فعل التلقین بھی مقصود نہیں ہے؛ بلکہ محض وجود تلقین مطلوب ہے، اسی طرح حدیث "**عن معقل بن يسار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرؤوا سورة يٰسٓ علىٰ موتاكم**". (رواه أحمد وأبوداؤد وابن ماجة) (۲) میں اقرؤوا صیغۂ جمع ہے؛ لیکن یہ مقصود نہیں کہ تمام مسلمانوں، یا تمام حاضرین کو یہ حکم ہے کہ وہ جمع ہو کر سب کے سب یٰسٓ پڑھیں اور قریب الموت کو تکلیف دیں، اسی طرح حدیث "**اغسلوا بماءٍ وسدر**". (متفق عليه) (۳) میں یہ مقصود نہیں کہ تمام حاضرین جمع ہو کر غسل دیں، اسی طرح حدیث "**أذكروا محاسن موتاكم وكفواً عن مساويهم**" (۴) میں یہ مقصود نہیں کہ

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فی تلقين المحتضر بلاإلٰه إلا الله: ۳۰۰/۲، ط: سعيد

(۲) مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت: ۱۴۱/۱، قديمی

(۳) صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الحنوط للميت: ۱۶۹/۱، قديمی/ والصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل فی غسل الميت وترًا

(۴) جامع الترمذی شريف، كتاب الجنائز: ۱۹۸/۱، ط: سعيد

میت کے محاسن بیان کرنے کے لیے اجتماع کرو اور سب مل کر اس کے فضائل بیان کرو، باوجودیکہ ان سب احادیث میں جمع کے صیغے ہیں؛ مگر چوں کہ مخاطب عام مومنین ہیں؛ اس لیے ہر واحد بجائے خود مامور ہے اور کہیں نفس وجود فعل مقصود ہے تو وہاں صرف ایک شخص کا فعل بھی کافی ہے اور کہیں استحباب فعل بتانا اور ہر شخص سے اس کی طلب مطلوب ہے، اس میں بھی اجتماع کا قصد واہتمام مرادنہیں، جیسے ''أذكروا محاسن موتاكم'' میں۔ ہاں جب مخاطب کوئی جماعت معینہ ہو اور ہر شخص سے ایقاع فعل ایک خاص زمانے میں مقصود ہو تو وہاں اجتماع کا ثبوت ہوسکتا ہے، جیسے بعد دفن تھوڑی دیر ٹھہر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضرین سے فرمانا کہ ''إستغفروا لأخيكم واسألوا له التثبيت فإنه الآن يسئل''. (۱) یعنی اپنے بھائی کے لیے تم استغفار اور سوال تثبیت کرو؛ کیوں کہ وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب حاضرین کی ایک معینہ جماعت ہے اور سب سے فعل استغفار اسی خاص وقت میں جو وقت سوال نکیرین کا ہے، مطلوب ہے؛ اس لیے اس میں تو اجتماع کا ثبوت ہے کہ سب نے مل کر ایک وقت میں دعا مانگی، اگر چہ یہ اجتماع بھی قصداً اجتماع للدعا نہیں ہے؛ مگر نفس دعا اجتماعی ثابت ہے اور یہی معمول ومتوارث ہے؛ لیکن حدیث مذکور فی السوال کو اجتماع سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم (کفایت المفتی:۶۹/۴-۷۰)

''إن سبقتموني في الصلاة عليه فلا تبقوني بالدعاء له'' سے کون سی دعا مراد ہے:

سوال: نماز جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر، یا کھڑے ہوکر قبل از دفن ہیئت اجتماعی سے دعا کرنا واجب، سنت، یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی درسی وفتاوی میں اس کی کیا حیثیت ہے، اگر اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعار اہل سنت اور سنت نبوی قرار دینا اس کے تارک کو ملامت شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص اس کو سنت نبوی اور شعار اہل سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں اگر ایک شخص اس کو فرض واجب سنت اور مستحب تو نہیں کہتا؛ بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارے میں نرمی کرتا ہے، اس کا مؤقف از روئے شرع کیسا ہے؟

(سائل: محمد قاری طلحہ، ہیجہ آباد، ملتان)

الجواب

نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعا مانگنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں حدیث شریف میں ہے:

''إذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء''. (۲)

(۱) عن عثمان بن عفان قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت، وقف عليه، فقال: إستغفروا لأخيكم واسألوا له التثبيت، فإنه الآن يسئل. (أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب الإستغفار عندالقبر للميت في وقت الانصراف:۱۰۳/۲، مكتبة حقانية، ملتان)

(۲) سنن أبي داؤد، باب الدعاء للميت، رقم الحديث: ۳۱۹۹، انيس

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر آئے تو جنازہ ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا:

''إن سبقتمونی بالصلاة علیه فلا تسبقونی بالدعاء له''. (۱)

البتہ تارک کو ملامت نہیں کرنی چاہیے، البتہ جو شخص اس کو بدعت، یا خلاف شرع کہتا ہے، وہ قابل ملامت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی مصطفیٰ رضوی

الجواب

انوار العلوم کا جواب صحیح نہیں، دونوں حدیثوں کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے، ان احادیث کا ہرگز یہ مطلب ومفہوم نہیں؛ اسی لیے حضرات فقہا نے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ذکر نہیں کیا؛ بلکہ اس سے منع کیا ہے۔

البحر الرائق میں ہے: وقید بقوله بعد الثالثة؛ لأنه لایدعو بعد التسلیم، کذا فی الخلاصة.

مزید لکھتے ہیں: وأشار بقوله وتسلیمتین بعد الرابعة إلیٰ أنه لاشئی بعدها غیرهما وهو ظاهر المذهب. (۲)

حاشیۂ مشکوٰۃ میں ہے: ولا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة، آه. (۳)

اگر حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو انوار العلوم کے فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے تو یہ دعا نہ صرف جائز؛ بلکہ واجب ہوتی؛ کیوں کہ ''فأخلصوا له الدعاء'' (۴) امر کا صیغہ ہے۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حکم کے مقابلے میں اس دعا کو منع کیسے فرما سکتے تھے اور عبداللہ بن سلام کی حدیث (جو فتوی میں دوسرے نمبر پر مذکور ہے) اس کا مطلب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اگر نماز میرے آنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دعا کی بندش نہیں، میں اکیلے دعا کرلوں گا، (۵) تو اس حدیث میں اکیلے دعا کرنے کی بات ہے۔ اس سے اجتماعی دعا ثابت نہیں ہوتی، بہرحال انوار العلوم کا فتویٰ درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۳۸۰/۱۲/۲۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۷۰)

---

(۱) المبسوط للسرخسی، باب غسل المیت: ۶۷/۲، دار المعرفة بیروت، انیس

(۲) البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۱۹۷/۲، دار المعرفة بیروت، انیس

(۳) حاشیة مشکوٰة، باب المشی بالجنازة: ۱۴۷/۱، انیس

(۴) عن أبی هریرة قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: إذا صلیتم علی المیت فأخلصوا له الدعاء. (أبو داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت: ۱۰۰/۲، مکتبة حقانیة، ملتان، انیس)

(۵) رسالة النهی الحاجز عن تکرار صلاة الجنائز لأحمد رضا خان صاحب بحوالہ بینات، شوال ۱۴۰۸ھ، ص: ۳۸

حضرت تھانویؒ نہ ہی دعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور نہ ہی ان کے جنازہ کے بعد دعا ہوئی:

سوال: آپ کے مدرسہ کے مدرسین، یا متعلقین میں سے کسی بزرگ نے حضرت تھانویؒ کے جنازہ میں، یا کبھی ان حضرات کی اقتدا میں نماز جنازہ پڑھی ہوتو کیا یہ حضرات بعد از سلام نمازِ جنازہ دعا کرتے تھے؟ جب کہ ایک امام صاحب کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ تو ایسا کرتے تھے، حضرت تھانویؒ کے جنازہ پر بھی دعا ہوئی تھی؟

الجواب ــ

یہ بہتان وافترا ہے کہ حضرت تھانویؒ جنازہ کے بعد دعا کرتے تھے، یا آپ کے جنازہ کے بعد یہ مروجہ دعا مانگی گئی، حضرت تھانوی کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والے بہت سے لوگ اب تک زندہ ہیں؛ بلکہ پڑھانے والے بھی بقید حیات ہیں، سب اس کی تصدیق کریں گے کہ مذکورہ بالا دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۱/۱۰/۱۳۹۷ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۸۹)

صاحب قبر کے وسیلے سے دعا کرنا:

سوال: صاحب قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے دعا کرنا کیسا ہے؟ اسے شرک کہا گیا ہے، یا نہیں؟ صاحب قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا کیا شرک نہیں؟ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحب قبر مختار ہے؛ اس لیے اس سے کچھ مانگنا درست ہے تو اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

صاحب قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے مانگنا جائز ہے اور ایسے ہی صاحب قبر سے اللہ پاک کے دربار میں دعا کی درخواست کرنے کی بھی شرعاً گنجائش ہے، اسے شرک قرار دینا غلط ہے، صاحب قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا، اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۹/۱۰/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۲۸)

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

سوال: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــ

فی ردالمحتار: آداب زیارۃ القبور یدعو قائماً طویلاً. (۱)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی زیارۃ القبور: ۲/۲۴۲، دار الفکر بیروت، انیس

اس سے دعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا۔

۱۲/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۴۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۳۰)

دفن کے بعد ستر قدم ہٹ کر دعا بدعت ہے:

سوال: میت کو دفن کر کے ستر قدم پیچھے ہٹ کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب

میت کو دفن کر کے ستر قدم پیچھے ہٹ کر دعا مانگنا بدعت اور مذموم اور ناجائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۳۸۱)

صاحب مزار سے دعا کی درخواست جائز ہے، یا نہیں:

سوال: بروئے مذہب احناف بزرگان دین کے مزارات پر جا کر یہ عرض کرنا کہ آپ مقبول خداوندی ہیں، آپ ہمارے لیے دعا کر دیجئے کہ ہماری فلاں مراد پوری ہو جائے۔ یہ جائز ہے یا نہ؟

امام اعظمؒ کے نزدیک بعد وفات بزرگان دین سنتے ہیں، یا نہیں:

سوال: امام صاحب کے نزدیک بزرگان دین بعد وفات زائرین کی باتیں سنتے ہیں، یا نہیں؟

کیا امام صاحبؒ نے کسی کو قبر سے التجا کرنے سے روکا تھا:

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب موصوف نے کسی شخص کو کسی قبر پر اہل قبر سے کچھ عرض ومعروض کرتے دیکھا تو فرمایا کہ تو ایسے سے التجا کرتا ہے، جو سن بھی نہیں سکتا ہے؟

امام صاحب کی تائید میں جو آیت ہو یا حدیث پیش کی جائے:

سوال: اگر کوئی آیت، یا حدیث امام صاحب کے قول کے تائید میں ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیے؟

الجواب

(۱-۴) سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہؓ کے زمانہ میں سے ہے، بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے مذکور ہیں، جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے؛ مگر امام صاحبؒ سے کوئی تصریح اس بارے میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت ﴿إنک لاتسمع الموتٰی﴾ (۱) وغیرہ

(۱) سورة النمل: ۸۰

سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث "**ما أنتم باسمع منهم، الخ**" (۱) اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے، غرض یہ کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے، پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جب کہ سماع موتی میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہوا کہ بزرگان دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے، یہ بھی مختلف فیہ ہوگا، البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۶۰/۵-۴۶۱)

شیعہ، یا بوہرہ کے لیے ایصال ثواب اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت:

سوال: شیعہ، ابوہرہ کی نماز جنازہ، یا قرآن خوانی بغرض ایصال ثواب، یا تعزیت کے وقت دعا مغفرت کرنا، یا میت کی ہمراہ قبرستان تک جانا اہل سنت والجماعت کو درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز جنازہ پڑھنا اور مغفرت ان کے لیے کرنا درست نہیں ہے اور قبرستان تک جانے نہ جانے میں، یا تعزیت ادا کرنے نہ کرنے میں اپنے مصالح اور ضرورت کے موافق عمل درآمد کرے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۶۵/۵-۴۶۶)

فرشتوں کے متعلق غلط عقیدہ:

سوال: ایک شخص حالت سکتہ میں تھا، عزرائیل علیہ السلام اس کی روح قبض کرلے گئے اور دوزخ میں ڈال دیا، اس کے بعد خداوند عالم نے عزرائیلؑ سے کہا کہ تم سے غلطی ہوئی، اسی نام کا ایک دوسرا شخص ہے، اس کی روح قبض کرلاؤ، اس کو چھوڑ دو، مگر فرشتوں نے نہیں چھوڑا، مردہ کو علم ہوگیا، اس نے چیخ وپکار کی، آخر فرشتوں نے توشہ کی روٹیاں جو جنازہ کے ساتھ رکھی جاتی ہیں، رشوت لے کر چھوڑ دیا، کیا فرشتوں کا حکم عدولی کرنا اور رشوت لینا اور ایسی غلطی کرنا ممکن ہے؟

---

(۱) عن نافع بن عمر رضی اللّٰه عنه أخبره قال: اطلع النبی صلی الله علیه وسلم علی أهل القلیب فقال: وجدتکم ما وعد ربکم حقاً، فقیل له: تدعو أمواتاً، قال: ما أنتم منهم ولکن لا یجیبون. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر: ۱۸۳/۱، قدیمی، انیس)

(۲) (و) کره قوله (بحق رسلک وأنبیائک وأولیائک) أو بحق البیت لأنه لاحق للخلق علی الخالق.

وفی الرد تحته: هٰذا لم یخالف فیه أبو یوسف بخلاف مسألة المنن السابقة کما أفاده الاتقانی وفی التاتارخانیة وجاء فی الآثار ما دل علی الجواز. (ردالمحتار، کتاب الخطر والاباحة، فصل فی البیع: ۳۹۷/۶، دارالفکر بیروت، انیس)

(۳) ویقال فی تعزیة المسلم بالکافر: أعظم اللّٰه أجرک وأحسن عزاک، الخ. (الفتاوی الهندیة: ۱۵۷/۱)

الجواب

ملائکہ کرام کے بارے میں وارد ہے: ﴿لایعصون اللّٰہ ما أمرهم ویفعلون مایؤمرون﴾ (۱) یعنی وہ کسی امر میں اللہ کے حکم کا خلاف نہیں کرتے اور ان کو جو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں۔ پس ان کی نسبت ایسا اعتقاد غلط اور باطل اور کذب وافترا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۴۶۲)

میت کے لیے سرمہ اور ڈھیلا استعمال کرنے کا حکم:

سوال (۱) مردکوغسل کے وقت کلوخ لینا شرعاً مسنون ہے، یا نہیں؟

(۲) مردہ کو سرمہ استعمال کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) ”ویمسح بطنه رفيقاً وماخرج منه يغسله، آه“. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کا موضع استنجا پر اگر نجاست لگی ہو، اس کا دھونا مشروع ہے اور کلوخ کا مسنون ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

(۲) فی ردالمحتار: ”التزيين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لايجوز، نهر“. (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سرمہ لگانا بھی جو کہ زینت ہے ناجائز ہے، فقط واللہ اعلم۔

۱۴/ر رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ (امداد، اول، ص: ۱۴۵) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۱۲۷)

قبرستان میں جوتہ سمیت چلنا:

سوال: قبرستان میں جو راستہ پڑا ہوا ہے، اس پر سے جوتیاں پہن کر چلا جانا درست ہے، یا نہیں؟ اور بغیر راستے کے قبرستان میں جوتیاں پہن کر، یا بغیر جوتیوں کے چلنا درست ہے، یا نہیں؟ قبر کے نشانات نہیں ہیں۔

الجواب

فی الدرالمختار: يكره المشي في طريق ظن أنه محدث حتٰى إذا لم يصل إلٰى قبره إلابوطأ قبر تركه، آه. (۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیا راستہ ہو تو اس پر چلنا درست نہیں۔

۱۲/ر ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۴۸) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۷۳۱)

(۱) سورة التحريم: ۱

(۲) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۷، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، مطلب فی حديث كل سبب ونسب منقطع الا سببی: ۲/۱۹۸، دارالفكربيروت، انيس

(۴) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، دارالفكربيروت، انيس

قبر کے قریب پیشاب کرنا:

سوال: اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر سے گز دو گز کے فاصلہ پر پیشاب واستنجا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

عین قبر پر پیشاب، یا پاخانہ کرنا حرام ہے، بزرگان دین کی قبر کا زیادہ احترام کرنا چاہیے، قبر سے فاصلہ پر ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۱۰/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۴۱/۹)

قبرستان کے قریب بلند آواز سے گانے بجانا:

سوال: قبرستان اور مردوں کے احترام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بعض لوگ جن کے گھر بالکل قبرستان سے ملحق ہیں، بلند آواز میں گانے بجاتے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ

قبرستان کا احترام کرنا چاہیے اور جو لوگ قبروں کے قریب گانے بجانے کا کام کرتے ہیں، ان پر بہت بڑا وبال ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۰۰/۴)

غیر ذمہ دار کا قبرستان کو قفل لگانا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک قبرستان عام مسلمانوں کے لیے وقف ہے اور باقاعدہ متولی موجود ہے، ایک شخص نے بدون مشورہ

---

(۱) عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: لأن يجلس أحدكم علیٰ جمرة، فتحرق ثيابه، حتیٰ تخلص إلیٰ جلده خير له من أن يجلس علی القبر.

وقال أيضاً: عن أبی مرثد العنوی يقول: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا إليها". (سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فی كراهية القعود علی القبر: ۱۰۴/۲، إمدادية)

"ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدر المنتقی فی شرح الملتقی علیٰ هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۷۶/۱، مكتبة غفارية كوئٹة)

"وكره أبو حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أن يوطأ علیٰ قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضی عليه حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی سنة الدفن: ۶۵/۲، رشيدية)

(۲) استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر. (الدر المختار علیٰ هاشم رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة: ۳۴۹/۶، طبع سعيد)

اور بغیر اجازت متولی کے قبرستان کے دروازہ پر قفل لگا دیا، اس اثنا میں شفاخانہ میں ایک مسافر کا انتقال ہو گیا، جس کو دفنانے کے لیے قبرستان لے گئے، جا کر دیکھا تو دروازہ مقفل ہے، کنجی موجود نہ تھی، مجبوراً متولی کے حکم سے قفل توڑا گیا اور میت دفن کی گئی، جس پر قفل کے مالک نے متولی اور قفل توڑنے والوں پر فوجداری مقدمہ دائر کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ متولی کے حکم سے قفل توڑ کر میت دفنانا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا، الجواب ــــــــــــــــ و بالله التوفيق

عام قبرستان کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے۔ ہاں: اگر کھولا رکھنے میں قبرستان کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو تو مصلحۃً متولی، یا اہل جماعت کو میت دفن کرنے کے سوا دوسرے وقتوں میں بند کرنا جائز ہے، کسی ایک غیر ذمہ دار شخص کا قفل لگا کر چلانا درست نہیں ہے۔

موجودہ صورت میں جب قفل لگانے والا وقت پر حاضر نہ تھا تو نہ صرف متولی کو؛ بلکہ میت کو دفن کرنے کی غرض سے ہر مسلمان کو قفل توڑ کر میت کو دفن کرنے کا شرعاً حق ہے، لہٰذا متولی اور قفل توڑنے والے بری الذمہ ہیں، قفل توڑ کر میت دفن کرنا نہ صرف جائز؛ بلکہ واجب و ضروری تھا، (۱) لہٰذا فوجداری کرنے والے کا یہ فعل صریح ظلم و زیادتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۳/۲۱۷)

میت کی مجلس بدعات میں تاویل کے ساتھ شرکت کرنا:

سوال: ہمارے دیوبندی مکتب فکر کی جامع مسجد کے امام اور متولیان وغیرہ کی رسوم تیجہ وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں اگر انہیں منع کیا جائے تو وہ جواب میں آیت ﴿أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (۲) پڑھتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

ثواب پہنچانے کا مروج طریق جس میں ایام و اعمال کی تعیین ہوتی ہے، نیز اس کا التزام کیا جاتا ہو، بدعت ہے، **کما هو لا یخفی**، امام صاحب کا باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے بدعات کی مجلس میں شریک ہونا کسی طرح صحیح نہیں، مقتدا حضرات کی شرکت لوگوں کے عقائد کے فساد کا سبب بنتی ہے، ایسے لوگوں کے لیے تو حکم یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بھی کسی ایسی مجلس میں پہنچ جائیں تو اٹھ جائیں، چہ جائیکہ باوجود علم کے شرکت کی جائے۔

---

(۱) (والصلاة علیه) ... (فرض کفایة) ... کدفنه. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: فی صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) سورة النحل: ۱۲۵، انیس

ولـو دعـی إلٰی دعوة فالواجب الإجابة إن لم یکن هناک معصیة ولا بدعة والامتناع أسلم فی زماننا إلا إذا علم یقیناً أن لا بدعة ولا معصیة، آه. (۱)

آیت مذکورہ فی السوال کو اگر وہ اس مقصد کے لیے پڑھتے ہیں کہ دعوۃ بالحکمۃ کے لیے بدعات میں شرکت جائز ہے تو یقیناً غلط سمجھتے ہیں اور وہ دعوۃ ہدایت کی بجائے بدعت کی تائید ونصرت کر رہے ہیں، ان کا اپنے اس عمل پر اصرار ان کی امامت کے لیے مفضی الی الکراہۃ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور ۲۴/۴/۱۴۰۳ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۳۲/۳)

کیا اچانک موت کا آنا بری موت کی علامت ہے:

سوال: ہارٹ فیل ہوجانا کیا بُری موت کی علامت ہے؟ (حاجی عبدالمجید ڈرائیور)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے؛ کیوں کہ اس سے اکثر ادائے حقوق، توبہ، معافی وغیرہ کا موقع نہیں ملتا۔ (۲) فقط

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۱/۸)

میدان حشر میں بندوں کو کس نسبت سے پکارا جائے گا:

سوال: محشر میں بندوں کو ماں کی نسبت سے پکارا جائے گا، یا باپ کی نسبت سے؟ اگر ماں کی نسبت سے پکارا جائے گا تو اس کا کیا سبب ہے؟ (محمد ساجد، کٹوٹ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

بعض روایات میں میدانِ حشر میں ماں کے نام سے اولاد کے پکارے جانے کا ذکر آیا ہے، (۳) اور اہل علم نے اس

---

(۱) رد المحتار، کتاب الحظر والاباحة: ۳٤۸/٦، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) عن عبید بن خالد السلمی رجل من أصحاب النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال مرة: عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، ثم قال مرة: عن عبید قال: "موت الفجاءة أخذة أسف". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب موت الفجأة: ۲/ ۸۷، إمدادیة)

"بفتح السین وکسرها، فبالفتح معناه: أخذة غضب، وبالکسر معناه: أخذه غضبان، فمعنی الکلام، موت الفجأة أثر غضبه تعالٰی حیث لم یترکه للتوبة، وإعداد زاد الأخرة، ولم یمرضه لیکفر ذنوبه، ولذلک تعوذ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیه و سلم. من موت الفجاة". (بذل المجهود، کتاب الجنائز، باب موت الفجاة: ۱۸۲/٥، إمدادیة)

(۳) قد جاء فی بعض الروایات أنه یدعی الناس یوم القیامة بأسماء أمهاتهم فقیل الحکمة فیه سنر اولاد الزنا لئلا یفتضحون لعدم الآبائهم لهم وقیل ذلک لرعایة عیسٰی علیه السلام لأنه لا أب له وقیل غیر ذلک. (سنن أبی داؤد: ٦٧٦/٢)، رقم الحاشیة: ۷)

کی حکمت یہ لکھی ہے کہ جولڑ کے زنا سے پیدا ہوئے ہیں، اس میں ان کا ستر ہے، نیز حضرت عیسی علیہ السلام کی اس میں رعایت بھی مقصود ہے کہ آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی، (۱) لیکن صحیح ومعتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بھی لوگ اپنے والد ہی کے نام سے پکارے جائیں گے، چناں چہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن أبی الدرداء قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إنکم تدعون یوم القیامة بأسمائکم وأسماء آبائکم فأحسنوا أسمائکم". (۲) (تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور اپنے والد کے نام سے پکارے جاؤ گے؛ اس لیے اپنا نام بہتر رکھو۔) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۳۹-۲۴۰)

حشر میں اولاد اور بیوی سے ملاقات ہوگی:

سوال: حشر میں اولاد اور بیوی سے ملاقات ہوگی، یا نہیں؟ اور اگر ملاقات ہوگی تو کس وقت تک باقی رہے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملھم الصواب

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿إذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأو العذاب وتقطعت بھم الأسباب﴾ (۳)

وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: المرء مع من أحب. (۴)

اس قسم کی آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ آپس میں ملاقات ہوگی؛ بلکہ مکالمہ بھی ہوگا، بعدہ اگر جانبین اہل جنت سے ہیں تو ملاقات دائمی ہوگی و إلا فلا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷/صفر ۱۳۷۵ھ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۰۵)

دس محرم کو قبروں کی لپائی کرنا:

سوال: دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرہ محرم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں اور قبروں کی صرف ماہ محرم میں ہی لپائی وصفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں مسور کی دال قبر پر بکھیرتے ہیں۔ قرآن مجید قبرستان میں ساتھ

---

(۱) دیکھئے: حاشیہ نمبر: ۷/ سنن أبي داؤد: ۲/۶۷۶ اور اس کے لیے دیکھئے: شیخ دہلوی کی "لمعات"۔

(۲) سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب فی تغییر الأسماء: ۲/۶۷۶

(۳) سورة البقرة: ۱۶۶

(۴) عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المرء مع من أحب وله ما اکتسب. (جامع الترمذی، أبواب الزھد، باب المرء مع من أحب: ۲/۶۴، قدیمی، انیس)

لے جاتے ہیں اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں کیا قبرستان میں قرآن پاک لے جا کر پڑھنا صحیح ہے، نیز عشرہ محرم میں مختلف قسم کی اشیا مثلاً چاول، کھیر، حلیم وغیرہ پکا کر قبر پر لے جا کر تقسیم کرتے ہیں کیا یہ افعال عشرہ محرم میں جائز ہیں، آگے پیچھے ان پر توجہ دینا ضروری نہیں؟

(۲) میت کے کفن پر سیاہی کے پانی سے کلمہ طیبہ وکلمہ شہادت تحریر کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب

(۱) قبروں کی لپائی بے حرمتی سے بچانے کے لیے امر مستحسن ہے؛ لیکن عشرہ محرم کی تخصیص درست نہیں، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے وغیرہ میں توسیع شرعاً مطلوب ہے، عام تقسیم میں اہل تشیع سے مشابہت ہے؛ اس لیے احتراز کیا جائے۔ قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قراء ة القرآن عند القبور عند محمد لاتکره ومشائخنا أخذ بقوله. (۱)

(۲) سیاہی وغیرہ سے لکھنا منع ہے، میت کے چہرہ، یا سینہ پر سیاہی کے بغیر کلمہ لکھا جا سکتا ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۶/۹/۱۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۳۵)

عشرۂ محرم میں مرنے والے کی بحث:

سوال: مشہور ہے جو شخص عشرۂ محرم میں فوت ہو، اس سے عشرہ کے اندر عذاب قبر نہیں ہوتا، نہ حساب ہوتا ہے، بعد دس روز کے حساب وغیرہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ بات غلط ہے، عشرۂ محرم (یکم محرم سے دس محرم تک) میں مرنے والے کے لیے یہ نہیں آیا کہ دس دن تک عذاب قبر وغیرہ نہ ہوگا، البتہ رمضان شریف میں اور جمعہ کے دن میں مرنے والے کے لیے یہ بشارت حدیث میں آئی ہے۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۴۶۹)

---

(۱) الفتاوی الھندیة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن: ۱/۱٦٦

(۲) وقد أفتی ابن الصلاح بإنه لا یجوز أن نکتب علی الکفین یٰسین والکھف وغیرھما خوفاً من صدید المیت ... نعم نقل بعض المحسنین عن فوائد الشرجی أن مما یکتب علی جبھة المیت بغیر مداد بالأصبح، الخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل باب الشھید: ۲/۲٤٦-۲٤۷، دار الفکر بیروت، انیس)

(۳) ثمانیة لا یسألون فی قبورھم ثم ذکر أن من لا یسأل ثمانیة الشھید ... والمیت یوم الجمعة أو لیلتھا. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی أطفال المشرکین: ۲/۱۹۲، دار الفکر بیروت، انیس)

قبر کے سرہانے اور پاتانے بعض مخصوص آیتوں کا پڑھنا کیسا ہے:

سوال: جب مردہ کو قبر میں رکھ دیتے ہیں اور قبر تیار ہو جاتی ہے، اس وقت دو آدمی ایک مردہ کے سر کی طرف کھڑا ہو کر سورۂ بقرہ کی اول کی تین آیتیں پڑھتا ہے اور انگلی سے اشارہ بھی کرتا ہے اور دوسرا پیروں کی طرف کھڑا ہو کر سورۂ بقرہ کی آخر رکوع پڑھتا ہے، اس کے پڑھنے سے مردہ کو کچھ ثواب ہوتا ہے، یا نہیں؟ حدیث سے اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟ انگلی سے قبر کی طرف اشارہ کرنا کیسا ہے؟ جو لوگ نہیں پڑھتے، وہ مورد عتاب ہیں، یا نہیں؟ یعنی جو اس کے تارک ہیں، وہ کچھ گناہ گار ہیں، یا نہیں؟

الجواب______________

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ قبور کے سرہانے سورۂ بقرہ کی اول کی آیتیں اور پیروں کی طرف سورۂ بقرہ کی اخیر کی آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔شامی میں ہے:

”وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول رسورة البقرة وخاتمها“.(۱)

اور مشکوٰۃ شریف میں اس روایت کو مرفوع کیا ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر نقل کیا بیہقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ روایت موقوف ہے ابن عمر پر۔(۲) بہر حال اس روایت سے اس فعل کا استحباب ثابت ہوا لیکن انگلی رکھنے کا قبر پر کچھ ثبوت نہیں ہے اور جب کہ یہ معلوم ہوا کہ یہ فعل مستحب ہے تو اگر کوئی نہ کرے تو موجب طعن وعتاب نہیں ہے اور تارک گنہ گار نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۹۰/۵-۳۹۱)

مسلمان بھنگی کی مسجد میں حاضری اور ان کے لیے نماز جنازہ اور ان کا قبرستان میں کفن ودفن:

سوال: کلمہ گو حلال خور کو مسجد میں نماز کے لیے آنے دینا چاہیے، یا نہیں؟ اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور جنازہ میں شریک ہونا اور اپنے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے، یا نہیں؟ اور ان کو دعوت دینا اور ان کے یہاں دعوت کھانا اور اگر وہ لوگ صاف ستھرے ہیں تو ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا کر کھلا سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب______________

اس کو مسجد میں آنے سے روکنا نہ چاہیے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے اور شریک جنازہ ہونا اور کرنا چاہیے،(۳)

---

(۱) رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲۳۷/۲، دار الفكر بيروت

(۲) فقد ثبت أنه عليه الصلاة والسلام قرأ أول سورة بقرة عند رأس ميت وأخرها عند رجليه.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۸٤۳/۱)

(۳) ﴿إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم﴾(سورة الحجرات: ۱۰)
﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير﴾(سورة الحجرات: ۱۳)

اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے اوران کی دعوت قبول کرنا اور کھانا درست ہے اوران کو اپنے گھر کھلانا اوران کی دعوت کرنا جائز ہے اور جب کہ ہاتھ ان کے پاک وصاف ہوں تو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلانا جائز ہے،(۱) اور یہ جملہ امور فقہ وحدیث سے ثابت ہیں۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۳۹۷/۵۔۳۹۸)

مسلم، غیر مسلم عورتوں کا آ کر بیٹھنا:

سوال: میت کے روز میت والے کے گھر پر غیر مسلم ہندو عورتیں آتی ہیں اور مردے کے پاس بیٹھتی ہیں اور تعزیت کرتی ہیں۔ کیا ان عورتوں کو میت کے مکان میں داخل ہونے دینا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا

ان ہندو عورتوں کو وہاں سے علاحدہ کر دیا جائے۔ (کذافی الطحطاوی علی مراقی الفلاح)(۲) چوں کہ وہ وقتِ نزول رحمت کا ہے اور غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۱۳۵۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم جمادی الأولیٰ/۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۷/۸)

میت کے بارے میں عورتوں کی توہم پرستی:

سوال: یہ کہا جاتا ہے کہ لاش کو ہلانا اور ادھر ادھر کرنا ٹھیک نہیں؛ کیوں کہ اس مردے کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اگر اس کو سانس ہو تو سب کو چیر پھاڑ دے۔ میرے محترم بزرگ! نواب شاہ ہی میں ایک اتفاق ہوا، ایک لڑکی کا انتقال ہوا، پتہ نہیں غسل دے کر لے کر آئے تو کفن پہنانے کے بعد اس لڑکی کو جس کا انتقال ہوا، غسل دینے والی نے اس کی

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، تحت قوله كصبي سبي مع أحد أبويه: ۸۳۱/۱

(۲) واختلفوا في إخراج الحائض والنفساء) والجنب (من عنده) وجه الإخراج امتناع حضور الملائكة محلابه حائض أونفساء، إلخ. (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: "ونص بعضهم على إخراج الكافرأيضاً، وهو حسن". (كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز: ۵۶۳، قديمي)

(۳) عن ثوبان رضي الله تعالى عنه، قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في جنازة، فرآى ناساً ركباناً، فقال: " لاتستحيون إن ملائكة الله على أقدامهم، وأنتم على ظهور الدواب" (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱۹۶/۱، سعيد)

قال الملاعلي القاري رحمه الله حديث ثوبان رضي الله تعالى عنه: "يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، و الظاهر أن ذلك عام مع المسلمين بالرحمة ومع الكفارة باللعنة" (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثاني: ۱۶۰/۴، رشيدية)

آنکھوں کو کھول کر کاجل لگایا، محترم! ایک غسل والی نہیں؛ بلکہ نواب شاہ کی جتنی ایسی عورتیں ہیں، وہ سب یہ ہی رسم کرتی ہیں، کاجل لگانا انگلی سے، ویسے یہاں کہاں تک درست ہے؟

اگر کسی کے گھر میں کوئی بچہ، یا لڑکی لڑکا، عورت مرد، بڈھی بڈھا، عمر رسیدہ، یا کسی یا کسی کی بھی موت واقع ہوجائے تو عورتیں پرہیز کرتی ہیں کہ ہماری پرہیز، یا ہمیں تعویذ ہے، ایسی عورتیں موت والے گھر میں نہیں جاتیں، حتی کہ ان کی دس، یا بارہ سال کی لڑکیوں کے بھی پرہیز ہوں گے اور یہاں تک کہ اس یعنی میت والے گھر کے آگے سے بھی نہیں گزریں گے، خدانہ کرے، ان کو میت کی کوئی روح چمٹ جائے گی، یہ پرہیز چالیس دن، یا اس سے بھی زیادہ چلتا ہے، یہ پرہیز اپنے سگے رشتوں؛ یعنی بھتیجوں بھتیجیوں، یا کوئی برادری وغیرہ عزیز رشتہ دار اور پڑوسیوں تک چلتا ہے؟

الجواب

یہ بھی توہم پرستی ہے کہ لاش کو اپنی جگہ سے ادھر اُدھر نہ کیا جائے، میت کو کاجل، یا سرمہ لگانا ممنوع ہے۔(۱) بعض عورتیں جو میت والے گھر نہیں جاتیں، اسی طرح زچگی والے گھر سے پرہیز کرتی ہیں، یہ غلط لوگوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی ہے، وہ ان کو ایسے تعویذ دیتے ہیں کہ وہ ساری عمر ان کے چکر سے باہر نہ نکل سکیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۲۹۹/۴)

خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اٹھانا:

سوال: جو خانقاہوں پر لوگ عوام جہلا کپڑا اڈالتے ہیں اور مزاروں پر پیسہ ٹکہ ڈالتے ہیں، کیا وہ شرعاً اٹھالینا جائز ہے، یا ناجائز؟ چوری کی حد لگائی جائے گی، یا کہ وقف ہے؟

الجواب

خانقاہوں پر جہلا لوگ جو کپڑا ڈالتے ہیں اور پیسہ ٹکہ اس کے چرانے والے پر حد نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ حد اس شخص پر

(۱) وذكر ابن الحاج في المدخل،أنه يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد فيجعلونه على الميت فی قبره،فإن ذلک لم يروعن السلف رضی اللّٰہ عنهم فهوبدعة،قال ويكفيه من الطيب ما عمل له وهو فی البيت، فنحن متبعون لامبتدعون فحيث وقف سلفنا وقفنا.(حاشية الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح،فصل فی حملها ودفناً، ص:۳۳۳،طبع میر محمد کتب خانة)

واعلم أن النذرالذی يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها الٰی ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهوبالاجماع باطل وحرام ما لم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام وقد ابتلی الناس بذلک لا سيما فی هٰذه الأعصار وقد بسطه العلامة قاسم فی شرح دررالبحار.(الدر المختارعلٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصوم،فصل فی العوارض البيحة،الخ:۴۳۹/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

تفصیل کے لیے دیکھئے: اختلاف امت اور صراطِ مستقیم، ص:۶۹-۷۴

لگائی جاتی ہے جو مکان محرز و محفوظ سے چوری کرلے اور یہ مکان غیر محرز سے اٹھایا گیا ہے؛ اس لیے اس کے سارق پر حد لازم نہیں آتی، البتہ ان اشیا کا اٹھانا جائز نہیں؛ کیوں کہ ما اہل بہ میں داخل ہونے کا شبہ قوی ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: خیر محمد، مدرسہ خیر المدارس ملتان، ۶ رشوال المکرم ۱۳۷۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۱۳)

کنواری عورت کے لیے بہشت میں:

سوال: جو عورت نیک سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ (غیر شادی شدہ) اس دار فانی سے کوچ کر جائے تو جنت کے اندر اس کا اعزاز کیا ہوگا، جیسا کہ مردوں کے لیے حوریں ہوں گی؟

الجواب

غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ ﴿**يطاف عليهم بصحاف من ذهب وأكواب وفيهاما تشتهيه الأنفس وتلذ الأعين وأنتم فيهاخالدون**﴾ (۱) کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو یہ خواہش ہوئی تو پوری کی جائے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ عنہ، ۱۴۰۸/۸/۹ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۲۲۶)

بیڑی بھاڑہ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں:

سوال: عوام میں رواج ہے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ اناج ساتھ لے جاکر مجاور خانقاہ کو، یا کسی فقیر کو دے دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رواج ہے کہ مرنے کے بعد کچھ سیر دو سیر گندم وغیرہ مردہ کے سر کے نیچے رکھ دیتے ہیں، اپنی گندم، یا کچھ بھی ملا کر جنازہ کے ساتھ لے جا کر دیتے ہیں، اس کو بعرف ملتان وغیرہ بیڑی بھاڑہ کہتے ہیں یعنی کشتی پر سوار ہونے کی اجرت، گویا یہ مردہ آخرت کی کشتی پر سوار ہوا ہے اس کی اجرت وارث قبل تقسیم وراثت دے دیتے ہیں اور بعض اوقات بھی بیڑی بھاڑہ وارث دیتا ہے۔ یہ اعتقاد اور رسم رواج درست ہے، سنت کے موافق، یا بدعت ہے؟

الجواب

رسم مذکور المعروف بہ بیڑی بھاڑہ (کشتی کا کرایہ) بدعت ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، جاہلانہ باتیں ہیں، البتہ ایک اصلی صورتِ شرعیہ جو فقہا نے قضا نمازوں اور روزوں کے متعلق تحریر فرمائی، وہ یہ ہے کہ متوفی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا جائے، ہر نماز کے بدلے ایک فطرانہ کے بقدر پیسے، یا غلہ کسی فقیر، یا محتاج کو دیا جائے، یہ رقم اگر میت نے

(۱) سورۃ الزخرف: ۷۱، انیس

وصیت کی ہوتو تہائی مال سے نکالی جائے، ورنہ بالغ وارث اپنے ذاتی مال سے دیں، اگر وارثوں کے پاس روپیہ زیادہ نہ ہواور متوفی کے ذمہ نمازیں اور روزے بہت قضا ہوں تو تھوڑی سی رقم، مثلاً پانچ نمازوں کا فدیہ فقیر کو دیا جائے، بعد میں فقیر اس رقم کو بطور ہبہ وارث کی طرف لوٹا دے، پھر وارث دوبارہ اور پانچ نمازوں کے بدلہ میں وہ رقم مسکین کو دے دے، پھر فقیر وارث کو ہبہ کردے علی ہذا القیاس لوٹا کر اس کی تمام نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔(۱) فقط واللہ اعلم

عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ:۲۳۹/۳)

اولیاءِ میت سے اجازت لیے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیے:

سوال: امام مسجد محلّہ والا میت کا جنازہ پڑھا کر میت کے دفنانے سے قبل واپس آجاتا ہے تو اس سے برادری کے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ میت کے دفنانے کے بعد واپس آئے؟

الجواب

اولیاءِ میت سے اجازت لیے بغیر نہیں لوٹنا چاہیے۔خانیہ میں ہے: **ولاینبغي أن یرجع من جنازة حتیٰ یصلي علیه وبعد ما صلیٰ لا یرجع إلا بإذن أهل الجنازة قبل الدفن وبعد الدفن یسعه الرجوع بغیر أذنهم.** (۲)

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۶/۸/۶ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۴۰/۳)

مرنے والا وصیت کر جائے تو تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے:

سوال: عورت کا انتقال ہوگیا ہے، اس نے کچھ نقد، کچھ زیور اور کپڑے چھوڑے ہیں، ان کے ذمہ کچھ زکوٰۃ بھی دینی باقی ہے، خاوند ان کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے، یا اپنے پاس سے ادا کرے؟

الجواب

اگر متوفاۃ مذکورہ زکوٰۃ دینے کی وصیت کر گئی ہو تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کردی جائے اور اگر وصیت نہیں کر گئی تو پھر ورثا پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کوئی وارث خوشی سے اپنے مال سے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو بہت بہتر ہے، یا سب وارثان رضامندی کے ساتھ بشرطیکہ سب بالغ ہوں تو اس کے کل ترکہ میں سے قبل از تقسیم ادا کردیں تو بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ، ۱۳۷۸/۱/۲۵ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۸۷/۳)

---

(۱) لومات وعلیه صلوات فائتة وأوصیٰ بالکفارة یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر) کالفطرة (وکذاحکم الوتر) الصلاة و إنمایعطی (من ثلث ماله) ولولم یترک مالا یستقرض من وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتیٰ یتم. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) الفتاویٰ التاتارخانیة، نوع آخر من هٰذا الفصل فی الصلاة علی الجنازة: ۳۹/۳، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

میت معقول وجہ سے امام محلّہ سے ناراض ہوتو دوسرے کو بلا سکتے ہیں:

سوال: زید اپنے محلّہ کے امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہتا تھا، ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ اب زید فوت ہوگیا ہے تو وہی امام محلّہ نماز پڑھائے، یا کسی دوسرے کو بلا سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اگر زید کسی معقول وجہ سے امام محلّہ سے ناراض تھا تو جنازہ کے لیے دوسرے کو بلا سکتے ہیں۔

فعلٰی هٰذا لو علم أنه كان غير راض به حال حياته ينبغي أن لا يستحب تقديمه قلت هٰذا مسلم إن كان عدم رضاه به لوجه صحيح. وإلا فلا تأمل، آه.(۱) فقط واللّٰه أعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۳۰۶)

دعاء بعد الجنازہ کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا جہالت ہے:

سوال: زید اور بکر دونوں میں اختلاف ہے، اس بات کا کہ وعظ اور تقریر جو کہ جمعہ کے روز دونوں اذانوں کے درمیان کی جاتی ہے، بدعت ہے اور اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا اور اگر اس کو صحیح مان لیں تو ہماری بعد صلوٰۃ جنازہ دعا بھی صحیح اور غیر بدعت ہے۔ آیا یہ قیاس صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اس وعظ وتقریر پر دعا بعد الجنازۃ کو قیاس کرنا غلط ہے؛ کیوں کہ شریعت میں اس دعا کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے۔

قال في البحر: قيد بقوله بعد الثالثة؛ لأنه لا يدعو بعد التسليم.(۲)

وقال في حاشية المشكاة: ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة.(۳)

اور وعظ مذکورہ کی ممانعت مذکور نہیں؛ اس لیے کہ وعظ مذکورہ کو چھوڑنے پر تارک پر نکیر نہیں کی جاتی اور دعا مذکور نہ کرنے والے کو بے دین وہابی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگ عقیدۃً اس کو ضروری اور حکم شرعی سمجھتے ہیں، پس یہ بدعت ہوگی اور وعظ مذکور ایسے نہیں، ثالثاً وعظ سے مقصود تذکیر ونصیحت ہے اور خطبہ بھی تذکیر ہے؛ لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے مخاطبین اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اس مقصود شرعی کے پیش نظر خطبہ سے قبل وعظ کرتے ہیں؛ تاکہ خطبہ کا فائدہ لوگوں کو پہنچے اور جنازہ سے مقصود شرعی دعا ہے، جو کہ شارع علیہ السلام کے تجویز کردہ وہ طریقہ کے مطابق ہو چکی ہے، اس

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب تعظيم أولي الأمر واجب: ۲/۲۲۰، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق لصلاته: ۱/۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) باب المشي بالجنازة، الفصل الثالث: ۱/۱۴۷، قديمی

کونا کافی سمجھتے ہوئے ایک اور دعا کا اضافہ کرنا اور تمام لوگوں پر اس کا لازم کرنا خود شارع بننا ہے اور تجویز شارع کی العیاذ باللہ توہین کے قریب ہے۔ الغرض دعا مابعد جنازہ بدعت ہے اور وعظ مذکورہ بدعت نہیں، گو لمبا چوڑا وعظ جیسا کہ آج کل رواج ہے، شرعاً پسندیدہ نہیں؛ کیوں کہ اس سے جمعہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور حکم تعجیل کا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار غفر اللہ لہ، ۱۴/۶/۱۳۹۲ھ۔ الجواب صحیح: محمد عبداللہ غفر اللہ لہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳۱۶/۳)

کفار کی اہانت سے قبر کی حفاظت کی غرض سے اس پر سائبان یا چھت دار بنانا:

سوال: یہاں قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک قبر ہے، جس کو یہاں کے ہندو مسلمان فتح پیر کا مزار کہتے ہیں اور یہ روایت بھی مشہور ہے کہ سابق رئیس کے وقت شاید کسی نے ادھر غیر ذبیحہ کی ہڈی، یا اور کوئی ناپاک چیز پھینک دی تو رات کو رئیس کو (جو ہندو راجپوت ہیں، خواب میں صاحب قبر نے تنبیہ کی، جس پر رئیس نے قبر کی چار دیواری بنوادی؛ مگر چوں کہ اوپر سائبان، یا چھت نہیں ہے اور قبر کے اوپر ہی محل بنا ہوا ہے جس میں سے کوڑا کرکٹ، یا مردار گوشت کی ہڈیاں، یا شراب کے چھینٹے پڑنے کا احتمال ہے، ریاست ہذا اس وقت زیر اہتمام کورٹ آف وارڈس ہے، خرچ کے بجٹ میں چھ روپے سالانہ چراغی کے نام سے اور تین روپے فقیر کو اسی خدمت کو دیئے جانے درج ہوئے؛ مگر میں نے مندرجہ بالا بے ادبی کے بچاؤ کے لیے اوپر سائبان کرادینے کے واسطے یہ رقم تین برس کی بچا کر رکھی ہے۔ اب خیال آیا کہ نہ معلوم ایسا کرنے میں کوئی وبال شرعی تو نہیں ہے؛ اس لیے عرض ہے کہ اس بارے میں جو حکم شرعی ہو، ارشاد فرمایا جاوے، اگر حفاظت کے لیے سائبان جست کی چادروں کا، یا اور کسی قسم کا کردینا جائز ہو، جب تو یہ بنوادیا جاوے اور آئندہ سالوں میں رقم چراغ بتی اور حق الخدمت فقیر میں صرف ہوتی رہے اور اگر یہ جائز نہ ہو تو جو رقم تین سال کی جمع ہے، اس کو واپس ریاست میں جمع کرایا جاوے، یا کہاں خرچ کی جاوے، واپس جمع کرانے میں احتمال غالب ہے کہ آئندہ بجٹ میں ایسی رقم منظور نہ ہوگی؛ کیوں کہ جب پہلی ہی خرچ میں نہیں آئی تو پھر منظوری نہ ملے گی۔ بہر حال جیسا کہ حکم شرعی ہو، عمل درآمد کیا جاوے؛ تاکہ مجھ پر کوئی مواخذہ نہ رہے؟

الجواب

خصوصیت موقع سے آپ کی تجویز مناسب ہے، حسن نیت سے گناہ نہ ہوگا؛ بلکہ مصلحت حفاظت قبر من الاہانت کے سبب اجر ہے۔

۸/ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۲۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۷۶۵/۱-۷۶۶)

جانوروں سے بچانے کے لیے غلاف چڑھانا:

سوال: جس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے، ہم نے اس کو اپنے آبائی گاؤں میں دفنا دیا ہے؛ مگر وہاں پر جنگل ہونے کے

باعث جانور، یا بکریاں، بھینس وغیرہ قبرستان میں قبر پر بیٹھ جاتی ہیں، یا ان کے اُوپر سے گزرنے کی وجہ سے قبر بیٹھ جاتی ہے، یا قبر کو نقصان پہنچتا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ قبر پر چادر (غلاف) چڑھادیں، جس سے قبر کی بے وقعتی نہیں ہوگی، ویسے اس کی عمر ۱۳ر سال ۷ر مہینے ہے اور بہت ہی نیک اور اچھا بچہ تھا؟

الجواب

قبریں تو مٹنے کے لیے ہیں، جب آدمی نہ رہا تو قبر کب تک رہے گی.؟ قبر پر غلاف نہ چڑھایا جائے۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۱۶/۴)

جنازہ کو سلامی دینا:

سوال: بعض بڑے لوگوں کے جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر میت کو سلامی دیتے ہیں۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب

نمازِ جنازہ کے بعد میت کو سلامی دینا قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں ہے، حالاں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل حضرات اس دور میں گزرے ہیں۔ پس اس طرح سلامی دینا ایک غیر شرعی فعل ہے، جو فرنگیوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے:

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (۲) فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۱۵/۳)

قبرستان کے درخت استعمال کرنے کے بعد ان کی قیمت قبرستان کی ضروریات پر لگانا:

سوال: قبر کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگائیں کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہے مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہ۔

الجواب

ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے، البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے

---

(۱) في الأحكام عن الحجة: تكره الستور على القبور. (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۸/۲)

ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارته والدعا عنده قائماً كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر: ۱۶۶/۱، انيس)

لا تجصصوا القبور ولا تبنوا عليها... لأن ذلك من باب الزينة ولا حاجة بالميت اليها ولأنها تضييع المال بلا فائدة فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، قبيل فصل وأما الشهيد: ۳۲۰/۱، دار الكتاب بيروت)

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي، انيس

اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہل مقبرہ اس شخص سے ان لکڑیوں کی قیمت وصول کرلیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں۔

لمافی قاضیخان (ص:۷۲۳-۷۲٤): **مقبرة فيها أشجار عظيمة وكانت الأشجار فيها قبل اتخاذ الأرض مقبرة فإن كانت الأرض يعرف مالكها فالأشجار بأصلها للمالك وإن كانت الأرض مواتاً ليس لها مالك فاتخذها أهل القربة مقبرة فالأشجار بأصلها.**(۱)

درخت لگانے والا معلوم ہوتو وہ مالک ہوگا، اس کی اجازت کافی سمجھی جائے گی۔ فقط والسلام

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۱۳۷۷/۶/۳۰۔ الجواب صحیح: بندہ عبداللہ غفرلہ، ۱۳۷۷/۷/۱۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۲۹/۳)

قبروں پر ڈالی گئی چادروں کا حکم:

سوال: جو کپڑا جات قبروں پر ڈالتے ہیں، ان کو عقیدۃً نہیں اٹھاتے، کیا ایسے کپڑوں کو کوئی شخص اٹھا کر اپنے کام میں، یا کسی غریب کے کام میں لگا سکتا ہے اور ڈالنے والے کے ملک سے وہ کپڑے نکل جاتے ہیں، یا نہیں؟ اگر نکل جاتے ہیں تو وہ مردہ مالک ہوتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتا تو پھر اٹھانے کیا حکم ہے؟

الجواب

قبر پر کپڑا ڈالنا جائز نہیں۔

في الأحكام عن الحجة: تكره الستور على القبور.(۲)

میت ان کپڑوں کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ میت ملک کا اہل نہیں اسی وجہ سے تکفین موتی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

(لا) يصرف ... إلى (كفن ميت).

وفي ردالمحتار تحته: لعدم صحة التمليك منه إلا ترى لو افترسه سبع كان الكفن للمتبرع لا للورثة.(۳)

صاحب بحر نے ایسی اشیا کے بارے میں علامہ قاسم سے نقل کیا ہے:

إن المنذور له ميت والميت لايملك.(۴)

اور ظاہر یہی ہے کہ وہ کپڑا مالک کی ملک سے نہیں نکلتا۔

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، قبیل فصل في وقف المنقول: ۳۱۱/۳، انیس

(۲) رد المحتار: ۸۳٦/۱

(۳) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳٤٤/۳، دار الفکر بیروت

(۴) البحر الرائق، کتاب الصوم، قبیل باب الاعتکاف: ۳۲۱/۲

كما قالوا فی السوائب: وفی مسئلة إرسال الطير فی الحج عند الإحرام.

پس اس کپڑے کا استعمال بدوں اجازت مالک کے درست نہیں ہوگا۔فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں اس قسم کی اشیا کا یہی حکم لکھا ہے، جب کہ اس میں ابطال ہے غرض ناذر کا۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۸۳/۶/۸ھ۔الجواب صحیح محمد عبد غفرلہ، ۱۳۸۳/۶/۸ھ۔

(خیر الفتاویٰ:۳/۲۳۰)

بے نمازی کی میت کو جنازے کے وقت ڈھیلے مارنا:

سوال: ایک شخص مر گیا ۴۰/یا ۵۰/سال کی عمر میں اور اس نے بالکل نماز نہ پڑھی ہو اور نہ ہی کوئی گواہی دے، اس کا نماز جنازہ پڑھتے وقت ڈھیلے مارنے چاہئیں، یا نہیں؟

(۲) ایک شخص نے نمازِ ظہر، یا کوئی فرضی نماز نہ پڑھی ہو اور جنازہ دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتا ہے، اس کو معلوم تھا کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے اور جنازہ پڑھ کر دفن کرنے گئے اور فرضِ عین کو ادا نہ کیا، کیا اس کو نکال دیا جائے، یا شریک ہونے دے؟

الجواب

نماز پڑھتے وقت اسے ڈھیل مارنا درست نہیں، آخر وہ کلمہ گو مسلمان تو ہے، گو فاسق وفاجر اور سخت گناہ گار ہے، میت کی تذلیل درست نہیں۔

عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال كسرعظم الميت لكسره حيًا. (رواه مالك وأبوداؤد) (مشكاة: ١٤٩/١) قوله: لكسره حياً؛يعنی فی الإثم، كما فی الرواية، قال الطيبی: فيه إشارة إلٰی أنه لايهان الميت كما لا يهان الحی، وقال ابن الملك: وإلٰی أن الميت يتألم، قال ابن حجر: ومن لازمه أن يستلذ بما يستلذ به الحی،إنتهٰی،وقد أخرج ابن أبی شيبة عن ابن مسعود.فی موته كأذاه فی حياته،ذكره فی المرقاة،آه. (حاشية مشكاة)

(۲) جنازہ سے نکالا نہ جائے؛ لیکن ظاہر ہے کہ فرضِ عین فرض کفایہ سے زیادہ اہم ہے، اس کی بھی تاکید کی جائے۔فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۳/۲۳۳)

مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا:

سوال: کیا مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے؟ (از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان)

الجواب

(۱)　آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک تعامل مسلمین یہی ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے قبرستان علاحدہ علاحدہ ہوتے ہیں اور تعامل امت حجۃ قطعیہ ہے، لہٰذا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔

(۲)　قبرستان میں داخلہ کے وقت سلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا دفن مسلمانوں کے قبرستان میں جائز نہیں، وہ الفاظ یہ ہیں: ''**السلام علیکم دار قوم مؤمنین**''.

اضافت دار مومنین کی طرف علامت تخصیص ہے اور یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں۔ (شامی: ۸۲۴/۱)

(۳)　اگر اتفاقاً چند مسلمان اور کافر مردے باہم مل جائیں اور کوئی امتیازی علامت موجود نہ ہو تو فقہا نے لکھا ہے کہ ان کو بھی علاحدہ علاحدہ دفن کیا جائے، ہر چند ان میں مسلمان بھی ہیں؛ لیکن مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے لامحالہ کافر بھی وہیں دفن ہوں گے اور یہ جائز نہیں ہے۔

(۴)　اگر کوئی ذمیہ عورت مسلمانوں سے حاملہ ہو اور بحالت حمل اس کا انتقال ہو گیا تو فقہا فرماتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان سے علاحدہ دفن کیا جائے؛ کیوں کہ بچہ جب تک اس کے پیٹ میں ہے، اسی کا جز ہے کہ وہ کافر ہے، لہٰذا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، یہ صراحت ہے اس بات کی کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

لو اختلط موتانا بكفار ولا علامة اعتبر الأكثر فإن استؤوا غسلوا واختلف في الصلوٰة عليهم وحل دفنهم كدفن ذمية كدفن حبلٰى من مسلم قالوا والأحوط دفنها على حدة. (الدر المختار)

قوله: (كدفن ذمية) جعل الأول مشبهًا بهٰذا ... اختلف فيها الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم علىٰ ثلاثة أقوال: فقال بعضهم: تدفن في مقابرنا ترجيحًا لجانب الولد وبعضهم في مقابر المشركين؛ لأن الولد في حكم جزء منها ما دام في بطنها وقال: واثلة بن الأسقع يتخذلها مقبرة علىٰ حدة، قال في الحلية: وهٰذا أحوط. (۱) **فقط والله أعلم**

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہم مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۹۷/۷/۲۵ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۴۱/۳)

کفن دفن کی فلم بنانا:

سوال:　آج کل نماز جنازہ کفن دفن وغیرہ کی فلمیں بنتی ہیں، کوئی کتنا ہی بچے، پھر بھی اس کی فوٹوں فلم میں آجاتی

(۱)　الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۰۰ـ۲۰۱، دار الفكر بيروت، انيس

ہے، ایک حدیث کی شرح میں تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کو قاتل کا سا گناہ ہوگا، یہ پڑھ کر تشویش لاحق ہے۔نماز جنازہ پڑھنا اور کفن دفن میں شریک ہونا، چوں کہ ضروری کام ہے ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتے، ایسی صورت میں کیا تدبیر کرے کہ فوٹو کھنچوانے گناہ کبیرہ سے بچ سکے۔کیا ایسی صورت میں نماز جنازہ اور کفن وغیرہ میں شریک نہ ہوتو کوئی شرعی گناہ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

فوٹو کھینچنا اور کھنچوانا سخت حرام ہے،اللہ تعالیٰ فوٹو کھینچے والوں پر لعنت فرماتے ہیں، جنازہ اور دفن کا وقت انتہائی عبرت کا مقام ہے، ایسے موقعہ پر گنہگار سے گنہ گار مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ایسے موقعہ پر حرام فعل کا ارتکاب کرنا اور پورے مجمع کو اور میت کو اس میں شریک کرنا انتہائی بدبختی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے؛ بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اگر کوئی چارہ کار نہ ہوتو جس جگہ اور جس وقت تصویر کشی ہو رہی ہو، اس وقت کنارہ کشی کرلیں، بدیں وجہ شرکت سے دست کش نہ ہوں۔فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۲۴۳/۳)

میت کے گرد کچی اینٹیں اور ان کے پیچھے پکی اینٹیں لگانا:

سوال: اگر قبرستان میں سیم ہوتو وہاں پکی اینٹیں لگائی جاسکتی ہیں؟

الجواب

میت کے اردگرد اینٹیں کچی رہیں، ان کے پیچھے ادھر ادھر پکی اینٹیں لگا سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ،۱۴۰۱/۱۲/۲۵ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲۴۳/۳)

میت کے لیے ڈھیلے کا استعمال:

سوال: عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے طہارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کیے جاتے ہیں۔کیا یہ شرعاً ثابت ہے؟

الجواب

کتب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے؛ مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا؛ بلکہ استنجا کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل

(۱) قال فی الحلیۃ وکرھوا الآجر والألواح الخشب وقال الإمام التمرتاشی ھٰذا إذا کان حول المیت فلو فوقہ لا یکرہ؛لأنہ یکون عصمۃ من السبع. (ردالمحتار،باب صلاۃ الجنازۃ،مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۶،انیس)

دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجا والی جگہ کو دھوئے۔ ویستنجی عند أبی جنیفة ومحمد، کذا فی محیط السرخسی، وصورة استنجائه أن یلف الغاسل علیٰ یدیه خرقة ویغسل السوأة؛ لأن مس العورة حرام کالنظر إلیها، کذا فی الجوهرة النیرة. (۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور غفرلہ، ۳۰/۴/۱۴۱۱ھ۔ (خیر الفتاوی: ۲۵۲/۳)

توشۂ میت:

سوال: ہر جمعرات کو فاتحہ خوانی کرنا کہ اس سے روحیں خوش ہوتی ہیں، اسی طرح میت کے ساتھ توشہ؛ یعنی دفن کرنے سے پہلے گندم، نمک، صابن وغیرہ تقسیم کرنا عندالشرع ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

نفس ایصال ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتب حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً: جمعرت کی پابندی ثابت نہیں؛ بلکہ بدعت ہے۔

اسی طرح کسی شئ کی پابندی مثلاً: حلوہ، کھچڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی جگہ کسی ہیئت وغیرہ کی پابندی بدعت ہے، میت کے ساتھ توشۂ مسئولہ بھی ثابت نہیں بدعت ہے۔ طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۰/۹)

میت کے گھر سے سارا پانی گرادینا، نماز جنازہ کی اجرت:

سوال: جس گھر میں موت ہو جائے، اس گھر کا تمام پانی پھینک دیا جائے اور کہا جاتا ہے کہ اس پانی میں فرشتے چھری دھوتے ہیں، حقیقت کیا ہے؟ تحریر فرمائیں، جنازہ کی نماز پڑھانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟

الجواب ______________ حامداً ومصلیاً

بے بنیاد اورافواہ ہے، ملائکہ کو چھری سے کوئی واسطہ نہیں۔ (۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل: ۱۵۸/۱، انیس

(۲) ویکره الجلوس علیٰ باب الدار) قال فی شرح السید: ولا بأس بالجلوس لها إلیٰ ثلاثة أیام من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط، والأطعمة من أهل المیت، آه، فإن حمل قول المصنف: و یکره الجلوس إلخ، علیٰ ما إذا کان بمحظور ارتفعت المخالفة ... وکونه علیٰ باب الدار مع فرش بسط علیٰ قوارع الطریق من أقبح القبائح. (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۱۷، قدیمی)

(۳) عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علیٰ صلح جور: ۳۷۱/۱، قدیمی) ==

نماز جنازہ کی اجرت جائز نہیں۔
إن المفتی به لیس هو جواز الاستئجار علیٰ کل طاعة.(۱)
والأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم، لایجوز الاستیجار علیه عندنا.(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۹/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۲۸۱-۲۸۲)

تعزیتی جلسہ کا حکم:

سوال: کسی لیڈر، یا مذہبی پیشوا کے انتقال پر محض تعزیتی جلسہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اسی طرح کسی لیڈر، یا پیشوا کے انتقال پر ایصال ثواب کے لیے لوگوں کو جمع کرنا، ختم قرآن اور تعزیتی جلسہ دونوں چیز ایک ہی مجلس میں کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ لوگوں کو جمع کرنے کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں، بعض جگہ اخبار، بعض جگہ صدر مقام، یا مسجد وغیرہ میں اعلان کر دیا جاتا ہے۔

نیز ایصال ثواب کا صحیح طریقہ پیش کرتے ہوئے سلف صالحین کا عمل بھی تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًاو مصلیاً

کسی مسلم کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیب کرنا؛ یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں خود جا کر تعزیت کا موقع نہ ہو تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیب کرنا منقول ہے۔(۲)

جس کے انتقال سے بہت لوگوں کو صدمہ ہو، یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہو تو

== "أنها (أی البدعة) ما أحدث علیٰ خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: من علم أو عمل أو حال، بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/٥٦۰، ٥٦۱، سعید)

(۱) ردالمحتار، کتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسد: ٦/٥٦، سعید

(۲) الهدایة، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مکتبة شرکة علمیة

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أنه مات له ابن، فکتب إلیه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم التعزیة "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ إلیٰ معاذ بن جبل، سلام علیک! فإنی أحمد إلیک اللہ الذی لاإلٰه إلا هو، أما بعد: فأعظم اللہ لک الأجر، و ألهمک الصبر، ورزقنا وإیاک الشکر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلنا من مواهب اللّٰہ الهنیئة وعواریة المستودعة، متعک اللہ به فی غبطة وسرور، وقبضه منک بأجر کبیر الصلاة والرحمة والهدیٰ، إن احتسبته فاصبر ولایحبط جزعک أجرک فتندم، واعلم أن الجزع لایرد میتاً ولایدفع حزناً، وما هو نازل فکأن قد، و السلام" رواه الطبرانی فی الکبیر و الأوسط". (جمع الفوائد من جامع الأصول، کتاب الجنائز، باب التعزیة وأحوال القبور وزیارتها: ۳/۳، دارالفکر، بیروت)

اس کے لیے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کرکے تعزیت کردی جائے، اس میں بڑی جماعت سفر کی زحمت سے بچ جاتی ہے اور میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہیں پڑتا اور مجمع عظیم کی متفقہ دعا بھی زیادہ مستحق قبول ہے، بظاہر اس میں شرعا کوئی قباحت نہیں؛ لیکن بہت جگہ اس نے محض رسم کی صورت اختیار کرلی ہے کہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اخبار میں نام آجائے اور ہماری شہرت ہوجائے، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہوتو پھر اس کو ترک کرنا چاہیے۔(۱)

میت کے لیے ایصال ثواب ثابت ہے، قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بھی درست ہے، انفراداً پڑھنا بھی درست ہے، جو نیک کام بھی اللہ کے لیے کیا جائے اور یہ دعا کرلی جائے کہ یااللہ! اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے، سلف صالحین سے نماز، تلاوت، صدقہ حج وغیرہ کا ثواب پنچانا ثابت ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۵/۹-۲۵۶)

متوفی کے لیے تعزیت کے جلسے کرنا صحیح مقاصد کے تحت جائز ہے:

سوال: متوفی تعزیت کے جلسے کرنا اور بعض کے تو مستقل سالانہ جلسے کرنا، یہ عرس تو نہیں؟ جائز ہیں یا بدعت؟ قرآن وحدیث اور خیرالقرون میں اس عمل کی کوئی مثال ہے؟

---

(۱) عن عبد اللّٰہ بن أبی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم یحدث عن أبیه عن جده عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه و سلم أنه قال:"مامن مؤمن یعزی أخاه بمصیبته،إلا کساه اللّٰہ سبحانه من حلل الکرامة یوم القیامة".(سنن ابن ماجة،أبواب ماجاء فی الجنائز،باب ما جاء فی ثواب من عزی مصاباً،ص:۱۱۵،قدیمی)

"ولابأس ... بتعزیة أهله وترغیبهم فی الصبر،إلخ".(الدرالمختار)

"(قوله:بتعزیة أهله):أی تصبیرهم والدعاء لهم به ... والتعزیة أن یقول:أعظم اللّٰہ أجرک و أحسن عزائک و غفرلمیتک".(ردالمحتار،باب صلٰوة الجنازة،مطلب فی الثواب علی المعصیة:۲۳۹/۲-۲۴۰،سعید)

"التعزیة لصاحب المصیبة حسن ... ویستحب أن یعم بالتعزیة جمیع أقارب المیت الکبار والصغار والرجال و النساء،إلا أن یکون امرأة مشابة فلا یعزیها إلا محارمها".(الفتاوٰی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الحادی والعشرون فی الجنائز،الفصل السادس فی القبر،ومما یتصل بذلک مسائل:۱۶۷/۱،رشیدیة)

(۲) عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم قال:"من دخل المقابر فقرأ سورة یس،خفف اللّٰہ عنهم،و کان له بعدد من فیها حسنات". (شرح الصدورللسیوطی،باب أما جاء فی قراءة القرآن للمیت أوعلی القبر،فصل فی نبذ من أخبارمن رأی الموتٰی فی منامه (رقم الحدیث:۷)،ص:۳۰۴،دارالمعرفة)

"والأصل فیه أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلٰوة أوصوماً أوصدقةً أوقراءةً قرآن أوذکرًا أوطوافاً،أو حجاً،أوعمرة،أوغیرذلک عند أصحابنا للکتاب والسنة".(البحرالرائق،باب الحج عن الغیر:۱۰۵/۳،رشیدیة)

الجواب

تعزیت کا مفہوم ''اہلِ میت کو تسلی دینا اور ان کے غم میں اپنی شرکت کا اظہار کر کے ان کے غم کو ہلکا کرنا ہے''، جو مأمور بہ ہے۔(۱) نیز ''اذکروا موتاکم بخیر'' میں مرحومین کے ذکر بالخیر کا بھی حکم ہے۔

پس اگر تعزیتی جلسہ انہی دو مقاصد کے لیے ہو، اور مرحوم کی تعریف میں غیر واقعی مبالغہ نہ کیا جائے تو جائز ہوگا۔(۲) سالانہ جلسہ تو ظاہر ہے کہ فضول حرکت ہے اور کسی مرحوم کی غیر واقعی تعریف بھی غلط ہے۔ بہر حال تعزیتی جلسہ اگر مذکورہ بالا مقاصد کے لیے ہو تو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا؛ کیوں کہ ان جلسوں کو نہ بذات خود مقصد تصور کیا جاتا ہے، نہ انہیں عبادت سمجھتا ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۳۴-۴۳۵)

کسی کی موت پر کتنے دن سوگ منانا درست ہے:

سوال: کتنے دنوں تک سوگ منانا درست ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق

غم کرنے تین روز سے زیادہ درست نہیں؛ مگر عورت کو مرد کے مرجانے پر چار مہینہ دس دن سوگ کرنا درست ہے؛ لیکن چلاکر رونا درست نہیں۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۵/۴/۱۳۵۲ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۸۴-۲۸۵)

---

(۱) وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتي لايفتن لقوله عليه السلام: من عزى أخاه بمصيبة كساه اللّٰه تعالٰى من حلل الكرامة يوم القيامة. رواه ابن ماجة.(ردالمحتار: ۲/۲٤۰)/كذا في الجوهرة النيرة،باب الشهيد: ۱/۱۱۰، المطبعة الخيرية/وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،فصل في حملها ودفنها،ص: ٦۱۸،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) لٰكن يكره الافراط في مدحه لاسيما عند جنازته لحديث:من تعزى بعزاء الجاهلية.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۹،دارالفكر بيروت،انيس)

(۳) عن زينب بنت أبي مسلمة أنها أخبرته قالت: دخلت علٰى أم حبيبة زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:لا يحلّ لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تُحِدّ علٰى ميت فوق ثلاث إلا علٰى زوج أربعة أشهر و عشرًا ثم دخلت علٰى زينب بنت جحش حين توفي أخوها فدعت بطيب فمست به، ثم قالت: مالي بالطيب من حاجة غير أني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر تحد علٰى ميت فوق ثلٰث إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً.(الصحيح للبخاري،كتاب الجنائز، باب احداد المرأة غيرزوجها: ۱/۱۷۱)/موطأ الإمام مالك،ت:الأعظمي،ماجاء في الإحداد،رقم الحديث: ۲۲۱۵،مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان أبوظبئي،انيس)

دفن کے بعد فاتحہ خوانی کی چند رسوم:

سوال: یہاں مدت سے یہ رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر جمع ہوکر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد فراغ دفن متصل پڑھی جاتی ہے، اس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے، جب واپسی میں قبرستان کے دروازے پر پہنچتے ہیں، بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب غسل کے لیے میت کو رکھتے ہیں، تب بھی جمع ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دروازۂ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجالاتے ہیں؛ یعنی اول تین موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے اور پچھلے دو موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے؛ یعنی کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے؛ لیکن اب ایک عالم صاحب یہاں تشریف لائے ہیں، ان سے دریافت کیا گیا تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ ان مختلف اوقات میں اس کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے، بالخصوص جب کہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہیں اور دلیل یہ بتلاتے ہیں کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ صلوٰۃ جنازہ خود دعا ہے، چناں چہ ردالمحتار (۱/۶۴۱) میں تحریر ہے:

فقد صرحوا عن آخرهم بأن صلاة الجنازة هي الدعاء للميت" إذ هو المقصود منهم. (۱)

اور فاضل اجل علامہ ملا علی قاری مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے باب الجنائز میں تحت قول ابن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں: "**ولا يدعى للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة**". (۲)

اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے: "**لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة**".

اور کبیری میں منقول ہے: "**في السراجية إذا فرغ من الصلاة لايقوم با لدعاء**". (۳)

اور یوں کہتے ہیں کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور باقی ادعیۂ مروجہ کا ثبوت کتب احادیث وفقہ واقوال محققین علما سے ثابت نہیں پس ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا یہ فرمانا صحیح ہے یا نہیں؟　　(المستفتی: حاجی داؤد ہاشم یوسف، مرچنٹ اسٹریٹ ۴۸، شہر رنگون، برما)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

میت کے لیے دعاءِ مغفرت جائز اور مستحسن ہے؛ کیوں کہ اموات کو دعائے مغفرت کی سخت حاجت ہے؛ لیکن دعا

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي: ۲/ ۲۱۰، سعيد

(۲) باب المشي بالجنازة والصلاة عليها' الفصل الثالث: ٤/ ٦٤، ط: إمدادية، ملتان

(۳) کبیری میں یہ عبارت نہیں ملی البتہ سراجیہ میں یہ موجود ہے۔ دیکھئے: سراجية على هامش قاضي خان، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة: ۱/ ۱٤٥، ط: نول كشور، لكهنو

وہی مفید ہوسکتی ہے، جس کے ساتھ کوئی امر مذموم شامل نہ ہو، مواقع مذکورہ فی السوال میں دعا کا اہتمام کرنا اور بہ ہیئت اجتماعیہ دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظام وائمہ اسلام سے ثابت نہیں اور یہ عدم ثبوت کم از کم اتنا تو بتا تا ہے کہ ان مواقع میں اس ہیئت واہتمام کے ساتھ دعا اگر محبوب و مستحسن ہوتی تو حضرات موصوفین سے ضرور منقول ہوتی، لکونهم أحرص شئ على الخير، پس حضرات سلف صالحین سے منقول نہ ہونا اس کے استحسان واستحباب کی نفی کے لیے کافی ہے۔

رہی اباحت تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ فقہاءِ کرام سے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے میں دو قول منقول ہیں: ایک تو یہ کہ کچھ مضائقہ نہیں، (۱) دوسرے یہ کہ نہ کرنی چاہیے، (۲) ان دونو قولوں میں تطبیق کی بہتر صورت یہ ہے کہ منع کرنے والوں کا مقصود یہ ہو کہ دعا کا کوئی خاص اہتمام کرنا، یا ہیئت اجتماعیہ بنانا، یا دعا میں مشغول ہوکر تجہیز وتدفین میں تاخیر کرنا مکروہ ہے، نیز چوں کہ شریعت میں میت کے لیے دعائے مغفرت کا ایک طریقہ مقرر اور معہود ہے اور وہ صلوٰۃ جنازہ ہے؛ اس لیے اب کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا اور اسے مستحسن سمجھنا گویا حضرت شارع علیہ السلام، یا صحابۂ کرام، یا ائمہ عظام کی جانب تقصیر کی نسبت کرنا ہے۔ (وحاشاهم عن ذلک) اور اجازت دینے والوں کا مطمح نظر صرف یہ ہے کہ نفس دعا اصل سے مباح ہے؛ یعنی انھوں نے فی نفسہ دعا کا حکم بتا دیا ہے، عروض عوارض سے قطع نظر کی ہے؛ لیکن واقفین حدیث وفقہ پر مخفی نہیں کہ مباح تو مباح مستحب ومسنون چیز بھی عروض عوارض غیر مشروعہ سے ناجائز ہوجاتی ہے اور کسی مباح، یا مستحب کا اتنا اہتمام کرنا کہ وہ فرض یا واجب کی طرح ہوجائے اور اس کے تارک کو لعن طعن کرنا یہ ایسی بات ہے کہ امور مباحہ ومستحبہ کو مکروہ بنا دیتا ہے۔ (۳) پس واضح ہوگیا کہ مواضع مذکورہ فی السوال میں فاتحہ کو مستحب سمجھنا یا اس کے تارک کو لعن طعن کرنا بدعت اور ناجائز ہے اور ان دعاؤں کا بایں ہیئت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابۂ کرامؓ، یا ائمہ اسلام سے کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں دفن سے فارغ ہونے کے بعد متصل دعائے مغفرت کرنا ایک حدیث شریف میں مذکور ہے، جو سنن ابوداؤد میں مروی ہے۔ (۴) لہٰذا یہ جائز اور مستحب ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ العبد الاواہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ عربیہ دہلی۔ الجواب صواب: ماجد علی عفی عنہ۔ (کفایت المفتی: ۴/۷۷-۷۶)

(۱) وعن الفضلي: لابأس به. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۱۹۷، ط: بيروت)

(۲) لايقوم بالدعاء بعدصلاة الجنازة؛ لأنه دعا مرة لأن أكثر دعاء. (الفتاوىٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، فصل في الجنائز: ۴/۸۰، مكتبة ماجدية)

(۳) من أصر علىٰ أمر ندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقدأصاب منه الشيطان عن الأضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعة أومكفر (مرقات المفاتيح، باب الدعاء في التشهد: ۳/۳، ط: مكتبة الحبيبة، كوئٹه)

(۴) عن عثمان بن عفان قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لأخيكم واسئلوا له التثبيت فإنه الآن يسئل. (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز باب الإستغفارعند القبر للميت: ۲/۱۰۳، ط: مكتبة حقانية)

ورثاءِ میت سے اسٹامپ لکھانا کہ فاتحہ کی اجازت نہ ہوگی اور قبر کی علامت رہے گی:

سوال: ایک قبر کسی مقام پر جو کہ جدید اور چند روز کی ہے جو لوگوں نے ورثاء میت سے بجبر ایک اسٹامپ لکھالیا او راس شرط پر دفن کی اجازت دی کہ ورثا کو کسی قسم کی اجازت فاتحہ وغیرہ کی نہ دی جائے گی اور قبر کا نشان بھی اس طرح سے قصداً مٹادیا جاوے گا کہ کوئی علامت قبر کی باقی نہ رہے گی؛ تاکہ لوگ اس پر نماز بھی پڑھ سکیں اور لوگوں کی آمد ورفت میں بھی وہ قبر مانع نہ ہو اور نہ نماز میں حارج ہو، لہٰذا کسی قبر کی علامت مٹانا بوجہ عذر مذکور اور ورثا سے بجبر ایسا اسٹامپ لکھوانا ازروئے شرع شریف جائز ہے، یا نہیں؟ اور جدید قبر کی علامت مٹانے والے ازروئے شرع خاطی ہیں، یا نہیں؟

الجواب

قبر کو مسنم؛ یعنی بشکل سنام ابل (کوہان اونٹ) کرنا مسنون اور مستحب ہے اور بعض نے اس کو لازم وواجب کہا ہے۔

"ویسنم ندباً، وفی الظهیریة: وجوباً قدر شبر أی أکثر شیئاً قلیلاً، بدائع".

فی رد المحتار: (قوله ویسنم) أی یجعل ترابه مرتفعاً علیه کسنام الجمل بما روی البخاری عن سفیا ن النمار أنه رأی قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مسنما، الخ. (۱)

اور یہ بھی درمختار میں ہے:

ویخیر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی مملوکہ زمین میں اگر بلا اجازت اس کے مالک کے میت کو دفن کردیا جاوے تو مالک کو اختیار ہے کہ اس میت کو وہاں سے نکلوادے، یا زمین برابر کرادے صورت قبر نہ رکھے۔ پس کسی کی مملوکہ زمین میں اگر کسی میت کو دفن کرنے کا ارادہ ہو تو اور مالک اس قسم کی شرائط لگادے تو ہوسکتا ہے اور قبرستان موقوفہ میں کوئی ایسا نہیں کرسکتا اور شرط مذکور نہیں لکھوا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۷۴/۵-۳۷۳)

فاتحہ وزیارت کی اطلاع مردہ کو ہوتی ہے یا نہیں:

سوال (۱) جب کہ میت کے اعزا فاتحہ دلاتے ہیں تو میت کو معلوم ہوتا ہے، یا نہیں؟

(۲) جب میت کے اعزا قبرستان جاکر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اس کو معلوم ہوتا ہے، یا نہیں؟

(۳) اگر میت کی طرف سے قربانی یا حج کرایا جاوے تو کیا اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے فلاں عزیز نے یہ کام کرایا ہے؟

---

(۱) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸۳٦/۱

(۲) الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب صلاة الجنائز: ۸٤۰/۱

الجواب

(۱) اگر معلوم ہوتا ہو تو کچھ عجب نہیں ہے۔(۱)

(۲) ایسا بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔(۲)

(۳) ایسا بعض روایات میں وارد ہے کہ میت کو یہ معلوم ہوتا ہے؛ یعنی ملائکہ بتلاتے ہیں۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۴۳/۵-۴۴۴)

فاتحہ خوانی کے متعلق چند رسموں کی تحقیق:

(ماخوذ از: مجموعہ دلیل الخیرات، مطبوعہ ۱۳۳۶ھ، مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ)

یہاں مدت سے یہ رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر جمع ہو کر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد دفن متصل پڑھی جاتی ہے، اس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے، جب واپسی میں قبرستان کے دروازہ پر پہنچتے ہیں، بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب غسل کے لیے میت کو رکھتے ہیں، تب بھی جمع ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دروازہ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجالاتے ہیں؛ یعنی اول تین موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے اور پچھلے دو موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے؛ یعنی کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے؛ لیکن اب ایک عالم صاحب یہاں تشریف لائے، ان سے دریافت کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ ان مختلف اوقات میں اس کیفیت کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے، بالخصوص جب کہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہوں اور دلیل یہ بتاتے ہیں کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ صلوۃ جنازہ خود دعا ہے، چناں چہ ردالمختار، جلد اول، ص:۶۴۱ میں تحریر ہے:"**فقد صرحوا عن آخرهم بأنَّ صلاة الجنازة هي الدعاء للميت إذ هو المقصود منها**، انتھیٰ". اور فاضل اجل علامہ ملا علی قاری مکی حنفیؒ مرقات شرح مشکوۃ کے باب الجنائز میں تحت حدیث مالک بن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں:"**ولا يدعى للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة**" اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے:"**لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة**"اور

---

(۱) وإنما الكلام في وصول ثوابه غيره إليه والموصل للثواب الى الميت هوالله تعالىٰ سبحانه؛لأن الميت لا يسمع بنفسه والقرب والبعد سواء.(شرح الفقه الأكبر:١٥٩)

(۲) في شرح اللباب لملاحي قاري ثم من آداب الزيارةما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجلى المتوفىٰ لا من قبل رأسه؛لأنه اتبع لبصر الميت.(ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب في زيارة القبور: ٨٤٣/١)

کبیری سے منقول ہے ''في السراجية إذا فرغ من الصلاة لا يقوم بالدعاء'' اور یوں کہتے ہیں کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور باقی ادعیہ مروجہ کا ثبوت کتب احادیث وفقہ واقوال محققین علما سے ثابت نہیں، پس ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا فرمانا صحیح ہے، یا نہیں اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق میت کے مرنے کے وقت سے بعد دفن مکان پر واپسی تک جمع ہو کر کن کن موقعوں پر شرع شریف میں دعا مانگنے کا ثبوت ہے، یا یہ ہے کہ ہر شخص علاوہ نماز جنازہ کے بلا التزام مالم یلزم اور بلا اہتمام وفکر اجتماع اپنی خوشی سے جب چاہے میت کے واسطے دعائے خیر کیا کرے؟

بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل.

(المستفتی: حاجی داؤد ہاشم، یوسف مرچنٹ اسٹریٹ نمبر: ۴۸، شہر رنگون)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام علىٰ رسوله سيدنا ومولانا محمد وآله وأصحابه أجمعين أما بعد:

واضح ہو کہ اموات مسلمین کے لیے نفس دعائے مغفرت اور ایصال ثواب بالاتفاق مستحسن اور محبوب ہے، ہر شخص کو شرعاً یہ اجازت ہے کہ جب چاہے اور جس قدر چاہے میت کے لیے دعائے مغفرت کرے، یا کسی بدنی، یا مالی عبادت کا ثواب پہنچائے۔ اموات مسلمین کو ان کے زندہ اقارب واحباب کی جانب سے دعا کا فائدہ اور عبادت بدنیہ ومالیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔(۱)

اور وہ دعا اور ایصال ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور جب کوئی شخص ان کے لیے دعا کرتا ہے، یا کوئی ثواب انہیں پہنچاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور پھر دعا کرنے والا، یا ثواب پہنچانے والا بھی اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے؛ لیکن یہ اختیار کسی شخص کو حاصل نہیں کہ وہ دعا اور ایصال ثواب کے لیے اپنی جانب سے کوئی خاص وقت، یا خاص خاص صورتیں معین کرے اور پھر انہیں ضروری بھی سمجھے، شریعت مقدسہ نے جن خاص اوقات میں، یا خاص صورتوں سے دعا کرنے، یا ثواب پہنچانے کی تعلیم فرمائی ہے، اس سے زیادہ کسی کو تعیین وتخصیص کا حق نہیں ہے اور یہ بات واقفین حدیث وفقہ پر روز روشن کی طرح روشن ہے، سوال میں پانچ موقعے ذکر کر کے ان کے متعلق دریافت کیا گیا ہے، میں ہر موقع کو جدا جدا ذکر کر کے اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔

---

(۱) وفي البحر من صام،أو صلىٰ،أو تصدق،وجعل ثوبه لغيره من الأموات،والأحياء جاز... و بهٰذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حياً.(رد المحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب في القراءة للميت،واهداء ثوابها له:۲۴۳/۲،ط:سعيد)

پہلا موقعہ:

یہاں مدت سے رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، انتہی۔ واضح ہو کہ شریعت مقدسہ نے میت کے لیے بصورت اجتماع واہتمام دعا کرنے کا طریقہ مقرر فرمایا ہوا ہے اور وہ نماز جنازہ ہے کہ اس کا مقصود اہم یہی ہے کہ میت کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور سب مسلمان جمع ہو کر خدا کی بارگاہ میں اپنے مردہ بھائی کی بخشش کی درخواست کریں، جیسا کہ تصریحات فقہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے۔

حقيقتها الدعاء والمقصود منها،بحر عن الفتح.(۱)

نماز جنازہ کی حقیقت دعا ہے اور دعا ہی نماز جنازہ سے مقصود ہے۔

فقدصرحوا عن آخرهم بأن صلاة الجنازة هي الدعاء للميت إذهو المقصود منها انتهٰی.(۲)

یعنی تمام فقہا نے تصریح کی ہے کہ نماز جنازہ میت کے لیے دعا ہی ہے؛ کیوں کہ نماز جنازہ سے مقصود صرف دعا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز جنازہ من کل الوجوہ دعا ہے اور نماز ہونے کی اس میں کوئی جہت نہیں ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اس نماز میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو نماز ہونے پر دلالت کرتی ہیں، جیسے طہارت شرط ہونا استقبال قبلہ ضروری ہونا وغیرہ۔(۳)

اور اسی وجہ سے اس پر نماز کا اطلاق کیا گیا ہے؛ لیکن اس کا مقصود اصلی اور جہت راجحہ یہی ہے کہ میت کے لیے استغفار اور دعا کی جائے، یا یوں کہو کہ شریعت مقدسہ نے میت کے لیے دعا اور استغفار کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ اس کے لیے طہارت استقبال قبلہ وغیرہ جو نماز کے خواص تھے، لازم کر دیئے اور تمام مسلمانوں کو جمع ہو کر دعا کرنے کے لیے ارشاد فرمایا؛ کیوں کہ اس میں مقبولیت دعا کی امید زیادہ تھی، پس نماز جنازہ اگر چہ من وجہ نماز بھی ہے؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کی راجح جہت دعا ہونے کی ہی ہے۔

مگر نماز جنازہ سے پہلے دعا، یا ایصال ثواب کے لیے اجتماع واہتمام کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا اصحاب کرامؓ، یا ائمہ عظام کسی سے منقول وثابت نہیں کہ نماز جنازہ سے پہلے بہ ہیئت اجتماعیہ میت کے لیے دعا کی ہو، یا کرنے کی ہدایت فرمائی ہو۔پس نماز جنازہ سے پہلے اگر لوگ فرداً فرداً دعا کریں، یا ایصال ثواب کریں تو جائز ہے، اس میں کوئی کلام نہیں؛ مگر دعا، یا ایصال ثواب کے لیے اجتماع واہتمام کرنا اور پھر اسے ضروری سمجھنا اور نہ

---

(۱) كتاب الجنائز ‘فصل السلطان احق بصلاته: ۱۹۳/۲،طبع بيروت

(۲) رد المحتار،باب صلاة الجنائز: ۲۱۰/۲،ط:سعيد

(۳) وفي البحر:ويفسدهاما أفسد الصلاة إلا المحاذاة،وتكره في أوقات المكروهة ... وأما شروط وجوبها فهي شروط بقية الصلاة من القدرة،والبلوغ،والإسلام.(ردالمحتار،باب صلاة الجنائز،مطلب في صلاة الجنازة:۲۰۷/۲،طبع محمد سعيد)

کرنے والے کو برا بھلا کہنا یہ مکروہ و بدعت ہے، اگر کوئی اس کے جواز کا دعوی کرے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، یا اصحاب کرام، یا مجتہدین عظام سے یہ اجتماع واہتمام ثابت کرے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ جب فرداً فرداً دعا جائز ہے اور عمومات آیات واحادیث بکثرت موجود ہیں جو ہر شخص کو ہدایت کرتی ہیں کہ اموات کے لیے دعا کرتے رہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ ان حضرات نے نماز جنازہ سے پہلے میت کے لیے دعا فرمائی ہے تو پھر اس کے لیے اجتماع واہتمام کرنے میں کیا خرابی ہے؟ یوں سمجھو کہ ہر شخص کو جب دعا کرنے کا اختیار حاصل ہے تو اگر تمام لوگ اپنے اپنے اختیار کو ایک وقت میں استعمال کریں تو یہ ناجائز کیوں ہو جائے گا۔

تو جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا فرداً فرداً جائز ہونا اور چیز ہے اور اس سے لازم نہیں کہ اس کے لیے اجتماع واہتمام بھی جائز ہو، نوافل ہر شخص کے لیے اوقات مکروہہ کے سوا ہر وقت جائز ہیں؛ لیکن نوافل کے لیے اجتماع واہتمام کرنا اور تداعی سے ادا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر تمام لوگ اپنے اس اختیار اور اجازت کو جو شریعت کی جانب سے انہیں دعا کرنے کے متعلق حاصل ہے، اتفاقیہ طور پر ایک وقت میں استعمال کریں اور اجتماع واہتمام کا قصد نہ کریں تو اس میں مضائقہ نہیں؛ لیکن سوال میں یہ صورت نہیں ہے؛ بلکہ تمام لوگ قصداً دعا کے لیے جمع ہوتے ہیں اور جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور جو شریک نہ ہو اسے برا بھلا کہتے ہیں تو اس مجموعہ کے مکروہ اور بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ کتب فقہ میں بکثرت اس کی مثالیں موجود ہیں، کتب احادیث میں بھی اس کے نظائر بکثرت وارد ہیں، ہم صرف مثال کے طور پر چند نصوص حدیثیہ وفقہیہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ عیدین کی راتیں اور شعبان کی پندرھویں رات اور رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی راتیں اور عشرہ اولیٰ ذی الحجہ کی راتیں بہت افضل اور متبرک راتیں ہیں، ان راتوں میں نماز پڑھنا اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنا بہت ثواب کا کام ہے؛ مگر فقہا نے یہ قید لگا دی کہ نماز تنہا تنہا پڑھی جائے (مگر رمضان میں تراویح کی نماز مستثنی ہے) اس پر علامہ شامی امداد کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

أشار بقوله: فرادىٰ إلىٰ ما ذكره بعد في متنه من قوله: ويكره الاجتماع علىٰ إحياء ليلة من هٰذه الليالي في المساجد وتمامه في شرحه وصرح بكراهة ذلك في الحاوي القدسي قال: وما روي من الصلوات في هٰذه الأوقات يصلي فرادىٰ غير التراويح، قال في البحر: ومن هنا يعلم كراهة

(۱) ولا يصلي الوتر، ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذالك علىٰ سبيل التداعي. (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۷-۴۹، سعيد)

الإجتماع على صلاة الرغائب التی تفعل فی رجب فی أول جمعة منه وإنهابدعة وما يحتاله أهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل،آه،قلت: وصرح بذلک فی البزازية.(۱)

(ماتن نے اپنے اس قول سے کہ تنہا تنہا پڑھیں،اس طرف اشارہ کیا،جوخودآگے ذکر کیا ہے کہ ان متبرک راتوں میں سے کسی رات میں جاگنے کے لیے مسجدوں میں اجتماع کرنا مکروہ ہے اور پوری عبارت شرح میں ہے اوراجتماع کی کراہت کی تصریح حاوی قدسی میں بھی ہے اور کہا کہ جونمازیں ان راتوں میں مروی ہیں وہ تنہا تنہا پڑھی جائیں سوائے تراویح کے بحر میں کہا کہ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صلوٰۃ رغائب کے لیے اجتماع بھی مکروہ ہے یہ نماز رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے اور یہ نماز بدعت ہے اور روم کے کے لوگ جو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اس کی نذر کر لیتے ہیں؛ تاکہ نفل ہونے اور مکروہ ہونے سے نکل جائے تو یہ حیلہ باطل ہے،آہ،علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بزازیہ میں بھی اس کی کراہت کی تصریح ہے۔)

دیکھوفقہا نے خود پہلے یہ ذکر کیا کہ مذکورۂ بالا راتوں میں نماز پڑھنا قرآن شریف کی تلاوت کرنا ذکرالٰہی میں مشغول ہونا مستحب ہے اورا کیلے ہر شخص کوشریعت کی جانب سے افعال مذکورہ ادا کرنے کی اجازت ہے، پھر یہ تصریح کردی کہ ان راتوں میں مسجدوں میں اجتماعی صورت سے افعال مذکورہ ادا کرنا مکروہ و بدعت ہے اور پھر صاحب بحر وفتاوی بزازیہ وغیرہم نے تصریح کردی کہ صلوٰۃ رغائب جو رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے، وہ بھی مکروہ و بدعت ہے؛ کیوں کہ اس میں دو باتیں ناجائز ہیں: اول تو رجب کے پہلے جمعہ کی جو شریعت سے ثابت نہیں، دوسرے اس کے لیے اہتمام واجتماع کرنا جونوافل کے لیے مکروہ ہے، پس باوجود نماز کے افضل الاعمال ہونے کے،ان دوباتوں نے اسے مکروہ وبدعت کردیا۔

عن مجاهد قال: دخلت أنا وعروة بن الزبير المسجد فإذا عبد الله بن عمر جالس إلیٰ حجرة عائشة رضی الله عنها وإذا أناس يصلون فی المسجد صلاة الضحیٰ ، قال: فسألناه عن صلاتهم فقال: بدعة.(۲)

(مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں تو ہم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس نماز کا حکم دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بدعت ہے۔)

چاشت کی نماز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور اس کی فضیلت بیان فرمائی اور پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے جیسا کہ احادیث ذیل سے ثابت ہے:

---

(۱) ردالمحتار علیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،تنبيه:مطلب فی صلاة الرغائب: ۲۶/۲،ط:سعيد

(۲) صحيح البخاری،أبواب العمرة،باب كم اعتمر النبی صلی الله عليه وسلم: ۲۳۸/۱،ط:قديمی

عن معاذة قالت: سألت عائشة رضی اللّٰہ عنها کم کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یصلی صلاۃ الضحی؟ قالت: أربع رکعات ویزید ما شاء اللّٰہ. (رواہ مسلم)(۱)

(معاذہؓ سے رویت ہے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے فرمایا کہ چار رکعتیں اور خدا کو منظور ہوتا تھا تو اس سے بھی زیادہ پڑھ لیتے تھے۔)

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من حافظ علٰی شفعة الضُحٰی غفرت له ذنوبه وإن کانت مثل زبد البحر. (رواہ أحمد والترمذی وابن ماجة)(۲)

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نماز چاشت پر محافظت کی اس کے گناہ (صغیرہ) معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔)

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز چاشت پڑھنا، یا اس کی فضیلت بیان فرمانا معلوم نہ تھا؛ تاہم اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ ایک نماز تھی اور نماز افضل الاعمال اور خیر موضوع ہے اور وقت بھی کوئی مکروہ وقت نہ تھا، پھر انہوں نے اسے بدعت کیوں فرمایا؟ اس کا صاف اور واضح جواب ان عبارتوں سے معلوم کیجئے:

قال عیاض وغیرہ: إنما أنکر إبن عمر ملازمتها واظهارها فی المساجد لا أنها مخالفة للسنة و یؤیدہ ما رواہ ابن أبی شیبة عن إبن مسعود رضی اللّٰہ عنه أنه رأی قوماً یصلونها فأنکر علیهم و قال إن کا ن ولابد ففی بیو تکم. (فتح الباری مصری: ۴۳/۳)(۳)

(قاضی عیاضؒ وغیرہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ نے صرف اس نماز کے التزام اور مساجد میں ظاہر طور سے پڑھنے کا انکار فرمایا اور اسے بدعت کہا، ان کا یہ مطلب نہیں کہ نفس نماز سنت کے خلاف ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جو حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ اگر تمہیں پڑھنی ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو۔)

وقیل أراد أن اظهارها فی المسجد والإجتماع لها هو البدعة لا ان نفدس تلک الصلوٰۃ بدعة وهو الأوجه. عینی کذا فی هامش الصحیح. (۴)

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الضحی، ص: ۱۱۵، سعید/صحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب صلاۃ الضحٰی: ۲۴۹/۱، طبع قدیمی کتب خانة

(۲) مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الضحی، ص: ۱۱۶، سعید/وسنن التر مذی، أبواب الوتر، باب ما جاء فی صلاۃ الضُحٰی: ۱۰۸/۱، سعید

(۳) کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الضُحٰی فی السنن: ۴۳/۳ المطبعة الکبریٰ الأمیریة، بولاق مصر، ۱۳۰۰ھ

(۴) أبواب العمرۃ، باب کم اعتمر البنی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ۲۳۸/۱، رقم الحاشیة: ۱۰، ط: قدیمی

اور بعضوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر کا مطلب یہ تھا کہ اس نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کرنا بدعت ہے، یہ مقصود نہ تھا کہ بنفسہ یہ نماز بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے فتوے اور حافظ ابن حجر، علامہ عینی، قاضی عیاض کے اقوال سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوگئی کہ نماز چاشت کے لیے بھی اجتماع واہتمام بدعت ومکروہ ہے؛ کیوں کہ صرف اس لیے کہ شریعت سے اس نماز کے واسطے اجتماع واہتمام ثابت نہیں اور نفس نماز کے ثبوت، یا اس کی فضیلت وترغیب کی روایات سے یہ لازم نہیں کہ اس کے لیے اجتماع واہتمام بھی جائز ہو جائے۔

اسی طرح اموات مسلمین کے لیے نفس دعا کا ثابت ہونا، یا مستحسن ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ اس کے لیے اجتماع واہتمام بھی جائز ہو جاوے جو لوگ کہ عمومات استحباب دعا سے اجتماع واہتمام کے جواز پر استدلال کرتے ہیں ان کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتوی اور فقہائے حنفیہ کے ارشادات صریحہ ہمارے پاس موجود ہیں، جو بکثرت کتب فقہیہ میں پائے جاتے ہیں۔

قراءة الكافرون إلى الآخر مع الجمع مكروهة؛ لأنها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعين، كذا في المحيط. (۱)

(سورہ کافرون سے آخر قرآن تک کی سورتیں جمع ہو کر پڑھنا (جیسا کہ مروج ہے اور اسے ختم کہتے ہیں) مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بدعت ہے صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول نہیں۔)

سورہ کافرون سے اخیر قرآن تک کی سورتیں پڑھنا، جسے ختم کہتے ہیں، اگر نفس قرآت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کا پڑھنا مکروہ ہے، یا بدعت ہے؛ لیکن ایک خاص صورت اجتماعیہ سے اہتمام کر کے پڑھنے کو فقہا نے مکروہ اور بدعت فرما دیا ہے؛ کیوں کہ اس ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام کا ثبوت نہیں؛ بلکہ اس سے زیادہ واضح نظیر صورت مسئلہ کی یہ روایت ہے، جو درج ذیل ہے:

كره أن يقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلٰوة يدعو للميت ويرفع صوته. كذا في الذخيرة. (۲)

(یہ مکروہ ہے کہ جب لوگ نماز کے کے لیے جمع ہو جائیں تو ایک شخص کھڑا ہو اور بلند آواز سے میت کے لیے دعا کرے۔)

نفس دعا ناجائز نہیں، کھڑے ہو کر دعا کرنا ممنوع نہیں؛ مگر یہ ہیئت خاصہ کہ لوگ نماز کے لیے جمع ہیں اور ایک شخص

---

(۱) الفتاوٰی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة، والتسبيح، وقراءة القران، والذكر: ۳۱۷/۵، ماجديه كوئٹه

(۲) الفتاوٰی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة، والتسبيح، وقراة القرآن و الذكر والدعاء: ۳۱۹/۵، ط: ماجدية، كوئٹة

کھڑا ہو کر بلند آواز سے میت کے لیے دعا کرتا ہے، شریعت سے ثابت؛ اس لیے فقہا نے اسے مکروہ فرما دیا۔

ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر کسی صاحب عقل کو اس میں شبہ نہیں رہے گا کہ کفنانے کے بعد اجتماع و اہتمام سے دعا کرنا اور اسے عقیدۃ لازم سمجھنا، یا عملا ضروری قرار دینا اور نہ کرنے والے کو ملامت کرنا یقیناً بدعت اور مکروہ ہے۔

دوسرا موقعہ:

پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرنے کے متعلق کتب فقہ میں حسب ذیل روایتیں ہیں:

قيد بقوله بعد الثالثة؛ لأنه لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة وعن الفضلي لابأس به. (۱)

(یعنی مصنف نے دعا کو تیسری تکبیر کے بعد کے ساتھ مقید کر دیا؛ کیوں کہ سلام کے بعد دعا نہ کرے، جیسا خلاصہ میں ہے اور محمد بن فضل سے مروی ہے کہ مضائقہ نہیں۔)

ولايدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (۲)

(یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے؛ کیوں کہ یہ دعا نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کا شبہ پیدا کر دے گی۔)

إذا فرغ من الصلاة لايقوم داعياً له. (۳)

(جب نماز جنازہ سے فارغ ہو تو دعا کرتا ہوا کھڑا نہ رہے۔)

ولايقوم داعيا له، آه. (۴)

(یعنی نماز کے بعد کھڑا رہ کر دعا نہ کرے۔)

ولا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة فيها، كذا في المحيط.

(نماز جنازہ کے بعد کھڑا رہ کر دعا نہ کرے؛ کیوں کہ یہ دعا نماز میں زیادتی کر دینے کا شبہ پیدا کرتی ہے۔)

وعن أبي بكر بن حامد أن الدعاء بعد صلٰوة الجنازة مكروه وقال محمد بن فضل لابأس به كذا في القنية. (حاشية البرجندي شرح مختصر الوقاية)

(اور امام ابوبکر بن حامد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے اور امام محمد بن فضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔)

منقولہ بالا عبارتوں سے یہ تین باتیں صراحتاً ثابت ہوتی ہیں:

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۱۹۷/۲، طبع بيروت لبنان

(۲) مرقاة المصابيح لعلي القاري، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة، والصلاة عليها: ٦٤/٤، ط: إمدادية، ملتان

(۳) الفتاویٰ السراجية، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة: ١٤٥/١، ط: نول كشور، لكهنؤ

(۴) جامع الرموز، فصل في الجنائز: ٢٨٣، ط: المطبعة الكريمية بلدة قران

(۱) نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے یا کھڑا رہ کر دعا نہ کرے۔(۱)

(۲) نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔(۲)

(۳) نماز جنازہ کے بعد دعا میں مضائقہ نہیں۔(۳)

لیکن کسی معتبر کتاب میں یوں نہیں لکھا کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد دعا کرنا چاہیے، یا فلاں دعا مستحب ہے، صرف امام محمد بن الفضلؒ سے یہ مروی ہے کہ دعا کرنے میں مضائقہ نہیں اور چوں کہ لفظ لابأس اکثر خلاف اولی میں مستعمل ہوتا ہے؛(۴) اس لیے ایک صاف اور واضح تطبیق تو امام محمد بن الفضلؒ اور امام ابوبکر بن حامدؒ کے کلام میں یہ ہو سکتی ہے کہ اول الذکر مکروہ تنزیہی اور موخر الذکر مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔

اور ظاہر یہی ہے؛ کیوں کہ اکثر کتب فقہ وفتاوی میں اول اصل مذہب یہی بیان کیا ہے کہ دعا نہ کرے، یا دعا مکروہ ہے اور کراہت مطلقہ سے اکثری طور پر تحریمی ہی مراد ہوتی ہے اور محمد بن الفضلؒ سے اس کے خلاف جو قول نقل کیا ہے، اس کو لابأس سے تعبیر کیا، جو اصل معنی کے لحاظ سے کراہت تنزیہی، یا کم از کم خلاف اولی میں مستعمل ہوتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

اگر کسی کو شبہ ہو کہ نفس دعا اموات مسلمین کے لیے تو ہر وقت جائز ہے، پھر اس وقت خاص میں دعا کے مکروہ ہونے کی کیا وجہ؟' تو جواب یہ ہے کہ فقہاء کرامؒ کا نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ فرمانا مطلقاً نہیں ہے ؛ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اجتماع واہتمام کے ساتھ دعا کرنا مکروہ ہے اور نفس دعا کا جائز ہونا جواز اجتماع واہتمام کو مستلزم نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے وقت انتقال؛ بلکہ اس سے بھی پہلے عیادت کے زمانے سے اس کے لیے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ثبوت روایات حدیثیہ وفقہیہ (۵) میں موجود ہے، ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ اگر وہ کسی مریض کی عیادت کو جائے تو اس کے لیے

---

(۱) خلاصة البحر الرائق،مرقاة،سراجی،جامع الرموز،محیط

(۲) قنية عن الامام أبی بكر بن حامد

(۳) قنية و بحر عن الامام محمد بن الفضل

(۴) وكلمة لابأس وإن كان الغالب استعمالها فيما تركه أولٰى لكنها قد تستعمل فی المندوب كما صرح به فی البحر.(رد المحتار،كتاب الطهارة،مطلب حكمة لابأس قد تستعمل فی المندوب:۱۱۸/۲،ط:سعيد)

(۵) عن أم سلمة قالت:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا حضر تم المريض،أو الميت،فقولوا خيراً فإن الملئكة يؤمنون علٰى ما تقولون،قالت، فلما مات أبو سلمة أتيت النبيصلى الله عليه وسلم فقلت،يارسول الله صلى الله عليه وسلم أن أبا سلمة قدمات قال،قولی اللّٰهم اغفرلی وله،و اعتبنی منه واعقبنی حسنة،قالت فقلت فاعقبنی الله من هو خير لی منه محمد صلى الله عليه وسلم.(الصحيح لمسلم،كتاب الجنائز،باب عيادة المريض: ۳۰۰/۱،طبع قديمی كتب خانة)

دعا کرے، اس کے بعد جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے لیے مغفرت کی دعا کرے، اس کے بعد جنازے کی نماز پڑھے، اس کے بعد دفن تک اور پھر اپنی زندگی تک میت کے لیے دعا کرتا رہے اور قرأت قرآن مجید و دیگر عبادات بدنیہ و مالیہ کا ثواب اسے پہنچاتا رہے، ان تمام حالات میں فرداً فرداً دعا کرنے، یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں، بشرطیکہ کوئی بدعت، یا قید غیر مشروع عارض نہ ہو جائے۔

اور شریعت مقدسہ نے اموات مسلمین کے لیے دفن سے پہلے اجتماع واہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا صرف یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے، جسے صلوۃ جنازہ کہتے ہیں، پس دفن سے پہلے دعائے اجتماعی اور اہتمام کا ثبوت صرف نماز جنازہ کے لئے ہے کہ وہ بھی میت کے لیے دعائے مغفرت ہی کا نام ہے، اس کے علاوہ اور جس موقع پر اجتماع واہتمام والتزام کے ساتھ دعا کی جائے، اسے فقہا مکروہ و بدعت فرماتے ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہونے کا حکم بہت سی کتابوں میں مذکور ہے، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور سب کا مطلب یہی ہے کہ اجتماع واہتمام سے دعا کرنا مکروہ ہے؛ مگر فقہاء کے کلام میں کراہت کی وجہ مختلف عنوانوں سے بیان کی گئی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے؛ کیوں کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوگا، (۱) اس کلام میں غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ وہ دعائے اجتماعی اور اہتمام کو ہی مکروہ فرماتے اور منع کرتے ہیں؛ کیوں کہ نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ اسی میں پیدا ہو سکتا ہے۔

اگر لوگ نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر اور اہتمام کر کے دعا نہ کریں؛ بلکہ صفیں توڑ کر علاحدہ ہو جائیں اور اپنے اپنے طور پر ہر شخص تنہا تنہا دعا کرے تو اس میں کسی طور سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

میت کے لیے دفن سے پہلے شریعت مقدسہ نے خاص صورت اجتماعیہ اور اہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا صرف ایک مرتبہ حکم دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے طریقوں اور پاک سیرتوں سے صرف ایک مرتبہ اجتماع اور اہتمام سے دعا کرنا ثابت ہے (اور وہ نماز جنازہ ہے)؛ اس لیے اس (نماز جنازہ) سے زیادہ جس موقع پر اجتماع واہتمام سے دعا کی جائے گی، وہ گویا اس اجتماع واہتمام کے طریقہ شرعیہ (نماز جنازہ) پر زیادتی ہوگی؛ یعنی نماز جنازہ کے علاوہ اور کسی موقع پر اجتماع واہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا یہ مطلب ہوگا کہ شارع علیہ السلام نے میت کی خیر خواہی اور اس کے لیے دعائے اجتماعی میں کچھ نقصان چھوڑ دیا تھا، جسے ہم پورا کرتے ہیں "نعوذ باللہ من ذلک"۔ شارع علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے جس قدر محبت اور رحمت کاملہ کا تقاضا تھا، اس قدر اہتمام واجتماع دعا کے لیے معین فرمایا، اگر اس سے زیادہ اجتماع واہتمام مطلوب ہوتا تو بلا شک وہ مقرر فرما سکتے تھے۔ پس کس قدر غضب ہوگا اگر ہم اپنے افعال

(۱) ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة فى صلاة الجنازة. (مرقاة شرح مشكوة لملا على القارى كتاب الجنائز، باب المشى بالجنازة، والصلوٰة عليها: ٦٤/٤، طبع مكتبة إمدادية ملتان)

سے اس بات کا وہم پیدا کریں کہ شارع علیہ السلام نے اس اجتماع واہتمام للدعاء کی تعیین میں کوتاہی فرمائی۔

بعض فقہا نے فرمایا کہ کھڑا رہ کر دعا نہ کرے، چوں کہ نماز جنازہ کے بعد اسی حالت پر کھڑا رہنا اور دعا کرنا خاص طور سے اجتماع واہتمام کو ثابت کرتا ہے؛ اس لیے اس طرح تعبیر فرمادیا، مطلب وہی ہے کہ اجتماع واہتمام سے دعا نہ کرے؛ یعنی اگر کوئی ایک شخص نماز جنازہ کے بعد اتفاقی طور پر اپنی جگہ کھڑا رہا اور اس نے کوئی دعا اپنے دل میں میت کے لیے مانگ لی تو اگر چہ اس نے کھڑے رہ کر یہ دعا کی ہے؛ مگر مکروہ نہیں ہوگی؛ کیوں کہ کراہت کی اصلی علت (اجتماع واہتمام) موجود نہیں اور نفس قیام علت کراہت نہیں۔

بعض فقہا نے فرمایا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے؛ کیوں کہ نماز جنازہ خود دعا ہے، یا ”لأنہ دعا مرۃ“. ایک مرتبہ تو دعا کر چکا، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اہتمام واجتماع دعا کا نہ کرے؛ کیوں کہ اہتمام واجتماع کی دعا تو خود نماز جنازہ ہے اور وہ ایک مرتبہ کر چکا، (۱) اور دوسری مرتبہ اہتمام واجتماع کا ثبوت شریعت مقدسہ سے نہیں، ورنہ اگر اجتماع واہتمام سے ممانعت مراد نہ ہو تو ایک مرتبہ دعا ہو چکنا تنہا تنہا دعا کرنے کی ممانعت کی علت نہیں بن سکتا؛ کیوں کہ وہ عمر بھر تک احادیث وفقہ سے ثابت ہے۔

بعض فقہا نے نماز جنازہ سے پہلے بھی دعا کرنے کو مکروہ فرمایا اور وجہ بیان فرمائی کہ ایک کامل اور عمدہ دعا کرنے والا ہے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے والا ہے)۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے دعا کے لیے اجتماع واہتمام نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اجتماع واہتمام کے ساتھ ایک کامل دعا ہونے والی ہے؛ کیوں کہ وہ شریعت مقدسہ مطہرہ کی مقرر کی ہوئی ہے اور اس سے پہلے کوئی اجتماعی دعا ثابت نہیں؛ اس لیے مکروہ ہے، ورنہ نفس دعا تنہا تنہا ہر وقت جائز ہے اور آگے کو دعا کرنے کا ارادہ تنہا تنہا پہلے دعا کرنے کو مکروہ نہیں بنا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میت کے لیے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ہر وقت ہر شخص کو اختیار حاصل ہے۔ (۲)

جب کہ التزام مالا یلزم اور تخصیصات غیر مشروعہ سے خالی ہو؛ لیکن اجتماع واہتمام کے ساتھ دفن سے پہلے دعا مانگنا صرف نماز جنازہ کے ضمن میں شریعت سے ثابت ہے اور نماز جنازہ سے پہلے، یا اس کے بعد دفن سے پہلے اجتماع واہتمام سے دعا کرنے کا حدیث وفقہ وسلف صالحین ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا مکروہ وبدعت ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فقہا کے قول بالکراہت اور امام محمد بن الفضل کے قول ”لا بأس بہ“ (۳) میں

---

(۱) لایقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ؛ لأنہ دعا مرۃ؛ لأن أکثرھا دعاء. (الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز النوع الخامس، والعشرون فی الجنائز: ۸۰/۴، طبع مکتبۃ ماجدیۃ کوئٹۃ)

(۲) لقولہٖ تعالیٰ: ﴿أُجِیبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیبُوا لِی﴾ (البقرۃ: ۱۸۶)

(۳) قید بقولہ بعد الثالثۃ؛ لأنہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ، وعن الفضلی لابأس بہ. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاتہ: ۱۹۷/۲، طبع بیروت لبنان)

ایک وجہ تطبیق کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جوفقہا مکروہ فرماتے ہیں، وہ اہتمام واجتماع سے دعا کرنے کومکروہ فرماتے ہیں اورامام محمد بن الفضل نفس دعا کا حکم بتاتے ہیں، انہوں نے اجتماع واہتمام کا حکم نہیں بتایانفس دعا کو'لا بـأس به' فرمایا ہےاوراگر اس صورت میں'لا بأس به' کے معنی ایسے بھی لے لیے جائیں، جومندوب کوشامل ہوتے ہیں؛ تاہم مضائقہ نہیں۔

شبہ نمبر: (۱) اگرکسی کوشبہ ہوکہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمررضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اوران کوغسل کے لیےلٹایا گیا تو لوگوں نے ان کی نعش مبارک کوچاروں طرف سے گھیرلیا اوران کے لیے دعا اوران کی ثناوصفت اورسوال نزول رحمت کرتے تھے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے بھی میت کے لیےاجتماع واہتمام کےساتھ دعائے مغفرت کرنی جائز ہےاورفعل صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے؟

جواب: تواس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ لوگ دعا کرنے کے لیےاہتمام سے جمع ہوئے تھے؛ بلکہ علامہ عینی نے تصریح کردی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ کوغسل کے لیےلٹایا تھااوراس سے صاف واضح ہے کہ اس وقت وہی لوگ تھے، جوغسل کےضروریات کوانجام دینے والے تھےاورغسل کی انجام دہی کے لیے ہی حاضر ہوئے تھےاورایسے وقت عموماً ہرشخص کے دل میں ایک خاص کیفیت اوررقت طاری ہوتی ہےاوروہ بےاختیار، یابااختیار میت کے لیےدعائے مغفرت کرتا جاتا ہےاورکوئی اہتمام واجتماع کا قصدنہیں کرتا۔

بہرحال اس واقعہ میں اوراس حدیث میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ لوگوں کا اجتماع اوراہتمام دعا کے لیے تھا، اس کی نظیر یہ ہے کہ صاحب بحر(۱) نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ اہل میت کومسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لیےآئیں،مکروہ ہےاوراسی طرح شرح منیہ (۲) اورفتح القدیر (۳) میں کراہت کا ذکرکیا اورگھر میں بیٹھنے کوبھی بلفظ''لا بـأس به'' ذکرکیا،علامہ شامی نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولی ہےاورلفظ''لا بـأس به'' کے یہی حقیقی معنی ہیں اوروہ یہاں پر مراد ہیں؛مگرصاحب بحر(۴) نے تعزیت کے لیے بیٹھنے کے جواز پراس حدیث سے استدلال کرنابقالی سےنقل کیا ہے:**أنه صـلـى الـلّٰه عليه وسلم جـلـس لـمـا قتـل جعفر وزيد بن حارثه**

---

(۱) التـعـزية فـي اليـوم الأول والـجـلـوس فـي الـمسجـد ثـلا ثة أيـام لـلتـعزية مكروه. (البحرالرائق، كتـاب الجنائز ،فصل السلطان أحق بصلا ته: ۲۰۷/۲،دارالمعرفة بيروت)

(۲) ويـجـوزالـجـلـوس لـلمصيبة بثلٰثة أيام،وهوخلاف الأولٰى ويكره في المسجد. (كبيرى،فصل في الجنائز، ص: ۶۰۸، سهيل اكادمی)

(۳) ويـجـوز الـجـلـوس لـلـمـصيبة بثـلٰثة أيـام،وهـوخـلاف الأولٰى،ويـكـره في المسجد.(فتح القدير ،بـاب الجنائز،فصل في الدفن: ۱۴۲/۲،ط:مصطفى حلبى مصر)

(۴) قـال البـقالي،ولابأس بالجلوس... وقد جلس رسول اللّٰهصلى اللّٰه عليه وسلم لما قتل جعفروزيد بن حارثة والناس يأتون ويعرفون.(البحرالرائق، كتاب الجنائز،فصل السلطان أحق بصلاته: ۲۰۷/۲،ط:بيروت)

والناس يأتونه ويعزونه ،آه. (۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے جب کہ جعفرؓ وزید بن حارثہؓ کے قتل کی خبر آئی اور لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔

پھر علامہ شامی جواب دیتے ہیں: **يجاب عنه بأن جلوسه صلى الله عليه وسلم لم يكن مقصودا للتعزية،** آه. (۲) کہ اس استدلال کا یہ جواب دیا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا بغرض تعزیت نہ تھا۔

جیسے اس مسئلہ میں لوگوں نے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقیہ بیٹھنے اور لوگوں کی تعزیت کرنے سے یہ سمجھ کر استدلال کر لیا کہ تعزیت کے لیے بیٹھتے تھے، اسی طرح ہمارے زیر بحث مسئلہ میں بخاری کی روایت میں بغرض غسل جمع ہونے اور دعا کرنے کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا گیا کہ دعا کے لیے لوگوں نے اجتماع کیا تھا، پس جو جواب علامہ شامی نے اس استدلال کا دیا، وہی جواب ہم نے اس استدلال کا دیا ہے۔ فافهم

شبہ نمبر (۲) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ روایت مرقومہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ہے:

عن إبراهيم الهجيري قال رأيت ابن أبي أوفى وكان من أصحاب الشجرة وماتت إبنته فتبعها على نعله خلفها فجعل النساء يرثين فقال لا ترثين فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الرثاء ولتقض إحداكن من عبرتها ما شائت ثم كبر عليها أربعاً ثم قام بعد ذلك قدرما بين تكبيرتين يدعو وقال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع على الجنائز هكذا رواه ابن النجار، (۳) **وكذا رواه الإمام أحمد في مسنده.**

(ابراہیم ہجیری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو دیکھا اور وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے اور ان کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا تھا (الی قولہ)، پھر حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے صاحب زادی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں پھر اتنی دیر کھڑے دعا کرتے رہے، جس قدر دو تکبیروں میں فاصلہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازوں پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔)

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے چاروں تکبیروں کے بعد اتنی دیر دعا مانگی، جتنی ایک تکبیر سے دوسری تکبیر تک تاخیر ہوتی ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ جواب تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے سلام کے بعد نہیں تھی؛ بلکہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے تھی یہ روایت مختصر ہے، پورا واقعہ اس طرح ہے علامہ نووی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں:

ويحتج للدعاء في الرابعة بمارويناه في السنن الكبيرى للبيهقي عن عبد الله بن أبي أوفى

(۱،۲) ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۱، ط: سعيد

(۳) منتخب كنز العمال، كتاب الموت من قسم الأفعال، صلاة الجنائز: ۵/۱۵۷، رقم الحديث: ۴۲۸۵، مكتبة تراث حلب

رضـی الـلّٰـه عنه أنه كبر علٰى جنازة إبنة له أربع تكبيرات فقام بعد الرابعة كقدر ما بين التكبيرتين يستغفر لها و يدعو ثم قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصنع هٰكذا. (۱)

(کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا کرنے پر اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے، جو ہمیں سنن کبری بیہقی میں روایتا پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے اپنی صاحبزادی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں اور چوتھی تکبیر کے بعد بقدر فاصلہ مابین تکبیر تین کھڑے ہوئے دعا استغفار کرتے رہے، پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔)

وفـي رواية أنـه كبـر أربـعـاً فـمـكـث ساعة حتٰى ظننا أنه سيكبر خمساً ثم سلم عن يمينه وعن شـمـاله فلما انصرف قلنا له ماهٰذا فقال إني لا أزيد كم علٰى مارأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سـلـم يـصنع أوهٰكذا صنع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال الحا كم أبو عبد اللّٰه هٰذا حديث صحيح انتهٰى. كتاب الاذكار. (۲)

(اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہہ کر اتنا ٹھیرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے، پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا، جب فارغ ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ یہ کیا کیا تو فرمایا کہ میں تمہارے لیے اس بات سے زیادہ نہ کروں گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کرتے دیکھا ہے، یا یوں فرمایا کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔)

اور چوں کہ سلام سے پہلے نماز جنازہ ختم نہیں ہوئی تھی؛ اس لیے یہ دعا نماز جنازہ میں ہی داخل ہے اور ہماری بحث سے خارج ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کرنے کا حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا ظاہر مذہب جو تمام متون میں منقول ہے، وہ یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں؛ بلکہ چوتھی تکبیر کہتے ہی سلام پھیر دے؛ لیکن بعض شروح وفتاوی میں بعض مشائخ سے چوتھی تکبیر کے بعد بھی دعا منقول ہے:

وأشار بقوله وتسليمتين بعد الرابعة الى أنه لاشئ بعد ها غيرهما وهوظاهر المذهب وقيل يقول: "رَبَّنَا اٰتِنا فِي الدُنيا حَسَنة إلٰى آخره" وقيل: ربنا لا تزغ قلوبنا إلٰى آخره" وقيل يخير بين السكوت والدعاء. (۳)

(یعنی ماتن نے یہ کہہ کر کہ چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ چوتھی تکبیر کے بعد سوائے دو سلاموں کے اور کچھ ذکر ودعا نہیں ہے اور ظاہر مذہب یہی ہے اور کہا گیا کہ " اللّٰهم اٰتنا ،الخ" پڑھ لے اور کہا گیا کہ 'ربنا لا تزغ الخ' پڑھ لے اور کہا گیا کہ اختیار ہے، چپ رہے، یا دعا کرے۔)

---

(۱) الأذكار: ۱۵۹/۱، انیس

(۲) الفتوحات الربانية على الأذكار النووية، المجلد الثا نی، باب أذكار الصلاة على الميت: ۱۸۰/٤، طبع المكتبة الاسلامية لصاحبها الحاج رياض التسبيح

(۳) البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۱۹۷/۲، طبع بيروت، لبنان

شبہ نمبر (۳) اگر کوئی کہے کہ جن فقہا نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ کہا ہے، ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ دعائے طویل مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوگی، جو تعجیل مسنون کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو فقہا کے کلام میں دعائے طویل کی قید نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے یہ وجہ بھی ان کو ملحوظ ہو؛ یعنی کراہت کی دونوں وجہیں جمع ہوسکتی ہیں، اول اجتماع واہتمام، دوسرے لزوم تاخیر اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوتا، پس اجتماع واہتمام کے ساتھ مختصر دعا بھی مکروہ ہے؛ کیونکہ کراہت کی ایک وجہ (عدم ثبوت اجتماع واہتمام) اس میں بھی موجود ہے۔

تنبیه: اگر اب بھی کوئی اصرار کرے کہ نماز جنازہ کے بعد دعائے اجتماعی میں کچھ نقصان نہیں اور استحباب مطلق دعا سے استدلال کرے تو اس سے سوال یہ ہے کہ جنازے کی ایک مرتبہ نماز ہوچکنے کے بعد دوسری مرتبہ نماز پڑھنا (غیر ولی کو) جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو حنفیہ کی معتبر کتب سے ثبوت درکار ہے اور اگر نا جائز ہے تو کیوں؟ آخر نماز جنازہ بھی بتصریح فقہائے کرام استغفار ودعا ہی ہے، (۱) پھر آپ کی مصنوعی صورت سے تو بار بار دعا جائز ہو اور ایک شرعی صورت سے دوبارہ، سہ بارہ دعا نا جائز ہو، یہ زبردستی نہیں تو کیا ہے؟

پھر میت کو دفن کرنے کے بعد سب لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر سب جگہ مروج ہے دفن کے بعد لوگوں کا میت کے لیے دعائے استغفار کرنا مستحسن ہے، شریعت مطہرہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے، کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدرما ينحر الجزورو يفرق لحمه. (۲) یعنی دفن کے بعد دعا وقرأت کے لیے قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے، اتنی دیر کہ ایک اونٹ کو نحر کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔

(قوله: وجلوس) لما فى سنن أبى داؤد كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف علىٰ قبره وقال استغفروا لأخيكم واسالوا الله له التثبيت فإنه الآن يسأل وكان ابن عمريستحب أن يقرأ على القبربعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها وروى إن عمر وبن العاص قال وهوفى سياق الموت إذا أنامت فلا تصحبنى نائحة ولا نارفإذا دفنتمونى فشنوا على التراب شناً ثم أقيموا حول قبرى قدرما ينحر جزورو يقسم لحمها حتىٰ استانس بكم وانظرماذا اراجع رسل ربى، جوهرة. (۳)

(بیٹھنا اس لیے مستحب ہے کہ سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن میت سے فارغ ہوکر اس کی قبر پر ٹھہر

---

(۱) إن أركانها: الدعاء والقيام والتكبيرلقولهم إن حقيقتها هى الدعاء والمقصود منها. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۰۹/۲، طبع محمد سعيد

(۲) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱۳۳/۳، دار الكتاب ديوبند. انيس

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲۳۷/۲، طبع شركة الحاج محمد سعيد

تے تھے اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور کلمہ توحید پر ثابت رہنے کی دعا کرو؛ کیوں کہ اس وقت اس سے سوال کیا جائے گا اور ابن عمرؓ اسے مستحب سمجھتے تھے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھی جائیں اور روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے حالت نزع میں فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ جائے اور نہ آگ لے جانا اور جب مجھے دفن کرو تو مٹی ڈالنا، پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے؛ تاکہ تمہارے ساتھ مجھے دل بستگی اور انسیت رہے اور دیکھوں کہ میں اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "استغفروا لأخیکم" سے دعائے اجتماعی کا ثبوت ہوگیا، لہٰذا قبر پر دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرنا اور ذکر و دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

چوتھا اور پانچواں موقعہ:

پھر قبرستان سے نکل کر دروازہ قبرستان پر، یا راستہ میں دعا کے لئے اجتماع و اہتمام کرتے ہیں، پھر میت کے مکان پر دعا کے لیے جمع ہوتے ہیں، ان دونوں موقعوں پر اور ان کے بعد تمام مواقع پر دعا کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا اور پھر اسے لازم یا مستحب سمجھنا مکروہ و بدعت ہے؛ کیوں کہ شریعت حقہ سے اس کا ثبوت نہیں۔

ہاں: ہر شخص کو خود اجازت ہے کہ وہ میت کے لیے جس قدر چاہے اور جس وقت چاہے بغیر التزام مالا یلزم فرداً فرداً دعا کرے، استغفار کرے، قرأت قرآن وغیرہ کا ثواب پہنچائے۔(۱) واللہ أعلم وعلمہ أتم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مولاہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی۔ (کفایت المفتی: ۱۶۲/۴-۱۷۶) ☆

---

(۱) صرح علماؤنا في باب الحج عن غيره بان للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أوصوماً، أوصدقة، أوغيرها، كذا في الهداية، بل في زكاة التتارخانية عن المحيط، الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين و المؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شئ الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراء ة للميت واهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، طبع الحاج محمد سعيد)

☆ **تجہیز و تکفین ایصال ثواب اور حیلہ اسقاط کے متعلق چند رسموں کی تحقیق:**

(ماخوذ از: مجموعہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات، مطبوعہ ۱۳۳۶ھ، مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله محمد واله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

خاکسار کے بعض مخلصین نے رنگون (برما) سے بعض رسموں کا حکم شرعی دریافت کیا ہے، مفصل جواب دینے سے پہلے مناسب ہے کہ بطور تمہید کے کچھ عرض کر کے پھر ان رسوم کے شرعی احکام ذکر کئے جائیں۔

قال الله عزوجل لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة. (سورة الأحزاب: ۲۱)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ماليس منه فهورد. (متفق عليه) (مشكوٰة، باب الإعتصام بالكتاب والسنة، ص: ۲۷، ط: سعيد/وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جورفهومردود: ۳۷۱/۱، ط: قديمي/وصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الإحكام الباطله ورد محدثات الأمور: ۷۷/۲، ط: قديمي) ==

== 　قال العرباض: صلیٰ بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذات یوم ثم أقبل علینا فوعظنا موعظة بلیغة ذرفت منہ العیون وجلت منہا القلوب فقال قائل یا رسول اللّٰہ کأن ہٰذہ موعظة مودع فماذا تعہد علینا؟فقال:أوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعة وأن عبداً حبشیاً فإنہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوابہا وعضوا علیہا بالنواجذ وإیاکم ومحدثات الأمورفإن کل محدثةٍ بدعة وکل بدعةٍ ضلالة.(وأبوداؤد، کتاب السنة،باب لزوم السنة:۲۸۷/۲،ط: امدادیہ ٗملتان)

وقال علیہ السلام: ما أحدث قوم بدعة إلارفع مثلہا من السنة.(رواہ أحمد)(مشکوٰة،باب الإعتصام بالکتاب والسنة،ص: ۲۷،ط: سعید/مسند الإمام أحمد،کتاب الغزوات،باب فی غزواتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبعوثہ،الخ:۱۰۵/۴،ط:المکتب الإسلامی بیروت)

وقال علیہ السلام: من وقرصاحب بدعة فقد أعان علی ہدم الاسلام.(رواہ البیہقی)(سنن البیہقی فصل فی مجانیہ الفسقة والمبتدعہ ومن لایعینک علیٰ طاعة اللّٰہ عزو جل:۶۱/۷،رقم الحدیث:۹۴۶۳)

حق جل شانہ قرآن کریم میں ارشادفر ماتا ہے:(مسلمانو!)تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں اچھی اقتدا ہے؛یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمہارے لیے نہایت بہترین نمونہ ہے۔(لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ أسوة حسنة.(سورة الأحزاب: ۲۱،انیس)

اورآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی،جو دین میں داخل نہیں تو وہ بات اسی شخص پر مردود ہے۔(عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت:قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من أحدث فی أمرناہٰذا ما لیس منہ فہورد.(صحیح البخاری، کتاب الصلح،باب اذا صطلحوا علیٰ جور فہو رد: ۲۷۱/۱،انیس)

اورفرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا،وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کولازم پکڑ لینا،سنت کومضبوطی سے اختیار کرنا اورکچلیوں سے پکڑنا اورنئی باتوں سے بچنا؛ کیوں کہ ہرنئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(عن العرباض بن ساریة قال:وعظنارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوماً بعدصلاة الغداة موعظة بلیغة ذرفت منہا العیون ووجلت منہاالقلوب فقال رجل إن ہٰذہ موعظة مودع فماذا تعہد إلینا یارسول اللّٰہ قال أوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعة وإن عبد حبشی فإنہ من یعیش منکم یریٰ اختلافاً کثیراً وإیاکم ومحدثات الأمور فإنہا ضلالة فمن أدرک ذلک ملکم فعلیہ بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ.(جامع الترمذی،باب الأخذ بالسنة:۹۶/۲،قدیمی،انیس)

اورفرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوقوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہےتو ان میں سے اس بدعت کے برابر سنت پرعمل کی توفیق اٹھ جاتی ہے۔(إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلہا من السنة خیر من إحداث بدعة.(مسند أحمد، الجزء الثامن والعشرون:۱۷۳/۲۸)

اورفرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔(عن إبراہیم بن میسرة رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من وقر صاحب بدعة، فقد أعان علیٰ ہدم الإسلام:۶۱/۷،انیس) ==

== خدائے عزوجل کے کلام بلاغت نظام اور احادیث خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اچھی طرح واضح ہے کہ اہل اسلام کا اولین فرض یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام اعمال وافعال میں پیش نظر رکھیں اور انہیں کو اپنا حقیقی رہبر اور رہنما سمجھیں اور اپنی نجات اخروی اور حیات ابدی کو انہیں کے اتباع میں منحصر جانیں۔

انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے ہی خدا کی رضا مندی اور ناراضی کا علم حاصل ہوتا ہے، بغیر ان کے بتلائے اور سکھائے ہوئے عقل انسانی ہرگز معلوم نہیں کرسکتی کہ کن چیزوں سے خدا تعالی راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکی ذات بابرکات ہمارے لیے نمونہ کاملہ ہے اور ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم آپ کی تابعداری اور پیروی کریں اور ذرہ برابر آپ کے نشان قدم سے نہ ہٹیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت کریمہ مرقومہ بالا میں ہمیں یہی ہدایت فرمائی ہے کہ ہم احمد مجتبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلمکی ذات مظہر آیات کو اپنے لیے نمونہ کاملہ سمجھیں اور آپ کی سنت پر نہایت پختگی اور استحکام سے قائم رہیں، یہی ہماری منزل مقصود ہے اور یہی معراج کمال۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے دین وشریعت کے متعلق ہمیں ایسی کامل ومکمل تعلیم دی، جس کی نظیر صفحات تاریخ میں نہیں مل سکتی، معاش ومعاد، شادی وغمی، تجارت وحرفت، تمدن وخلوت غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمنے اس کے متعلق ہمیں اصول، یا مسائل جزئیہ تعلیم نہ فرمائے ہوں۔

ایسے شفیق معلم اور مہربان مبلغ پہ قربان جس نے ہماری تہذیب وتعلیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور کوئی ضروری بات سکھانے سے اٹھا نہیں رکھی۔ بتایا، سکھایا، کرکے دکھا دیا اور اس وقت تک ہم سے جدا نہیں ہوئے جب تک کہ شریعت کو ہمارے لیے آفتاب کی طرح روشن اور صاف نہ کردیا۔

فصلى اللّٰه على من مبلغ أدّى حق الرسالة والتبليغ وبلغ أقصٰى مداه ولم يفارقناحتٰى جعل لنا الشريعة بصريعة بيضآء التى ليلها ونهارها سواء.(عن جابر بن عبد اللّٰه أن عمربن الخطاب أتى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم بكتاب اصابه من بعض الكتب فقال يا رسول اللّٰه إنى أصبت كتاباً حسناً من بعض أهل الكتاب قال فغضب وقال أمهوكونى فيها يا ابن الخطاب والذى نفسى بيده لقد جئتكم بها بيضاء نقية،ولوكان موسٰى حياً اليوم ما وسعه إلا أن يتبعنى.(مصنف ابن أبى شيبة،كتاب الأدب،من النظر فى كتب أهل الكتاب: ۴۷/۹)

یعنی اللہ تعالی باران رحمت نازل فرمائے اس مبلغ پر جس نے رسالت اور تبلیغ کا حق ادا فرمایا اور اس وقت تک ہم سے مفارقت نہ فرمائی، جب تک کہ شریعت کو ہمارے لیے آفتاب کی طرح روشن اور منور نہ کردیا، ایسا روشن جس کی رات بھی دن کی طرح نورانی ہے۔

بایں ہمہ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضے تھا اور نفس وشیطان انسان کے پکے دشمن جن کا ہر وقت یہی قصد وارادہ کہ انسان کو مردود بنا دیں، مسلمان بھی ان دونوں فتنوں سے بے خوف اور مطمئن نہ تھے اور وہ مرشد کامل (پیغمبر اسلام روحی فداہ) بھی اس پیش آنے والے فتنہ سے پورے واقف اور خبردار تھے آپ کو معلوم تھا کہ ظل نبوت مسلمانوں کے سر سے اٹھ جانے کے بعد ان میں طرح طرح کے اختلاف پیدا ہوں گے اور ایسے وقت میں نفس وشیطان کو موقع ملے گا کہ وہ میری امت کو گمراہی کے غار میں گرا دیں اور ہوائے نفسانی کا متبع بنا کر نار جہنم میں پہنچا دیں؛ اس لیے آپ نے امت کو صاف صاف الفاظ اور کھلے کھلے بیان سے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کا طریقہ اور اس روحانی مرض کا علاج بتا دیا اور سمجھا دیا فرماتے ہیں کہ جو شخص زندہ رہے گا، وہ اختلافات کثیرہ دیکھے گا؛ لیکن اس کا علاج یہ ہے کہ اس وقت تم میری سنت کو نہایت مضبوطی اور استحکام سے پکڑ لینا اور خبردار کسی نئی بات (بدعت) کو اختیار نہ کرنا؛ کیوں کہ ہر نئی بات (بدعت) گمراہی ہے اور گمراہی کا ==

== مآل اور نتیجہ دوزخ ہے۔(مشکوۃ المصابیح،باب الإعتصام بالکتاب و السنة، ص: ۳۱،سعید/أبو داؤد، کتاب السنة،باب لزوم السنة: ۲۸۷/۲، ط:امدادیة،ملتان) اور فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالے وہ اسی پر مردود ہے؛یعنی خدا اور رسول کے یہاں وہ مقبول نہیں اور فرمایا کہ جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو ان میں سے اسی کے مثل ایک سنت کی توفیق اٹھالی جاتی ہے اور فرمایا کہ جو شخص بدعتی کی توقیر اور تعظیم کرتا ہے، وہ گویا اسلام کے ڈھانے پر مدد کرتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ بدعتی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے کہ اس کی کامل و مکمل شریعت میں اپنی طرف سے ایجاد کر کے گویا خدا اور رسول کی جانب کوتاہی اور نقصان کی نسبت کرتا ہے، یا خود احکام تجویز کر کے اپنے لیے (تشریع احکام کا) خدائی منصب تجویز کرتا ہے؛ اس لیے وہ تو درحقیقت اسلام کو ڈھا رہا ہے اور جو اس کی تعظیم و تکریم کرے، وہ اسلام کے ڈھانے میں اس کا مددگار ہے۔(نعوذ باللّٰہ منھا)

مسلمانو! یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ شرعی احکام میں بغیر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نجات ناممکن ہے اور بدعت نہایت سخت اندیشناک چیز ہے؛ کیوں کہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ ان سے ڈر کر انسان کبھی توبہ کر لیتا ہے؛ لیکن بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدعت کا ارتکاب دین داری سمجھ کر کرتا ہے اور اپنے خیال میں اسے نیک کام سمجھتا ہے؛ اس لیے توبہ کی طرف اس کا دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا۔

بدعت اگرچہ بظاہر کیسی ہی بھلی اور نیک معلوم ہو؛ لیکن بڑے گناہ کی چیز ہے، اس امر کی صاف اور روشن دلیل یہ روایت ہے:

أخبر عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه بالجماعة الذين کانوا يجلسون بعد المغرب وفيهم رجل يقول کبروا للّٰه کذا وکذا وسبحوا اللّٰه کذا وکذا وأحمدوا اللّٰه کذا وکذا،فيفعلون فحضرهم فلما سمع ما يقولون قام فقال أنا عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه فوالذی لا إله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء أولقد فقتم علیٰ أصحاب محمد عليه الصلوٰة والسلام علماً(مجالس الأبرار،ص: ۱۵٦،رقم المجلس:۱۸،طبع:مکتبه دار الاشاعت کراتشی)

یعنی حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھتی ہے اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو اور سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اس جماعت میں گئے اور جب ان کی یہ باتیں سنیں تو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ ہوں اور اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کی ہے، یا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔

اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکر الٰہی اور تکبیر و تسبیح و تہلیل ہی تھا؛ مگر چوں کہ اس کی وضع اور ہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی، جس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے نہیں تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے نزدیک ناجائز اور بدعت تھا۔

اس پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ کیا تھی؟ صرف یہی کہ ذکر اللہ اگرچہ ہر وقت مطلوب اور محبوب ہے؛ مگر اس کے لیے یہ اہتمام واجتماع کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا تھا، ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بطور خود جس قدر چاہے ذکر اللہ کرے؛ لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدید اور نئی صورت اور ہیئت ایجاد کرے اور پھر اسے طریق شرعی اور موجب ثواب اعتقاد کرے۔

صحابہ کرامؓ جن کے علوم مشکوۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کے سینے نور وحی سے بوجہ فیض صحبت منور تھے، جنہوں نے خدا اور رسول کی محبت میں اپنے گھر بار، آل و اولاد، اعزا و اقارب کو چھوڑ دیا اور آستانہ نبوت کی جاروب کشی کو سرمایہ سعادت سمجھ کر دل و جان سے نبی امی روحی فداہ کے خادم جاں نثار بن گئے، ان سے زیادہ اتباع سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اور ان سے بڑھ کر فنا فی اللہ و فنا فی الرسول ہونے کا دم کون مار سکتا ہے۔==

(۱) == وہ اتباع سنت سنیہ واقتفائے آثار نبویہ کے برکات کو خوب سمجھتے تھے، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کہ خود کیا، یا ہمیں کرنے کا حکم دیا، اس کے خلاف کسی کام میں خیریت اور برکت نہیں ہوسکتی، انہیں اس بات کا یقین تھا کہ بدعات میں نجات کی اسی قدر امید ہے، جس قدر کہ حنظل (اندرائن) سے شہد حاصل کرنے کی آرزو، وہ یقین واثق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمکے حرکات وسکنات کا اتباع کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی اتباع نجات کی کفیل اور مغفرت کی ضامن ہے۔

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قصر نبوۃ کا حقیقی مکمل اور حسب ارشاد: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ الخ(اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾(سورة المائدة:۳) اسلام کے عالیشان قصر کو ہر طرح کامل ومکمل اعتقاد کرتے تھے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قیامت تک کے لیے اللہ پاک نے ایک مکمل دین عطا فرمایا اور دین متین کی عالیشان قصر کہ دیگر انبیاء مانند اینٹ کے ہیں، جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے پر فرمایا، اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں؛ یعنی دین میں اب کوئی نئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط)

انہیں وجوہ سے ان کو بدعات مخترعہ سے سخت نفرت تھی اور جس کام کو سنت نبویہ کے صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی ہٹا ہوا سمجھتے، اس سے دور بھاگتے تھے، اسی خیال سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس جماعت کے حلقہ ذکر کو چوں کہ اس خاص ہیئت واہتمام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمکی سیرت اور آپ کی پاک تعلیم میں نہیں پایا، بدعت فرمادیا اور سچ فرمایا، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمجیسے اعلم الخلق اور صحابہ کرامؓ جیسے خیرات ومبرات کے حریص ترین جماعت سے جب یہ اہتمام خاص منقول نہیں تو اب اس کے ایجاد کرنے والوں کو کہاں سے اس کی خیریت اور بھلائی کا علم ہوگیا؛ کیوں نکہ خدا کے نزدیک کسی کام کی بھلائی معلوم ہونے کا ذریعہ صرف مشکوۃ نبوت ہے۔

کتب احادیث وسیر میں صحابہ کرامؓ سے بکثرت ایسے واقعات منقول ہیں کہ انہوں نے سنت نبویہ کے ذرا سے خلاف کو برا سمجھا اور نفرت ظاہر کی اور اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے، حالاں کہ بظاہر وہ افعال بھلے معلوم ہوتے تھے، بخلاف اس کے آج کل کے اہل بدعت اس قسم کے کاموں کو اصل دین بنانے کی کوشش کرتے ہیں، یہی حضرت عبداللہ بن مسعود کا واقعہ ہے، اگر آج کل کے ان علما سے سوال کیا جائے کہ ایک جماعت مغرب کے بعد اس ہیئت ووضع سے تکبیر وتحمید وتہلیل کرتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو وہ بجائے اس کے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتوی جواب میں پیش کریں، بڑے زور سے کہیں گے کہ یہ ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ ہر حال میں باعث خیر وبرکت ہے اور اس ہیئت ووضع کا یا تو بالکل ذکر نہ کریں گے، یا اگر کیا تو اس کو بھی جائز؛ بلکہ مستحب بنانے میں اپنی تمام کوشش صرف کردیں گے۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

لیکن ایک عاشق سنت اور قدر شناس ملت اگر اپنے سینہ میں حق شناس دل اور دماغ میں سنت نبویہ سے محبت رکھنے والی عقل رکھتا ہے تو وہ صاف کہہ دے گا کہ آج کل کے نام کے علماء سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بدر جہا اعلم اور ذکر اللہ کے دلدادہ تھے، نیز وہ سنت وبدعت دونوں کی حقیقت کو ان سے ہزاروں درجے زیادہ سمجھتے تھے اور فیض صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف اور صحابہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے؛ اس لیے ان کا فتویٰ یقیناً حق اور ان نیم مُلّاؤں کے فتوے سے احق بالقبول ہے۔

الغرض مسلمانوں کو اگر خدا اور رسول سے محبت ہے، اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہیں تو ان کا اولین فرض یہ ہے کہ سنت نبویہ کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کریں اور اپنی ایجاد کردہ بدعات کو یک لخت چھوڑ دیں، دینی امور میں اپنی رائے کو کافی نہ سمجھیں؛ بلکہ کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس سے ماخوذ فقہ کو اپنا مطمح نظر بنالیں اور اپنے تمام کام عبادات ہوں، یا معاملات شادی کے متعلق ہوں، یا غمی کے شریعت مطہرہ مقدسہ کے موافق کرلیں، ورنہ یاد رکھیں کہ ان کے ایجاد کردہ بدعات چاہے کتنے ہی بظاہر خوشنما اور نیک ہوں؛ لیکن خدا کی خوشنودی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلمکی رضامندی کے باعث نہیں ہوسکتے اور ان کے لیے بجائے موجب نجات ہونے کے ذریعہ عذاب ہوجائیں گے۔ ==

== اب میں ان رسموں کا ذکر کرتا ہوں جن کا حکم بعض احباب رنگون نے دریافت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسمیں برما میں علی العموم، یا بعض خاص خاص شہروں میں مروج ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کا حکم شرعی بھی بتاتا ہوں، تاکہ جن پاک روحوں کو سنت نبویہ سے محبت ہے، وہ اس پر عمل کر کے نجات اخروی حاصل کرسکیں۔ **وما توفیقی إلا باللّٰہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب**

رسم نمبر (۱)

میت کی تجہیز وتکفین میں دیر کرتے اور بعض جگہ ایک دوروز کامل میت کو پڑا رکھتے ہیں۔

حکم شرعی:

یہ رسم خلاف شریعت اور میت کی تجہیز وتکفین میں تاخیر خلاف سنت ہے، اگر چہ یہ تاخیر کسی عزیز کے انتظار، یا مال ودولت کی جانچ پڑ تال، یا تقسیم ترکہ کے اہتمام، یا ایسی ہی کسی اور غرض سے کی گئی ہو، بہر حال خلاف شریعت ہے۔

عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہصلی اللّٰہ علیہ وسلمأسرعوا بالجنازۃ فإن تک صالحۃ فخیرتقدمونھا إلیہ وإن تک سویٰ ذلک فشرتضعونہ عن رقابکم.(متفق علیہ)(صحیح البخاری، کتاب الجنائز،باب السرعۃ بالجنازۃ: ۱۷۶/۱،ط:قدیمی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازے کو جلدی لے جاؤ، کیوں کہ اگر میت نیک ہے تو اس کو خیر کی جانب جلدی پہنچادو گے اور اگر بد ہے تو اپنی گردنوں سے بدی کو جلدی اتار پھینکو گے۔

یعنی جنازے کو بہر حال جلدی دفن کرنا چاہیے اور میت خواہ نیک ہو، یا بد؟ بہر حال جلدی دفن کرنے میں فائدہ ہے، جیسے حدیث مذکور میں صاف بیان فرمادیا گیا ہے۔

ولما عاد النبیصلی اللّٰہ علیہ وسلمطلحۃ بن البراء وانصرف قال ما أریٰ طلحۃ إلا وقد حدث فیہ الموت فاذا مات فأذ نونی حتیٰ أصلی علیہ وعجلوا بہ فإنہ لاینبغی لجیفۃ مسلم أن تحبس بین ظھرانی أھلہ.(أبوداؤد، کتاب الجنائز،باب تعجیل الجنازۃ: ۹۴/۲،امدادیۃ،ملتان)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلحہ بن براء کی عیادت کر کے واپس ہونے لگے تو فرمایا کہ میں نہیں خیال کرتا؛ مگر یہ کہ طلحہ میں آثار موت پیدا ہو گئے ہیں تو جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے خبر کر دینا؛ تاکہ میں ان پر نماز پڑھوں اور ان کی تجہیز تکفین میں جلدی کرنا؛ کیوں نکہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کا مردہ اپنے گھر والوں میں زیادہ دیر روکا جائے۔

ویسرع فی جھازہ.(الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنائز: ۱۹۳/۲،ط:سعید)

(وکرہ تأخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعدصلاۃ الجمعۃ).(الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجنائز: ۲۳۲/۲،ط:سعید)

مردے کی تجہیز تکفین میں جلدی کی جائے اور بعد تیاری جنازہ اس کی نماز پڑھنے اور دفن کرنے میں اس غرض سے دیر کرنا کہ بعد نماز جمعہ بڑی جماعت سے جنازہ پڑھیں گے، مکروہ ہے۔

رسم نمبر (۲)

جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو جنازے کے آگے کچھ لوگ باواز بلند کلمہ شریف پکار کر پڑھتے جاتے ہیں، قبرستان تک ایسا کرتے ہیں؟==

== حکم شرعی:

جنازے کے ساتھ کلمہ، یا اور کچھ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

وعلٰی متبعی الجنازة الصمت ویکره لهم رفع الصوت بالذکر والقراءة.(الجوهرة النیرة،باب الجنائز: ۱۳۹/۱،ط: میر محمد کتب خانة، کراچی)

(ویکره رفع الصوت بالذکروالقرآن و علیهم الصمت وقولهم کل حی سیموت و نحوذلک خلف الجنازه بدعة.(مراقی الفلاح، کتاب الصلاة،باب أحکام الجنائز ،فصل فی حملها و دفنها،ص:۳۶۷،ط:مصطفی البابی الحلبی،مصر)

(جنازے کے پیچھے جانے والوں کو خاموش رہنا چاہیے اور بلند آواز سے ذکر کرنا، یا قرأت کرنا ان کے لیے مکروہ ہے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے ہمراہیوں کو خاموشی لازم ہے اور ان کا یہ قول کہ ’’کل حی،الخ‘‘ یا اس جیسے اور کلمات کہنا جنازے کے پیچھے بدعت ہیں۔)

ویکره رفع الصوت فیها بالذکروقراءة القرآن ذکرفی فتاوی العصرإنها کراهة تحریم و اختاره مجد الأئمة الترجمانی وقال علاء الدین التاجری ترک الأولٰی ومن أراد الذکروالقراءة فلیذکرولیقرأ فی نفسه وقال قیس بن عبادة کان أصحاب ر سول اللّٰهصلی اللّٰه علیه وسلم یکرهون رفع الصوت عند ثلٰث عند القتال وفی الجنازة وفی الذکر،ذکره ابن المنذرفی الاشراف.(الحلبی الکبیر،فصل فی الجنائز البحث الخامس فی الحمل،ص:۵۹٤،طبع سهیل اکید می لاهور)

(جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ فتاوی العصر میں مذکور ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے، اس کو مجد الائمۃ تر جمانی نے اختیار کیا ہے اور علاء الدین تاجری نے کہا کہ خلاف اولی ہے اور جو ذکر اور قرأت کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ دل میں کرے اور قیس بن عبادہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ تین جگہ آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے قتال کے وقت اور جنازے میں اور ذکر میں۔)

وعلٰی متبعی الجنازة الصمت ویکره لهم رفع الصوت با لذکروقراءة القرآن کذا فی شرح الطحاوی.(الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة،باب الجنائز ،الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱۶۲/۱،طبع مکتبة ماجدیة، کوئٹة)

(جنازے کے ساتھ جانے والوں کو خاموشی لازم ہے اور ان کو ذکر، یا قرأت قرآن بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔)

اعلم أن الصواب والمختاروما کان علیه السلف رضی اللّٰه عنه السکوت فی حال السیرمع الجنازة فلایرفع صوت بقراءة ولا ذکر ولا غیرذلک والحکمة فیه ظاهرة وهی أنه اسکن لخاطره وأجمع لفکره فیما یتعلق بالجنازة وهوالمطلوب فی هٰذا الحال فهٰذا هوالحق ولا تغتر بکثرة من یخالفه فقد قال أبوعلی الفضیل بن عیاض ما معناه الزم طرق الهُدٰی ولایضرک قلة السالکین وإیاک وطرق الضلا لة ولاتغتربکثرة الها لکن وقد روینا فی سنن البهیقی.(الفتوحات الربانیه علٰی الأذکارالنوویة:باب بقول الماشی مع الجنازة الجزء الرابع: ۱۸۳/۲،ط،المکتبة الاسلامیة،ریاض)

(جاننا چاہیے کہ راہ حق اور پسندیدہ اور جس پر سلف صالحین کار بند تھے وہ یہی ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے کی حالت میں خاموش رہے اور قراءت یا ذکر بلند آواز سے نہ کیا جائے اور اس کی حکمت ظاہر ہے وہ یہ کہ حالت خاموشی میں دل کو اطمینان اور یکسوئی زیادہ ہوگی، ==

== جس سے جنازے کے حالات میں اچھی طرح غور وفکر کر سکے گا اوراس حالت میں یہی مطلوب ہے پس یہی حق ہے اوراس سے دھو کا نہ کھانا کہ اس کے خلاف عمل کرنے والے بکثرت ہیں کیونکہ عارف باللہ فضیل بن عیاض نے ایسی بات فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ حق کو لازم پکڑ اوراس کا خیال نہ کر کہ اس راہ کے چلنے والے کم ہیں اور گمراہی کے راستوں سے بچتا رہ اوراس سے دھوکہ نہ کھا کہ ان راستوں میں چلنے والے (درحقیقت ہلاک ہونے والے) بہت ہیں اور سنن بیہقی میں ایسی روایتیں ہمیں ملی ہیں جن سے ہمارے کلام کی تائید ہوتی ہے۔)

(قوله: ويكره رفع الصوت) قيل يكره تحريماً كما في القهستا نى عن القنية وفى الشرح عن الظهيرية فإن أراد أن يذكر اللّٰه تعالىٰ ففى نفسه أى سراً بحيث يسمع نفسه وفى السراج و يستحب لمن تبع الجنازة أن يكون مشغولاً بذكر اللّٰه تعالىٰ و التفكر فيما يلقاه الميت وإن هٰذا عاقبة أهل الدنيا وليحذر عما لا فائدة فيه من الكلام فإن هٰذا وقت ذكر وموعظة فتقبح فيه الغفلة فإن لم يذكر اللّٰه تعالىٰ فليلزم الصمت ولا يرفع صوته بالقراء ة ولا بالذكر ولا يغتر بكثرة من يفعل ذلك وأما ما يفعله الجهال فى القراء ة على الجنازة من رفع الصوت والتمطيط فيه فلا يجوز بالاجماع ولا يسع أحداً يقدر علىٰ انكاره أن يسكت عنه ولا ينكر عليه إنتهىٰ.(حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، ص،٣٦٧، ط: مصطفى البابى الحلبى و أولاده مصر)

(قولہ: بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے) کہا گیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے، جیسا کہ قہستانی میں قنیہ سے منقول ہے اور شرح میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی خدا کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے نفس میں؛ یعنی چپکے چپکے کرے، اس طرح کہ اپنی آواز خود سن لے اور سراج میں ہے کہ جو شخص جنازے کے پیچھے جائے، اس کے لیے مستحب ہے کہ خدا کے ذکر میں (آہستہ آہستہ) مشغول رہے اور یہ سوچے کہ میت کو کیا کیا حالات پیش آئیں گے اور یہ کہ اہل دنیا کا انجام یہی ہے اور بے فائدہ باتوں سے بچے؛ کیوں کہ یہ وقت ذکر اور نصیحت کا ہے تو ایسے وقت غفلت بری ہے اور اگر ذکر اللہ نہ کرے تو خاموشی لازم سمجھے اور ذکر اور قرأت بلند آواز سے نہ کرے اور اس بات سے دھوکہ نہ کھائے کہ ایسا کرنے والے بہت ہیں اور جاہلوں کا یہ فعل کہ جنازے پر قرأت کرتے ہیں بالاتفاق ناجائز ہے اور جو شخص ان لوگوں کو روک سکے، اسے خاموش رہنا اور منع نہ کرنا جائز نہیں۔)

خلاصہ کلام نصوص فقہیہ مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی اور احوال اموات اور انجام دنیا میں غور وتدبر کے ساتھ جانا چاہیے اور بلند آواز سے ذکر کرنا، یا قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ ایک روایت کے بموجب کراہت تحریمی ہے اور دوسری کے بموجب تنزیہی اور دونوں صورتوں میں انکار کرنا چاہیے۔)

رسم نمبر (۳)

جنازے کے ساتھ کھانے کے خوانچے آگے آگے لے کر چلتے ہیں، جس میں مختلف قسم کے کھانے اور میوے ہوتے ہیں، پھر یہ کھانے اور میوے قبرستان میں تقسیم کرتے ہیں۔

حکم شرعی:

واضح ہو کہ میت کے لیے ایصال ثواب کرنا نہایت مستحسن ہے۔ **(صرح علماؤنا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها ... وفى البحر: من صام أو صلىٰ أو تصدق و جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فى القراء ة للميت، واهداء ثوابها له: ٢٤٣/٢، طبع، محمد سعيد)** ==

== کیوں کہ اموات خیرات ومبرات کی بہت محتاج اور منتظر رہتی ہیں اور ان کو ثواب پہنچانا اپنے عزیز، یا دینی بھائی کی امداد واعانت کرنا ہے اور طائفہ اہل حق؛ یعنی اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام عبادات مالیہ وبدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ پس ہر مسلمان کو مناسب ہے کہ وہ اپنے اموات اعزا واقارب واحباب واخوان مسلمین کو ان کے اس آڑے وقت میں نفع پہنچانے اور ان کی امداد واعانت کرنے میں غفلت نہ کرے اور جہاں تک اس کے امکان میں ہو ان کو ثواب پہنچائے؛ لیکن واضح رہے کہ ثواب پہنچانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے، خدا تعالی کی طرف سے اس کا ثواب اس کے لیے لکھا جاتا ہے، پھر خدا تعالی نے اپنے فضل وکرم سے یہ اختیار بھی عطا فرما دیا ہے کہ اپنا ثواب جس کو پہنچانا چاہے پہنچا دے اور صرف اس کہنے سے کہ یا اللہ میرے اس کام، یا اس صدقے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا دے۔ (**ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أوإليهم.** (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۴۳، طبع محمد سعيد) یا میں نے اس کام، یا اس صدقہ کا ثواب فلاں شخص کو بخش دیا، اس میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے؛ یعنی شریعت مقدسہ نے ثواب پہنچانے کے لیے اس طریقہ کے علاوہ کوئی خاص صورتیں اور خاص قیود مقرر نہیں فرمائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ کرام، یا تابعین، یا ائمہ مجتہدین وسلف صالحین سے بھی ایصال ثواب کے لیے کوئی خاص قیود اور خاص صورتیں منقول نہیں؛ لیکن لوگوں نے ایصال ثواب کے لیے نئے طریقے اور اس کے لئے خاص خاص صورتیں ایجاد کر کے انہیں لازم کر لیا اور سمجھ بیٹھے کہ بس اسی طرح ثواب پہنچتا ہے، یا اس طرح پہنچانے سے زیادہ ثواب پہنچتا ہے، کسی نے ایصال ثواب کے لیے خاص دن مقرر کر لیے، کسی نے صدقے کے لیے خاص خاص چیزیں اور ان کی مقدار معین کر لی، کسی نے مقامات کی تعیین کر لی کہ مثلاً قبر پر ہونا چاہیے، کسی نے کچھ کسی نے کچھ ان قیودات اور تعینات مخترعہ کی وجہ سے ایصال ثواب جیسا نیک کام بدعات کا مجموعہ بن گیا اور حسب تصریح فقہائے کرام وہ بجائے مفید ہونے کے الٹا نقصان کا سبب ہو گیا، ایصال ثواب کے متعلق جس قدر قیودات وتعینات غیر مشروعہ ایجاد کی گئی ہیں، یا بوجہ التزام واہتمام وہ غیر مشروع اور بدعت ہو گئی ہیں، ان کے لیے ایک دفتر درکار ہے، بہت سی ایسی صورتیں ہیں کہ فقہائے کرام کے زمانے میں وہ پیدا ہو گئی تھیں، ان کے احکام تو فقہا کے کلام میں مذکور ہیں؛ لیکن بہت سی ایسی ہیں کہ ان کا وجود تھوڑے زمانے سے ہوا ہے؛ اس لیے خاص ان کا ذکر کتب فقہ میں نہیں ملتا، یہاں پر افسوس اور سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان بدعات کی ترویج واشاعت میں عوام الناس زیادہ قابل الزام نہیں؛ بلکہ وہ نام کے علما ہیں، جنہوں نے لوگوں سے بحیلہ ایصال ثواب اپنے علم کا خراج وصول کرنا اپنا انتہائی مقصود سمجھ رکھا ہے، ان بدعات کے زیادہ ذمہ دار یہی حضرات ہیں، جنہوں نے عوام کو سمجھایا کہ تمہاری یہ تمام ایجادیں جائز ہیں؛ بلکہ مستحب وسنت ہیں اور بجائے اس کے کہ بدعات سے ان کو نفرت دلاتے اور سنت نبویہ کی تعلیم کرتے اور اس کے اتباع کا شوق اور محبت ان کے دلوں میں پیدا کرتے۔ صحابہ کرام کے حالات ان پر پیش کرتے، ائمہ دین وسلف صالحین کی پاک سیرت انہیں سکھاتے، ایک طوفان بدعات میں انہیں غرق کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ ان خدا ترس اور اہل حق علما کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا، جنہوں نے ان کو بدعت بتایا اور بدعت کے برے انجام اور نتیجہ بد سے آگاہ کیا، حالاں کہ اہل حق فقہ حنفیہ کی صریح عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف ارشادات بیان کرتے ہیں؛ مگر ان کو وہابی غیر مقلد بتا کر عوام کے قلوب کو ان سے برگشتہ کرتے رہتے ہیں، حالاں کہ درحقیقت خود اپنے مذہب اور فقہ حنفیہ کی صریح مخالفت کر کے حقیقی طور پر خود غیر مقلد بنتے ہیں؛ مگر ان بدعات کی اشاعت سے جو آمدنی ان کو ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں ترک تقلید وترک سنت سبھی کچھ اختیار کر لیتے ہیں۔ (افسوس صد افسوس)

من جملہ دیگر رسوم ایصال ثواب کی ایک رسم یہ بھی ہے، جو نمبر (۳) میں بیان کی گئی ہے، یہ کام اگرچہ ایصال ثواب کے حیلہ سے کیا جاتا ہو؛ مگر اس کی یہ صورت کہ جنازے کے ساتھ کھانا قبرستان کو لے جایا جائے، بدعت ہے اور چوں کہ فقہا کے زمانے میں یہ رسم پیدا ہو گئی تھی؛ اس لیے اس کا صریح حکم کتب فقہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے: ==

== قوله:بدعة أى قبيحة كالمسمى بالكفارة ذكر ابن الحاج فى المدخل فى الجزء الثانى إن من البدع القبيحة ما يحمل إمام الجنازة من الخبز والخرفان ويسمون ذلک عشاء القبر وإذا وصلوا إليه ذبحوا ذلک بعد الدفن وفرقوه مع الخبز وذكر مثله المناوى فى شرح الأربعين فى حديث:"من أحدث فى أمرنا هٰذا ما ليس منه فهورد" قال: ويسمون ذلک بالكفارة فإنه بدعة مذمومة، قال ابن أمير حاج: ولو تصدق بذلک فى البيت سراً لكان عملاً صالحاً لو سلم من البدعة أعنى أن يتخذ ذٰلک سنة أوعادة؛لأنه لم يكن من فعل من مضى يعنى السلف والخير كله فى اتباعهم،آه.(حاشية الطحطاوى،كتاب الصلاة،باب أحكام الجنائز،فصل فى حملها ودفنها،ص:٣٦٧، ط مصطفى البابى،مصر)

(یعنی لوگوں کا جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کل حی سیموت، یا اس جیسا اور ذکر کرنا بدعت ہے؛ یعنی بدعت قبیحہ ہے، جیسے وہ رسم جسے کفارہ کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل کے جزء ثانی میں ذکر کیا ہے کہ بدعات قبیحہ میں سے ہے یہ رسم کہ جنازے کے آگے روٹیاں اور بکری کے بچے لے جاتے ہیں اور اسے عشاء قبر (اور بعض جگہ توشہ کہتے ہیں) اور قبر پر پہنچ کر بکری کے بچوں کو دفن کے بعد ذبح کرتے ہیں اور ان کا گوشت روٹیوں کے ساتھ تقسیم کرتے ہیں اور ایسا ہی علامہ مناوی نے شرح اربعین میں حدیث "من احدث، الخ" کے تحت میں لکھا ہے اور کہا کہ اسے لوگ کفارہ کہتے ہیں اور یہ بدعت مذمومہ ہے۔ علامہ ابن امیر حاج نے فرمایا کہ اگر وہ یہ روٹیاں وغیرہ گھر پر ہی تقسیم کر دیتے تو نیک عمل ہو، تابشرطیکہ وہ بھی بدعت سے سالم رہتا؛ یعنی اسے سنت نہ سمجھا جاتا، یا اس کی عادت نہ کر لی جاتی؛ کیوں کہ یہ کام سلف میں پایا نہیں گیا اور خیریت تمام کی تمام اتباع سلف میں ہے۔)

اس عبارت میں جو علامہ سید احمد طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں نقل کی ہے، صاف طور پر اس رسم کا صریح رد ہے، جو لوگوں میں رواج پذیر ہوگئی ہے کہ قبرستان میں جنازے کے ساتھ کھانا وغیرہ لے جا کر تقسیم کرتے ہیں اور اسے بدعت قبیحہ مذمومہ بتایا ہے، نیز علامہ ابن امیر حاج کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر مکان پر بھی صدقہ کیا جائے تو اس کے جواز، یا استحسان کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ اسے سنت نہ سمجھا جائے اور اس کا التزام اور عادت نہ کر لی جائے، ورنہ وہ بھی ناجائز اور بدعت ہو جائے گا، نیز یہ بھی صاف فرمادیا کہ خیریت اور بھلائی اتباع سلف میں منحصر ہے، اس صریح عبارت اور صاف دلیل کے علاوہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ چوں کہ اس رسم کے ادا کرنے میں ریاوشہرت اور پابندی رسم ورواج خیالات کا ضروری طور پر دخل ہوتا ہے؛ اس لیے اس کے ناجائز اور بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں؛ کیوں کہ جو کام بغرض ریاوسمعہ کیا جائے، اس میں ثواب کی امید رکھنا ایک خیال عبث ہے اور کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ ایسے افعال واجب الترک ہیں۔

لاشک فى فرضية علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص؛لأن صحة العمل موقوفة عليه و علم الحلال والحرام وعلم الرياء؛لأن العابد محروم من ثواب عمله بالرياء،آه.(رد المحتار ،مقدمة:مطلب فى فرض الكفاية وفرض العين: ١/٤٢،ط:سعيد)

اس میں شک نہیں کہ فرائض خمسہ کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور اسی طرح علم اخلاص؛ کیوں کہ عمل کی صحت اخلاص پر موقوف ہے اور علم حلال وحرام اور علم ریاء بھی فرض ہے؛ کیوں کہ ریا کی وجہ سے عابد اپنی عبادت اور عمل کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔

وفى البزازية:ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثانى والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبرفى المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام والإخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره وفيها من كتاب الاستحسان وان اتخذطعاماً للفقراء كان حسناً،آه،وأطال فى ذلک فى المعراج وقال:وهٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترزعنها؛لأنهم لايريدون بها وجه اللّٰه تعالىٰ اه.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنائزمطلب فى كراهية الضيافة من أهل البيت: ١/٢٤٠-٢٤١،ط:سعيد) ==

== (بزازیہ میں ہے کہ موت کے پہلے اور دوسرے اور تیسرے اور ساتویں دن کھانا کرنا اور قبر پر کھانا لے جانا مواسم میں اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لیے دعوت کرنا اور صلحا اور قرا کو ختم قرآن کے لیے، یا سورہ انعام واخلاص پڑھنے کے لیے جمع کرنا، یہ سب مکروہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ قرأت قرآن کے وقت کھانا کرنا مکروہ ہے اور فتاوی بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں ہے کہ اگر فقرا کے لیے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے اور معراج میں طویل بحث کر کے کہا کہ یہ تمام افعال شہرت ونا موری کے لے کئے جاتے ہیں، پس ان سے احتراز کیا جائے؛ کیوں کہ لوگ ان سے خدا کی خالص رضامندی کا قصد نہیں کرتے۔)

اس عبارت میں کئی باتیں نہایت صاف طور سے مذکور ہیں۔اول یہ کہ میت کے پہلے روز؛ یعنی یوم انتقال ودفن میں کھانا پکوانا اور اجتماع کرنا اور ختم قرآن کا اہتمام کرنا اور اجتماع اور تیسرے روز اور پھر ہفتہ کے بعد یہی اہتمام اور اجتماع کرنا یہ سب مکروہ ہے اور یہ افعال اکثری طور پر بغرض شہرت وریا ونمود کئے جاتے ہیں؛ اس لیے بدعت وناجائز ہیں، اگر فقرا کو کھانا کھلایا جائے، یا تقسیم کیا جائے تو بشرطیکہ اسے سنت نہ سمجھا جائے اور اس کا التزام نہ کرلیا جائے تو جائز ہے؛ یعنی بغیر کسی تعین وقت، یا تخصیص طعام کے جس وقت میسر ہو، بغرض خوشنودی خدا تعالی کھانا پکا کر فقرا کو کھلا دو، یا تقسیم کردو اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دو تو مضائقہ نہیں؛ بہتر ہے۔

رسم نمبر (۴)

دفن کے بعد قبرستان سے واپس ہوتے ہیں تو راستے میں ایک شخص پان کا خوانچہ لیے کھڑا رہتا ہے، وہ سب کو پان تقسیم کرتا ہے اور گلاب چھڑکتا ہے، جیسے شادی میں کرتے ہیں۔

حکم شرعی:

اگر یہ پان اہل میت کی طرف سے تقسیم کئے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اہل میت سے کسی قسم کی دعوت لینا مکروہ اور بدعت ہے اور یہ پان تقسیم کرنا بھی ایک قسم کی دعوت ہے، جو اس کے ذمہ لازم کردی گئی ہے، یا اس نے خود لازم کرلی ہے۔

قال في الفتح: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة، الخ. (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲٤۰، ط: سعيد)

(فتح القدیر میں ہے کہ اہل میت کی جانب سے کھانے کی دعوت کا لینا مکروہ ہے؛ کیوں کہ دعوت خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ غمی پر اور یہ بری بدعت ہے۔)

اسی طرح گلاب چھڑکنا بے اصل اور بدعت ہے؛ کیوں کہ اس موقع پر حاضرین پر گلاب چھڑکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں سوائے اس کے کہ اپنی ناموری اور ریا مقصود ہو، اس سے میت کو ثواب پہنچانا بھی تو مقصود نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ یہ کوئی عبادت اور قربت کا کام نہیں ہے، نہ صدقہ ہے، لہٰذا یہ فعل بھی واجب الترک ہے۔ **(وفي تبيين المحارم لا شك في فرضية علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص ... وعلم الرياء؛ لأن العابد محروم ثواب عمله بالرياء. (رد المحتار، مقدمة، مطلب في فرض الكفاية وفرض العين: ۱/ ٤۲، ط: سعيد)**

رسم نمبر (۵)

جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے ذمہ جتنے روزے اور نمازیں وغیرہ ہوتی ہیں، اس کے لیے ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف رکھتے ہیں اور مؤذن، یا مُلاّ کو بلا کر اسے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ جس قدر روزے نمازیں باقی ہیں، ان کے عوض میں تمھیں یہ گیہوں اور قرآن مجید دیا جاتا ہے، تم نے قبول کیا؟ وہ کہتا ہے: ہاں قبول کیا، پھر وہ مُلاّ گیہوں اور قرآن شریف لے جاتا ہے، اس طریقے کو لوگ حیلہ کہتے ہیں۔==

== حکم شرعی:

یہ رسم تھوڑے تھوڑے اختلاف اور تفاوت کے ساتھ ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی رائج ہے اور اسے اسقاط کہتے ہیں، اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ فرائض اسلامیہ کی قضا باقی ہو، جس میں نماز روزے کفارہ قسم، قربانی وغیرہا داخل ہیں تو ان فرائض وواجبات کا فدیہ اس کی طرف سے ادا کرنے سے امید ہے کہ اس کا ذمہ بری ہوجائے، پھر اگر میت نے وصیت کردی ہو کہ میری تمام نمازوں اور روزں وغیرہ کا فدیہ دے دیا جائے، جب تو وارث کو لازم ہے کہ جس قدر نمازیں اور روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں، یا وارث کو معلوم ہیں ان کا پورا فدیہ دے اور ثلث مال تک اس میں خرچ کردے، اگر بصورت وصیت پورا فدیہ ثلث مال، یا اس سے کم میں ادا ہوجاتا ہے تو پورے فدیہ سے کم ادا کرنے میں وارث گناہ گار ہوگا۔

ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصٰى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، ط: سعيد)

(اگر کوئی شخص مرگیا اور اس پر قضا نمازیں تھیں اور فدیہ دینے کی وصیت کرگیا تو ہر نماز و وتر اور روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں مثل صدقہ فطر کے دیئے جائیں اور صرف ثلث مال سے فدیہ دیا جائے گا۔)

اور اگر میت نے باوجود مال ہونے کے وصیت نہیں کی، یا وصیت کی؛ مگر جتنی نمازیں اور روزے اس کے ذمہ تھے، ان سب کے فدیہ کی پوری مقدار کی وصیت نہیں کی تو پہلی صورت میں وارث کے ذمہ فدیہ دینا اور دوسری صورت میں پورا فدیہ دینا (خواہ ثلث کے اندر ہو) ضروری نہیں اور مرنے والا ان دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا۔

قوله: (لولم يترك مالا) أي أصلاً أو كان ماأوصٰى به لا يفي زاد في الإمداد أولم يوص بشي و أراد الولي التبرع الخ. وأشار بالتبرع إلٰى إن ذلك ليس بواجب على الولي ونص عليه في تبيين المحارم فقال لا يجب على الولي فعل الدور وان أوصٰى به الميت؛ لأنها وصية بالتبرع و الواجب على الميت أن يوصي بما يفي بماعليه إن لم يضق الثلث عنه فإن أوصى بأقل وأمر بالدور وترك بقية الثلث للورثة أوتبرع به لغيرهم فقد أثم بترك ماوجب عليه، آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت: ۷۳/۲، ط: سعيد)

(یعنی میت نے کچھ مال نہیں چھوڑا، یا جو وصیت کی ہے، وہ فدیہ کی مقدار واجب سے کم ہے، امداد میں یہ صورت اور بڑھائی کہ یا بالکل وصیت نہیں کی اور ولی نے تبرع کرنا چاہا اور لفظ تبرع سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ فعل ولی پر واجب نہیں اور تبیین المحارم نے اس پر تصریح کی اور کہا کہ ولی پر فعل دور واجب نہیں اگرچہ میت نے اس کی وصیت کی ہو؛ کیوں کہ یہ وصیت بالتبرع ہے اور میت پر واجب یہ ہے کہ وہ اتنی مقدار کی وصیت کرے، جو فدیہ واجبہ کو کافی ہو، بشرطیکہ ثلث مال میں اتنی گنجائش ہو تو اگر میت نے مقدار واجب سے کم وصیت کی اور دور کا حکم کیا اور بقیہ ثلث ورثہ کے لئے چھوڑ دیا یا کسی اور کو دلوا دیا تو میت بوجہ ترک واجب گناہ گار ہوا۔)

اور جب کہ میت نے بالکل وصیت نہیں کی، یا مال نہیں چھوڑا، یا ثلث سے زائد کی وصیت کی، یا تھوڑے سے روزوں اور نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی، حالاں کہ ثلث میں اس سے زیادہ گنجائش تھی، یہ چار صورتیں ہیں پہلی دو صورتوں میں وارث کے ذمہ بالکل اور تیسری صورت میں زائد علی الثلث اور چوتھی صورت میں زائد علی الوصیۃ فدیہ دینا واجب نہیں؛ لیکن اگر وارث تبرعا دینا چاہے تو دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وارث مالدار ہو اور میت کے ذمہ جس قدر نمازیں روزے وغیرہ فرائض وواجبات شرعیہ ہیں، ان سب کا پورا حساب کرکے فدیہ دے تو اس کے جواز؛ ==

== بلکہ استحسان میں کلام نہیں، بلاشبہ یہ فعل جائز اور مستحسن ہے۔ دوسری صورت یہ کہ وارث کے پاس بھی مال نہیں ہے، یا ہے؛ مگر وہ پورا فدیہ دینا نہیں چاہتا تو اس کے لیے فقہا نے ایک صورت تجویز کی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ممکن ہے کہ میت کا ذمہ بھی بری ہو جائے اور وارث پر بھی زیادہ بار نہ ہو، وہ یہ کہ جس قدر نمازوں کا وہ فدیہ دے سکتا ہو (خواہ اپنے مال سے، یا قرض لے کے) اتنی نمازوں کی طرف سے وہ فدیہ کسی فقیر کو دے، مثلا اس کے پاس چار صاع گیہوں ہیں تو یہ کہے کہ یہ آٹھ نمازوں کا فدیہ ہے اور فقیر کو دے کر قبضہ کرادے، پھر وہ فقیر یہ گیہوں وارث کو ہبہ کردے اور وارث قبضہ بھی کرلے، پھر یہ وارث وہی گیہوں اسی فقیر، یا کسی دوسرے فقیر کو اور آٹھ نمازوں کے بدلے میں دے اور پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کر کے قبضہ کرادے، اسی طرح اگر میت کے ذمہ اسّی نمازیں تھیں تو دس مرتبہ دور کرے؛ یعنی وارث فقیر کو دے اور فقیر وارث کو ہبہ کرے اور ہر مرتبہ قبضہ کرلینا شرط ہے، ورنہ صدقہ، یا ہبہ صحیح نہ ہوگا، پھر جب نمازیں پوری ہو جائیں تو روزوں کے بدلے، اسی طرح کرے کہ یہ چار صاع آٹھ روزوں کے بدلے میں دے اور پھر فقیر اسے ہبہ کردے وہکذا، یہاں تک کہ روزے پورے ہو جائیں، پھر دوسرے واجبات کو اسی طرح پورا کیا جائے اور جب سب سے فارغ ہو جائے تو اخیر میں خواہ فقیر وارث کو ہبہ نہ کرے، لیکر چلا جائے، یا ہبہ کردے تو وارث اپنی رضامندی سے فقیر کو یہ کل چار صاع، یا اس کا کوئی حصہ دے دے۔ یہ ہے اسقاط کی وہ ترکیب، جو فقہا نے بیان فرمائی ہے؛ لیکن اس ترکیب سے اسقاط جہاں تک ہمیں علم ہے، کوئی نہیں کرتا۔

ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتىٰ يتم. (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲، ط: سعيد)

وفي الرد: (قوله يستقرض، الخ) والأقرب أن يحسب ما على الميت ويستقرض بقدره بأن يقدر عن كل شهر وسنة ... فيستقرض قيمتها ويدفعها للفقير ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذلك الفقير أو لفقير آخر وهٰكذا فيسقط في كل مرة كفارة سنة وبعد ذلك يعيد الدور لكفارة الصيام ثم اللأضحية ثم للإيمان لكن لابد في كفارة الإيمان من عشرة مساكين، انتهىٰ مختصراً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل: ۷۳/۲، ط: سعيد)

(یعنی اگر میت نے کچھ مال نہیں چھوڑا (یا چھوڑا؛ مگر وصیت نہیں کی، یا زائد علی الثلث وصیت کی، یا وصیت سے زائد فدیہ دینا چاہے) تو وارث نصف صاع مثلا قرض لے کر (یا اپنے پاس سے) کسی فقیر کو دے پھر فقیر وارث کو ہبہ کرے پھر اور پھر یہاں تک کہ تمام فرائض وواجب پورے ہو جائیں؛ یعنی اقرب یہ ہے کہ میت کے ذمہ کے فرائض وواجبات کا حساب کرلیا جائے اور وارث ایک خاص تعداد فرائض کے فدیہ کی مقدار قرض لے (یا اپنے پاس سے دے) مثلا ایک مہینہ کی نمازوں کا اتنا فدیہ ہوا، یا ایک سال کا اتنا ہوا، پھر وہ ایک مہینہ، یا ایک سال کی نمازوں کے بدلے میں فقیر کو دے اور پھر فقیر سے اپنے لیے ہبہ کرا کے قبضہ کرلے؛ تا کہ ہبہ پورا ہو جائے، پھر اسی فقیر کو، یا کسی دوسرے فقیر کو دے اور اسی طرح کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک مہینہ، یا ایک سال کی نمازیں ساقط ہوں گی اور جب نمازیں پوری ہو جائیں تو اس کے بعد روزوں کا کفارہ، پھر قربانیوں کا، پھر قسم کا پورا کیا جائے؛ لیکن قسموں کے کفارہ میں ضروری ہے کہ ہر قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دیا جائے۔)

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ عبارات مذکورہ سے صراحۃ معلوم ہو گیا کہ یہ فعل اسقاط (فعل دور) وارث کے ذمہ واجب اور ضروری نہیں؛ بلکہ محض تبرع ہے اور ابراء ذمہ میت کے لیے ایک حیلہ ہے، اگر اسے ضروری سمجھا جائے، یا سنت سمجھا جائے تو ناجائز اور بدعت ہو جائے گا، جیسا کہ رسم نمبر (۳) کے بیان میں علامہ طحطاوی کی عبارت سے صراحۃ معلوم ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بصورت عدم وصیت میت کے ترکہ میں سے جب تک کہ تمام ورثہ بالغ اور حاضر نہ ہوں کوئی مقدار اسقاط میں نہ دی جائے اور ثلث تک کی وصیت میں زائد علی الثلث اور ثلث سے کم کی وصیت میں زائد علی الوصیۃ بدون رضا تمام ورثہ کے اسقاط میں کوئی مقدار نہ دی جائے، اگر کوئی دے گا وہ خود ضامن ہوگا۔ ==

== الحاصل اس تمام بیان سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط کا یہ طریقہ جو رسم نمبر (۵) میں بیان کیا گیا ہے کہ ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن مجید تمام فرائض وواجبات کے فدیہ میں دیتے ہیں، بے اصل اور نا جائز ہے۔ بے اصل ہونا تو اس لیے کہ اس خاص مقدار کے تمام فرائض وواجبات کی طرف سے کافی ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں اور نا جائز ہونا اس لیے کہ اس میں ساڑھے باون سیر کی تعین بدعت ہے، نیز قرآن مجید کی کوئی قیمت متعین نہیں کی جاتی کہ اس کے لحاظ سے فدیہ کی مقدار معین ہو کہ کتنی نمازوں کا ہوا۔

تنبیہ: یہ رسم بعض مقامات میں اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ صرف ایک قرآن مجید فقیر کو یہ کہہ کر دے دیتے ہیں کہ قرآن مجید چوں کہ خدا کا کلام ہے؛ اس لیے اس کی کوئی قیمت نہیں اور بوجہ بے قیمت ہونے کے تمام نمازوں اور روزوں اور دیگر واجبات کا جس قدر کفارہ میت کے ذمہ ہو اس سب کے بدلے میں ہم یہ قرآن دیتے ہیں اور فقیر قبول کر لیتا ہے، یہ طریقہ بھی نا جائز ہے؛ کیوں کہ یہی حضرات جو فدیہ میں قرآن شریف کو بے قیمت بتاتے ہیں، جب فدیہ کے واسطے خریدنے جاتے ہیں تو بجائے روپیہ کے بارہ آنے اور بجائے بارہ آنے کے دس آنے کو جھگڑ جھگڑ کر خریدتے ہیں، خریدتے وقت اس کا بے قیمت ہونا بھول جاتے ہیں اور یہ تو تقریباً محال ہے کہ دکاندار اگر اس کی قیمت ایک روپیہ بتائے تو یہ بنظر قدر شناسی قرآن مجید اس کو دو روپے خود دیدیں۔ بہر حال یہ قرآن مجید جو کاغذ پر لکھا یا چھپا ہوا ہوتا ہے، شرعاً مال متقوم ہے اور کفارات ومعاوضات میں اس کی اصل قیمت کا اعتبار ہوگا اور اس لیے وہ صرف اتنی نمازوں کا فدیہ ہو سکے گا، جتنی نمازوں کے فدیہ تک اس کی قیمت پہنچے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض مقامات میں لوگ کچھ غلہ فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ میت کے ذمہ جو کچھ گناہ تھے، وہ تم نے اپنے اوپر لیے؟ اور جاہل فقیر کہتا ہے کہ لیے اور وہ غلہ اس کو دے دیا جاتا ہے۔

یہ صورت تمام صورتوں سے بدتر ہے اور اس میں ڈر ہے کہ دینے والوں اور لینے والوں کا ایمان بھی جاتا رہے، دینے والوں کا بھی؛ اس لیے کہ انہوں نے صریح طور پر آیت قرآنی ﴿وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ (﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ (البقرۃ: ۴۸) اور "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى" (الفاطر: ۱۸) کے خلاف یہ عقیدہ جمایا کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں یہ چند پیسوں، یا روپوں کا غلہ فدیہ بن گیا اور یہ کہ گناہوں کا مواخذہ اصل مجرم سے ہٹا کر کسی دوسرے کے ذمہ بھی ڈالا جا سکتا ہے اور یہ دونوں باطل اور قطعاً باطل ہیں اور لینے والے جاہل کا ایمان بھی ان ہی وجود سے معرض خطر میں آ گیا۔ نیز اس لیے کہ اس نے خدا کے عذاب کو ہلکا سمجھا اور اس کو اپنے سر پر لینے کی جرأت کی۔ (**نعوذ باللّٰہ من ھٰذہ الجھالات**)

رسم نمبر (۶)

میت کے مکان پر اس کے مرنے کے بعد کچھ دنوں تک بھاری جلسہ رہتا ہے، لوگ آتے، بیٹھتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، چرٹ (سگار بڑا سگریٹ)، چائے، پان کا شغل رہتا ہے، سات آٹھ روز تو اس طرح گزرتے ہیں، اس کے بعد ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے، جس کو ختم کا جلسہ کہتے ہیں، اس میں کچھ لوگ تو ختم پڑھتے ہیں؛ مگر امیر غریب سب قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں، مٹھائی تقسیم ہوتی ہے، گویا ایک شادی کا مجمع ہے، بسا اوقات یہ تمام مصارف ترکہ میں سے ادا کئے جاتے ہیں، حالاں کہ بعض چھوٹے وارث بچے، یا غیر حاضر بھی ہوتے ہیں، نیز کھانے والے اور مٹھائی لینے والے امرا بھی ہوتے ہیں۔

حکم شرعی:

اس رسم میں کئی باتیں ہیں: اول اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لیے آئیں، دوسرے لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا تیسرے اہل میت کا آنے والوں کو پان، چائے، چرٹ، کھانا وغیرہ کھلانا، یا مٹھائی تقسیم کرنا، چوتھے سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا اور اس میں امیروں اور غریبوں سب کو کھانا کھلانا، یا مٹھائی تقسیم کرنا، پانچویں ترکہ میں سے یہ سب مصارف ادا کرنا ان سب کا حکم جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔ ==

== 　　(۱) 　　اہل میت کی تعزیت کرنا مستحسن ہے، جس کا بہتر وقت دفن کے بعد وہی روز دفن، یا اگر رات کو دفن کیا جائے تو اس کے بعد کا دن ہے اور اس کے بعد تین دن تک کی اجازت ہے اور اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لیے آئیں، یہ بھی صرف تین دن تک جائز ہے؛ مگر بہتر یہی ہے کہ نہ بیٹھے اور اکثر متاخرین اس سے بھی منع کرتے ہیں اور تین دن سے زیادہ بیٹھنا باتفاق فقہا مکروہ ہے؛ مگر جو شخص سفر سے آیا ہو، وہ اس کراہت سے مستثنے ہے کہ اسے تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے اور گھر کے باہر دروازے پر نکل کر بیٹھنا باتفاق مکروہ ہے اور جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر آئے، اس کو دوبارہ جانا مکروہ ہے۔

لابأس ... بتعزية أهله وترغيبهم في الصبر وباتخاذ طعام لهم وبالجلوس لها في غير مسجد ثلاثة أيام وأولها أفضل وتكره بعدها الا لغائب وتكره التعزية ثانياً وعند القبر وعند باب الدار ويقول أعظم الله أجرک وأحسن عزائک وغفر لميتک، آه. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، ط: سعيد)

(یعنی اہل میت کی تعزیت کرنے میں مضائقہ نہیں اور ان کو صبر کی ترغیب دینے میں اور ان کے لیے کھانا بھیجنے میں اور بغرض تعزیت مسجد کے علاوہ کسی مکان میں بیٹھنے میں تین دن تک مضائقہ نہیں، تعزیت کے لیے پہلا دن افضل ہے اور تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے؛ مگر اس کے لیے جو سفر سے آیا ہو اور دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے دروازے پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے، تعزیت میں یہ الفاظ کہے: خدا تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور صبر حسن کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری میت کو بخش دے۔

وفي خزانة الفتاوى: والجلوس للمصيبة ثلاثة أيام رخصة وتركه أحسن، كذا في معراج الدراية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر، والدفن والنقل من مكان إلىٰ مكان آخر: ۱/ ۱۶۷) (خزانۃ الفتاوی میں ہے کہ بوقت مصیبت تین دن تک بیٹھنے کی رخصت تو ہے؛ مگر اس کا ترک بہت بہتر ہے۔)

(۲، ۳) 　　یعنی لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا اور اہل میت کا انہیں پان، چائے، چرٹ، مٹھائی تقسیم کرنا، یا کھانا کھلانا، یہ باتیں بھی مکروہ ہیں، اگر چہ تعزیت کے لیے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقی طور پر وہاں دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں؛ لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے۔

في الإمداد وقال كثير من متأخري أئمتنا يكره الإجتماع عند صاحب البيت ويكره له الجلوس في بيته حتىٰ يأتي إليه من يعزى بل إذا فرغ و رجع الناس من الدفن فليتفرقوا ويشتغل الناس بأمورهم وصاحب الميت بأمره، انتهىٰ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/ ۲۴۱، ط: سعيد)

(امداد میں ہے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے اور اہل میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں، یہ بھی مکروہ ہے؛ بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو چاہیے کہ سب متفرق ہو جائیں لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت اپنے کام میں۔)

يكره إتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله عنه قال: كنا نعد الإجتماع إلىٰ أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة. (رد المحتار نقلاً عن فتح القدير، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ط: سعيد)

(یعنی اہل میت کا لوگوں کے لیے کھانے کی دعوت تیار کرنا (جس میں پان، چائے، مٹھائی بھی داخل ہے) مکروہ ہے؛ کیوں کہ دعوت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں اور یہ قبیح بدعت ہے، امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے بسند صحیح جریر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (یعنی صحابہ کرامؓ) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور اہل میت کے کھانا کرنے کو نیاحت میں داخل سمجھتے تھے۔) ==

== نیاحت کے معنی ہیں کہ جاہلیت میں میت کا ماتم کرنے کے لیے عورتیں جمع ہو کر روتی تھیں اور میت کے اوصاف بیان کرتی تھیں، شریعت نے نیاحت سے منع فرمایا اور اسے حرام قرار دیا ہے۔(نوح: ناحت المراة علی المیت إذا ندبته،و ذلک إن تبکی علیه، وتعدد محاسنه،و(النیاحة) ومنها الحدیث علٰی ما قراءته فی الفائق ،ثلاث من أمر الجاهلیة الطعن فی الانساب، والنیاحة، والأنواء.(المغرب فی ترتیب المعرب: ۳۳۱/۲،۳۳۲، ط:إدارة دعوة اسلام)

حضرت جریر بن عبداللہؓ صحابی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس اجتماع اور میت کی طرف سے کھانا کرنے کو بھی اس نیاحت ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے۔(عن جریر کنا نعده من النیاحة.(مرقاة،کتاب الجنائز،باب البکاء علی المیت: ۹۶/٤، ط: امدادیة،ملتان) یعنی جیسے نیاحۃ ممنوع ہے یہ بھی ممنوع ہے۔

(۴،۵) یعنی سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا اور ترکہ میں سے یہ مصارف کرنا رسم نمبر۳ کے بیان میں ہم فتاوی بزازیہ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کے لئے دعوت تیار کرنا اور قراء وصلحا کو جمع کرنا اور ان سے ختم پڑھوا کر انہیں کھانا کھلانا مکروہ ہے، وجہ کراہت یہ ہے کہ قراءت قرآن وختم پر کھانا کھلانا گویا قرأت کی اجرت ہے۔(ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛لأنه شرع فی السرور وهی بدعة مستقبحة و یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث،وبعد الأسبوع،ونقل الطعام الی القبر فی المواسم،واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن،وجمع الصلحاء والقراء للختم،أولقراءة سورة الأنعام، والاخلاص، والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لا لأجل الأکل یکره،وفیها من کتاب الاستحسان،وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً، آه.وأطال فی ذلک فی المعراج وقال: هٰذه الأفعال کلها للسمعة والریاء فیحتزز عنها،لأنهم لا یریدون وجه اللّٰه تعالیٰ.(رد المحتار،باب صلاة الجنازة،مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت: ۲٤٠/۲،ط:سعید)/دون ما ابتدع فی زماننا من مهللین وقراء ومغنین وطعام ثلثة أیام ونحو ذلک ومن فعل ذلک بدون رضا بقیة الورثة البالغین یضمنه فی ماله.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة الجنائز،مطلب فی کفن الزوجة علی الزوج: ۲۰٦/۲، ط:سعید) یعنی تجہیز وتکفین کے مصارف میں یہ داخل نہیں ہے کہ جو ہمارے زمانے میں بطور بدعت اختیار کیا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ یا قرآن پڑھنے والے یا نعت گانے والے جمع کئے جاتے ہیں یا تین دن تک کھانا کیا جاتا ہے اور اسی جیسے اور افعال بھی اور جوان کاموں میں بغیر رضامندی باقی ورثا بالغین کے خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا۔

وبه ظهر حال وصایا أهل زماننا فإن الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکٰوة وأضاح وأیمان ویوصی لذلک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وصیته لقراءة الختمات و التهالیل التی نص علماؤنا علٰی عدم صحة الوصیة بها وأن القراءة لشئ من الدنیا لا تجوزأن الاٰخذ والمعطی آثمان؛لأن ذلک یشبه الاستیجار علی القراءة ونفس الاستیجار علیها لایجوز فکذا ما أشبهه کما صرح بذلک فی عدة کتب من مشاهیر کتب المذهب،آه.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب فی بطلان الوصیة،بالختمات،والتهالیل: ۷۳/۲،ط:سعید)

اور اس سے ظاہر ہو گیا ہمارے زمانے کے لوگوں کی وصیتوں کا حال کہ بعض لوگ باوجود یکہ ان کے ذمے بہت ساری نمازیں اور زکوۃ اور قربانیاں اور قسمیں ہوتی ہیں؛ مگر وہ تھوڑے سے دراہم کی (فدیہ کے لیے) وصیت کرتے ہیں اور اپنی وصیت کا بڑا حصہ کلمہ طیبہ اور قرآن مجید کے ختموں کے لیے خاص کر دیتے ہیں؛ حالاں کہ ہمارے علما کی تصریح ہے کہ ان ختموں کی وصیت صحیح نہیں اور یہ کہ کسی دنیاوی غرض سے قرأت جائز نہیں اور دینے والے اور لینے والے دونوں گناہ گار ہیں؛ کیوں کہ دینا اور کھانا کھلانا اجرت کے مشابہ ہے اور قرأت کی اجرت لینا دینا جائز نہیں، اسی طرح وہ چیز جو اجرت سے مشابہت رکھتی ہو اور ہمارے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے بہت سی کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ، یا قرآن مجید کا ختم کرانے کے لیے اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ اور بدعت ہے۔ نیز چوں کہ اس قسم کے کھانے میں غریب امیر سب شامل ہوتے ہیں؛ اس لیے صاف ظاہر ہے کہ اس کھانے سے مقصود صدقہ اور خیرات نہیں ہے، ==

== ورنہ امرا کو صدقہ کھلانے کے کیا معنی؟ اور جب صدقہ مقصد نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا کھلانا اور جلسے کرنا محض ناموری اور شہرت وریا کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کا مکروہ اور بدعت ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امرا کی دعوت بطور ہدیہ کے ہوتی ہے اور فقرا کی بطور صدقہ کے صحیح نہیں؛ کیوں کہ کھانا کرنے والوں کو اس تفریق کا خیال نہیں ہوتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے؛ تاہم بقول علامہ ابن ہمام کے چوں کہ یہ دعوت غمی کی ہے؛ اس لیے غیر مشروع اور بدعت ہے۔ (**ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور وهي بدعة مستقبحة ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث، وبعد الأسبوع، ونقل الطعام الى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراء ة سورة الأنعام، والاخلاص، والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لا لأجل الأكل يكره، وفيها من كتاب الاستحسان، وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً آه. وأطال في ذلك في المعراج وقال هٰذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحتنز عنها، لأنهم لايريدون وجه الله تعالىٰ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت: ٢٤٠/٢، ط: سعيد**) اور رد المحتار شامی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ترکہ مشترکہ میں سے بغیر رضا جمیع ورثہ یہ مصارف ادا کرنا، بالخصوص جب کہ کوئی وارث نابالغ، یا غائب ہو نا جائز ہے اور جو کرے گا، وہ خود ضامن ہوگا۔

رسم نمبر (۷)

لوگ جنازے کے ساتھ تو جاتے ہیں؛ مگر جب نماز ہوتی ہے تو بہت سے اشخاص نماز میں شریک نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ جنازے کی نماز فرض کفایہ ہی تو ہے اور جب کچھ لوگوں نے پڑھ لی تو سب کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

حکم شرعی:

بیشک جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے اور کچھ لوگوں کے پڑھ لینے سے اور مسلمانوں کا فرض ساقط ہو جاتا ہے؛ لیکن اس خیال سے نماز سے علاحدہ رہنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ ان کے ذمہ اپنے مردہ بھائی کے حقوق میں سے اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کا حق بھی تو ہے۔ (**عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس تجب للمسلم علىٰ أخيه، رد السلام، وتشميت العاطس، وإجابة الدعوة وعيادة المريض، وإتباع الجنائز. (الصحيح لمسلم، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام: ٢١٣/٢، ط: قديمي**)

اور نماز جنازہ میں کثرت نمازیوں کی مستحسن ہے؛ (اس لیے کہ جتنے لوگ زیادہ ہوں گے مغفرت کی امید زیادہ ہوگی) (**عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قالت: ما من مسلم تصل عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في قبول شفاعة الأربعين الموحدين فيمن صلوا عليه: ٣٠٨/١، ط: قديمي**) اگر محض فرض ساقط ہو جانے کا خیال ہو تو پھر اس کے ساتھ جانے اور دفن کرنے کا فرض بھی تو ان کے ذمہ سے اس وجہ سے ساقط ہو گیا کہ اوروں نے جنازہ لے جا کر دفن کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اس کی نماز پڑھے اور پھر دفن تک اس کے ساتھ رہے اس کو دو قیراط ثواب ملے گا اور جو صرف نماز پڑھ کر لوٹ آئے اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا۔ (**عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه يرويه: من تبع جنازة، فصلىٰ عليها فله قيراط، ومن تبعها حتىٰ يفرغ منها فله قيراطان أصغرهما مثل أحد أو أحد هما مثل أحد. (أبو داود، كتاب الجنائز، باب فضل الصلوٰة على الميت وتشيعها: ٩٥/٢، طبع الحاج محمد سعيد**) پس جنازے کے ساتھ جا کر نماز میں شریک نہ ہونا اور جماعت سے علاحدہ رہنا ایک غیر مستحسن امر اور شان اسلام سے بعید ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ العاجز الاواہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ، ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ۔ (کفایت المفتی: ۱۴۱/۴-۱۶۲)

کورونا وائرس کی وجہ سے مرنے والے شخص کی تجہیز و تکفین سے متعلق مسائل:

بہ خدمت حضرات مفتیان کرام دارالعلوم دیو بند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ممبئی میونسپلٹی کی طرف سے کورونا وائرس کے مرض میں وفات پانے والے کے حوالے سے درج ذیل ہدایات جاری کی گئی ہیں، لاش کو مکمل طور پر پلاسٹک کے پیپر میں لپیٹ دیا جائے گا، لاش کو چھونے کی کسی اجازت نہ ہوگی، اسے جلایا جائے گا، اگر دفنانا ہو تو ایسی جگہ دفنانا ہوگا کہ اس کی وجہ سے رہائشی علاقہ متاثر نہ ہو۔ آخری رسومات کی ادائیگی میں پانچ آدمی سے زیادہ شامل نہ ہو سکیں گے، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات درپیش ہیں۔ شریعت کی روشنی میں ان کے جوابات دے کر ممنون فرمائیں:

(۱) اگر کوئی مسلمان اس مرض میں وفات پا جائے تو اسے غسل کیسے دیا جائے، جب کہ مرض اس نوعیت کا ہے کہ غسل دینے والے تک متعدی ہونے کا امکان قوی ہے، نیز حکومت کی طرف سے لاش کو چھونے کی سختی کے ساتھ ممانعت ہے؟

(۲) میت کو کفن کیسے پہنایا جائے گا؟ جب کہ لاش پلاسٹک میں لپیٹ کر ہسپتال سے دی جاتی ہے۔

(۳) جنازہ کو قبر میں کیسے اتارا جائے گا؛ کیوں کہ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جو آدمی جنازہ کو قبر میں اتارے گا، وہ بھی اس بیماری کا شکار ہو جائے گا؟

(۴) سرکار کا کہنا ہے کہ لاش کو دفن کرنے کی صورت میں مرض ماحول کو متاثر کر سکتا ہے؛ اس لیے دفن کے بجائے جلا دینا ہی بہتر ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ ازراہ کرم مفصل جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام

(مولانا محمد احمد دریابادی، حافظ اقبال چناوالا، معرفت عبدالرحمٰن اجمل قاسمی، ممبئی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامداً ومصلیاً ومسلماً، الجواب وباللہ التوفیق والعصمۃ

سوال میں جو تفصیل لکھی گئی ہے، اس کی صحت کی تقدیر پر جوابات لکھے جا رہے ہیں:

(۱) کسی مسلمان کے انتقال کر جانے پر اسے غسل دینا مسلمانوں پر فرض ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ہر ممکن کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وفات یافتہ شخص کو شریعت کے مطابق غسل دیا جائے، چاہے اس کے لیے جو بھی احتیاط پر مبنی تدابیر اختیار کرنا پڑے، اگر لاش ملنے کے بعد غسل دینا ممکن نہ ہو تو ہسپتال والوں کے ذریعے بھی غسل دلایا جا سکتا ہے، اگر مسلمان شخص غسل دینے کے لیے میسر نہ ہو تو ہسپتال کے غیر مسلم اسٹاف کے ذریعے بھی غسل دلایا جا سکتا ہے، نیز ہاتھ لگا کر غسل دینا مضر ہو تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی پائپ وغیرہ کے ذریعہ پانی بہا دیا جائے۔

غسل الميت حق واجب على الأحياء بالسنة وإجماعى الأمة، كذا فى النهاية، ولكن إذا قام به

البعض سقط عن الباقی، کذا فی الکافی...ویجرد المیت إذا أرید غسله وهذا مذهبنا، کذا فی الظهیریة. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۵۸، ط: زکریا)

(مستفاد): **ولو کان المیت متفسخا یتعذر مسحه کفی صب الماء علیه، الخ.** (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۵۸، ط: زکریا)

اگر طبی احتیاط پر مبنی پابندی کی بنا پر ڈاکٹروں کی طرف سے غسل دینے کی کسی طرح بھی اجازت نہ ہو تو پیکنگ سے پہلے ہی میت کو تیمّم کرادیا جائے، تیمّم کا طریقہ یہ ہوگا کہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ میت کے چہرے پر پھیرا جائے، پھر دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر میت کے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرا جائے، بس اتنا ہی کافی ہے۔ واضح رہے کہ بہ وقت مجبوری یہ کام ہاتھوں میں دستانہ وغیرہ لگا کر بھی کیا جاسکتا ہے۔

(مستفاد): **ماتت بین رجال أو هو بین نساء یممه المحرم فإن لم یکن فالأجنبی بخرقة وییمم الخنثی المشکل لو مراهقا وإلا فکغیره فیغسله الرجال والنساء (قوله: یممه المحرم، الخ) أی یمم المیت الأعم من الذکر والأنثی، کذا قوله فالأجنبی أی فالشخص الأجنبی الصادق بذلک وأفاد أن المحرم لا یحتاج إلی خرقة لأنه یجوز له مس أعضاء المیت بخلاف الأجنبی إلا إذا کان المیت أمة لأنها کالرجل، ثم اعلم أن هذا إذا لم یکن مع النساء رجل لا مسلم ولا کافر ولا صبیة صغیرة فلو معهن کافر علمته الغسل لأن نظر الجنس إلی الجنس أخف وإن لم یوافق فی الدین ولو معهن صبیة لم تبلغ حد الشهوة وأطاقت غسله علمتها غسله لأن حکم العورة غیر ثابت فی حقها وکذا فی المرأة تموت بین رجال معهم امرأة کافرة أو صبی غیر مشتهی کما بسطه فی البدائع.** (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳/۹٤، باب صلاة الجنازة، ط: زکریا)

(۲) کفن میں بھی ہونا یہی چاہیے کہ پلاسٹک اتا کر پہنایا جائے؛ لیکن احتیاط پر مبنی طبی پابندیوں کی بنا پر اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پلاسٹک کے اوپر سے ہی کفن پہنا دیا جائے، اگر عوام کو کفن پہنانے کی اجازت نہ ہو تو ہسپتال کا اسٹاف بھی کفن پہنا سکتا ہے، اگر مسلمان اسٹاف میسر نہ ہو تو غیر مسلم اسٹاف بھی یہ کام دے سکتا ہے، اگر الگ سے کفن پہنانے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو جو پلاسٹک پہنایا جاتا ہے، وہی کفن کا قائم مقام بن جائے گا۔

(۳) قبر میں اتارنا تو بہرحال ضروری ہے، اتارنے والوں کو چاہیے کہ اپنی بچاؤ کے لیے ڈاکٹروں کے مشوروں سے ممکنہ احتیاطی تدابیر اختیار کرلیں۔

(۴) کسی مسلمان مردے کو جلانا قطعاً جائز نہیں ہے، اسے دفن کرنا ہی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے اور یہی شریعت کا حکم بھی ہے، البتہ بہ وقت ضرورت تابوت میں رکھ کر بھی دفن کیا جاسکتا ہے۔

والكلام في الدفن في مواضع: في بيان وجوبه، وكيفة وجوبه، وفي بيان سنة الحفر والدفن ومايتصل بهما، أما الأول فالدليل على وجوبه توارث الناس من لدن آدم صلوات الله عليه إلى يومنا هذا مع النكير على تاركه وهذا دليل الوجوب إلا أن وجوبه على سبيل الكفاية حتى إذا قام به البعض سقط عن الباقين لحصول المقصود. (بدائع الصنائع: ۳۱۸/۱)

(ولابأس باتخاذ تابوت) ولومن حجر أو حديد (له عندالحاجة) كرخاوة الأرض ... (قوله: ولابأس باتخاذ تابوت، الخ) أي يرخص ذلك عندالحاجة وإلا كره كماقدمناه آنفا. (الدر المختار وحاشية ابن عابدين (ردالمحتار): ۱۴۰/۳، ط: زكريا)

(۵) میت پر نماز جنازہ ادا کرنا فرض کفایہ ہے، لہذا اگر صرف پانچ افراد بھی نماز جنازہ ادا کریں گے تو بھی فریضہ ادا ہوجائے گا۔ واضح رہے کہ نماز جنازہ کے وقت جنازے کا امام کے سامنے (خواہ کسی قدر دوری پر ہو) ہونا ضروری ہے۔

(وشرطها)... (إسلام الميت وطهارته)... و... حضوره (ووضعه) وكونه هو أو أكثره (أمام المصلي). (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۰۳/۳، ط: زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد اسداللہ غفرلہ، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، ۱۴۴۱/۸/۱۲ھ، ۲۰۲۰/۴/۷ء۔ الجواب صحیح: محمد احمد سلام، ۱۴۴۱/۸/۳ھ۔ الجواب صحیح: افضل الاسلام قاسمی، معین مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، نمبر: 178746)

☆☆☆

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پر بدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد/مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبھٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر و اشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش و دیگر مفتیان	شعبۂ نشر و اشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبدالحئی نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحئی نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادر ومراجع

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
	قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)		
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی	۸۶۴ھ
		جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۱)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۲)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۴)	کیف یجب علینا ان نفسر القرآن الکریم	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
	عقائد (مع شروحات)		
(۱۵)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۶)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۸)	أبوالمعین علی ہامش شرح العقائد	ابوالمعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل ۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۹)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۰)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۱)	مبدأومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ،نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۳)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۴)	موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۵)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۶)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۷)	کتاب الاٰثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۹)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۳۰)	مسند الشافعی بترتیب السندی	ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف	۲۰۴ھ
(۳۱)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	الشافعی القرشی المکی	
(۳۲)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۳)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۴)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۵)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۶)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۷،۳۸)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خوستی	۲۳۵ھ
(۳۹)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۴۰)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۱)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۲)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۳)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۵)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشافوری	۲۶۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۶)	أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه	ابوعبدالله محمد بن اسحاق بن العباس المكی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۷)	سنن ابن ماجه	حافظ ابوعبدالله محمد بن یزید بن ماجه الربعی القزوینی، ابن ماجه	۲۷۳ھ
(۴۸)	سنن ابوداؤد/ مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۹)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۱)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامه	۲۸۲ھ
(۵۲)	البدع	ابوعبدالله محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۳)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	السنة	ابوبکر بن أبي عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۵)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیدالله العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۶)	تعظیم قدر الصلاة	ابوعبدالله محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبدالله محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۸)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۹)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	عمل الیوم واللیلة	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۱)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۲)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبدالله بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۶۳)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۴)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۵)	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحٰق بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسا فوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	التوحید	محمد بن اسحٰق بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسا فوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۷)	السنة لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۸)	مسند السراج/ حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۹)	مستخرج ابوعوانه	ابوعوانه یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۷۰)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۲)	مکارم الأخلاق/ مساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۷۳)	مسندالشاشی	ابوسعیدالہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۴)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۵)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۶)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	مسندالشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۹)	عمل الیوم واللیلة	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۸۰)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۱)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	شرح مذاھب أھل السنة	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۳)	الإبانة الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطة	۳۸۷ھ
(۸۴)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۵)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ
(۸۶)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۷)	شرح أصول اعتقاد أھل السنة والجماعة	ابوالقاسم ھبة اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۸)	حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۹۰)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۱)	مسندالشھاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامة بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۲)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	معرفة السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۶)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیھقی	۴۵۸ھ
(۹۷)	جامع بیان العلم وفضله	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۸)	تفسیر غریب مافی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۹)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الھمدانی	۵۰۹ھ
(۱۰۰)	شرح السنة	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۰۱)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۲۵۵ھ
(۱۰۲)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۳)	کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۹۷۵ھ
(۱۰۴)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۵)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۶)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۷)	الجوھرالنقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المارديني ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۸)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۹)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۱۰)	البدرالمنیر رمختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۱۱)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۲)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۳)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۴)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۵)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۶)	المقاصدالحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۷)	الجامع الصغیر رالفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۸)	تنویرالحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۹)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۲۰)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۲۱)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

(۱۲۲)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۳)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۴)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۵)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیر ازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۶)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۷)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۸)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	--
(۱۲۹)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۰)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۱)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۲)	شرح المصابیح	محمد بن عز الدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور با بن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۳)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۴)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۵)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۶)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۷)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۸)	ارشاد الساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۹)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۴۰)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۴۱)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۲)	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۳)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۴)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۵)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۶)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۷)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۸)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۹)	مظاہر حق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۵۰)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۵۱)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۵۲)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۴)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۵)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۶)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۷)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۸)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۹)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۶۰)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انورشاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۱)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انورشاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۲)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۳)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۴)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۵)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۶)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۷)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۸)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۹)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۷۰)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

﴿سیرت وشمائل﴾

(۱۷۱)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۲)	سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۷۳)	لمواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۷۴)	شرح المواھب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ

﴿کتب فقہ احناف﴾

(۱۷۵)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۷۶)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۷)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۸)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۹)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۸۰)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۸۱)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۲)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۳)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۴)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۵)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۶)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۷)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۸)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۹)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۹۰)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۹۱)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۲)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۳)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۴)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۹۵)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۶)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۷)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۸)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۹)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۲۰۰)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۲۰۱)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۰۳)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۰۴)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۵)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۶)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۰۷)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۸)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۹)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۱۰)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۱)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۲)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبد اللطیف بن عبد العزیز	۸۰۱ھ
(۲۱۳)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۴)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۵)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۶)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۷)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۸)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۹)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملا خسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۲۰)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۲۱)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۲۲)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۳)	الصغیری / الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۴)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۲۵)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۶)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۷)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۸)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۲۹)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۳۰)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۳۱)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۲)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۳)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۴)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۵)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۶)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبو لی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۷)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۳۸)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۳۹)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (و جماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۴۰)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۱)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۲)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدوسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۳)	مالا بد منہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۴)	رد المحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۵)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۶)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۷)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۸)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۹)	رسالہ الاربعین	// // //	۱۲۶۲ھ
(۲۵۰)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
	ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۵۱)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۲)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جاراللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۳)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۵۴)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۵)	السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۵۶)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۷)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۸)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۳)	علم الفقہ	عبدالشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۴)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۲۶۵)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۲۶۶)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۶۷)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۶۸)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۶۹)	بہشتی گوہر بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۰)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۱)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۲)	تکمیل الحبور بسماع اہل القبور	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	۱۳۹۶ھ
(۲۷۳)	احکام میت	ڈاکٹر عبدالحئ صدیقی بن سید علی عباس صدیقی	۱۴۰۶ھ
(۲۷۴)	رکعات تراویح	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۱۴۱۳ھ
(۲۷۵)	نماز مسنون کلاں	مولانا عبدالحمید سواتی	۱۴۲۹ھ
(۲۷۶)	کتاب المسائل	مفتی سید سلمان منصورپوری	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

(۲۷۷)	المدونہ	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۷۸)	کتاب الام	ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۷۹)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۸۰)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۸۱)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۲۸۲)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۸۳)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۴)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۵)	المقنع ۔ الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۸۶)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۷)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۸۸)	شرح العباب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۹)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۰)	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ	عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابوالشیخ موسی الشعرانی الحنفی	۹۷۳ھ
(۲۹۱)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۹۲)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۹۳)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۹۴)	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین احمد بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی بن احمد الملیباری الہندی	۹۸۷ھ
(۲۹۵)	ہدایۃ السائل ۔ الانتقاد الرجیع ۔ بدور الاہلہ	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ الحسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ

فقہ مقارن

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۲۹۶)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۷)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفی زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۹۸)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

اصول فقہ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۲۹۹)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ
(۳۰۰)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۳۰۱)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۰۲)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۳۰۳)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۳۰۴)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۰۵)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۶)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۰۷)	نورالانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۰۸)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۹)	تنویر المنار (فارسی)	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۳۱۰)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۳۱۱)	فقہ السنۃ	مولانا محمد عاصم صاحب	--
		﴿تزکیہ واحسان﴾	
(۳۱۲)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۱۳)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
(۳۱۴)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۱۵)	الفتح الربانی	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۱۶)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۱۷)	الأذکار للنووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۱۸)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۱۹)	الزواجر عن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۲۰)	الاِنتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۱)	دلیل الواعظ اِلی أدلۃ المواعظ	شحاتۃ محمد صقر	--
(۳۲۲)	طریق القلندر	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
		﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾	
(۳۲۳)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۲۴)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۲۵)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۲۶)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۲۷)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابر الفاروقی الحنفی التہانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۲۸)	التعریفات الفقھیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۲۹)	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۳۰)	معجم لغۃ الفقہاء	محمد رواس قلعہ جی/حامد صادق قنیبی	مدظلہ
(۳۳۱)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	--
		﴿متفرقات﴾	
(۳۳۲)	کتاب الروح	ابن قیم، حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی الدمشقی	۷۵۱ھ
(۳۳۳)	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	جلال الدین أبوالفضل عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
(۳۳۴)	ماثبت من السنۃ/کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۳۵)	حجۃ اللہ البالغۃ/ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۳۶)	عجالۂ نافعہ/مفید المفتی	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
(۳۳۷)	فیوض قاسمی	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
(۳۳۸)	رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۳۳۹)	رسالہ اوثقی العریٰ	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۳۴۰)	جلی الصوت	مولانا احمد رضا خان بریلوی	۱۳۲۶
(۳۴۱)	رسالہ احسن القریٰ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۴۲)	ایضاح الادلۃ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۴۳)	رسائل ہفت مسائل/راہ سنت/دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۴۴)	رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات	مفتی کفایت اللہ دہلوی	۱۳۷۲ھ
(۳۴۵)	اوزان شرعیہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۴۶)	اختلاف امت اور صراط مستقیم	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	۱۴۰۹ھ
(۳۴۷)	آئینۂ نماز	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۱۴۲۰ھ
(۳۴۸)	حقیقت شیعہ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی	--
(۳۴۹)	آسان فقہ	محمد یوسف صاحب اصلاحی	--
(۳۵۴)	مسائل سجدۂ سہو	مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی	مدظلہ
(۳۵۵)	رسالہ رکن دین اردو	مولوی رکن الدین الوری	--
(۳۵۶)	سیرت حلبیہ اردو	مولانا اسلم قاسمی	۱۴۴۰ھ
(۳۵۷)	رعایۃ البیئۃ فی شریعۃ الإسلام	شیخ یوسف القرضاوی	مدظلہ

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۱۷'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)